تاریخِ اسلام

خلافتِ عبّاسیہ

تالیف

شاہ معین الدّین احمد ندوی

مکتبہ اسلامیہ

تاریخِ اسلام
خلافتِ عبّاسیہ
حصّہ چہارم
تالیف
شاہ معین الدین احمد ندوی
www.KitaboSunnat.com
مکتبہ اسلامیہ

فہرست

دیباچہ طبع اول

یہ جلد تاریخ اسلام کا چوتھا اور تاریخ بنی عباس کا دوسرا حصہ ہے۔ اس کے پہلے حصہ میں خلافت عباسیہ کے قیام سے لے کر متقی باللہ (۳۲۹ھ تا ۳۳۳ھ) تک دو صدیوں کے حالات تھے۔ اس میں اس کے بعد سے خلافت بغداد کے خاتمہ ۶۵۶ھ تک چار صدیوں کی تاریخ ہے۔ یہ دور تمام تر خلافت عباسیہ کے زوال اور دوسری نئی نئی حکومتوں کے قیام اور خلافت بغداد میں ان کے تسلط و اقتدار کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس دور میں خلافت کا سارا نظم و نسق دیالمہ اور ان کے بعد سلجوقیوں کے ہاتھوں میں چلا گیا تھا۔ خلفا کے اختیارات بہت کم رہ گئے تھے اور آخر زمانہ میں ان کی حیثیت محض ایک وظیفہ خوار کی ہوگئی تھی۔ خلافت عباسیہ کے خاتمہ سے کچھ دنوں پہلے بعض خلفا ضرور ایسے پیدا ہوئے' جنہوں نے خلافت کو سلجوقیوں کے استبداد سے چھڑایا اور دولت عباسیہ کے رقبہ میں بھی جو اس زمانہ میں بغداد اور آس پاس کے چند اضلاع تک محدود ہو گیا تھا' کچھ اضافہ کیا اور ایک حد تک انہوں نے خلافت بغداد کا کھویا ہوا وقار دوبارہ قائم کر دیا' لیکن یہ اس چراغ سحری کا آخری سنبھالا تھا۔ اس کے بعد ہی تاتاریوں کا طوفان اٹھا جس نے عباسی خلافت کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل کر دیا۔

یہ تاریخ اسلام کا قابل ذکر واقعہ ہے کہ جو زمانہ عباسیوں کے زوال کا تھا' وہی دنیائے اسلام کے عروج و ترقی کا تھا۔ ایک حکومت کے زوال کے ساتھ ہی دوسری نئی طاقت اس کی جگہ لے لیتی تھی اور نئی نئی حکومتوں کے قیام و ترقی کا ایک سلسلہ قائم تھا' چنانچہ دیلمی' غزنوی' سلجوقی' اتابکی' ایوبی اور خوارزمی وغیرہ اس زمانہ کی بڑی بڑی حکومتیں اس دور میں قائم ہوئیں۔ دیلمی و سلجوقی خاندان خلافت بغداد کے متولی تھے اور اس کا سارا نظام ان ہی کے ہاتھوں میں تھا اور اس دور کی تاریخ خلافت ان ہی دونوں حکومتوں کے حالات سے عبارت ہے۔ اس لیے دولت عباسیہ کے ضمن میں ان کی اجمالی تاریخ آ گئی ہے۔ اتابکی اور ایوبی حکومتوں کو اگرچہ براہ راست خلافت بغداد سے کوئی تعلق نہ تھا' لیکن یہ دونوں خاندان جنگ صلیبی کے ہیرو تھے' جو تاریخ اسلام کا نہایت مہتم بالشان واقعہ ہے۔ اس لیے جنگ صلیبی کے سلسلے میں ان کے مجاہدانہ کارناموں کے ضروری حالات بھی آ گئے ہیں۔

ان کے علاوہ اور بہت سی چھوٹی بڑی حکومتوں کے ان حالات کا بھی مختصر تذکرہ ہے' جن کا تعلق خلافت بغداد یا اس زمانہ کے دنیائے اسلام کے اہم حوادث سے تھا۔ اس طرح یہ کتاب خلافت بغداد کے ساتھ اس زمانہ کی مشرق کی بڑی بڑی حکومتوں کے اہم حالات و کوائف کی بھی اجمالی تاریخ بن گئی

ہے اور اس کے مطالعہ سے دنیائے اسلام خصوصاً مشرق کے چار صدیوں کے سیاسی مدوجزر کا نقشہ سامنے آ جاتا ہے لیکن تاریخ اسلام میں ان حکومتوں کے مستقل حالات لکھے جائیں گے۔ اس لیے ان کی تفصیل سے گریز کیا گیا ہے۔ ہر حکومت کے حال میں حتی الامکان مستند ترین عربی و فارسی ماخذوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس کا اندازہ کتاب کے حوالوں سے ہوگا۔

اس جلد پر عباسی خلافت کی سیاسی تاریخ ختم ہوگئی' آئندہ تیسری جلد اس کے علمی و تمدنی حالات پر مشتمل ہوگی جو اس حکومت کا اصلی کارنامہ ہے' لیکن ابھی یہ حصہ زیر تالیف ہے' اور اس کی تکمیل میں کچھ عرصہ لگے گا' اس لئے اس کے بعد کے جو حصے تیار ہیں ان کی اشاعت کا سلسلہ جاری رہے گا۔

فقیر معین الدین احمد ندوی

دار المصنفین اعظم گڑھ

۶ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۲ دسمبر ۱۹۴۵ء

دیباچہ طبع دوم

سلسلہ تاریخ اسلام کو اللہ تعالیٰ نے بڑا حسن قبول عطا فرمایا۔ مختلف یونیورسٹیوں نے اس کو اسلامی تاریخ اور اسلامی تہذیب وثقافت کے نصاب میں داخل کیا۔ بعض نے اس کو مطالعہ کی کتابوں میں رکھا۔ خود تاریخ اسلام کے طلبہ سہولت کے خیال سے اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ تاریخ اسلام کے نئے مصنفین نے اس کی مدد سے مختصرات مرتب کیے۔ اس لیے چند سال کے عرصے میں اس کے ابتدائی حصوں کے کئی ایڈیشن نکل گئے اور ہر ایڈیشن میں کچھ نہ کچھ اضافے کیے گئے۔ چوتھے حصہ کا دوسرا ایڈیشن اب شائع ہو رہا ہے۔ اس میں بھی جابجا ترمیمیں کی گئی ہیں اور کتاب کے آخر میں عباسیوں کے تمدن کا حصہ نیا اضافہ ہے' جو اردو میں تاریخی استناد کے ساتھ عباسی تمدن پر بالکل نئی چیز ہے جس سے امید ہے کہ اسلامک کلچر کے طلبہ کو بہت فائدہ پہنچے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو ان کے لیے نافع بنائے۔

فقیر معین الدین احمد ندوی

۷ جمادی الاول ۱۳۷۳ھ

بمطابق ۱۴ جنوری ۱۹۵۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حصہ چہارم

ابوالقاسم عبداللہ بن مکتفی باللہ الملقب بہ مستکفی باللہ

(۳۳۳ھ تا ۳۳۴ھ مطابق ۹۴۴ء تا ۹۴۵ء)

گزشتہ خلفا کے ساتھ بدسلوکی کی بنا پر ترک اور دیالمہ کو ان کی اولادوں پر اعتماد نہ رہ گیا تھا۔ اس لئے ایک خلیفہ کی معزولی کے بعد دوسرے خلیفہ کے انتخاب کے وقت دشواری پیش آتی تھی۔ اس لئے متقی کی معزولی سے قبل ہی تورون نے مکتفی باللہ کے ایک لڑکے ابوالقاسم عبداللہ کو جو ان کے نزدیک ان کے اغراض کے مطابق تھا' ڈھونڈ نکالا تھا اور اسے اپنے ساتھ سندیہ لیتا گیا تھا' چنانچہ متقی کی معزولی کے بعد سندیہ ہی میں اس کے ہاتھوں پر بیعت کی اور نابینا متقی سے بھی اس کی بیعت لی اور صفر ۳۳۳ھ میں وہ تخت نشین ہوا۔ اس وقت اس کا اکتالیسواں سال تھا۔ نابینا متقی کو قید میں ڈال دیا گیا۔ اٹھارہ سال قید میں بسر کرنے کے بعد ۳۵۰ھ میں اس نے وفات پائی۔

ایک اور نابینا خلیفہ قاہر باللہ بغداد میں تھا۔ اس کو متقی کے اندھا کئے جانے کی اطلاع ملی تو اس نے یہ ظریفانہ مگر سبق آموز فقرہ کہا ''اب ہم دو اندھوں کے لئے ایک تیسرے رفیق کی ضرورت ہے۔'' یہ ظرافت مستکفی کی معزولی کے وقت واقعہ ثابت ہوئی۔ [1]

واسط پر معزالدولہ کا قبضہ اور اس کا اخراج

تخت خلافت پر بیٹھنے کے بعد فریب خوردہ مستکفی نے تورون کو خلعت اور تاج پہنایا اور ابوالفرج محمد بن علی سامری کو وزیر بنایا' لیکن وہ محض نام کا وزیر تھا۔ حکومت کے جملہ فرائض تورون کا کاتب ابن شیرزاد انجام دیتا تھا۔ مستکفی کو خلیفہ بنانے میں حرم شاہی کی ایک قہرمانہ علم کا مشورہ بھی شریک تھا، اس لئے مستکفی کے دور میں وہ بھی خلافت پر بہت حاوی ہوگئی۔

[1] تاریخ الخلفاء ص ۴۸۷۔

اوپر یہ معلوم ہو گیا ہے کہ معزالدولہ دیلمی عرصے سے خوزستان پر قبضہ کی کوشش کر رہا تھا' چنانچہ رجب ۳۳۳ھ میں وہ اس مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ تورون خود مستکفی کو لے کر اس کے مقابلہ کے لئے نکلا۔ اسے دیکھ کر معزالدولہ نے واسط چھوڑ دیا اور تورون اس کو ابوالقاسم بریدی کے ٹھیکہ میں دے کر بغداد لوٹ گیا۔

ناصر الدولہ کی بغاوت اور مصالحت

ناصرالدولہ حمدانی والی موصل نے اس طرف پھر خراج بھیجنا بند کر دیا تھا۔ اس لئے واسط کو چھڑانے کے بعد تورون مستکفی کو لے کر موصل گیا' لیکن تورون کے کاتب ابن شیرزاد نے دونوں میں صلح کرا دی۔ جنگ کی نوبت نہیں آئی اور ناصرالدولہ نے خراج ادا کر دیا۔

ابوالحسین بریدی کا قتل

اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ عبداللہ بن بریدی کے بعد اس کا بھائی ابوالحسین جانشین ہوا تھا' فوج نے اسے ہٹا کر اس کے بھتیجے ابوالقاسم کو حاکم بنا لیا تھا۔ ابوالحسین نے معزولی کے بعد قرامطہ کی مدد سے پھر اپنی جگہ حاصل کرنے کی کوشش کی تھی' لیکن جب اس میں بھی اس کو کامیابی نہ ہوئی تو براہ راست بارگاہ خلافت سے کوشش کرنے کے لئے بغداد گیا اور تورون سے درخواست کی کہ اگر وہ اسے بصرہ کی حکومت دلوا دے تو اس کے معاوضے میں ایک بڑی رقم پیش کرے گا۔ تورون نے اسے مستکفی سے ملا کر کوشش کی اس نے وعدہ بھی کر لیا' لیکن عین وقت پر ابوالقاسم کو خبر ہو گئی۔ اس نے چند بااثر اشخاص کے ذریعہ ابوالحسین کی رقم سے بڑی پیشکش تورون کے پاس بھجوا دی اور ابوالحسین کو ناکامی ہوئی۔ اس ناکامی میں ابن شیرزاد کا بھی ہاتھ تھا۔ اس لئے ابوالحسین نے اسے اس کے منصب سے گرانے کی سازش کی' لیکن یہ راز قبل از وقت فاش ہو گیا اور ابن شیرزاد نے اسے تورون کے ذریعہ گرفتار کرا لیا۔ اتفاق سے ایک معاملہ میں علما اس کے قتل کا فیصلہ دے چکے تھے۔ ابن شیرزاد نے اسے مستکفی کے سامنے پیش کر کے قتل کرا دیا۔ [1]

تورون کی موت اور ابن شیرزاد کی امیر الامرائی

۳۳۴ھ میں امیر الامرا تورون کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت اس کا نائب ابن شیرزاد ہیت میں تھا۔ یہیں اس کو تورون کی موت کی خبر ملی۔ عراق میں سب سے بڑا امیر ناصرالدولہ والی موصل تھا۔ اس

[1] تجارب الامم ج ۶' ص ۷۹ ۔ ۸۰ ملخصاً۔

لئے تورون کی جگہ پر کرنے کے لئے ابن شیرزاد کی نگاہ ناصر الدولہ کی طرف اٹھی' لیکن فوج نے اس کی مخالفت کی اور خود ابن شیرزاد کو اپنا امیر بنا کر ترکی اور دیلمی امرا اور مستکفی سے اس کی تصدیق کرائی۔ اس نے ابن شیرزاد کو امیر الامرائی کا منصب عطا کر دیا۔

ابن شیرزاد کو یہ جلیل القدر منصب فوج نے دلایا تھا۔ اس کے صلہ میں اس نے ان کی تنخواہوں اور مناصب میں غیر معمولی اضافہ کر دیا' لیکن بغداد کا خزانہ بالکل خالی تھا۔ ابن شیرزاد نے مختلف ذریعوں سے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی۔ ناصر الدولہ سے ایک بڑی رقم اور سامان رسد منگوایا۔ عمال حکومت' کاتبوں اور تاجروں سے روپیہ وصول کیا۔ جب ان ذرائع سے بھی کمی پوری نہ ہو سکی تو رعایا کی جیبوں کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ٹیکسوں میں اضافہ کر دیا۔ اس سے بغداد میں بڑی شورش اور دن دہاڑے لوٹ مار شروع ہو گئی۔ تاجروں نے بغداد چھوڑ دیا اور سارے شہر میں ایک عام بدامنی پھیل گئی۔

معزالدولہ دیلمی والی فارس کی قوت اس وقت بہت بڑھ چکی تھی۔ اس کی نگاہ عرصہ سے بغداد کی حکومت کے لئے اٹھ رہی تھی۔ بغداد کے ہنگاموں نے اس کے لئے موقع پیدا کر دیا۔ اس کی خوش قسمتی سے ابن شیرزاد کا ایک ممتاز عہدہ دار ینال کوشہ والی واسط اس سے مل گیا' اور اس کو بغداد پر فوج کشی کی دعوت دی۔ یہ فخر الدولہ کی دیرینہ آرزو تھی۔ اس لئے وہ فوراً آمادہ ہو گیا۔ ادھر ابن شیرزاد کا یہ حال تھا کہ وہ بغداد کے انقلاب کو روکنے سے عاجز آ چکا تھا۔ اس پر مستزاد یہ ہوا کہ ترکی اور دیلمی فوجیں بھی ہنگامہ میں شریک ہو گئیں اور بغداد میں معزالدولہ کو کوئی طاقت روکنے والی باقی نہ رہی۔ اس لئے اس کا معتمد علیہ امیر عبداللہ ہاشمی مع دیلمی فوجوں کے آسانی کے ساتھ بغداد میں داخل ہو گیا اور ابن شیرزاد کو مع مستکفی کے روپوش ہو جانا پڑا۔

معزالدولہ دیلمی کا بغداد میں داخلہ اور دیالمہ کا آغاز

مستکفی بالکل بے بس اور ہر غالب امیر کی پذیرائی کے لئے مجبور تھا۔ اس لئے بنی بویہ کا بھی اس نے خیر مقدم کیا اور ابوعبداللہ ہاشمی سے اپنی روپوشی کی صفائی میں کہا میں معزالدولہ کے فائدہ کے لئے چھپا تھا تاکہ ترکی فوجیں منتشر ہو جائیں اور معزالدولہ کو بغداد کے داخلہ میں دشواری نہ پیش آئے۔ اس کے بعد جمادی الاول ۳۳۴ھ میں معزالدولہ بھی بغداد پہنچ گیا اور مستکفی کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی بیعت کی اور عمائد و ارکان سلطنت کے روبرو دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ وفاداری کا عہد و پیمان کیا۔ مستکفی نے ابوالحسین (معزالدولہ) اور اس کے دونوں بھائیوں ابوالحسن اور ابوعلی کو معزالدولہ' عمادالدولہ اور رکن الدولہ کے لقب سے نوازا۔ [1] اور سکوں پر ان کے نقش کرنے کا

[1] تینوں بھائیوں کو یہ خطابات خلافت عباسیہ کی تولیت کے بعد ملے۔

حکم دیا۔ معزالدولہ نے مستکفی سے ابن شیرزاد کی خطا معاف کرا کے اپنا کاتب بنایا۔

بنی بویہ شیعہ تھے۔ ان کو نہ بنی عباس سے کوئی ہمدردی تھی اور نہ ان کے دلوں میں خلفا کا احترام تھا۔ ان کے پیشرو بھی اگرچہ مستبد تھے' لیکن انہوں نے کسی نہ کسی حد تک خلفا کا احترام قائم رکھا تھا۔ اس لئے دیالمہ کی تولیت خلافت کے بعد خلفا کی رہی سہی وقعت بھی جاتی رہی اور معزالدولہ نے مستکفی کے حقوق و اختیارات سلب کر کے اس کے گذارہ کے لئے پانچ ہزار ماہانہ اور تھوڑی سی جاگیر مقرر کر دی اور اس کو حکومت کے نظم و نسق سے بالکل الگ کر دیا۔ صرف خطبہ میں خلیفہ کا نام لیا جاتا تھا یا بعض احکام و فرامین اس کے نام سے رسماً جاری ہوتے تھے۔

مستکفی کی معزولی

دیالمہ کے اقتدار اور استبداد کے نتائج چند ہی دنوں میں نکلنے لگے اور مستکفی کو تاج و تخت سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ حرم سلطانی کی قہرمانہ علم تورون کے زمانہ سے حکومت میں دخیل ہو گئی تھی۔ اس نے ترک اور دیلمی افسروں کی دعوت کی۔ معزالدولہ کو یہ شبہ ہوا کہ اس دعوت کا مقصد یہ ہے کہ ان افسروں سے مستکفی کی بیعت لے کر ان کے ذریعہ اس کو بغداد سے نکال دیا جائے۔ اس شبہ پر وہ مستکفی سے بدگمان اور اس کی معزولی کے درپے ہو گیا اور ایک دن جب کہ ایک قاصد مستکفی کے حضور میں باریاب ہو رہا تھا، دو دیلمیوں نے جنہیں معزالدولہ نے پہلے سے مقرر کر دیا تھا، مستکفی کے ہاتھوں کی طرف ہاتھ بڑھایا وہ سمجھا دست بوسی کرنا چاہتے ہیں' اس لئے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ انہوں نے ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ کر تخت سے نیچے گرا دیا اور گھسیٹتے ہوئے معزالدولہ کے فرودگاہ پر لا کر قید کر دیا اور علم قہرمانہ کو گرفتار کر کے اس کی زبان کاٹ ڈالی اور دارالخلافہ کا کل سامان لوٹ لیا۔ اس افسوسناک طریقہ سے کل ایک سال چار مہینہ کی خلافت کے بعد مستکفی کی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔ [1]

ان واقعات کے بعد مستکفی کے دور تنزل و انحطاط کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ بنی بویہ خلافت عباسیہ کے حاکم مطلق تھے اور مستکفی کی حیثیت ایک وظیفہ خوار سے زیادہ نہ تھی۔ معزالدولہ دربار میں اس کے پہلو بہ پہلو بیٹھتا تھا، جس کی جرأت اب تک کسی نے نہ کی تھی۔

[1] ابن اثیر ج ۸ ص ۴۰۶۔

ابو القاسم فضل بن مقتدر الملقب بہ مطیع للہ

(۳۳۴ھ تا ۳۶۳ھ مطابق ۹۴۵ء تا ۹۷۴ء)

یہ پہلے ہی کہا جا چکا ہے کہ بنی بویہ شیعہ تھے۔ وہ بنی عباس کو غاصب اور اہل بیت نبوی (ﷺ) کو خلافت کا اصلی مستحق سمجھتے تھے۔ اس لئے مستکفی کو معزول کرنے کے بعد معز الدولہ نے عباسی خلافت کو ختم کر کے علوی خلافت قائم کرنے کا ارادہ کیا اور اس بارہ میں اپنے مشیروں سے مشورہ طلب کیا۔ یہ سب شیعہ تھے۔ اس لئے قریب قریب کل مشیروں نے اس کی تائید کی' لیکن بعض عاقبت اندیش اشخاص نے جن کے پیش نظر عقیدت سے زیادہ سیاسی مصالح تھے' مخالفت کی اور کہا کہ بنی فاطمہ کو خلیفہ بنانے کے بعد خلافت آپ کے اثر سے نکل جائے گی۔ بنی عباس کو آپ کی جماعت غاصب سمجھتی ہے اور ان کے ساتھ ان کو کسی قسم کی مذہبی عقیدت نہیں ہے۔ اس لئے آپ جب اور جس وقت چاہیں' عباسی خلفا کو ان کی مدد سے معزول اور قتل کر سکتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں علویوں کے ساتھ ان کو مذہبی عقیدت ہے۔ اس لئے کسی علوی کو خلیفہ بنانے کے بعد پھر اس کے خلاف کسی حالت میں کوئی کارروائی نہ ہو سکے گی۔ معز الدولہ گو شیعہ تھا' لیکن عقیدت کی بارگاہ میں حکومت اور جاہ و منصب کی نذر پیش کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس نے یہ مشورہ قبول کر لیا اور علوی حکومت قائم کرنے کا خیال ترک کر دیا۔ [1]

عباسی خاندان میں خلیفہ مقتدر کا لڑکا فضل عرصہ سے خلافت کا متمنی تھا اور متقی کے بعد مستکفی کے مقابلہ میں ایک مرتبہ اس کے حصول کی کوشش بھی کر چکا تھا' لیکن کامیاب نہ ہوا تھا۔ اس لئے مستکفی کے زمانہ بھر وہ اس کے خوف سے روپوش رہا۔ اس کی معزولی کے بعد معز الدولہ نے اسے تلاش کر کے خلیفہ بنایا اور جمادی الثانی ۳۳۴ھ میں وہ تخت نشین ہوا اور مطیع للہ لقب اختیار کیا۔ یہ ایک کنیز مشغلہ کے بطن سے تھا۔ تخت نشینی کے وقت ۳۴ سال کی عمر تھی۔

مطیع کی بیعت کے وقت مظلوم مستکفی سے باقاعدہ خلافت سے دست برداری کرا کے اس سے مطیع کی بیعت لی گئی اور اس کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر کر اس کو اندھا کیا گیا اور قاہر کی یہ پیشگوئی پوری ہوگئی کہ ہم دو اندھوں (قاہر اور متقی) کے لئے ایک تیسرے رفیق کی ضرورت ہے۔ اس کے لکھنے کی ضرورت نہیں کہ مطیع صرف نام کے لئے خلیفہ تھا۔ اسے حکومت سے کوئی سروکار نہ تھا۔ دیالمہ نے اس کا وظیفہ پانچ ہزار ماہوار سے گھٹا کر کل ایک سو دینار یومیہ یعنی تین ہزار کر دیا۔

---

[1] ابن اثیر ج ۸' ص ۱۴۹۔

جاگیروں پر فوجوں کا قبضہ اور محکمہ خراج کا تعطل

حکومت کا خزانہ عرصہ سے خالی چلا آ رہا تھا۔ بنی بویہ کے زمانہ میں بھی یہ صورت قائم رہی۔ روپے کے لئے فوجوں کا مطالبہ بھی جاری تھا۔ اس لئے معزالدولہ نے پہلے عام رعایا کے مال پر ہاتھ ڈالا۔ جب اس سے بھی فوجوں کا مطالبہ پورا نہ ہو سکا تو خالصہ شاہی اور امرا کی جاگیریں فوجی افسروں کے حوالے کر دیں اور محکمہ خراج بند ہو گیا۔

بغداد کے مسلسل انقلابات اور شورش کی وجہ سے ان جاگیروں کی حالت نہایت ابتر تھی۔ زراعت تباہ ہو گئی تھی۔ پیداوار گھٹ گئی تھی مواضعات اجڑ گئے تھے۔ ان میں سے جن کی حالت نسبتاً کچھ بہتر تھی، انہیں افسروں نے اپنے لئے چن لیا تھا۔

ان کی توجہ سے ان کی حالت کسی قدر سنبھل گئی اور ان کے محاصل میں بھی اضافہ ہو گیا' لیکن اب ان کی واپسی معزالدولہ کے بس سے باہر ہو گئی۔

چونکہ اچھے اور زرخیز علاقے بڑے افسروں نے اپنے لئے چن لئے تھے اور خراب علاقے معمولی سپاہیوں کے حصے میں پڑے تھے جن کی حالت یوں ہی ابتر تھی۔ فوجی ان کی دیکھ بھال بھی نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے وہ اور زیادہ ویران ہو گئے اور ان کی پیداوار بہت گھٹ گئی۔ اس کے باوجود فوجی سپاہی کسانوں سے بڑی سختی سے محاصل وصول کرتے تھے۔ اس سے کسانوں کی حالت بہت خراب ہو گئی۔ فوجی علیحدہ خسارہ دکھاتے تھے۔ یہ صورت دیکھ کر معزالدولہ نے نگرانی کے لئے اپنے خاص آدمی مقرر کئے' لیکن یہ لوگ اولاً خود طمع میں پھنس گئے اور فوجی بھی انہیں پورا انتظام نہ کرنے دیتے تھے۔ جو شخص اس صورت حال کی اصلاح کرنا چاہتا اس کے وہ دشمن ہو جاتے۔ اس لئے کوئی اصلاح نہ ہو سکی اور محاصل کی آمدنی بالکل گھٹ گئی۔ معزالدولہ نے یہ جاگیریں ترکی فوج کو دی تھیں۔ اس لئے دیلمی الگ برہم ہو گئے اور ایک عام بدنظمی پیدا ہو گئی۔ [1]

بنی بویہ اور آل حمدان کی لڑائیاں اور مصالحت

بنی بویہ کے تسلط کے بعد بھی گو عباسی خلافت کئی صدیوں تک قائم رہی' لیکن اس کی اصل تاریخ بنی بویہ کے زمانہ سے ختم ہو جاتی ہے اور خود بنی بویہ کی تاریخ کا دور شروع ہوتا ہے، جن کی خود عظیم الشان تمدنی اور سیاسی تاریخ ہے' لیکن اس کو براہ راست عباسی حکومت سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ اس لئے ہم اس کی

[1] ابن اثیر ج ۸' ص ۱۵۰۔

تفصیل میں نہ پڑیں گے اور صرف انہی حالات پر اکتفا کریں گے جن کو دولت عباسیہ سے تعلق ہو۔

خلافت بغداد پر بنی بویہ کے تسلط کے وقت عراق میں دو بڑی طاقتیں تھیں۔ ایک موصل کا حمدانی عرب خاندان' دوسری بصرہ کی بریدی حکومت۔ معزالدولہ کے زمانہ میں دو نئی طاقتیں اور ابھریں۔ بطیحہ میں شاہینی ریاست کی بنیاد پڑی اور عمان میں یہاں کے والی یوسف بن وجیہ نے طاقت پکڑی۔ معزالدولہ کو انہی چاروں سے نمٹنا پڑا اور اس سلسلے میں بڑے بڑے معرکے پیش آئے۔ ان میں سے صرف وہی واقعات لئے جائیں گے جن کا تعلق خلافت بغداد سے ہوگا۔

بنی بویہ اور بنی حمدان کی کشمکش

بنی بویہ کے سب سے بڑے حریف بنی حمدان تھے۔ ان دونوں میں پرانی چشمک چلی آتی تھی۔ حمدانی نسلاً عرب اور مذہباً سنی تھے اور بنی بویہ عجمی اور شیعہ۔ اس لئے خلافت بغداد پر ان کے قبضے کے بعد ان کے ساتھ بنی حمدان کی مخالفت اور زیادہ تیز ہوگئی اور مستکفی کے ساتھ بنی بویہ کی بدسلوکی سے ان میں بڑا جوش پیدا ہوگیا۔ ناصرالدولہ نے اس کا انتقام لینے کے لئے بغداد پر فوج کشی کر دی۔ معزالدولہ نے دو سمتوں سے ان کے روکنے کا انتظام کیا۔ ایک سمت فوجیں روانہ کیں' دوسری سمت سے خود بڑھا۔ لیکن ناصرالدولہ معزالدولہ کی بھیجی ہوئی فوجوں کو پسپا کر کے بغداد پہنچ گیا اور اس کے مشرقی حصہ میں اترا۔ معزالدولہ اس وقت تکریت تک پہنچا تھا۔ ناصرالدولہ کے بغداد پہنچنے کی خبر سن کر فوراً واپس آیا۔ اور مغربی حصے میں خیمہ زن ہوا۔ ناصرالدولہ نے ناکہ بندی کر کے اس کا سامان رسد رکوا دیا اور مطیع کا نام خطبہ سے خارج کر کے اپنے حدود میں اس کا سکہ منسوخ کر دیا۔ سامان رسد کے رک جانے کی وجہ سے معزالدولہ کی فوج میں سخت قحط پڑ گیا اور اس کو ایسی دشواری کا سامنا ہوا کہ ہمت چھوڑ کر بھاگ جانا چاہا' لیکن اس کی قسمت یاور تھی۔ ایک جنگی تدبیر کارگر ہوگئی' جس سے ناصرالدولہ شکست کھا گیا۔ اس کا کل سامان دیالمہ نے لوٹ لیا اور محرم ۳۳۵ھ میں بغداد پر دوبارہ معزالدولہ کا قبضہ ہوگیا' پھر اسی سنہ میں دونوں میں صلح ہوگئی' لیکن یہ صلح عارضی تھی اور دونوں کے درمیان مدتوں جنگ و صلح اور فتح و شکست کا سلسلہ قائم رہا۔ معزالدولہ نے کئی مرتبہ موصل پر قبضہ کر لیا۔ ایک مرتبہ ۳۴۵ھ میں ناصرالدولہ بغداد پر چڑھ آیا' لیکن فریقین میں سے کوئی ایک دوسرے کو زیر نہ کر سکا اور کئی سال کی مسلسل خونریز لڑائیوں کے بعد ۳۵۴ھ دونوں میں پھر صلح ہوگئی۔ [1]

ابوالقاسم بریدی کی بغاوت اور اس کا خاتمہ

[1] ان لڑائیوں کی تفصیل بہت طویل ہے۔ ہم نے صرف آخری نتیجہ لکھا ہے۔

دوسرا مخالف ابوالقاسم بن بریدی والی بصرہ تھا۔ ۳۳۵ھ میں اس نے دیالمہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ معزالدولہ نے پہلے فوجیں بھیج کر اسے شکست دی اور اس کے بہت سے ممتاز آدمی گرفتار ہوئے' پھر معزالدولہ نے اس کے کامل استیصال کے لئے مطیع کو ساتھ لے کر ۳۳۶ھ میں ابوالقاسم کے دارالحکومت بصرہ پر فوج کشی کی۔ مطیع کو دیکھ کر ابن بریدی کی فوجیں معزالدولہ سے مل گئیں اور اس نے آسانی کے ساتھ بصرہ پر قبضہ کر لیا۔ بصرہ پر قبضہ سے ابن بریدی کی قوت ہمیشہ کے لئے ٹوٹ گئی۔

بطیحہ میں شاہینی حکومت کا قیام

۳۳۸ھ میں ایک شخص عمران بن شاہین نے بطیحہ میں ایک ریاست قائم کر لی۔ [1] یہ جامدہ کا ایک معمولی ماہی گیر تھا' لیکن آدمی جری اور حوصلہ مند تھا۔ ایک مرتبہ جامدہ کے علاقہ کے سرکاری محاصل وصول کر لئے اور گرفتاری کے خوف سے بطیحہ بھاگ گیا۔ یہاں آکر اس نے ڈاکہ زنی شروع کر دی۔ بہت سے ڈاکو اور لٹیرے اس کے ساتھ ہو گئے اور چند دنوں میں اس کا خاصا جتھہ بن گیا' لیکن اس کے دل میں برابر حکومت کی جانب سے خطرہ لگا ہوا تھا۔ اس لئے معزالدولہ کے مخالف ابوالقاسم بریدی سے مل گیا۔ [2] اور چند دنوں میں اپنی قوت بڑھا کر بطیحہ کے علاقہ پر قابض ہو گیا۔ اس وقت معزالدولہ کو اس کی جانب توجہ کرنی پڑی۔ اس نے کئی مہمیں اس کے مقابلے میں بھیجیں۔ بعض معرکوں میں عمران کو شکست بھی ہوئی' لیکن اس پر قابو نہ حاصل ہو سکا اور وہ برابر مقابلہ کے لئے اٹھتا۔ معزالدولہ کی فوجوں کو شکست دیتا رہا۔ آخر میں معزالدولہ کو مجبور ہو کر عمران سے صلح کر کے اسے بطیحہ کا حاکم بنا دینا پڑا' لیکن اس کے بعد بھی وہ مخالفت سے باز نہ آیا اور ایک مرتبہ اہواز کا خراج جو دارالخلافہ جا رہا تھا' چھین لیا۔ اس لئے معزالدولہ نے پھر اس پر فوج کشی کی' لیکن عین وقت پر بیمار پڑ گیا اور یہ مہم ناتمام رہ گئی۔ اس کے بعد پھر اس کو اپنی زندگی میں موقع نہ مل سکا اور بطیحہ میں عمران بن شاہین کی باقاعدہ ریاست قائم ہو گئی۔

روزبہان دیلمی کی بغاوت اور اس کا خاتمہ

۳۴۵ھ میں معزالدولہ کے ایک معتمد علیہ دیلمی افسر روزبہان اور اس کے بھائی، بلکا نے علی الترتیب اہواز اور شیراز میں علم بغاوت بلند کر دیا۔ معزالدولہ کی فوج کے اکثر دیلمی دل سے اس کے

---

[1] ۳۳۸ھ میں ریاست کی بنیاد پڑی اور ۴۰۸ھ میں اس کا خاتمہ ہوا۔ اس میں سات فرمانروا ہوئے۔ عمران بن شاہین، حسین بن عمران' ابوالفرج محمد بن عمران' ابوالمعالی بن حسن' مظفر بن علی' ابوالحسن علی بن نصر الملقب بہ مہذب الدولہ' محمد بن نسئی۔

[2] یہ واقعہ ابن بریدی کے خاتمہ سے پہلے کا ہے۔

خلاف تھے۔اس لئے روز بہان کی بغاوت کا سہارا پا کر اہواز کی دیلمی سپاہ اس سے مل گئی اور روز بہان نے اہواز پر قبضہ کر لیا۔معز الدولہ نے اس کے مقابلے کے لئے بغداد سے فوجیں روانہ کیں۔اس میں بھی سب دیلمی تھے' وہ بھی روز بہان سے مل گئے۔اس لئے خود معز الدولہ کو اس کے مقابلہ کے لئے نکلنا پڑا اور اس کو شکست دے کر گرفتار کر لیا اور بغداد لا کر اس کی تشہیر کر کے غرق کر دیا۔شیراز میں بلکا کی بغاوت کا خاتمہ بھی ناکامی پر ہوا۔یہ بغاوت بھی دیلمیوں نے کی تھی۔اس لئے ان کے فرو ہونے کے بعد معز الدولہ نے دیالمہ سے پورا انتقام لیا اور تمام بڑے بڑے دیلمی افسروں کو گرفتار کر کے ترکوں کے ذریعہ ان کا شیرازہ منتشر کر دیا اور ان کے بجائے ترکوں کو بڑھانا شروع کیا۔انہیں بڑی بڑی جاگیریں دیں اور فوج میں دیالمہ کی جگہ ترک چھا گئے' لیکن یہ بھی دیالمہ سے کچھ کم نہ نکلے۔انہوں نے عروج پانے کے بعد ظلم و جور کا بازار گرم کر دیا۔

یوسف بن وجیہہ والی عمان کی مخالفت اور اس کا خاتمہ

تیسری مخالف قوت بحرین و عمان کے قرمطی اور یہاں کے عام باشندے تھے۔یہاں کے والی یوسف بن وجیہہ نے قرامطہ کی مدد سے بصرہ پر حملہ کر دیا' لیکن معز الدولہ کی فوجوں نے اسے شکست فاش دی۔یوسف کے انتقال کے بعد اس کا غلام نافع جانشین ہوا۔معز الدولہ نے ۳۵۴ھ میں فوج کشی کر کے اس کو مغلوب کر لیا اور نافع نے اس کی اطاعت قبول کر کے خطبہ اور سکہ میں معز الدولہ کا نام داخل کر دیا' لیکن عمان کی پوری آبادی معز الدولہ کے خلاف تھی اس لئے نافع کو نکال کر عمان کو ہجر کے قرامطہ کے حوالہ کر دیا۔وہ یہاں کا انتظام نہ سنبھال سکے اور عمان کی حکومت کے لئے خود یہاں کے عمائد میں کشمکش شروع ہو گئی۔یکے بعد دیگرے کئی اشخاص نے حکومت حاصل کی' لیکن باہمی اختلاف کی وجہ سے کسی کی حکومت قائم نہ رہ سکی۔یہ بدنظمی دیکھ کر ۳۵۵ھ میں معز الدولہ نے حملہ کر کے عمان پر قبضہ کر لیا اور یہاں کی آبادی کو بے دریغ قتل کر کے اس کی قوت توڑ دی۔

شیعیت کا فتنہ

بنی بویہ نہایت متعصب شیعہ تھے۔چند دنوں تک وہ خاموش رہے' پھر ان کا تعصب ظاہر ہونے لگا۔دولت عباسیہ کے بہت سے وزراء اور متوسل عجمی اور شیعہ تھے' لیکن ان میں سے کسی نے علانیہ شیعیت کی ترویج و اشاعت کی جرأت نہ کی تھی۔معز الدولہ نے خلفا کی قوت ختم کرنے کے ساتھ ہی بغداد میں شیعیت کی تبلیغ شروع کر دی اور ۳۵۱ھ میں بغداد میں جامع اعظم کے پھاٹک پر یہ تبرا لکھوایا "معاویہ بن

ابی سفیان، غاصبین فدک، امام حسن رضی اللہ عنہ کو روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن کرنے سے روکنے والوں، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو جلاوطن کرنے والوں، عباس رضی اللہ عنہ کو شوریٰ سے خارج کرنے والوں پر لعنت ہو۔ [1] خلیفہ میں اس بدعت کو روکنے کی طاقت نہ تھی۔ کسی سنی نے رات کو یہ عبارت مٹا دی۔ معز الدولہ نے پھر لکھوانے کا ارادہ کیا، لیکن اس کے وزیر مہلبی نے مشورہ دیا کہ صرف معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے نام کی تصریح کی جائے اور ان کے نام کے بعد و الظالمین لال محمد یعنی "آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم کرنے والوں کا" فقرہ بڑھا دیا جائے۔

معز الدولہ نے یہ مشورہ قبول کر لیا۔ غالباً تبرا کی اس منافقانہ شکل کی ابتدا اسی سے ہوتی ہے۔ معز الدولہ نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ بغداد میں شیعوں کے تمام مراسم جاری کر دیئے۔ عید غدیر کے دن عام عید اور جشن مسرت منانے کا حکم دیا۔ محرم کے لئے حکم جاری کر دیا کہ عاشورہ کے دن تمام دکانیں اور کاروبار بند رکھے جائیں۔ کل مسلمان خاص قسم کی ٹوپیاں پہن کر نوحہ و ماتم کریں۔ عورتیں چہرہ پر بھبھوت مل کر پریشان ہو کر گریبان چاک اور سینہ کوبی کرتی ہوئی شہر میں ماتمی جلوس نکالیں۔ سنیوں پر یہ احکام بہت شاق گزرے، لیکن شیعوں کی قوت اور حکومت کے مقابلہ میں بے بس تھے۔ اس لئے ان احکام کو منسوخ تو نہ کرا سکے، لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ محرم ۳۵۳ھ میں شیعوں اور سنیوں میں سخت فساد ہوا اور بغداد میں بڑی بدامنی پھیل گئی۔ [2]

معز الدولہ کا انتقال

۳۵۶ھ میں معز الدولہ، عمران بن شاہین کے مقابلے کے لئے نکلا۔ راستہ میں بیمار پڑ گیا۔ اس لئے واسط لوٹ آیا۔ یہاں آ کر مرض اور زیادہ بڑھ گیا۔ معدہ میں کوئی چیز ٹھہرتی نہ تھی۔ جب حالت زیادہ نازک ہوئی تو بغداد لوٹ آیا اور اپنے لڑکے بختیار الملقب بہ عز الدولہ کو ولی عہد نامزد کر دیا اور فقہا کو بلا کر ان کے روبرو اپنے گزشتہ اعمال سے توبہ کی اور اپنی دولت کا بڑا حصہ خیرات کیا اور اپنے کل غلام آزاد کئے۔ جن جن لوگوں کا مال ظلم و زیادتی سے لیا تھا، سب کو واپس کر دیا اور ان امور سے فراغت کے بعد ربیع الاول ۳۵۶ھ میں انتقال کیا۔

خاندان بنی بویہ کا اصل بانی علی بن بویہ الملقب بہ عماد الدولہ والی فارس تھا۔ معز الدولہ اس کا چھوٹا بھائی تھا۔ اس کے حصہ میں کرمان کا علاقہ آیا تھا، لیکن خلافت بغداد کی تولیت کا جلیل القدر منصب اس کی قسمت میں تھا۔ ۳۳۴ھ میں اس کو یہ منصب ملا اور ۳۵۶ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ اس حساب سے

---

[1] ابن اثیر ج ۸، ص ۱۷۹۔ [2] ابن اثیر ج ۸، ص ۱۸۴۔

اس نے گویا ۲۲ سال تک خلافت بغداد کی فرمانروائی کی۔

عزالدولہ بختیار کی تخت نشینی اور اس کی نااہلی

معزالدولہ کے بعد اس کا لڑکا بختیار الملقب بہ عزالدولہ جانشین ہوا۔ یہ بڑا نااہل تھا۔ معزالدولہ اس سے وصیت کرتا گیا تھا کہ اپنے چچا رکن الدولہ اور اس کے لڑکے عضدالدولہ کی ہمیشہ فرمانبرداری کرنا۔ ان کے مشورہ کے بغیر کوئی کام انجام نہ دینا۔ ابوالفضل عباس بن حسین اور ابوالفرج محمد بن عباس کاتب کو جو خیر خواہ دولت ہیں، ان کے عہدوں پر قائم رکھنا، سبکتگین حاجب اور ترکی اور دیلمی امرا کا خیال رکھنا، لیکن بختیار نے ان میں سے کسی وصیت پر لحاظ نہ رکھا۔ صرف عباس بن حسین کو وزیر بنالیا۔ اسے مملکت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ سارا وقت لہو ولعب اور عورتوں، بھانڈوں اور گویوں کی صحبت میں گزرتا تھا۔

اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ جاگیریں دیلمی امرا کے قبضہ میں تھیں۔ بختیار نے ان جاگیروں کی طمع میں امرا کو نکال دیا۔ سبکتگین حاجب کے ساتھ ایسا نامناسب طریقہ اختیار کیا کہ اس نے اس کے پاس آنا ہی چھوڑ دیا۔ اس کی یہ روش دیکھ کر باقی دیالمہ نے بھی اسے چھوڑ دیا اور اس سے مطالبہ کیا کہ جس قدر دیلمی نکالے گئے ہیں سب کو ان کی جگہ بحال کیا جائے۔ سبکتگین ترک تھا، اس کے ساتھ بدسلوکی کے سبب سے ترک بھی بختیار سے بدگمان ہو گئے تھے اور ان کے پاس کوئی قوت نہ رہ گئی تھی۔ اس لئے وہ دیالمہ کا مطالبہ پورا کرنے پر مجبور ہو گیا اور اپنی نااہلی سے معزالدولہ کی قائم کی ہوئی ساری عزت خاک میں ملادی، جس کا نتیجہ اس کو بہت جلد بھگتنا پڑا۔ [1]

رعایا کے مال پر دست درازی اور بغداد میں ہنگامہ

معزالدولہ کے زمانہ میں بھی روپیہ کی قلت تھی، لیکن وہ کسی نہ کسی طرح کام چلاتا رہا۔ بختیار کے زمانہ میں اور بھی روپیہ کی کمی پڑ گئی۔ اس کے وزیر ابوالفضل عباس بن حسین نے رعایا کی دولت پر ہاتھ ڈالا اور بغداد کے تاجروں، عمائد شہر، ذمیوں اور مذہبی طبقہ تک سے اس ظالمانہ طریقہ سے روپیہ وصول کیا، جس سے ہر مذہب وملت کے لوگ اس سے نالاں ہو گئے اور مسجدوں، آتش کدوں اور کنیسوں میں اس کے لئے بددعا ہونے لگی اور اس کے خلاف بغداد میں عام شورش پیدا ہو گئی۔ لٹیروں اور فتنہ پرستوں نے موقع پا کر لوٹ مار شروع کر دی اور بغداد میں عام بدامنی پھیل گئی۔ شہر کی کل دکانیں بند ہو گئیں اور سارا کاروبار معطل ہو گیا۔ لوگوں کے لئے گھر سے باہر قدم رکھنا دشوار ہو گیا۔ ابوالفضل نے فوجی قوت کے ذریعہ اس

[1] ابن اثیر ج ۸ ص ۱۹۰۔

شورش اور بدامنی کو دبانے کی کوشش کی۔ بغداد کا ایک حصہ جلوادیا۔ بڑی مشکلوں سے شورش رکی اور عارضی طور سے سکون ہو گیا' لیکن حکومت کا بگڑا ہوا نظام قائم نہ ہو سکا اور لوگوں کے دلوں سے حکومت کی ہیبت جاتی رہی۔ [1]

۳۶۲ھ میں بختیار نے ابوالعباس کو معزول کر کے اس کا مال و متاع ضبط کر لیا اور محمد بن بقیہ کو وزیر بنایا۔ یہ ابتدا میں مطبخ شاہی میں ملازم تھا۔ بختیار کی توجہ سے وزارت کے درجہ تک پہنچا۔ ابن بقیہ کچھ دنوں تک ابوالعباس کی ضبط شدہ دولت سے کام چلاتا رہا' لیکن جب وہ ختم ہو گئی تو اسے بھی ابوالعباس کا طریقہ اختیار کرنا پڑا اور پھر بغداد میں ظلم و جور کا بازار گرم ہو گیا اور وہی بدامنی پیدا ہو گئی۔ سبکتگین کی طرف سے بڑی مشکلوں سے حالات اصلاح پذیر ہوئے۔

ترکوں پر بختیار کی زیادتی اور اس کی مخالفت

اس کے ایک ہی سال بعد ۳۶۳ھ میں ترکی اور دیلمی فوجوں میں روپے کے لئے شورش بپا ہوئی۔ بغداد کا خزانہ خالی تھا۔ اس لئے یہ لوگ روپے کے حصول کے لئے ناصر الدولہ کے پاس موصل پہنچے' مگر جب یہاں بھی کچھ نہ ملا تو بختیار کو ساتھ لے کر اہواز کا رخ کیا۔ یہاں کے والی امیر بختگین نے بختیار کی پوری مدارات کی اور ایک بڑی رقم مہیا کر دی جس سے فی الجملہ فوجوں کا مطالبہ پورا کرنے کی ایک صورت پیدا ہو گئی تھی کہ اسی دوران میں ایک ترک اور ایک دیلمی غلام میں ایک معمولی سی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ دونوں جماعتیں اپنے اپنے غلام کی حمایت میں لڑ گئیں اور بہت سے ترک اور دیلمی مارے گئے۔ بختیار نے ہر چند روکنے کی کوشش کی' مگر فریقین میں سے کسی نے نہ سنا اور بختیار نے دیالمہ کے مشورہ سے بہت سے ترکی سرداروں کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ دیالمہ نے ان کا مال و متاع لوٹ کر ان کی بڑی تعداد تہ تیغ کر دی۔ بختیار نے سبکتگین کی جاگیر ضبط کر لی۔ اس سے ترک اور دیالمہ میں مستقل مخالفت پیدا ہو گئی۔

بغداد پر ترکوں کا قبضہ

ترکوں کا سردار سبکتگین اس وقت بغداد میں تھا۔ بغیر اس کی گرفتاری کے ترکوں کا شیرازہ منتشر نہیں ہو سکتا تھا۔ بختیار نے اہواز ہی سے اس کی گرفتاری کی تدبیر کی تھی' لیکن سبکتگین کو اس کی اطلاع ہو گئی۔ اس نے فوراً ترکوں کو جمع کر کے بختیار کے بھائی ابو اسحاق کے پاس کہلا بھیجا کہ میرے اور آپ

[1] تجارب الامم ج ۶' ص ۲۰۸۔

کے بھائی کے درمیان تعلقات اتنے خراب ہو گئے ہیں کہ ان کی اصلاح کی کوئی امید نہیں' لیکن میرے آقاؤں کی جانب سے میرے ساتھ خواہ کیسی ہی برائی کا ظہور ہو' میں ان کی اطاعت سے منہ نہیں موڑ سکتا۔ اس لئے آپ حکومت قبول فرمائیے۔ ابواسحاق نے اپنی ماں سے مشورہ کیا۔ اس نے روک دیا۔ اس کے انکار پر سبکتگین نے بختیار کے محل کا محاصرہ کر کے اس میں آگ لگا دی اور ابواسحاق کے بھائی ابوطاہر اور اس کی ماں کو گرفتار کر لیا۔ انہوں نے کہا ہمیں چھوڑ دو' ہم لوگ واسط چلے جائیں گے۔ سبکتگین نے انہیں رہا کر دیا۔ ان لوگوں نے خلیفہ مطیع کو بھی ساتھ لے جانا چاہا' لیکن سبکتگین نے اسے جانے نہ دیا۔ باقی اشخاص بغداد چھوڑ کر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد سبکتگین نے بختیار کی کل املاک پر قبضہ کر کے دیالمہ سے ترکوں کے ساتھ زیادتی کا پورا انتقام لیا۔ بغداد کے سنی عرصے سے شیعوں کی زیادتیاں سہتے چلے آ رہے تھے۔ بغداد پر ان کے قبضہ کے بعد ان کو شیعوں کی زیادتیوں سے نجات ملی۔ اس لئے انہوں نے ترکوں کا پورا ساتھ دیا۔ سبکتگین نے انہیں بڑے بڑے مناصب عطا کئے۔ ترکوں کی حمایت کا سہارا پا کر سنیوں نے شیعوں سے ان کے گزشتہ مظالم کا بدلہ لینا شروع کیا اور دونوں میں بڑا کشت و خون ہوا' لیکن بغداد میں ترکوں کی حکومت تھی' اس لئے سنی غالب رہے۔

سرحدی علاقوں میں رومیوں کی عام یورش اور ان کی تباہی

رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان کم و بیش ہر زمانہ میں جنگ کا سلسلہ جاری رہا' جس میں مسلمان عموماً غالب رہے۔ اس لئے دولت عباسیہ کے زوال کے زمانہ میں بھی جب تک خلفا کا کچھ بھی وقار قائم رہا اور عالم اسلام میں ان کی آواز مؤثر رہی' رومیوں نے اسلامی ملکوں پر قبضہ کا خواب بھی نہیں دیکھا۔ حتیٰ کہ ترکوں کے اقتدار کے زمانے میں بھی جب خلفا بے بس ہو چکے تھے' رومیوں نے اسلامی علاقوں پر فاتحانہ یورش کی ہمت نہ کی۔ ترک گو خلفا کے مقابلہ میں جری اور بے باک تھے' لیکن بیرونی اقوام کے مقابلہ میں ہمیشہ سینہ سپر رہے۔ اس لئے کسی قوم کو مسلمانوں کے مقابلہ میں غلبہ کا تصور بھی نہ پیدا ہو سکا' لیکن بنی بویہ نے اولاً خلفا کی حیثیت بالکل ختم کر دی تھی' دوسرے خود ان میں جوش و ولولہ نہ تھا اور فخر الدولہ کے بعد خود ان میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ اس لئے انہیں اپنی ہی حکومت سنبھالنے سے فرصت نہ تھی۔ اس سے رومیوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے اور انہوں نے جزیرہ' شام' آرمینیہ' آذربائیجان وغیرہ تمام سرحدی ملکوں پر عام یورش کر دی اور اس کا سلسلہ برسوں قائم رہا۔ رومیوں نے بہت سے سرحدی شہروں کو بالکل ویران کر دیا۔ بعض پر ان کا قبضہ بھی ہو گیا۔ یہ علاقے زیادہ تر سیف الدولہ والی حلب کی حکومت کی سرحد پر تھے۔ اس وقت یہی ایک فرمانروا مسلمان

حکمرانوں میں بہادر اور باہمت تھا۔اس لئے تنہا وہی رومیوں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوا اور برسوں ان کا مقابلہ کرتا رہا۔عباسی حکومت میں کوئی دم نہ تھا۔اس لئے وہ کوئی مدد نہ کر سکی۔ان لڑائیوں کو اس سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے،اس لئے اس کی تفصیل قلم انداز کی جاتی ہے' مختصر حال یہ ہے کہ۔قیصر ارمانوس کا سپہ سالار تقفور (نیکوفورس) مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔اس نے بلقان کی تمام ریاستوں کو متحد کر کے شام اور جزیرے کی سرحد پر عام یورش کر دی اور ۳۳۶ھ سے لے کر ۳۶۲ھ تک مسلسل پچیس سال خونریز لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ان میں لاکھوں مسلمان قتل اور گرفتار ہوئے۔رومیوں نے سروج' عین زربہ' آذنہ' مصیصہ طرطوس بہت سے سرحدی شہروں' فوجی چھاؤنیوں اور قلعوں پر قبضہ کر کے ان کو بالکل ویران کر ڈالا۔ان کی پوری مسلمان آبادی تہہ تیغ کر دی۔ہزاروں مسلمانوں کو قید کر کے لونڈی' غلام بنا ڈالا۔مسجدوں کو مسمار اور بہت سے مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنا لیا۔ان نازک اور پرشور حالات میں تنہا سیف الدولہ ان کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوا اور گو وہ رومیوں کی یورش کو پوری طرح نہ روک سکا' لیکن جب تک زندہ رہا بڑی شجاعت اور بہادری سے مقابلہ کرتا رہا اور جہاں تک ہو سکا رومیوں سے ان کے ظلم وسفاکی کا انتقام بھی لیا۔

۳۵۶ھ میں سیف الدولہ کا انتقال ہو گیا۔اس کی موت سے بڑا نقصان پہنچا۔اس کے غلام قرویہ نے اس کے پایہ تخت حلب پر مخالفانہ قبضہ کر لیا اور اس میں اور سیف الدولہ کے لڑکے ابوالمعالی شریف میں جنگ شروع ہو گئی،جس سے مسلمانوں کا رہا سہا سہارا بھی جاتا رہا اور رومیوں کا حوصلہ اتنا بڑھ گیا تھا کہ انہوں نے جزیرہ' طرابلس الشام اور حمص وانطاکیہ وغیرہ شام کے بہت سے ساحلی شہروں پر قبضہ کر کے انہیں بالکل ویران کر دیا۔ہزاروں گاؤں تباہ کر ڈالے اور بیشمار مسلمان قتل و گرفتار ہوئے۔۳۵۹ھ میں تقفور نے سیف الدولہ کے پایہ تخت حلب پر فوج کشی کر کے قرویہ سے خراج وصول کیا اور اپنی سیادت منوا کر قرویہ کو مجبور کیا کہ وہ اسلامی ملکوں پر فوج کشی میں رومیوں کی امداد کرے گا۔

شام کو ویران کرنے کے بعد آرمینیہ اور آذربائیجان کا رخ کیا اور ملاذ کرد پر قبضہ کر لیا۔کوئی قوت ان کو روکنے والی نہ تھی رومی جدھر رخ کر دیتے تھے' اس کو تباہ و برباد کر ڈالتے تھے۔اس سے مسلمانوں میں عام خوف و ہراس پھیل گیا۔ملاذ کرد پر قبضہ کے بعد رومی دیار بکر کے علاقہ پر حملہ کا ارادہ کر رہے تھے کہ تقفور کے قتل کا واقعہ پیش آیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ تقفور کو قسطنطنیہ کے شاہی خاندان سے کوئی تعلق نہ تھا۔محض اس کی عالی دماغی اور شجاعت نے اسے رومی حکومت کی سپہ سالاری کے منصب پھر تخت شاہی پر پہنچا دیا تھا۔عربی

مؤرخین کا بیان ہے کہ اس کے اجداد مسلمان تھے اور طرطوس کے باشندے تھے۔ اس کے باپ ابن القفاس نے عیسوی مذہب اختیار کر لیا اور تقفور رومی حکومت سے متوسل ہو گیا اور اپنی بہادری عالی دماغی اور کارناموں کی بدولت سپہ سالار اعظم کے منصب تک پہنچ گیا۔ جس زمانہ میں وہ سیف الدولہ سے برسر پیکار تھا' اسی زمانہ میں قیصر ارمانوس کا انتقال ہو گیا۔ اس نے ایک بیوہ اور دو صغیر السن بچے چھوڑے۔ اس وقت قسطنطنیہ کی حکومت کو کوئی سنبھالنے والا نہ تھا۔ اس لئے فوج نے تقفور کو مجبور کر کے حکومت کا نگران بنا دیا اور وہ نابالغ شہزادوں کی نیابت کرنے لگا۔ چند دنوں کے بعد اس نے ارمانوس کی بیوہ سے شادی کر لی۔ اس وقت اس کے دل میں خود مختاری کا خیال پیدا ہوا اور اس نے ملکہ پر زیادتی شروع کر دی۔ اس کی بدنیتی دیکھ کر ملکہ نے ایک افسر کو بلا کر اس کو قتل کرا دیا۔ [1]

لیکن انگریز مؤرخین کا بیان اس سے کسی قدر مختلف ہے۔ ان کے بیان کے مطابق تقفور ایشیائے کوچک کا ایک بڑا ممتاز رئیس تھا۔ ارمانوس کے زمانہ میں اس نے بڑا شہرہ حاصل کیا۔ اس کی موت کے بعد جیسا کہ عرب مؤرخین کا بیان ہے، اس نے ارمانوس کی بیوہ سے شادی کر لی۔ چند دنوں کے بعد اس میں اور تقفور کے بھتیجے میں ناجائز تعلقات ہو گئے ان دونوں نے اس کو راستہ سے ہٹانے کے لئے قتل کر دیا۔ [2]

لیکن تقفور کے قتل کے بعد بھی رومیوں کا سیلاب نہ رکا اور ۳۶۱ھ میں انہوں نے دیار بکر پر حملہ کر کے اسے برباد کر دیا۔ اس کے فرمانروا ابو تغلب بن حمدان والی موصل میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی' اس لئے روپیہ دے کر صلح کر لی۔ یہاں کے باشندوں نے جب دیکھا کہ انہیں رومیوں کے ظلم و ستم سے کوئی بچانے والا نہیں تو وہ بغداد پہنچے اور یہاں کی مساجد اور عام مجمعوں میں جا کر رومیوں کے مظالم اور اپنے مصائب بیان کر کے فریاد کی۔ اس کا اہل بغداد پر بڑا اثر پڑا۔ انہوں نے اس کے تدارک کے لئے قصر خلافت پر ہجوم کیا' مگر محل کے پھاٹک بند کر لئے گئے اور انہیں اندر نہیں جانے دیا گیا' لیکن اہل بغداد میں بڑا جوش تھا۔ وہ جہاد کے لئے جوق در جوق جمع ہونے لگے۔ بغداد کے شورش پسند عوام نے' جو ہنگامہ کے منتظر رہا کرتے تھے' اس میں شریک ہو کر لوٹ مار اور قتل و غارت شروع کر دی۔ مکانوں میں آگ لگا دی۔ کرخ کا پورا بازار جلا ڈالا۔ اس بدامنی اور شورش کی وجہ سے وزیر دولت اور نقیب بغداد میں اختلاف ہو گیا' لیکن سنجیدہ طبقہ نے اپنی کوشش جاری رکھی۔

اس وقت بختیار سیر و شکار میں مشغول تھا۔ عمائد بغداد نے اس کے پاس جا کر کہا کہ یہ وقت

[1] ابن اثیر ج ۸ ص ۲۳۳۔ [2] ہسٹری آف دی نیشنز جلد ۳ ص ۲۲۹' ۲۳۰۔

سیر و شکار کا نہیں ہے۔ رومیوں نے مسلمانوں پر قیامت ڈھا رکھی ہے۔ اس کا کوئی تدارک ہونا چاہیے۔ ان کا جوش دیکھ کر بختیار کو آمادہ ہونا پڑا اور اس نے سبکتگین حاجب کو فوج کی تیاری کا حکم دیا اور مسلمانوں کو اس میں شرکت کی ترغیب دی۔ اس کی آمادگی اور توجہ سے ہزاروں مسلمان جہاد کے لئے جمع ہو گئے اور بختیار نے ابوتغلب کو لکھ بھیجا کہ میں تیاری کر رہا ہوں، تم سامان رسد اور مویشیوں کے چارہ کا انتظام کرو اور مطیع سے فوجی مصارف کے لئے روپیہ طلب کیا۔ اس نے جواب دیا کہ "جہاد اور اس کے قبیل کے دوسرے فرائض اور اس کے مصارف کی ذمہ داری اس وقت مجھ پر تھی جب حکومت کی آمدنی میرے پاس آتی تھی' لیکن اس بے بسی اور مجبوری کی حالت میں یہ فرض مجھ پر عائد نہیں ہوتا۔ اس کی ذمہ داری حکومت کے مختار کل پر ہے"۔ اس کا یہ جواب بالکل صحیح تھا' لیکن بختیار نے دھمکی دے کر اس سے بجبر روپیہ وصول کیا۔ مطیع کے پاس نقد ایک حبہ نہ تھا۔ بختیار کی دھمکی سے ڈر کر گھر کا سارا اثاثہ اور توشہ خانہ کے کپڑے بیچ کر چار لاکھ بختیار کے حوالے کئے۔ روپیہ ملنے کے بعد اس نے بالکل رخ بدل دیا اور جہاد کے بجائے اس کو اپنی ذات پر اڑا دیا اور جہاد کا خواب پریشان ہو گیا۔

دیار بکر پر رومیوں کی یورش برابر قائم تھی۔ آخر میں حمدانی خاندان ہی پھر مقابلہ میں آیا اور ناصر الدولہ کے لڑکے ہبۃ اللہ نے رومیوں کو شکست دے کر ان کے سپہ سالار اعظم کو زندہ گرفتار کر لیا۔ اس کی گرفتاری کے بعد رومیوں کی یورش کا زور گھٹ گیا۔ [1]

مطیع کی دست برداری

ترک اور دیالمہ کے اختلاف سے پہلے مطیع پر فالج کا حملہ ہوا تھا اس حملہ نے اس کو بالکل بیکار کر دیا تھا' لیکن وہ عرصہ تک اپنی حالت کو چھپائے رہا۔ آخر میں سبکتگین کو اس کا علم ہو گیا۔ اس نے اس پر زور ڈال کر ۳۶۳ھ میں اس کے لڑکے عبدالکریم طائع کے حق میں خلافت سے دست بردار کرا دیا۔ دست برداری کے بعد وہ بغداد چھوڑ کر واسط چلا گیا اور یہیں انتقال کیا' مدت خلافت ۲۹ سال تھی۔

عام حالات

مدت کے اعتبار سے مطیع کا عہد خاصہ طویل ہے' لیکن اس پوری مدت میں سیاسی انقلابات اور شور و فتن کے سوا کوئی بھی قابل ذکر واقعہ نہیں ہے اور ان ہنگاموں کو بھی مطیع اور خلافت بغداد سے کوئی علاقہ نہیں۔ مطیع سو دینار روزانہ وظیفہ پاتا تھا۔ اس کے علاوہ اسے اور کسی چیز سے سروکار نہ رہ گیا تھا۔ وہ معز

[1] ان لڑائیوں کی تفصیلات بہت طویل ہیں اور ابن اثیر اور ابن خلدون وغیرہ میں مفصل مذکور ہیں۔ ہم نے صرف خلاصہ نقل کیا ہے۔

الدولہ کا ماتحت اور دست نگر تھا۔ اس کو انتظام حکومت سے کوئی تعلق نہ تھا معزالدولہ نے تین ہزار دینار ماہانہ اس کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا اور خلافت کا وقار انتہائی پستی کو پہنچ گیا تھا۔ [1]

ملک کی حالت خلیفہ سے بھی زیادہ ابتر ہوگئی تھی۔ بغداد میں آئے دن ہنگامے اور انقلابات برپا ہوتے رہتے تھے۔ عراق و ایران میں امرا کی خانہ جنگی علیٰ حالہ قائم تھی۔ شیعہ سنی جنگ علیحدہ چھڑ گئی تھی۔ ان ہنگاموں نے امن وامان مفقود اور ملک کی معاشی حالت نہایت ابتر کر دی تھی۔ غلہ کا اتنا سخت قحط ہو گیا تھا کہ لوگ مردار کھانے پر مجبور اور ہزاروں آدمی بھوک کا شکار ہو گئے تھے۔ گلی کوچوں میں فاقہ زدہ مردے پڑے رہتے تھے اور کوئی اٹھانے والا تک نہ تھا۔ بڑی بڑی جائیدادیں دو دو روٹیوں کے بدلہ میں بک گئیں۔ ایک مرتبہ مطیع کے لئے ایک کرتہ بیس ہزار درہم میں خریدا گیا۔ [2] غرض بختیار کے زمانہ میں بغداد بالکل تباہ ہو گیا۔

[1] دول الاسلام ذہبی ج ۱ ص ۱۶۳۔ [2] تاریخ الخلفاء ص ۴۰۸۔

ابوالفضل عبدالکریم بن مطیع الملقب بہ طائع للہ

(۳۶۳ھ تا ۳۸۱ ھ مطابق ۹۷۴ء تا ۹۹۱ء)

مطیع کی دست برداری کے بعد ابوالفضل عبدالکریم ذیقعدہ ۳۶۳ھ میں تخت خلافت پر بیٹھا اور طائع للہ لقب اختیار کیا۔

مطیع کی طرح طائع بھی بالکل بے دست وپا اور بنی بویہ کا دست نگر تھا۔ اس کے دور میں بھی خاص عباسی حکومت کی کوئی تاریخ نہیں ہے۔ بغداد کے حالات بھی تمام تر بنی بویہ سے متعلق ہیں۔ اس کے عہد میں ایک اہم تغیر البتہ یہ ہوا کہ عزالدولہ بختیار کے چچیرے بھائی عضدالدولہ بن رکن الدولہ نے بغداد پر قبضہ کر لیا۔ گو اس سے خلیفہ کی بے بسی میں کوئی فرق نہیں آیا' لیکن عضدالدولہ بڑا جامع اوصاف اور بڑے دبدبہ وشکوہ کا فرمانروا تھا۔ اس نے بغداد کی ابتری کو دور کر کے مختلف حیثیتوں سے اس کو ترقی دی۔

بغداد پر عضدالدولہ کا قبضہ

بنی بویہ کی فوجی قوت کا مدار ترک اور دیالمہ دونوں پر تھا۔ اس لئے ترکوں کے ساتھ دیالمہ کی عام مخالفت کے باوجود بعض ناعاقبت اندیش دیلمی افسروں نے بختیار کو ان کے ساتھ بدسلوکی پر ملامت کی اور اس کو اپنا رویہ بدلنا پڑا اور اس نے آزادرویہ ترکی کو فوج کا افسر مقرر کر کے جس قدر ترک قید تھے' سب کو رہا کر دیا اور سبکتگین کو بغداد سے نکالنے کے لئے اپنے چچا رکن الدولہ' چچیرے بھائی عضدالدولہ' ابوتغلب حمدانی والی موصل اور عمران بن شاہین والی بطیحہ سے مدد مانگ بھیجی۔ آخرالذکر دونوں سے خراج کی باقی رقم معاف کر دینے کا وعدہ کیا اور عمران بن شاہین کو اس سے رشتہ قائم کرنے کی طمع دلائی' لیکن اس نے اس اعزاز کو مسترد اور مدد دینے سے انکار کر دیا۔ ابوتغلب کے دل میں عرصہ سے بغداد پر قبضہ کرنے کا خیال تھا۔ وہ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر آمادہ ہو گیا۔ رکن الدولہ نے اپنے وزیر ابوالفتح بن عمید کو فوجیں دے کر بھیجا اور عضدالدولہ کو اس سے مل جانے کا حکم دیا۔ عضدالدولہ کے دل میں بھی بغداد کی حکومت کی خواہش تھی۔ اس لئے وہ بھی اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے تیار ہو گیا اور اپنے بھائی ابوعبداللہ حسین کو فوجیں دے کر روانہ کر دیا' لیکن یہ دونوں بغداد نہیں گئے۔ ابوعبداللہ تکریت پہنچ کر ٹھہر گیا اور عضدالدولہ نے ابوالفتح کو اہواز میں روکے رکھا۔ یہ دونوں اس انتظار میں تھے کہ جیسے ہی سبکتگین بختیار کے مقابلے کے لئے بغداد سے نکلے یہ پہنچ کر قبضہ کر لیں۔

سبکتگین کو ان تیاریوں کی خبر ہوئی تو وہ طائع کو لے کر بختیار کے مقابلے کے لئے نکلا۔

ابوعبداللہ قریب ہی تکریت میں موقع کا منتظر تھا' فوراً بغداد پہنچ گیا۔ اس وقت بغداد بالکل خالی تھا۔ اس لئے ابوعبداللہ آسانی کے ساتھ قابض ہو گیا اس وقت یہاں بڑی شورش اور بدامنی برپا تھی۔ ابوعبداللہ نے اس کو فرو کر کے امن وسکون قائم کیا۔

مطیع عرصہ سے فالج میں مبتلا تھا۔ واسط پہنچ کر انتقال کر گیا۔ اس کے بعد ہی سبکتگین کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت بختیار کو کسی قدر اطمینان ہوا اور اس کو امید بندھی کہ اب ترکوں کا شیرازہ بکھر جائے گا' لیکن سبکتگین کی موت کے بعد انہوں نے امیر ختگین کو اپنا سردار بنا لیا اور بختیار کو شکست دے کر واسط میں اس کا محاصرہ کر لیا۔ عضدالدولہ ابھی تک اہواز میں ٹھہرا ہوا تھا۔ بختیار نے اس کو لکھ بھیجا کہ اگر تمہارے پہنچنے میں اب ذرا بھی تاخیر ہوئی تو میرا خاتمہ ہے۔ وہ اس نازک وقت کا منتظر ہی تھا۔ ابوالفتح کو لے کر فوراً واسط روانہ ہو گیا۔ اس کی آمد کی خبر سن کر ترکوں نے محاصرہ اٹھا لیا اور آگے بڑھ کر دیالی میں مورچہ قائم کیا۔ اس درمیان میں عضدالدولہ واسط پہنچ گیا اور بختیار کو لے کر بغداد روانہ ہو گیا۔ اس وقت ابوتغلب یہاں موجود تھا' لیکن اس کی فوج میں خود باہم مخالفت ہو گئی تھی' اس لئے وہ عضدالدولہ کا رخ بغداد کی طرف دیکھ کر موصل چلا گیا۔ اس کے بغداد چھوڑنے کے بعد ترک پہنچ گئے۔ عضدالدولہ نے پہلے سے ان کے سامان رسد کی بندش کا انتظام کر دیا تھا۔ ابوتغلب نے علیحدہ ناکامی کے غصے میں ناکہ بندی کر دی۔ اس لئے باہر سے کوئی چیز بغداد نہ پہنچ سکتی تھی اور یہاں سخت گرانی پیدا ہو گئی۔ حسب معمول بغداد کے شورش پسندوں نے لوٹ مار شروع کر دی اور ایک عام بدامنی پھیل گئی۔ عین اس حالت میں عضدالدولہ قریب آ گیا۔ دیالی اور مدائن کے قریب ترکوں نے روکنے کی کوشش کی' لیکن ان کو بڑی فاش شکست ہوئی اور وہ تکریت چلے گئے اور عضدالدولہ بغداد میں داخل ہو گیا۔

اگرچہ عضدالدولہ بغداد پر قبضہ کی نیت سے آیا تھا' لیکن اس کا باپ رکن الدولہ اپنے بھتیجوں کو بہت عزیز رکھتا تھا اس لئے علانیہ بختیار کا حق غصب کرنے میں باپ کی برہمی کا خطرہ تھا۔ اس کو معلوم تھا کہ بختیار کے پاس روپیہ نہیں ہے' اس لئے اس نے فوج کو بھڑکا دیا۔ اس نے سختی کے ساتھ کامیابی کا انعام طلب کیا۔ بختیار نے کسی نہ کسی صورت سے کچھ روپیہ مہیا کیا۔ اس وقت عضدالدولہ نے اسے روکا اور اس سے کہا کہ ان کے مطالبات کا مطلق لحاظ نہ کرو۔ یہ لوگ سختی کے عادی ہیں' ان کے ساتھ سختی سے پیش آنا چاہیے۔ تم انہیں یقین دلا دو کہ تم کو حکومت کی کوئی خواہش نہیں ہے۔ یہ سن کر سب ٹھنڈے پڑ جائیں گے۔ سادہ لوح بختیار اس کے فریب میں آ گیا اور حکومت سے استعفیٰ دے کر گھر بیٹھ گیا اور تمام لوازم شاہی موقوف کر دیئے۔

عضدالدولہ نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ بختیار کو اس پر آمادہ کر لیا کہ میں تم سے فوجی افسروں کی سفارش کروں گا تم اسے مسترد کر دینا۔ کے بعد افسروں کی سفارش کی۔ بختیار نے اس کی ہدایت کے مطابق جواب دیا کہ میں نہ تم لوگوں کا حاکم ہوں اور نہ تم سے میرا کوئی واسطہ ہے' اب میں بالکل بری الذمہ ہوں۔ اس جواب سے فوج میں اور زیادہ برہمی پیدا ہو گئی۔

سادہ لوح بختیار اب تک اس دھوکے میں تھا کہ عضدالدولہ اس کے معاملات درست کرا دے گا' چنانچہ آخر میں اس نے عضدالدولہ سے مداخلت کی خواہش کی' لیکن اب وہ اپنا کام پورا کر چکا تھا۔ اس نے بختیار کے بھائیوں کو بہانہ سے بلا کر گرفتار کر لیا اور لوگوں کو جمع کر کے حکومت سے بختیار کا استعفیٰ سنا دیا۔ طائع بھی بختیار سے شاکی تھا' اس کو اس کے استعفیٰ سے بڑی مسرت ہوئی اور وہ عضدالدولہ کے پاس چلا آیا۔ اس نے اس کی بڑی عزت و تکریم کی اور ایک بڑی رقم نذر میں اور بہت سا سامان ہدیہ میں پیش کیا۔ قصر خلافت کو از سر نو آراستہ کیا۔ شاہی جاگیر کی حفاظت کا انتظام کیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خلافت کا کھویا ہوا وقار پھر قائم ہو جائے گا۔ [1]

بختیار کے لڑکے مرزبان نے جو بصرہ میں تھا' عضدالدولہ کے باپ رکن الدولہ کو یہ حالات لکھ بھیجے۔ اس کو اپنے بھائی بھتیجوں سے بڑی محبت تھی۔ بختیار کے ساتھ عضدالدولہ کے فریب کا حال سن کر شدت غم میں تخت شاہی سے نیچے گر پڑا اور کھانا پینا چھوڑ دیا۔

رکن الدولہ کی برہمی

بختیار میں خود کوئی صلاحیت نہ تھی۔ اس کا وزیر ابن بقیہ عمران بن شاہین والی بطیحہ اور سہل بن بشر والی اہواز کو ملا کر عضدالدولہ کے مقابلہ کے لئے اٹھا۔ اس نے بھی مقابلہ کے لئے فوج بھیج دی۔ ابن بقیہ نے اسے شکست دے کر رکن الدولہ کو تمام حالات لکھ بھیجے۔ اس کو پہلے ہی اطلاع مل چکی تھی۔ وہ عضدالدولہ سے اتنا برہم تھا کہ ابن بقیہ کو لکھ بھیجا کہ تم لوگ عضدالدولہ کے مقابلہ میں استقلال سے کام لو' میں خود اس کو بغداد سے نکالنے کے لئے آتا ہوں۔ رکن الدولہ کے ارادہ کا شہرہ ہوا تو عضدالدولہ کی ہوا بالکل اکھڑ گئی۔ بہتوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور اس کی عام مخالفت شروع ہو گئی۔ والی فارس نے خراج روک دیا اور عضدالدولہ کے پاس صرف بغداد رہ گیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر وہ بہت گھبرایا اور باپ کو راضی کرنے کے لئے وزیر ابوالفتح ابن العمید کے ہمراہ ایک قاصد کی زبانی یہ پیام کہلا بھیجا کہ میں نے بختیار کی نااہلی کی وجہ سے بغداد پر قبضہ کیا ہے۔ اس میں ملک کی حفاظت کی

---

[1] ابن اثیر میں یہ حالات بہت طویل ہیں۔ ہم نے صرف خلاصہ نقل کیا ہے۔ ج ۸ ص ۲۱۲ تا ۲۱۵۔

مطلق صلاحیت نہیں ہے' اگر اس کو عراق کی حکومت پر بحال کیا گیا تو حکومت اور خلافت کی تولیت ہمارے خاندان سے نکل جائے گی۔ میں اس کے لئے کافی دولت صرف کر چکا ہوں۔ اس لئے بختیار کی مدد کا خیال ترک فرما دیجئے' اگر یہ منظور نہیں تو میں عراق کی حکومت کے معاوضہ میں تین کروڑ سالانہ پیش کرنے کے لئے تیار ہوں اور بختیار اور اس کے بھائی کو آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا' اگر وہ آپ کے پاس قیام کرنا پسند کریں گے تو آپ کے پاس رہیں گے اور اگر ان کو حکومت کی خواہش ہوگی تو فارس کا کوئی حصہ ان کو دے دیا جائے گا۔ آپ پسند فرمائیں تو خود تشریف لا کر بغداد کی حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لیجئے۔ بختیار کو رے بھیج دیجئے' میں فارس لوٹ جاؤں گا۔ اگر یہ بھی منظور نہیں ہے تو آپ میرے والد ہیں' آپ کے تمام احکام میرے سر آنکھوں پر' لیکن بختیار اور اس کے بھائیوں کی دشمنی مول لینے کے بعد انہیں چھوڑ دینا میرے امکان میں نہیں ہے' ورنہ پوری قوت کے ساتھ میرے مقابلہ میں آ جائیں گے اور خاندان کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ میں نے جو صورتیں پیش کی ہیں' ان میں سے جو صورت آپ پسند فرمائیں' میں تابع فرمان رہوں گا اور اگر کوئی صورت بھی پسند خاطر نہیں ہے اور میری واپسی پر ہی اصرار ہے تو میں بختیار، اس کے بھائیوں اور اس کے حامیوں کو قتل کر کے عراق چھوڑ کر کسی طرف نکل جاؤں گا۔ جس کا دل چاہے گا یہاں کی حکومت سنبھال لے گا۔

رکن الدولہ کے پاس جا کر جب قاصد یہ مطالبات سنانے لگا تو اس نے کل سنے بھی نہ تھے کہ جوش غضب سے لبریز ہو گیا اور قاصد کو قتل کرنے کے لئے جھپٹا' وہ بھاگ گیا۔ جب غصہ فرو ہوا تو قاصد کو بلا کر اس سے کہا کہ جا کر اس ناشدنی سے کہہ دو کہ تو میرے بھتیجے کی مدد کے لئے نکلا بھی تو اس کے ملک پر قبضہ کرنے کے لئے۔ تجھ کو معلوم نہیں کہ میں نے اپنی جان اور حکومت کو خطرہ میں ڈال کر ایک اجنبی شخص حسن بن فیرزان کی بار بار مدد کی اور کامیابی کے بعد اس کی حکومت اس کے حوالہ کر دی اور اس کے معاوضہ میں ایک درہم کی چیز بھی قبول نہ کی۔ اپنی فوجیں اور اپنا وزیر بھیج کر ابراہیم بن مرزبان والی آذربائیجان کا ملک اسے واپس کر دیا۔ اس سے بھی ایک حبہ نہیں لیا۔ میں نے اپنی شرافت' نیک نامی اور شجاعت کی بقاو شہرت کے لئے یہ کیا اور تو ایسا ننگ خاندان نکلا کہ مجھ پر اور میرے بھتیجے پر دو درہم کا احسان رکھتا ہے اور ان غریبوں کی حکومت غصب کرنا چاہتا ہے اور مجھے ان کے قتل کی دھمکی دیتا ہے۔ افسوس تیرے باپ نے تو غیروں کے ساتھ احسان کئے اور تو اپنوں کا حق غصب کرتا ہے۔

عضد الدولہ کی بغداد سے واپسی اور بختیار کی بحالی

قاصد کو واپس کرنے کے بعد رکن الدولہ نے وزیر ابن العمید سے کہا کہ تم دونوں (ابن العمید

اور بختیار) آزاد ہو۔ تمہارے بس میں جو کچھ ہو کر گزرو۔ میں بھی پوری قوت کے ساتھ تمہارا مقابلہ کروں گا۔ میں ہر رات معز الدولہ کو خواب میں دیکھتا ہوں' وہ دانتوں میں انگلی دبا کر مجھ سے کہتے ہیں کہ بھائی! آپ نے ذمہ داری لی تھی کہ میرے لڑکوں کے معاملات میں میری نیابت کریں گے۔

رکن الدولہ عرصہ تک سفارت کے جرم میں ابن العمید سے برہم رہا' آخر میں اس نے رکن الدولہ سے معافی چاہی اور وعدہ کیا کہ وہ عضد الدولہ کو فارس لے آئے گا اور بختیار کو عراق واپس دلا دے گا' چنانچہ بغداد واپس جا کر عضد الدولہ سے پوری سرگزشت سنا کر حالات کی نزاکت واضح کر دی۔ اس وقت عضد الدولہ کو چارو ناچار عراق چھوڑنا پڑا اور اس نے بختیار کو رہا کر کے اس شرط پر بغداد کی حکومت پر بحال کر دیا کہ اس کی حیثیت عضد الدولہ کے نائب کی رہے گی اور وہ خطبہ میں اس کا نام لیا کرے گا اور فوج کی سپہ سالاری بختیار کے بھائی ابواسحاق کے متعلق کر کے فارس لوٹ گیا۔ بختیار میں خود کوئی اہلیت نہ تھی' اس لئے حکومت پر اس کا وزیر ابن بقیہ حاوی ہو گیا۔ یہ بڑا خود غرض اور جاہ پسند تھا۔ اپنی بد دماغی اور ناپسندیدہ طرز عمل سے پھر بغداد میں شورش پیدا کر دی اور عضد الدولہ کی واپسی کے بعد ہی اس کا قائم کیا ہوا نظام درہم برہم ہو گیا۔ ابن بقیہ کو بختیار پر بھی اعتماد نہ تھا' اس نے اس کو قابو میں رکھنے کے لئے اپنی لڑکی شاہناز اس کے ساتھ بیاہ دی تھی اور فوج کو ملا کر حکومت کے محاصل اپنے قبضہ میں کر لئے اور جب فوج اس سے روپیہ کا مطالبہ کرتی تو وہ بختیار کو ملزم بنا کر فوج کو اس کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کرتا' لیکن یہ تدبیر کامیاب نہ ہو سکی اور چند دنوں میں فوج اس کے خلاف ہو گئی۔ اس سلسلہ میں اس کے اور بختیار کے تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ [1]

رکن الدولہ کی وفات

۳۶۵ھ میں رکن الدولہ مرض الموت میں مبتلا ہوا۔ عضد الدولہ اس وقت فارس میں تھا۔ اس کو خبر ہوئی تو وزیر ابن العمید کے ذریعہ اپنی خطا معاف کرائی اور رکن الدولہ نے جمادی الاول ۳۶۵ھ میں اس کو ولی عہد نامزد کر کے اس کے بھائیوں ابوالحسن فخر الدولہ اور موید الدولہ کو ہمدان اور اصفہان کی حکومت عطا کی اور ان کو آپس میں متحد رہنے کی وصیت کر کے محرم ۳۶۶ھ میں انتقال کر گیا' اس وقت ستر سال کی عمر تھی۔

رکن الدولہ بڑا جامع اوصاف فرمانروا تھا۔ اس میں تدبیر و سیاست اور محاسن اخلاق کی تمام خوبیاں جمع تھیں۔ عدل و انصاف میں بڑا اہتمام تھا۔ اس کے دور میں کسی فرد پر ظلم نہ ہونے پاتا تھا۔ اس لئے رعایا میں بہت مقبول و محبوب تھا۔ حتی الامکان خونریزی سے بچتا تھا۔ صرف مجبوری کی

[1] یہ حالات ملخصاً تجارب الامم سے ماخوذ ہیں۔

حالت میں تلوار اٹھاتا تھا۔ بڑا مخیر و فیاض اور فقرا و مساکین کا ملجا و ماویٰ تھا۔ مزاج میں نرمی اور حلم غالب تھا۔ اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی نرمی کا برتاؤ کرتا تھا۔ اس کی غیر معتدل نرمی پر اس کے ہوا خواہوں نے توجہ دلائی اور مرداویج کی سخت گیری کی مثال پیش کی۔ اس نے جواب دیا کہ اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ اس کی درشتی کی وجہ سے اس کے خاص آدمی تک اس کے خلاف ہو گئے اور میرے حلم و نرمی کی وجہ سے مجھ کو کتنی مقبولیت حاصل ہے اور کیسا پھلا پھولا۔ [1]

بغداد پر عضد الدولہ کا دوبارہ قبضہ

عضد الدولہ نے محض باپ کے خوف سے بغداد چھوڑا تھا۔ اس کی موت کے بعد پھر اس میں اور بختیار میں مخالفت شروع ہو گئی اور بختیار' حسنویہ کردی' امیر ابو تغلب حمدانی اور عمران بن شاہین وغیرہ امرا کی مدد کے وعدہ پر عضد الدولہ کے مقابلہ کے لئے کھڑا ہوا۔ اس سے عضد الدولہ کو ایک بہانہ ہاتھ آ گیا' چنانچہ وہ بھی بختیار کے مقابلہ میں آ گیا۔ حسنویہ کردی اور ابو تغلب نے بختیار کی مدد کا وعدہ پورا نہیں کیا، اس لئے اس کی قوت کمزور تھی' چنانچہ ایک ہی معرکہ کے بعد وہ شکست کھا گیا اور اس کا کل سامان عضد الدولہ کے قبضہ میں آیا اور اس نے بصرہ پر قبضہ کر لیا۔ بختیار واسط چلا گیا۔ اس کے اور ابن بقیہ کے اندرونی تعلقات سخت کشیدہ تھے۔ عضد الدولہ بھی ابن بقیہ کو ناپسند کرتا تھا۔ اس لئے واسط جانے کے بعد بختیار نے عضد الدولہ کو خوش کرنے کے لئے ابن بقیہ کو گرفتار اور اس کا مال ضبط کر کے عضد الدولہ کو صلح کا پیغام دیا۔ وہ بھی صلح کے لئے آمادہ ہو گیا' لیکن ابھی دونوں میں صلح کی گفتگو ہو رہی تھی کہ حسنویہ کردی کے لڑکے تھوڑی سی فوج لے کر بختیار کی مدد کو پہنچ گئے۔ اتنا سہارا پا کر اس نے صلح کی گفتگو ختم کر دی اور پھر جنگ کے لئے آمادہ ہو گیا۔ عضد الدولہ کو اس کی اطلاع ہوئی اور بختیار واسط سے بغداد چلا گیا۔ [2]

اس کے بغداد جانے کے بعد عضد الدولہ نے بغداد پر فوج کشی کر دی اور بختیار کو لکھ بھیجا کہ تمہارے حق میں بہتر یہ ہے کہ میری اطاعت قبول کر لو اور ابو تغلب کی حکومت کے علاوہ اور جس مقام پر قیام پسند کرو' عراق چھوڑ کر چلے جاؤ۔ میں تمہاری جملہ ضروریات کی کفالت کروں گا۔ بختیار اس کی مخالفت پر آمادہ تو ہو گیا تھا' لیکن اس میں اس کے مقابلے کی طاقت نہ تھی۔ اس لئے چار و ناچار اسے ماننا پڑا اور اس نے اپنے قیام کے لئے شام کو پسند کیا۔ عضد الدولہ نے اس صلہ میں اسے خلعت عطا کیا اور ابن بقیہ کو جو اب تک بختیار کے پاس تھا' مانگ بھیجا۔ بختیار نے اس کی آنکھیں نکلوا کر عضد الدولہ کے

[1] ابن اثیر ج ۸' ص ۲۲۱' ۲۲۲۔ [2] ابن اثیر ج ۸' ص ۲۲۲' ۲۲۳۔

پاس بھجوا دیا اور عراق چھوڑ کر شام روانہ ہو گیا۔ عضد الدولہ نے ابن بقیہ کو قتل کر کے اس کی لاش سولی پر آویزاں کرائی۔

بختیار کا قتل اور بغداد پر عضد الدولہ کا قبضہ

ابو تغلب والی موصل اور اس کے بھائی حمدان میں مخالفت تھی۔ حمدان اس کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتا تھا۔ بختیار جب بغداد سے شام روانہ ہوا تو حمدان اس کے پاس پہنچا اور موصل کی زرخیزی اور ثروت کی طمع دلا کر اسے شام کے بجائے موصل چلنے کا مشورہ دیا' وہ پھر طمع میں آ گیا اور معاہدہ کے خلاف موصل جانے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ ابو تغلب کو اس کی اطلاع ہو گئی۔ اس نے حمدان کے توڑ میں بختیار کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر آپ حمدان کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دیجیے تو میں آپ کو بغداد کی حکومت واپس دلا دوں گا۔ یہ رشوت حمدان کی رشوت سے زیادہ قیمتی تھی' اس لئے بختیار نے حمدان کو گرفتار کر کے اس کو ابو تغلب کے آدمیوں کے حوالہ کر دیا۔ ابو تغلب نے وعدہ پورا کیا اور بیس ہزار فوج کے ساتھ بغداد پر فوج کشی کی' لیکن عضد الدولہ نے آگے بڑھ کر تکریت کے قریب ابو تغلب کو فاش شکست دی۔ بختیار زندہ گرفتار ہوا۔ عضد الدولہ نے اسے قتل کرا دیا۔ اس وقت اس کی عمر ۳۴ سال کی تھی۔ بختیار کے قتل کے بعد عضد الدولہ خلافت بغداد کا متولی ہو گیا اور یہاں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ بغداد کے اندر خلیفہ کے علاوہ کسی دوسرے کے خطبے کی یہ پہلی مثال تھی۔ [1]

ابو تغلب حمدانی والی موصل کا قتل اور حمدانی حکومت کا خاتمہ

عراق کے اطراف میں متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں جن سے ہر وقت مخالفت کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ اس لئے بغداد پر قبضہ کے بعد عضد الدولہ ان کی طرف متوجہ ہوا' لیکن ان واقعات کو خلافت بغداد سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے ان کے صرف مختصر حالات لکھے جاتے ہیں۔

ان ریاستوں میں سب سے زیادہ طاقتور اور سب سے زیادہ دیالمہ کی مخالف موصل کی حمدانی حکومت تھی۔ اس لئے عضد الدولہ نے سب سے اول موصل پر فوج کشی کی۔ کردستان کا علاقہ پہاڑی اور پر پیچ ہے' اس لئے حمدانی اپنے دشمنوں کا کھلے میدان میں مقابلہ کرنے کے بجائے ان کو چکر دے کر تھکا ڈالتے تھے۔ یہی تدبیر ابو تغلب نے عضد الدولہ کے مقابلہ میں بھی اختیار کی' لیکن اس نے پہلے سے اس کا انتظام کر لیا تھا۔ اس لئے ابو تغلب کو اس میں کامیابی نہ ہوئی اور عضد الدولہ نے موصل پر قبضہ کر لیا اور

---

[1] ابن اثیر ج ۸ ص ۳۲۹۔

ابوتغلب کی تلاش میں ہر طرف فوجیں پھیلا دیں۔ وہ عرصہ تک ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتا رہا' لیکن دیلمی فوجوں نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا اور ابوتغلب کو مجبور ہو کر رومی علاقے میں نکل جانا پڑا اور وہ ورد رومی [1] سے مدد مانگنے پر مجبور ہو گیا' لیکن وہ خود اپنی ذاتی مشکلات میں مبتلا تھا' اس لئے مدد نہ کر سکا اور ابوتغلب ناکام واپس آیا۔ اس درمیان میں عضد الدولہ نے میافارقین اور دیار بکر وغیرہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس لئے ابوتغلب نے واپس ہو کر پھر عضد الدولہ سے صلح کی کوشش کی۔ اس نے جواب دیا کہ بغیر اس کے خود حاضر ہوئے صلح نہیں ہو سکتی۔ اس پر ابوتغلب آمادہ نہ ہوا اور مایوس ہو کر شام چلا گیا۔ اس زمانہ میں ایک شخص بسام نے فاطمیہ مصر کے خلاف دمشق پر قبضہ کر لیا تھا۔ ابوتغلب نے فاطمی فوج کی مدد سے اس کو یہاں سے نکالنے کی کوشش کی' مگر اس میں بھی اس کو ناکامی ہوئی۔ اس دوران میں دیار مضر پر بھی عضد الدول کا قبضہ ہو گیا اور یہاں سے حمدانی حکومت ختم ہو گئی اور عضد الدولہ ۳۶۸ھ میں ابوالوفاء کو اس کی نگرانی کے لئے چھوڑ کر بغداد لوٹ گیا۔

شام میں رملہ کے قریب عرب قبیلہ بنی عقیل کی آبادی تھی' اس کو ایک عرب سردار دغفل جو رقہ پر قابض ہو گیا تھا' یہاں سے ہٹانا چاہتا تھا۔ بنی عقیل' ابوتغلب سے مدد کے طالب ہوئے۔ اس نے اس شرط پر دونوں میں صلح کرا دی کہ عزیز باللہ فاطمی والی مصر جو فیصلہ کر دے گا اس کو دونوں فریق مان لیں گے۔ اس کے بعد وہ بنی عقیل کے یہاں چلا گیا۔ دغفل اور اس کے دوسرے ساتھی فضل کو شبہ ہوا کہ ابوتغلب بنی عقیل سے مل کر ان کی آبادی پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، اس لئے وہ ابوتغلب کے مقابلہ میں آ گئے، اس وقت بنی عقیل نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ ابوتغلب نے بھاگ جانا چاہا لیکن دغفل کے آدمیوں نے اسے گرفتار کر لیا اور فضل نے اس کو قتل کرا دیا۔ اس کے قتل کے بعد حمدانی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ مشرق میں تنہا یہی عرب حکومت تھی' جو عربوں کے نام کو قائم کیے ہوئے تھی۔ اس لئے وہ ہمیشہ سے عجمیوں کی نگاہ میں کھٹکتی تھی اور بالآخر میں دیالمہ کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا۔

دولت حسینیہ کردستان کی اطاعت

آل حمدان کے خاتمہ کے بعد عضد الدولہ کردستان کی حسینی حکومت کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ حکومت ۳۵۰ھ میں قائم ہوئی تھی۔ اس میں اور بنی بویہ میں پہلے سے کشمکش تھی۔ اس کا فرمانروا بدر بن

[1] یہ ایک رومی بطریق اور فوجی افسر تھا۔ قیصر ارمانوس کے نابالغ بچے کی حکومت کے زمانہ میں اس نے قسطنطنیہ کی حکومت پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی' لیکن کامیاب نہ ہوا۔ ابوتغلب نے جس وقت اس سے امداد مانگی ہے' اس وقت ورد انہی مشکلات میں مبتلا تھا۔

حسنو یہ کئی بھائی تھے جو مختلف قلعوں پر قابض تھے۔ ان میں باہم پھوٹ پڑ گئی۔ عضدالدولہ نے اس سے فائدہ اٹھا کر ۳۶۹ھ میں سب کے قلعوں پر قبضہ کر لیا اور بدر کو جو سب سے زیادہ عاقل تھا' اپنی جانب سے قلعوں کا حاکم بنا دیا۔ اس وقت سے یہ حکومت عضدالدولہ کے ماتحت ہوگئی' لیکن چند ہی دنوں کے بعد بدر کے بھائیوں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی۔ عضدالدولہ نے انہیں شکست دے کر بدر کے سوا حسنو یہ کی کل اولادوں کو قتل کرا دیا۔

ہمدان اور رے پر قبضہ

عضدالدولہ کے بھائی فخرالدولہ والی ہمدان کا رویہ اس کے ساتھ مخالفانہ تھا اس کی اور بختیار کی جنگ میں فخرالدولہ کی ہمدردی بختیار کے ساتھ تھی۔ اس لئے آل حمدان اور حسینیہ کردستان کی جانب سے اطمینان حاصل کرنے کے بعد عضدالدولہ نے پہلے فخرالدولہ کو ایک تادیبی خط لکھا۔ اس نے اس کا نامناسب جواب دیا۔ اس لئے عضدالدولہ نے اس پر فوج کشی کر دی۔ فخرالدولہ میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ وہ شمس المعالی قابوس ابن وشمگیر والی جرجان کے پاس بھاگ گیا اور عضدالدولہ نے ہمدان پر قبضہ کر لیا۔ شمس المعالی نے فخرالدولہ کی بڑی پذیرائی کی اور اپنی حکومت کا ایک حصہ اس کو دے دیا۔ عضدالدولہ نے رے وغیرہ پر قبضہ کر کے اپنے تیسرے بھائی معزالدولہ کو ہمدان اور رے پر اپنا نائب مقرر کیا۔ اس کے انتظام سے فراغت کے بعد شمس المعالی کو لکھ بھیجا کہ وہ فخرالدولہ کو اس کے حوالہ کر دے اور اس کے صلہ میں بعض علاقے اور نقد دینے کا وعدہ کیا۔ شمس المعالی نے انکار کیا۔ اس لئے ۳۷۱ھ میں عضدالدولہ نے اپنے بھائی مویدالدولہ کو اس کے مقابلہ میں بھیجا۔ اس نے شمس المعالی کو شکست دی اور وہ اپنا مال و متاع لے کر جرجان سے نیشاپور چلا گیا۔ مؤیدالدولہ بھی اس کے تعاقب میں پہنچا۔ نیشاپور کے سامانی حاکم حسام الدولہ نے امیر نوح بن منصور سامانی کو اطلاع دی کہ وہ فخرالدولہ اور شمس المعالی عضدالدولہ سے شکست کھا کر حصول امداد کے لئے آئے ہیں۔ اس نے اعزاز و اکرام کے ساتھ دونوں کی میزبانی اور ان کی امداد کا حکم دیا اور اپنے وزیر ابوالحسین عتبی کو بھی ان کی مدد پر مامور کیا۔ حسام الدولہ نے جرجان پر فوج کشی کر کے مؤیدالدولہ کا محاصرہ کر لیا۔ کامل دو مہینے جنگ جاری رہی۔ محاصرہ کی شدت سے جرجان میں سخت قحط پڑ گیا اور مؤیدالدولہ کی فوج بڑی مصیبت میں مبتلا ہوگئی' مگر اس نے باہر نکل کر بڑی پامردی اور شجاعت سے مقابلہ کیا۔ اس درمیان میں مویدالدولہ نے سامانی فوج کے بعض امیروں کو ملا لیا تھا۔ انہوں نے عین موقع پر دھوکہ دیا۔ اس لئے حسام الدولہ اور فخرالدولہ کو شکست ہوئی اور وہ نیشاپور لوٹ گئے۔ امیر نوح

سامانی کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے دوبارہ فوج کشی کے لئے اپنی تمام فوجوں کو نیشاپور میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ اس پر ہر طرف سے فوجوں کا سیلاب امنڈ آیا' لیکن فخر الدولہ کی بدقسمتی سے عین اس موقع پر امیر نوح کے وزیر ابوالحسین کے قتل کا واقعہ پیش آیا اور خود بخارا میں بدنظمی پیدا ہوگئی۔ اس لئے امیر نوح نے حسام الدولہ کو وہاں کا نظام قائم کرنے کے لئے واپس بلالیا اور یہ مہم ناتمام رہ گئی۔ [1]

عضد الدولہ کا انتقال

عضد الدولہ عرصہ سے صرع کے مرض میں مبتلا تھا۔ شوال ۳۷۲ھ میں انتقال کر گیا۔ لاش بغداد سے نجف لے جا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جوار میں سپرد خاک کی گئی۔ وفات کے وقت کل ۴۷ سال کی عمر تھی۔

اوصاف وکارنامے

عضد الدولہ دیلمی خاندان کا گل سر سبد اور بڑا جامع اوصاف فرمانروا تھا۔ عقل و دانش' تدبیر وسیاست' شجاعت وشہامت' فضل وکمال' علم نوازی اور علما پروری جملہ اوصاف جہانبانی میں یگانہ تھا۔ اس نے اپنے دور میں دیلمی حکومت اور خلافت بغداد دونوں کو علمی وتمدنی حیثیت سے بڑی ترقی دی۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ وہ عاقل' فاضل' مدبر' باہیبت' عالی ہمت' صائب الرائے' فضائل دوست' فضلا نواز' بخشش کے موقع پر فیاض اور احتیاط کے موقع پر محتاط اور عاقبت اندیش فرمانروا تھا۔ [2] ابن خلکان کا بیان ہے کہ ملک کی وسعت' سلاطین اور حکومتوں پر غلبہ اور جاہ وجلال اور عظمت وشان میں وہ پورے دیلمی خاندان میں ممتاز تھا۔ اس نے بہت سے ملک زیر نگین اور بہت سے فرمانروا مغلوب کیے۔ تاریخ اسلام میں وہ پہلا فرمانروا ہے جو شہنشاہ کے لقب سے ملقب ہوا اور بغداد کے منبروں پر اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ وہ فاضل اور علما نواز تھا۔ بہت سے علوم میں اس کو دستگاہ حاصل تھی۔ علما نے اس کے لئے کتابیں اور شعرا نے اس کی شان میں مدحیہ قصائد لکھے۔ وہ ایک ماہر ادیب اور خوشگو شاعر تھا۔ ثعالبی نے یتیمۃ الدہر میں اس کے اشعار نقل کیے ہیں۔ [3]

اپنے باپ اور چچا اور دوسرے حکمرانوں کی متعدد چھوٹی چھوٹی حکومتوں کو ملا کر ایک متحدہ حکومت قائم کر دی۔ خلافت پر زوال کے ساتھ بغداد اجڑ گیا تھا' اس کی علمی مجلس برہم ہو گئی تھی۔ عضد الدولہ نے اس کو دوبارہ زندہ کیا۔ اس کی علم نوازی کی بدولت مختلف ملکوں کے علما کھنچ کر بغداد میں جمع ہوگئے اور اس کے نام پر کتابیں لکھیں' چنانچہ نحو میں کتاب الایضاح والتکملہ' قرأت سبعہ

[1] ابن اثیر ج ۸ ص ۲۳۳ تا ۲۳۵۔ [2] ابن اثیر ج ۹ ص ۷۔ [3] ابن خلکان ج ۱ ص ۴۱۶۔

میں حجۃ، طب میں ملکی اور تاریخ میں تاجی لکھی گئیں۔ ❶

رفاہِ عام کے بہت سے کام انجام دیئے۔ بغداد مسلسل شورشوں اور سیاسی انقلابات سے اجڑ گیا تھا۔ اس کو دوبارہ آباد کیا۔ مدینہ طیبہ کے گرد شہر پناہ تعمیر کرائی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قبر کا پتہ چلا کر اس پر عمارت بنوائی۔ ممالک محروسہ میں شفاخانے' پل اور دوسری رفاہ عام کی عمارتیں بنوائیں۔ ❷

بغداد کا شفاخانہ جو بیمارستان عضدی کے نام سے موسوم تھا' بڑا عظیم الشان تھا۔ اس کے اخراجات کے لئے ایک خطیر رقم وقف کی۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ اس سروسامان اور حسن انتظام کا کوئی دوسرا شفاخانہ دنیا میں نہ تھا۔ اس کے لئے جو آلات اور ساز و سامان فراہم کئے گئے تھے' ان کے اوصاف کے بیان سے قلم قاصر ہے۔ ❸

ہر سال کے آغاز میں صدقہ کے لئے ایک خطیر رقم نکالتا تھا اور اس کو معتبر علما اور قضاۃ کے ذریعہ سارے ممالک محروسہ کے مستحقین میں تقسیم کراتا تھا۔ ❹

ان خوبیوں کے ساتھ اس میں بعض عیوب بھی تھے۔ خونریزی میں بڑا بے باک تھا اور حصول دولت کے لئے متعدد نئے ٹیکس قائم کئے۔ ❺

بارگاہِ خلافت سے تعلقات

اگرچہ طائع عملاً عضدالدولہ کے ماتحت تھا اور خلافت کا سارا نظام اس کے ہاتھوں میں تھا' لیکن عضدالدولہ نے اس کا ظاہری احترام پوری طرح قائم رکھا تھا' مگر طائع اس قدر کمزور اور نااہل تھا کہ اس نے خود تمام اختیارات عضدالدولہ کے حوالے کر دیئے تھے اور اس کو اتنا اعزاز بخشا کہ اس سے پہلے کسی متولی خلافت کو نصیب نہ ہوا تھا۔ ۳۶۷ھ میں بغداد کے منبروں پر اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ ❻ اور طائع نے اس کو خلعت فاخرہ' جواہر نگار تاج' طلائی طوق اور کنگن اور شمشیر سے سرفراز کیا اور نشان امامت کے عام نقرئی علم کے علاوہ جو ہر امیر کو ملتا تھا' خاص طلائی علم عطا کیا جو ولی عہد کے لئے مخصوص تھا' دستور تھا کہ حکومت کا جو عہد نامہ خلیفہ کی جانب سے امرا کو ملتا تھا' اس کو خود امرا خلیفہ کے روبرو پڑھ کر اس کی پابندی کا اقرار کرتے تھے' لیکن عضدالدولہ کا عہد نامہ طائع نے اس کی بجائے دوسرے سے پڑھوایا۔ اس کے پھاٹک پر نوبت نوازی کا امتیاز بخشا جو ولی عہد کو بھی حاصل نہ تھا۔ ۳۶۹ھ میں ملک العزیز والی مصر کی سفارت کی باریابی کے موقع پر عضدالدولہ کو اپنے سامنے کرسی پر

---

❶ ابن اثیر ج ۹' ص ۸۔ ❷ ابن اثیر ج ۹' ص ۹۔ ❸ ابن خلکان ج ۱' ص ۴۱۸۔

❹ ابن اثیر ج ۸' ص ۸۔ ❺ دول الاسلام ذہبی ج ۱' ص ۱۷۹۔ ❻ ابن اثیر ج ۸' ص ۲۴۹۔

بٹھایا۔ ۳۷۰ھ میں جب وہ ہمدان سے بغداد آیا تو خلفا کے دستور کے خلاف طائع خود اس سے ملنے کے لئے گیا۔ ❶

عضدالدولہ نے خلفا میں اپنی نسل کو شامل کرنے کے لئے اپنی لڑکی بھی طائع کو بیاہ دی تھی۔

صمصام الدولہ

عضدالدولہ کی وفات کے بعد دیلمی امرا نے اس کے لڑکے ابوکالیجار مرزبان کو اس کا جانشین بنایا اور صمصام الدولہ کا لقب دیا۔ طائع نے بھی اس کی تصدیق کر دی اور اپنی جانب سے شمس الدولہ کا لقب' سات پارچے کا خلعت اور دو لواء عطا کئے۔

صمصام الدولہ کے کئی بھائی تھے۔ ابوالحسین احمد' ابوطاہر احمد شاہ' شرف الدولہ' بہاؤالدولہ وغیرہ۔ اول الذکر دونوں صمصام الدولہ کے حامی تھے۔ البتہ شرف الدولہ کی جانب سے ان کو سخت مخالفت کا خطرہ تھا۔ اس لئے تخت نشینی کے بعد صمصام الدولہ نے ابوالحسین احمد اور ابوطاہر کو فارس کا حاکم بنایا' لیکن ان کے پہنچنے سے پیشتر شرف الدولہ نے اس پر قبضہ کر لیا اور صمصام الدولہ کا خطبہ بند کر کے اپنے نام کا خطبہ جاری کیا اور تاج الملہ کا لقب اختیار کیا۔ صمصام الدولہ نے ابوالحسن حاجب کو فوجیں دے کر اس کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ شرف الدولہ نے امیر دبیس کو اس مہم پر مامور کیا۔ اس نے ابوالحسن کو شکست دے کر گرفتار کر لیا۔

موصل پر باز کرد کا قبضہ

۳۷۳ھ میں ایک حوصلہ مند بہادر کرد ابوعبداللہ حسین المعروف بہ باز نے جو بنی حمدان کے ننہالی رشتہ داروں میں تھا' ایک جمعیت فراہم کر کے دیار بکر پر قبضہ کر لیا اور پورے موصل پر اس کے قابض ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ صمصام الدولہ نے اس کے مقابلہ میں یکے بعد دیگرے دو فوجیں بھیجیں' لیکن باز نے دونوں کو شکست دے کر موصل پر قبضہ کر لیا۔ اور اس کی قوت اتنی بڑھ گئی کہ اس نے دیلمیوں کو بغداد سے نکالنے کا ارادہ کیا' اس سے صمصام الدولہ کو بڑا خوف پیدا ہو گیا اور اس نے اپنے سب سے ممتاز فوجی افسر زیار بن شیرا کو یہ کو ایک جرار لشکر کے ساتھ باز کے مقابلہ کے لئے بھیجا' اس نے باز کو شکست دے کر اس کے بہت سے آدمی گرفتار کر لئے' لیکن باز خود نکل گیا' اور از سر نو مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں' صمصام الدولہ کے حاجب سعد نے ایک آدمی متعین کر کے اس کو قتل کرانے کی کوشش کی۔ وہ قتل تو نہ ہو سکا' لیکن سخت زخمی ہو گیا' اگرچہ وہ زخمی ہو گیا تھا' لیکن اس کی قوت کافی مضبوط تھی' اس لئے صمصام الدولہ کو اسے دیار بکر کا علاقہ دے کر اس سے صلح کرنی پڑی' اور اس نے

---

❶ تاریخ الخلفاء ص ۴۱۸' ۴۱۹۔

موصل چھوڑ دیا۔

اسفار کی بغاوت

۳۷۵ھ میں ایک دیلمی سردار اسفار بن کردویہ صمصام الدولہ کے خلاف شرف الدولہ سے مل گیا اور صمصام الدولہ کی فوج کے ایک حصے کو ساتھ ملا کر اس کی جگہ شرف الدولہ کی جانب سے بہاؤالدولہ کو بغداد میں نائب بنانے کی کوشش کی۔ صمصام الدولہ نے اسفار کو ملانا چاہا مگر وہ مخالفت پر قائم رہا' صمصام الدولہ نے طائع کے ذریعہ اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی' مگر وہ درمیان میں نہ پڑا' آخر میں اس نے ایک دیلمی سردار فولاد زماندار کو ملا کر اس کے ذریعہ اسفار کو شکست دی اور بہاؤالدولہ گرفتار ہوا' لیکن خود اس کا کوئی قصور نہ تھا' اس لئے صمصام الدولہ نے احترام کے ساتھ اس کو نظر بند کر دیا۔

صمصام الدولہ کی قید

۳۷۵ھ میں شرف الدولہ اہواز اور ۳۷۶ھ میں واسط پر قبضہ کر کے عراق کی سرحد تک پہنچ گیا۔ اسی دوران میں صمصام الدولہ کی فوج میں بھی بغاوت ہو گئی۔ اس لئے وہ شرف الدولہ کی اطاعت قبول کرنے پر مجبور ہو گیا۔ شرف الدولہ نے اسے گرفتار کر کے قید کر دیا اور رمضان ۳۷۶ھ میں خلافت بغداد کی تولیت شرف الدولہ کے ہاتھوں میں آ گئی۔ صمصام الدولہ کی مدت تولیت چار سال کے قریب تھی۔ عضدالدولہ نے حکومت کی جو عظمت و شان قائم کر دی تھی، اس کو صمصام الدولہ نہ سنبھال سکا' گو خلافت بغداد کے ساتھ بھی اس کے دستوری تعلقات قائم رہے' لیکن کوئی نمایاں امتیاز حاصل نہ کر سکا۔

شرف الدولہ

صمصام الدولہ کی گرفتاری کے بعد طائع نے شرف الدولہ کی حکومت اور بغداد کی تولیت کی تصدیق کر دی اور معمول کے مطابق خلعت اور تاج سے سرفراز کیا۔

ترک اور دیالمہ کی جنگ

شرف الدّولہ کی فوج میں ترک اور دیلم دونوں تھے، لیکن دیالمہ کی تعداد غالب تھی اور ان دونوں میں قدیم رقابت چلی آتی تھی شرف الدّولہ کے ورود بغداد کے موقع پر دیالمہ نے اپنی کثرت کے بل پر ترکوں پر زیادتی شروع کر دی اور دونوں میں تلواریں نکل آئیں، ترکوں کی تعداد کم تھی، اس لئے وہ مغلوب ہو گئے اور دیالمہ نے صمصام الدّولہ کو قید سے نکال کر تخت نشین کرنے کا ارادہ کیا، شرف

الدّ ولہ نے آدمی مقرر کر دیئے کہ جیسے ہی دیلمی صمصام الدّ ولہ کو نکالنے کا ارادہ کریں اس کو قتل کر دیا جائے لیکن اس کی نوبت نہیں آئی، اسی دوران میں ترکوں نے دیالمہ کو مغلوب کر لیا اس لئے وہ اپنا ارادہ پورا نہ کر سکے، اس کے بعد شرف الدّ ولہ بغداد میں داخل ہوا، طائع نے خود نکل کر اس کا استقبال کیا اور بغداد کے داخلہ پر مبارک باد دی' اس کے جواب میں شرف الدولہ طائع کے سامنے زمین بوس ہوا۔

بغداد میں داخلہ کے بعد شرف الدولہ نے ترک اور دیلم میں صلح کرا دی اور دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ دوستی کا عہد کیا اور صمصام الدولہ کو بغداد سے دورورد کے قلعہ میں منتقل کر کے اس کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروا دیں اور بغداد کی حکومت کا بگڑا ہوا نظام از سر نو درست کیا۔ جن جن لوگوں کی جائیدادیں ضبط ہوئی تھیں ان کو واگزار کیا۔ حکومت کے عہدیداروں کا از سر نو عزل ونصب کیا اور ابو منصور کو خلافت بغداد کی وزارت تفویض کی۔

عراق عجم پر بدر بن حسنو یہ کا قبضہ

شرف الدولہ کے زمانہ میں بدر بن حسنو یہ اس کے خلاف، اس کے چچا فخر الدولہ کا طرفدار بن گیا، شرف الدولہ نے امیر قرا تگین کو جس سے بغداد کے امرا نالاں تھے، بدر کے مقابلہ پر مامور کیا، بدر نے اسے شکست دے کر واپس کر دیا، اور عراق عجم کے پورے علاقہ پر قابض ہو گیا، امیر قراتگین نے بغداد واپس آنے کے بعد فوج کو وزیر ابو منصور کے خلاف بھڑکا دیا، شرف الدولہ نے درمیان میں پڑ کر دونوں میں صلح کرا دی، قراتگین بڑا فتنہ پرست تھا، شرف الدولہ نے مجبور ہو کر اسے اور اس کی جماعت کو گرفتار کر کے ان سے روپیہ وصول کیا، قراتگین کی گرفتاری سے فوج میں برہمی پیدا ہو گئی، اس لئے شرف الدولہ نے اس کو قتل کرا دیا۔ ابھی شرف الدولہ کی حکومت کو صرف دو سال چند مہینے گزرے تھے کہ جمادی الاول ۳۷۹ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کی لاش نجف لے جا کر دفن کی گئی۔ اس کی عمر کل ۲۸ سال اور مدت امارت ۲ سال آٹھ مہینے تھی۔

عضدالدولہ کی اولاد میں گو کوئی باپ کے درجہ کو نہ پہنچ سکا' لیکن شرف الدولہ میں دوسرے بھائیوں کے مقابلہ میں کسی نہ کسی حد تک حکومت کی اہلیت اور اوصاف جہانبانی تھے۔ اس نے اپنے زمانہ میں بعض مفید کام انجام دیئے۔ بغداد میں مظالم کا انسداد کیا۔ بعض مغصوبہ جائیدادیں واپس کیں' علمی ذوق بھی رکھتا تھا۔ بغداد میں ایک عظیم الشان رصدگاہ تعمیر کرائی۔ [1]

بہاؤ الدولہ

[1] دول الاسلام ذہبی ج ۱ ص ۱۸۔

شرف الدولہ کی وفات کے بعد اس کا بھائی ابونصر الملقب بہ بہاؤ الدولہ اس کا جانشین ہوا۔ طائع نے اس کو سات پارچے کا خلعت‘ سیاہ عمامہ اور کنگن عطا کئے اور بہاؤ الدولہ اور ضیاء الدولہ کے القاب سے ملقب کیا۔

ابو علی بن شرف الدولہ کی مخالفت اور اس کا قتل

شرف الدولہ کے ایک لڑکا ابو علی موجود تھا‘ اس کو اس نے اپنے مرض الموت میں اپنی بیوی اور زر و جواہر کے ہمراہ ارجان روانہ کر دیا تھا‘ ابو علی کو راستہ میں باپ کی موت کی خبر ملی‘ یہ خبر سن کر اس نے جملہ ساز و سامان ارجان بھجوا دیا‘ اور خود بصرہ اور ارجان ہوتا ہوا شیراز کا رخ کیا‘ ارجان کی ترکی فوج اس کے ساتھ ہو گئی اور اس نے شیراز کے نگراں ابو القاسم علاء بن حسن کو شیراز حوالہ کرنے کے لئے لکھا‘ صمصام الدّ ولہ اور اس کا بھائی ابو طاہر شیراز ہی میں قید تھے‘ اس کے محافظ اسے رہا کر کے سیراف لے گئے۔ بہت سے دیلمی اس کے ساتھ ہو گئے‘ اس درمیان میں ابو علی شیراز پہنچ گیا‘ یہاں کے دیلمیوں نے اسے پکڑ کر صمصام الدّ ولہ کے حوالہ کر دینے کا ارادہ کیا لیکن اس میں کامیاب نہ ہوئے اور اس سلسلہ میں ترک و دیالمہ میں جنگ ہو گئی۔

یہ صورت دیکھ کر ابو علی ترکوں کے ساتھ ارجان لوٹ گیا‘ ترکوں نے دوبارہ شیراز جا کر صمصام الدّ ولہ کا مقابلہ کیا‘ لیکن کامیاب نہ ہوئے اور شیراز ہوتے ہوئے ارجان واپس آ گئے۔

بہاؤ الدّ ولہ بھی ابو علی کو اپنی راہ کا کانٹا سمجھتا تھا‘ اس لئے اس کا اور صمصام الدّ ولہ کا اختلاف دیکھ کر بڑی شفقت سے ابو علی کو اپنے پاس بلا بھیجا‘ وہ اس کے فریب میں آ کر چلا آیا‘ بہاؤ الدّ ولہ نے چند دنوں تک اسکی بڑی مدارات کی‘ پھر قتل کرا دیا۔

عراق پر فخر الدّ ولہ کی فوج کشی اور ناکامی

بہاؤ الدّ ولہ کے چچا فخر الدّ ولہ کے وزیر ابو القاسم کی نگاہ عرصہ سے عراق پر تھی‘ شرف الدّ ولہ کی موت کے بعد اس نے فخر الدّ ولہ کو عراق کا سبز باغ دکھا کر اسے فوج کشی پر آمادہ کر لیا‘ چنانچہ ۳۸۹ھ میں وہ عراق کی طرف بڑھا‘ لیکن ابو القاسم اور فوج کی باہمی بے اعتمادی کی وجہ سے یہ مہم تکمیل کو نہ پہنچ سکی‘ اور فخر الدولہ ناکام واپس گیا۔

بہاؤ الدّ ولہ اور صمصام الدّ ولہ میں جنگ اور صلح

شیراز دیالمہ کا مرکز تھا‘ بہاؤ الدّ ولہ یہاں صمصام الدّ ولہ کی حکومت پسند نہ کرتا تھا‘ اس لئے ۳۸۹ء میں اس نے فارس پر فوج کشی کی لیکن دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کو مغلوب نہ کر سکا‘ اس

لئے آپس میں صلح ہوگئی اس صلح کی رو سے عراق وخوزستان بہاء الدّولہ کے قبضہ میں رہا اور فارس اور ارجان صمصام کے قبضہ میں آئے۔

موصل پر آل حمدان کا دوبارہ قبضہ

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ عضدالدولہ نے موصل کی حمدانی حکومت کا خاتمہ کر دیا تھا۔ ناصرالدولہ حمدانی کے لڑکے ابوطاہر ابراہیم اور ابوعبداللہ حسین شرف الدولہ کے پاس بغداد میں رہتے تھے۔ بہاؤالدولہ کے زمانے میں اس سے اجازت لے کر دونوں موصل لوٹ گئے۔ ان کی واپسی کے بعد فوجی افسروں کو اس غلطی کا احساس ہوا' چنانچہ بہاؤالدولہ نے خواشاذہ والی موصل کو لکھ بھیجا کہ ان دونوں کو موصل میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ اس حکم پر اس نے ان کو راستہ سے لوٹ جانے کا حکم دیا' لیکن یہ موصل کے قریب پہنچ چکے تھے' ان کی آمد کی خبر سن کر اہل موصل ان کے ساتھ ہو گئے اور موصل کے ترک اور دیالمہ کو لوٹ لیا' دیالمہ نے ان کا مقابلہ کیا' لیکن شکست کھائی اور اہل موصل نے موصل کے سارے ترک اور دیالمہ کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا۔ لیکن حمدانیوں نے روک دیا' دیالمہ کی شکست کے بعد خواشاذہ موصل چھوڑ کر بغداد چلا گیا۔

موصل پر باز کی فوج کشی اور اس کا قتل

موصل پر آل حمدان کے قبضہ کے بعد باز کردی والی دیار بکر کو پھر اس کی طمع دامن گیر ہوئی۔ اس نے موصل کی ایک جماعت کو اپنے ساتھ ملا کر فوج کشی کر دی۔ آل حمدان نے اس کا مقابلہ کیا۔ باز نے میدان جنگ میں گھوڑا بدلنا چاہا۔ اتفاق سے گر پڑا اور ہنسلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اس کا بھانجا ابوعلی ساتھ تھا۔ اس نے گھوڑے پر چڑھانے کی کوشش کی' لیکن باز اتنا زخمی تھا کہ نہ چڑھ سکا اور اس کی فوج اس کو مقتولوں کے انبار میں چھوڑ کر پہاڑ کے دامن میں چلی گئی۔ اتفاق سے ایک عرب کی نظر باز پر پڑ گئی۔ اس نے اسے قتل کر دیا۔ باز کے قتل کے بعد اس کے بھانجے ابوعلی بن مروان نے اس کے مقبوضات پر قبضہ کر لیا۔ اس وقت سے دیار بکر میں مروانی حکومت کا آغاز ہوا۔

آل حمدان کی شکست اور موصل میں عقیلی حکومت کا قیام

باز کے قتل کے بعد ابوطاہر اور ابوعبداللہ حمدانی نے دیار بکر پر فوج کشی کر دی۔ ابوعلی نے ان کو شکست دے کر گرفتار کر لیا' پھر والی مصر کی فرمائش پر چھوڑ دیا اور ابوعبداللہ مصر چلا گیا۔ اس کو والی مصر

نے حلب کا حاکم بنادیا، جہاں وہ آخر عمر تک رہا۔ دوسرا بھائی ابو طاہر شکست کھانے کے بعد نصیبین میں چلا گیا۔ یہاں کے والی محمد بن مسیّب عقیلی نے اس کو اور اس کے لڑکے علی کو پکڑ کر قتل کر دیا اور موصل کے انتظام کے لئے بہاؤالدولہ سے آدمی مانگ بھیجا' اس نے ایک شخص کو بھیج دیا' لیکن یہ برائے نام حاکم تھا۔ اصل حکومت محمد بن مسیّب کے ہاتھوں میں تھی جو اس کے بعد موروثی بن گئی اور موصل میں عقیلی حکومت قائم ہو گئی۔

دولت غزنویہ افغانستان کا قیام اور اس کی مختصر تاریخ

طائع کے عہد کا اہم واقعہ افغانستان کی غزنوی حکومت کا قیام ہے۔ یہ حکومت ماوراء النہر کی سامانی حکومت سے پیدا ہوئی اور رفتہ رفتہ وسط ایشیا سے لے کر ہندوستان تک پھیل گئی۔

اس کا بانی امیر سبکتگین ماوراء النہر کی سامانی حکومت کے خراسانی صوبہ دار الپتگین کا غلام تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ساسانیوں کی نسل سے تھا۔ سبکتگین جوہر قابل تھا' بچپن ہی سے اس میں اقبال مندی کے آثار نمایاں تھے۔ اس لئے آقا کی نظر توجہ کا مرکز بن گیا اور اس کے مزاج میں اتنا رسوخ واعتماد پیدا کر لیا کہ اس نے اس کو غزنین کی افواج کا سپہ سالار بنا دیا۔

عبدالملک سامانی کی وفات کے بعد جب اس کی جانشینی کا مسئلہ پیش ہوا تو امیر الپتگین نے اس کے لڑکے منصور کی نوعمری کی وجہ سے اس کی مخالفت کی' لیکن ارکان دولت نے اسی کو تخت نشین کیا۔ تخت نشینی کے بعد امیر منصور نے الپتگین کو طلب کیا' چونکہ وہ اس کی مخالفت کر چکا تھا۔ اس لئے خوف سے اس حکم کی تعمیل نہیں کی اور ۳۵۱ھ میں علم بغاوت بلند کر کے غزنین میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس کے خراسان چھوڑنے کے بعد امیر منصور نے ابوالحسن محمد بن ابراہیم کو یہاں کا حاکم مقرر کیا۔ اس نے دو مرتبہ الپتگین پر فوج کشی کی' لیکن دونوں مرتبہ ناکام رہا۔

۳۶۵ھ میں امیر الپتگین کا انتقال ہو گیا۔ امیر منصور نے اس کی جگہ اس کے لڑکے ابواسحاق کو غزنین کا حاکم بنایا اور وہ سبکتگین کی صلاح ومشورہ سے حکومت کرتا رہا' لیکن چند ہی دنوں کے بعد ابواسحاق کا انتقال ہو گیا۔ اہل غزنین کو سبکتگین کے اوصاف جہانبانی کا تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لئے ابواسحاق کے بعد ۳۶۶ھ میں انہوں نے اس کو غزنین کے تخت پر بٹھایا۔ اس وقت سے غزنوی حکومت کی بنیاد پڑی۔ محمود غزنوی اسی باپ کا نامور فرزند تھا۔ اس حکومت کی تاریخ ہمارے موضوع سے بالکل خارج ہے۔ دولت عباسیہ کے ساتھ اس کے جو واقعات وحالات پیش آئے وہ اپنے موقع

پر آتے رہیں گے۔ [1]

طائع کی گرفتاری

بہاؤالدولہ کے زمانہ میں دیلمی حکومت کا خزانہ خالی ہو گیا تھا۔ فوج کو تنخواہ وقت سے نہیں ملتی تھی۔ اس لئے ۳۸۱ھ میں فوج میں روپے کے لئے شورش پیدا ہوگئی۔ امیر ابوالحسن بن معلم نے جس کا بہاؤالدولہ پر بڑا اثر تھا، اس کو مشورہ دیا کہ طائع کے پاس کافی دولت ہے' اگر اس کو گرفتار کر لیا جائے تو اس کی کل دولت ہاتھ آ جائے گی۔ بہاؤالدولہ کو روپیہ کی ضرورت تھی' اس لئے وہ اس پر آمادہ ہو گیا اور تجدید عہد کے بہانہ طائع سے باریابی کی اجازت چاہی' اس نے دے دی' بہاؤالدولہ چند دیلمیوں کو ساتھ لے کر پہنچا اور زمین بوس ہو کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ دیلمی بھی دست بوسی کے بہانے آگے بڑھے اور طائع کو تخت سے کھینچ کر نیچے اتار لیا۔ وہ ہر چند فریاد کرتا رہا' لیکن کسی نے نہ سنوائی نہ کی۔ دارالخلافہ کا کل سامان لوٹ لیا اور طائع کو بہاؤالدولہ کے محل میں لا کر اور خلافت سے معزول کر کے قاہر باللہ کے گھر میں نظر بند کر دیا۔ نظر بندی کے بعد اس کی راحت و آرام اور عزت و حرمت کا پورا لحاظ رکھا۔ کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں دی گئی۔ یہیں ۳۹۳ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کی مدت خلافت سترہ سال آٹھ مہینے اور عمر ۶۴ سال تھی۔

طائع جسمانی حیثیت سے بڑا قوی اور بہادر تھا' لیکن جہانبانی کی اہلیت نہ تھی۔ اس کی قوت اور بہادری کا یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ اس کے قصر بستان میں ایک پہاڑی مینڈھا مست ہو گیا۔ کوئی شخص اس کے پاس جانے کی ہمت نہ کرتا تھا۔ وہ خود اِس کو پکڑنے کے لئے گیا۔ مینڈھے نے اس پر حملہ کر دیا۔ طائع نے بڑھ کر اس کی دونوں سینگیں پکڑ لیں اور بڑھئی بلا کر آری سے کٹوا دیں۔ [2]

لیکن دماغی قوت اور اوصاف جہانبانی سے محروم تھا۔ اس کا جو نتیجہ نکلا وہ اس کی معزولی کی نوعیت سے ظاہر ہے۔ اس کے زمانہ میں دیالمہ کا اقتدار و استبداد بہت بڑھ گیا اور خلافت کی قوت محض برائے

---

[1] یہ فارسی مؤرخین کے بیان کا خلاصہ ہے۔ ابن اثیر کی تصریحات اس سے کسی قدر مختلف ہیں۔ یہ حکومت ۳۲۶ھ میں قائم ہوئی اور ۵۷۹ھ میں شہاب الدین غوری کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا۔ اس مدت میں پندرہ فرمانروا ہوئے۔ امیر سبکتگین' اسماعیل بن سبکتگین' محمود بن سبکتگین' محمد بن محمود' مسعود بن محمود' مودود بن مسعود' علی بن مسعود' عبدالرشید بن محمود' فرخزاد بن مسعود' ابراہیم بن مسعود' مسعود بن ابراہیم' ارسلان شاہ بن مسعود' بہرام شاہ بن مسعود' شاہ خسرو شاہ بن بہرام' ملک شاہ بن خسرو شاہ۔

[2] الفخری ص ۲۵۹' ۲۶۰۔

نام رہ گئی۔ فاطمیہ مصر گو خلافت کے مدعی تھے' لیکن حرمین میں خلفائے عباسیہ ہی کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ طائع کی کمزوری' ضعف سلطنت اور دیالمہ کی شیعیت سے فائدہ اٹھا کر معزالدین اللہ فاطمی نے اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ [1]

[1] تاریخ الخلفاء ص ۴۱۶۔

ابوالعباس احمد بن مقتدر الملقب بہ قادر باللہ

(۳۸۱ھ تا ۴۲۲ھ مطابق ۹۹۱ء تا ۱۰۳۱ء)

طائع کے بعد مقتدر باللہ کا لڑکا احمد خلیفہ ہوا۔ یہ ایک لونڈی دمنہ کے بطن سے تھا۔ طائع کی وفات سے کچھ دنوں پیشتر اس کے خوف سے احمد مہذب الدولہ کے پاس بطیحہ بھاگ گیا تھا اور اس وقت وہیں مقیم تھا۔ طائع کی معزولی کے بعد بہاؤ الدولہ اور دوسرے ارکان سلطنت نے احمد کو بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ واپس لا کر خلیفہ بنایا اور رمضان ۳۸۱ھ میں وہ تخت خلافت پر بیٹھا۔ اس وقت اس کا چالیسواں سال تھا۔

قادر بڑا مدبر اور بڑے جاہ و جلال کا خلیفہ تھا۔ اس نے اپنے زمانہ میں عباسی خلافت کا کھویا ہوا اقتدار بڑی حد تک دوبارہ قائم کر دیا۔ اس کے دور حکومت میں بھی دیالمہ کی خانہ جنگی' دوسری حکومتوں کے ساتھ ان کی لڑائیوں اور غزنوی حکومت کے عروج و ترقی کے واقعات کے سوا خاص عباسی حکومت کے واقعات بہت کم ہیں۔

فارس پر بہاؤ الدولہ کا قبضہ

صمصام الدولہ اور بہاء الدولہ کی مصالحت و معاہدہ کا حال اوپر گزر چکا ہے بہاء الدولہ نے اس کے خلاف ۳۸۳ھ میں فارس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی مگر اس میں کامیاب نہ ہوا اور الٹا خوزستان اس کے ہاتھوں سے نکل گیا' اس کے لئے کئی سال تک دونوں میں جنگ ہوتی رہی، لیکن بہاء الدولہ اس کو واپس لینے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

صمصام الدولہ کا قتل اور فارس پر بہاؤ الدولہ کا قبضہ

۳۸۸ھ میں صمصام الدولہ قتل کر دیا گیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس نے دیالمہ کی ایک جماعت کو فوج سے نکال دیا تھا جس کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اس لئے وہ سرگرداں پھرنے لگی اتفاق سے اسی زمانہ میں عز الدولہ بختیار کے لڑکے ابونصر اور ابوالقاسم جن کو صمصام الدولہ نے فارس میں قید کر رکھا تھا' قید سے نکل گئے اور صمصام الدولہ سے جنگ کی تیاری کرنے لگے۔ اس کے نکالے ہوئے دیلمی ان دونوں کے ساتھ ہو گئے اور ابونصر و ابوالقاسم صمصام الدولہ کے مقابلہ کے لئے ارجان پہنچے۔ صمصام الدولہ کے پاس اس وقت کوئی قوت نہ تھی۔ اس نے شیراز کے قلعہ میں پناہ لینی چاہی۔ یہاں کے قلعہ

دار نے گھسنے نہ دیا اور صمصام الدولہ نے کردوں کے ہمراہ اپنا ساز و سامان لے کر نکل جانا چاہا۔ کردوں نے بھی دھوکہ دیا اور راستہ میں اس کا سامان چھین لیا اور صمصام الدولہ نے جان بچا کر دودمان نکل جانا چاہا یہاں بھی پناہ نہ ملی۔ دودمان کے والی طاہر نے اسے گرفتار کر کے ابونصر کے حوالہ کر دیا۔ اس نے قتل کر کے فارس پر قبضہ کر لیا۔ اس وقت صمصام الدولہ کی عمر کل ۳۵ سال اور فارس پر اس کی حکومت کی مدت دس سال کے قریب تھی۔ طبعاً وہ بڑا شریف اور متحمل مزاج تھا۔

صمصام الدولہ کے قتل کے وقت ابوعلی بن استاذ ہرمز اس کی جانب سے خوزستان کا حاکم تھا۔ یہ بڑا بہادر تھا' خوزستان پر قبضہ کے لئے بہاؤالدولہ اور ابونصر و ابوالقاسم دونوں نے اس کو ملانے کی کوشش کی۔ صمصام الدولہ کے زمانہ میں ابوعلی ہی نے دونوں بھائیوں کو قید کیا تھا۔ اس لئے اس کو ان پر اعتماد نہ تھا' چنانچہ بہاؤالدولہ' صمصام الدولہ کے خون کے انتقام کے نام سے ابوعلی کو ملانے میں کامیاب ہو گیا اور خوزستان اس کے قبضہ میں آ گیا۔ خوزستان کے بعد اس کے وزیر موفق نے ابونصر اور ابوالقاسم کو شکست دے کر فارس پر بھی قبضہ کر لیا اور صمصام الدولہ کے قتل کے انتقام میں دودمان کو لٹوا کر یہاں قتل عام کرایا اور صمصام الدولہ کی لاش یہاں سے لے جا کر اپنے خاندانی قبرستان میں دفن کی۔

عمید العراق کے عہدہ کا قیام

بغداد میں دیالمہ کے قیام کی وجہ سے ان کے اصلی مرکز فارس کا انتظام قائم نہیں رہتا تھا۔ اس لئے خلافت بغداد کے انتظامات کے انصرام کے لئے ۳۸۹ھ میں بہاؤالدولہ نے عمید العراق کا عہدہ قائم کیا اور اس پر امیر ابوجعفر حجاج کو مقرر کر کے خوزستان کو اپنا مستقر بنایا۔

ابوطاہر کا قتل

۳۹۰ھ میں پھر ابوطاہر نے بہاؤالدولہ کے مقابلہ میں فوج کشی کی۔ اس مرتبہ بھی وہ ناکام رہا۔ موفق نے اسے شکست دی اور خود ابوطاہر کے آدمیوں نے اس کا سر قلم کر کے موفق کے سامنے پیش کیا۔ بہاؤالدولہ نے موفق کی اس کارگزاری کے صلہ میں اس کی بڑی عزت افزائی کی۔

بنی عقیل اور دیالمہ کے معرکے

موصل میں دوبارہ عقیلی خاندان کی عرب حکومت کے قیام کا حال اوپر گزر چکا ہے۔ یہ برائے نام دیالمہ کے مطیع تھے اور ان کا اختلاف برابر ان کے ساتھ قائم رہا۔ محمد بن مسیّب عقیلی والی موصل کے

انتقال کے بعد ۳۸۶ھ میں اس کی جانشینی کے مسئلہ میں اس کے بھائیوں مقلد اور عقیل میں مخالفت ہو گئی۔ اس سلسلہ میں ان میں اور بہاؤ الدولہ میں لڑائیاں بھی ہوئیں۔ مقلد زیادہ طاقتور تھا' اس لئے آخر میں بہاؤ الدولہ نے دس ہزار سالانہ پر اس کی حکومت تسلیم کر لی اور حسام الدولہ کا لقب دیا۔ ۳۹۱ھ میں مقلد کے ترک غلاموں نے اسے قتل کر دیا اور اس کا لڑکا قراوش جانشین ہوا۔ ۳۹۲ھ میں اس نے مدائن پر حملہ کر دیا۔ عمید عراق ابوجعفر حجاج نے اس کو یہاں سے ہٹا دیا' لیکن بنی عقیل' بنی مزید اور بنی اسد نے مل کر ترک و دیالمہ کو شکست دی اور ان کو بے دریغ قتل و گرفتار کیا۔ ابوجعفر حجاج نے بڑی مشکلوں سے ان کو شکست دے کر منتشر کیا۔ ۴۰۱ھ میں بنی عقیل نے دیالمہ کی مخالفت میں قادر باللہ کا خطبہ بند کر کے قائم بامراللہ فاطمی کا خطبہ جاری کر دیا۔ بہاؤ الدولہ نے عمید الجیوش کو اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا' لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی اور قراوش نے معذرت کر کے خطبہ جاری کر دیا۔

ابوالعباس کی بغاوت اور قتل

۳۹۴ھ میں ابوالعباس بن واصل کا ہنگامہ بپا ہوا۔ یہ ابتدا میں ایک معمولی شخص تھا۔ مختلف امراء کے درباروں میں ہوتا ہوا مہذب الدولہ والی بطیحہ کے یہاں پہنچا اور اس کے مزاج میں اتنا رسوخ و اعتماد حاصل کر لیا کہ وہ بڑی بڑی مہمیں اس کے سپرد کرنے لگا۔ جب اس کی قوت کافی بڑھ گئی تو اس نے خود مہذب الدولہ کو بطیحہ سے نکال دیا اور بصرہ پر قابض ہو گیا۔ یہ نئی قوت دیالمہ کے لئے خطرہ سے خالی نہ تھی۔ اس لئے بہاؤ الدولہ نے عمید الجیوش کو اس کے پاس بھیجا۔ اس نے ابوالعباس کو شکست دے کر اس کے خزانہ پر قبضہ کیا۔ اہل بطیحہ ابوالعباس کے خلاف تھے۔ اس کی غیر حاضری میں انہوں نے اس کے نائب کو بطیحہ سے نکال دیا اور مہذب الدولہ کو بطیحہ واپس مل گیا۔

ابوالعباس اس وقت خوزستان پر فوج کشی کی تیاری میں مشغول تھا۔ اس لئے بطیحہ کی جانب اس نے توجہ نہ کی اور خوزستان پر حملہ کر کے اہواز پر قبضہ کر لیا' لیکن بہت جلد بہاؤ الدولہ نے اس کو یہاں سے نکال دیا اور اپنے وزیر ابوغالب کو بھیج کر اس کے مرکز بصرہ پر قبضہ کر لیا۔ ابوالعباس نے اپنے معاون بدر بن حسنویہ کے پاس کردستان نکل جانا چاہا۔ ایک دیلمی افسر ابوالفتح نے راستہ میں گرفتار کر کے عمید الجیوش کے پاس بھجوا دیا۔ اس نے قتل کرا دیا۔ اس طرح اس نئی قوت کا خاتمہ ہو گیا۔

بہاؤ الدولہ کا انتقال

۴۰۲ھ میں ارجان میں بہاؤ الدولہ کا انتقال ہو گیا۔ لاش مشہد لے جا کر اس کے باپ کے پہلو

میں دفن کی گئی۔ وفات کے وقت کل بیالیس سال کی عمر تھی۔ مدت حکومت چوبیس سال' اس میں کوئی قابل ذکر خصوصیت نہ تھی۔

سلطان الدولہ

بہاؤالدولہ کے بعد اس کا لڑکا ابوشجاع سلطان الدولہ تخت نشین ہوا اور اپنے ایک بھائی ابوطاہر جلال الدولہ کو بصرہ کا اور دوسرے بھائی ابوالفوارس کو کرمان کا حاکم بنایا اور ابومحمد حسن بن سہلان کو نائب السلطنت کے عہدہ پر مامور کیا۔

ابوالفوارس کی بغاوت اور اطاعت

چند ہی دنوں کے بعد دیالمہ نے ابوالفوارس کو سلطان الدولہ کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا اور اس نے شیراز پر قبضہ کر لیا' لیکن سلطان الدولہ نے بہت جلد اس کو نکال دیا اور ابوالفوارس کرمان چلا گیا۔ سلطان الدولہ نے یہاں بھی اسے ٹکنے نہ دیا اور ابوالفوارس نے بست جا کر سلطان محمود غزنوی کے دامن میں پناہ لی۔ اس نے عزت واحترام کے ساتھ ٹھہرایا اور امیر ابوسعید طائی کو فوجیں دے کر اس کی امداد کے لئے بھیجا۔ اس وقت سلطان الدولہ کرمان سے واپس جا چکا تھا۔ اس لئے ابوالفوارس نے کرمان اور اس کے بعد شیراز پر قبضہ کر لیا۔ سلطان الدولہ فوراً واپس آیا اور ابوالفوارس کو شکست دے کر دوبارہ شیراز سے نکالا اور ۴۰۸ھ میں وہ بحال تباہ کرمان لوٹ گیا۔ سلطان الدولہ نے کرمان پر قبضہ کر لیا۔ ابوالفوارس کا رویہ ابوسعید غزنوی کے ساتھ نامناسب رہا تھا' اس لئے دوبارہ اس کو محمود غزنوی کے پاس جانے کی جرأت نہ ہوئی اور مہذب الدولہ کے پاس بطیحہ چلا گیا۔ اس نے عزت واحترام کے ساتھ ٹھہرایا۔ چند دنوں کے بعد سلطان الدولہ نے اس کی خطا معاف کر کے کرمان کا حاکم بنا دیا۔

عراق پر مشرف الدولہ کا قبضہ

۴۱۱ھ میں بغدادی فوج سلطان الدولہ کے خلاف ہوگئی۔ وہ در پردہ اس کے بھائی مشرف الدولہ کی حامی تھی۔ اسی زمانہ میں سلطان الدولہ نے واسط جانے کا ارادہ کیا۔ فوج نے اس شرط پر جانے کی اجازت دی کہ وہ اپنے بھائی یا لڑکے کو بغداد میں چھوڑتا جائے۔ اس لئے مجبوراً اسے مشرف الدولہ کو چھوڑنا پڑا' لیکن بغداد سے نکلتے ہی اس نے ابومحمد حسن بن سہلان کو مشرف الدولہ کو نکالنے کے لئے بھیجا۔ مشرف الدولہ نے اس کو شکست دے کر واسط پر قبضہ کر لیا۔ یہاں کے دیلمی بھی اس سے مل

گئے۔اس سے اس کی عظمت وشان بڑھ گئی۔سلطان الدولہ اس وقت اہواز میں تھا۔اس میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔اس لئے وہ اہواز چھوڑ کرارجان چلا گیا اور عراق وخوزستان میں مشرف الدولہ کی حکومت قائم ہوگئی۔۴۱۳ھ میں دونوں میں مصالحت ہوگئی۔اس کی رو سے عراق کا علاقہ اور خلافت بغداد کی تولیت مشرف الدولہ کے ہاتھوں میں آئی اور فارس وکرمان کی موروثی حکومت سلطان الدولہ کے حصہ میں رہی۔

شوال ۴۱۵ھ میں سلطان الدولہ کا اور ربیع الاول ۴۱۶ھ میں مشرف الدولہ کا انتقال ہوگیا۔عراق میں مشرف الدولہ کی مدت حکومت کل ۵ سال تھی۔وہ بڑا نیک سیرت‘عادل اور خوبیوں کا مالک فرمانروا تھا۔

جلال الدولہ

سلطان الدولہ کی وفات کے بعد فارس میں اس کا لڑکا ابوکالیجار تخت نشین ہوا‘اور عراق میں مشرف الدولہ کے بعد اس کے دوسرے بھائی جلال الدولہ نے اس کی جگہ لے لی۔

۴۱۹ھ میں ترکوں نے جلال الدولہ کے خلاف سخت بغاوت کی۔اس کا اور اس کے تمام وابستگان دولت کے گھر اور ٹکسال لوٹ لی اور جلال الدولہ کا محاصرہ کر کے اس کا دانہ پانی بند کر دیا۔اس نے بغداد چھوڑ کر نکل جانا چاہا۔ترک اس میں بھی حائل ہوئے‘لیکن پھر عوام کی دست اندازی سے رک گئے اور قادر نے دونوں میں صلح کرا دی‘لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد پھر ترکوں نے تنخواہ کے لئے شورش کر دی۔جلال الدولہ کے پاس روپیہ نہ تھا۔اس نے گھر کا اثاثہ اور ساز وسامان بیچ کر مطالبہ پورا کیا۔

اسی سنہ میں بصرہ کے ترک اور دیالمہ میں تصادم ہوگیا۔جلال الدولہ کے لڑکے ابومنصور عزیز والی بصرہ نے دونوں میں صلح کرانے کی کوشش کی۔اس پر ترک اور بگڑ گئے اور ابوکالیجار کی حمایت پر آمادہ ہو گئے۔ابوکالیجار نے ان کی مدد سے ابومنصور کو بصرہ سے نکال کر اس پر قبضہ کرلیا‘ابومنصور واسط چلا گیا۔جلال الدولہ کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے اہواز پر فوج کشی کر دی۔اس وقت ابوکالیجار واسط میں تھا۔اس لئے جلال الدولہ نے اہواز کو لوٹ کر ابوکالیجار کی بیوی بچوں کو گرفتار کرلیا۔یہ خبر سن کر وہ اہواز پہنچا۔جلال الدولہ نے اسے بھی شکست دی اور واسط پر قبضہ کرتا ہوا بغداد لوٹ گیا۔واسط پر قبضہ کے بعد جلال الدولہ نے اپنے وزیر ابوعلی کو بطیحہ اور بصرہ روانہ کیا۔اس نے بطیحہ پر آسانی کے ساتھ قبضہ کرلیا‘لیکن بصرہ کی مہم میں شکست کھائی اور گرفتار کر کے ابوکالیجار کے سامنے لے جایا گیا۔اس نے معاف کر دیا‘لیکن خود ابوعلی کے غلام نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ابوعلی کے قتل کے بعد جلال الدولہ نے بصرہ پر قبضہ کر لیا۔قادری دور کے واقعات میں ماوراءالنہر کی سامانی حکومت کا خاتمہ اور افغانستان کی غزنوی حکومت کا عروج دو اہم اور قابل ذکر واقعے ہیں۔ان کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے‘اجمالی حالات یہ ہیں۔
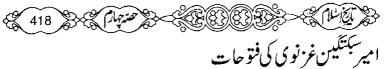
امیر سبکتگین غزنوی کی فتوحات

غزنوی حکومت کے قیام کا حال اوپر گزر چکا ہے۔ امیر سبکتگین کی شجاعت اور ناموری کا شہرہ اتنا پھیل چکا تھا کہ آس پاس کے چھوٹے چھوٹے حکمران اپنی مشکلات میں اس کی جانب رجوع کرنے لگے تھے۔ اسی زمانہ میں بست کے حکمران طغان کی حکومت پر ایک شخص ابوثور نے قبضہ کر لیا تھا۔ اس نے امیر سبکتگین سے مدد کی درخواست کی۔ سبکتگین نے ابوثور کو نکال کر بست' طغان کو واپس دلا دیا اور طغان اس کی ماتحتی میں آ گیا۔ غزنین کے قریب قصدار کا قلعہ نہایت سنگین اور یہاں کا قلعہ دار بڑا سرکش تھا۔ امیر سبکتگین نے اسے مغلوب کر کے خراج وصول کیا اور اس سے اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔

ہندوستان پر سبکتگین کا حملہ

اس وقت تک مسلمانوں کے قدم سندھ کے آگے نہ بڑھے تھے۔ ۳۶۷ھ میں امیر سبکتگین نے خیبر کی سمت سے ہندوستان پر حملہ کیا اور چند قلعے فتح کر کے غزنین لوٹ گیا۔ پنجاب اور کشمیر کے راجہ جے پال نے مقابلہ کی تیاری کی۔ اس کی تیاری کی خبر سن کر امیر سبکتگین دوبارہ ہندوستان پہنچا اور کابل و پشاور کے درمیان لمغان کے میدان میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ یہ سردی کا موسم تھا۔ بڑی شدت سے برفباری ہوئی۔ ہندوستانی اس کے عادی نہ تھے۔ ہزاروں آدمی اور جانور لقمہ اجل ہو گئے۔ اس لئے جے پال کو مجبور ہو کر صلح کی درخواست کرنی پڑی اور خراج و ہدایا و تحائف کے وعدہ پر مصالحت ہو گئی' لیکن لاہور واپس جانے کے بعد جے پال وعدے سے پھر گیا' اور خراج کی رقم نہ بھیجی' اس لئے سبکتگین نے دوبارہ فوج کشی کی' جے پال میں تنہا اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اس نے اس جنگ کو ہندوستان کی حفاظت کا سوال بنا کر کالنجر' اجمیر اور قنوج کے راجاؤں سے مدد مانگی۔ ان سب نے اپنی اپنی فوجیں بھیجیں اور جے پال نے متحدہ طاقت سے سبکتگین کا مقابلہ کیا' لیکن کثرت تعداد کے باوجود شکست کھائی اور سبکتگین نے دریائے اٹک تک اس کی مملکت پر قبضہ کر لیا اور پشاور میں فوجی چھاؤنی قائم کر کے غزنین لوٹ گیا۔ [1]

سامانیہ ماوراء النہر کے دور زوال میں اس کے امراء میں خودسری پیدا ہو گئی تھی اور حصول اقتدار کے لئے ان میں باہم رشک و رقابت کا بازار گرم رہتا تھا' چنانچہ امیر نوح سامانی کے زمانہ میں اس کے ایک عہدہ دار عماد الدولہ ابوعلی نے جیحون کے اس پار کے تمام سامانی مقبوضات پر قبضہ کر کے خالصہ شاہی پر بھی
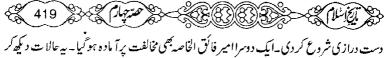
[1] تاریخ فرشتہ ص ۱۹ ملخصاً۔

دست درازی شروع کر دی۔ ایک دوسرا امیر فائق الخاصہ بھی مخالفت پر آمادہ ہو گیا۔ یہ حالات دیکھ کر سامانیوں کے پرانے حریف ایلک خان فرمانروائے ترکستان نے سامانیہ کے پایہ تخت بخارا پر قبضہ کر لیا اور نوح کو یہاں سے بھاگنا پڑا' لیکن اس کی خوش قسمتی سے چند ہی دنوں کے بعد ایلک خان بیمار ہو کر لوٹ گیا اور امیر نوح پھر بخارا واپس آ گیا۔

ابوعلی برابر مخالفت پر قائم رہا۔ امیر نوح نے ہر چند اسے سمجھانے کی کوشش کی' مگر وہ باز نہ آیا۔ آخر میں امیر نوح نے اپنے قدیم نمک خوار امیر سبکتگین والی غزنہ کی جانب رجوع کیا۔ اس نے ۳۸۴ھ میں ابوعلی پر فوج کشی کر کے اسے فاش شکست دی۔ امیر نوح نے اس کارگزاری کے صلہ میں سبکتگین کو ناصر الدولہ اور اس کے لڑکے محمود کو سیف الدولہ کا لقب عطا کیا۔ ابوعلی کو شکست دینے کے بعد سبکتگین اپنے لڑکے محمود کو خراسان کے انتظام کے لئے چھوڑ کر خود غزنہ لوٹ گیا۔ اس کی واپسی کے بعد ابوعلی نے امیر فائق کو ساتھ لے کر خراسان پر فوج کشی کر دی' لیکن محمود نے اسے شکست دی اور وہ مختلف مقاموں پر پھرتا پھراتا ہوا آخر میں گرفتار ہوا اور ۳۸۷ھ میں سبکتگین نے اسے قتل کرا دیا۔ [1]

امیر نوح سامانی اور امیر سبکتگین کا انتقال

اسی سنہ میں امیر نوح اور امیر سبکتگین دونوں کا تھوڑے تھوڑے وقفہ سے انتقال ہو گیا۔ نوح کی جگہ اس کا لڑکا منصور تخت نشین ہوا۔ محمود باپ کی وفات کے وقت نیشاپور میں تھا۔ اس لئے غزنین کا تخت اس کے چھوٹے بھائی اسماعیل نے حاصل کر لیا۔

یہ عمر اور تجربہ دونوں میں محمود سے کم تھا۔ اس لئے حکومت نہ سنبھال سکا اور فوج اس کے قابو سے باہر ہو گئی۔ محمود نے اس کو لکھ بھیجا کہ والد مرحوم کے بعد تم مجھ کو سب سے زیادہ عزیز ہو۔ میں تمہاری ہر خواہش پوری کروں گا' لیکن سلطنت کی بقا و تحفظ کے لئے عمر' تجربہ اور امور مملکت سے واقفیت ضروری ہے۔ اگر یہ اوصاف تم میں موجود ہوتے تو میں سب سے پہلے تمہاری حکومت تسلیم کر لیتا۔ والد نے میری عدم موجودگی میں تم کو محض اس لئے نامزد کر دیا تھا کہ میں ان کی وفات کے وقت غزنین سے دور تھا اور اس کی حفاظت کے لئے کسی کا نامزد کرنا ضروری تھا۔ اب حق و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تم والد کی میراث کو شرع شریف کے مطابق تقسیم کر دو۔ غزنین کو جو ہمارا مولد و منشا ہے' میرے حوالے کر دو۔ میں بلخ کی ولایت خرخشوں سے پاک کر کے تم کو دے دوں گا۔ اسماعیل نے اسے نہ مانا۔ اس لئے

---

[1] یہ حالات ملخصاً زین الاخبار گردیزی ص ۵۴ تا ۵۸ سے ماخوذ ہیں۔

محمود نے ۳۸۸ھ میں فوج کشی کر کے اسماعیل کو شکست دی اور اس کو جرجان کے قلعہ میں نظر بند کر کے اس کی راحت و آسائش کے جملہ سامان فراہم کر دیئے' جہاں وہ آخر عمر تک نظر بند رہا۔ [1]

سامانیہ کا خاتمہ

ادھر خراسان میں محمود کی عدم موجودگی میں امیر بکتوزون نے نیشاپور پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس لئے اسماعیل سے فراغت کے بعد محمود پھر نیشاپور واپس گیا۔ بکتوزون میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی، اس لئے نیشاپور چھوڑ دیا۔ امیر منصور محمود کی طرف مائل تھا' اس لئے بکتوزون اور فائق خاصہ نے اسے ۳۸۹ھ میں اندھا کر کے معزول کر دیا اور اس کے بھائی عبدالملک کو تخت نشین کیا۔

محمود کو اس کی اطلاع ہوئی تو ان دونوں سے انتقام کے لئے تیار ہو گیا' لیکن انہوں نے ہرات اور بلخ کا علاقہ دے کر صلح کر لی' لیکن چند ہی دنوں کے بعد بعض اختلافات کی بنا پر محمود کے بھائی نصر نے بکتوزون پر حملہ کر دیا' وہ شکست کھا کر باحال تباہ بخارا چلا گیا اور فائق کا ۳۸۹ھ میں انتقال ہو گیا۔ ایلک خان تاک میں لگا ہوا تھا۔ وہ عبدالملک کی مدد کے بہانہ سے بخارا پہنچا اور عبدالملک اور اس کے بھائیوں کو گرفتار کر کے بخارا پر قبضہ کر لیا۔ [2]

عبدالملک کا ایک بھائی اسماعیل کسی طرح قید سے نکل گیا۔ وہ سامانی امرا اور فوجیں جو عبدالملک کی گرفتاری کے بعد منتشر ہو گئی تھیں، اسماعیل کے پاس جمع ہو گئیں۔ اس نے ان کی مدد سے ایک مرتبہ ترکمانوں کو بخارا سے نکال دیا' لیکن اب سامانی حکومت کی قوت ختم ہو چکی تھی۔ یہ قبضہ محض چراغ سحری کا آخری سنبھالا تھا۔ ایلک خان نے بہت جلد دوبارہ بخارا پر قبضہ کر لیا اور اسماعیل کئی سال تک مختلف قوتوں سے جنگ کرتا اور ادھر ادھر مارا مارا پھرتا رہا۔ کہیں اس کو پناہ نہ ملتی تھی۔ جس کے حدود میں قدم رکھتا تھا' کوئی اس کو ٹکنے نہ دیتا تھا۔ آخر میں مایوس ہو کر ۳۹۴ھ میں ماوراء النہر کا رخ کیا۔ اس کی سرگردانی اور پریشانی دیکھ کر اس کے ساتھیوں نے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی اور ایک عرب قبیلے نے اسے پکڑ کر قتل کر دیا۔ اس کے قتل کے بعد سامانی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ [3]

غزنویوں کا عروج

سامانیوں کے زوال کے ساتھ ہی غزنویوں کی نئی حکومت برابر ترقی کرتی رہی۔ خراسان پر محمود کا قبضہ اور اس کے بھائیوں کی شکست کے بعد ہی ۳۸۹ھ میں قادر باللہ نے محمود کی حکومت تسلیم کر لی تھی اور

---

[1] تاریخ فرشتہ ج ۱' ص ۲۳۔ [2] زین الاخبار گردیزی ص ۵۸ تا ۶۰۔ [3] ابن اثیر جلد ۹' ص ۵۵۔

اس کو خراسان کی حکومت کا پروانہ، لواء، خلعت اور یمین الدولہ امین الملت ولی امیر المؤمنین کے القاب عطا کیے تھے۔ ❶ اس نے کامل پینتیس سال تک بڑے جاہ وجلال کی حکمرانی کی۔ فتح وظفر اس کے ہمرکاب تھی۔ کبھی کسی مہم میں ناکام نہ ہوا اور ترکستان سے لے کر شمالی مغربی ہند تک نہایت طاقتور حکومت قائم کردی۔ اس کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ مختصر حالات یہ ہیں۔

سب سے اول سامانیہ کے خاتمہ کے بعد ان کے مقبوضات کو ان کے عمال کے ہاتھوں سے چھڑایا، چنانچہ ۳۹۳ھ میں سیستان کو خلف بن احمد سامانی کے قبضہ سے نکالا، اور اس سے اطاعت کا وعدہ لے کر جوزجان کا علاقہ اسے دے دیا۔ ❷

ماوراء النہر پر ایلک خان کے قبضہ کے بعد جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اس میں اور محمود میں صلح ہوگئی تھی، اور دریائے جیوں دونوں کی سرحد قرار پایا تھا۔ ❸ ۳۹۶ھ میں جب محمود ہندوستان کی مہم میں مصروف تھا تو ماوراء النہر کے ترکمانوں نے حملہ کر کے نیشاپور اور ہراۃ پر قبضہ کرلیا، یہ خبر سن کر محمود فوراً واپس آیا، ترکمانوں نے نکل جانا چاہا، لیکن غزنوی حاکم ارسلان جاذب نے ناکہ بندی کر کے انہیں بری طرح قتل وگرفتار کیا، کچھ دریا میں ڈوب کر مرے، بقیۃ السیف ماوراء النہر واپس جا کر ایلک خاں سے مدد کے طالب ہوئے، پہلے اس نے انہیں ملامت کی، لیکن پھر معاہدہ کے خلاف ان کی حمایت میں چالیس ہزار فوج لے کر محمود کے مقابلہ میں آیا، محمود نے اسے نہایت فاش شکست دی ❹ ابن اثیر کا بیان ہے کہ ایلک خاں نے خود خراساں پر حملہ کیا تھا۔

غزنوی حکومت کے پڑوس میں غور کے جرائم پیشہ قبائل آباد تھے، ۴۰۱ھ میں محمود نے ان پر حملہ کیا اور ان کے سردار ابن سور کو شکست دے کر ان کے مرکز آہنگران پر قبضہ کرلیا' ابن سور نے اس غم میں خود کشی کرلی، اور غور کا علاقہ محمود کے قبضہ میں آگیا، غوری بالکل وحشی تھے، محمود نے انہیں مسلمان بنا کر ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا۔ ❺ ۴۰۳ھ میں گرجستان کو فتح کیا' ۴۰۷ھ میں اہل خوارزم نے اپنے فرماں روا ابوالعباس مامون کو جو محمود کا حقیقی بہنوئی تھا' قتل کردیا' محمود نے اس کے خون کا انتقام لینے کے لئے فوجکشی کی، خوارزمیوں نے پوری قوت سے اس کا مقابلہ کیا، محمود نے انہیں شکست دے کر ان کے سپہ سالار الپتگین بخاری کو گرفتار کرلیا، اور خوارزم پر قبضہ کر کے اپنے حاجب التونتاش کو یہاں کا حاکم بنایا ❻ فخر الدولہ دیلمی والی رے کے بعد اس کا چار سالہ لڑکا ابوطالب مجد الدولہ اپنی ماں کی تولیت میں تخت نشین

❶ زین الاخبار گردیزی ص ۶۲۔ ❷ زین الاخبار گردیزی ص ۶۶۔ ❸ ابن اثیر ج ۹ ص ۶۵۔
❹ زین الاخبار ص ۶۸، ۶۹۔ ❺ ابن اثیر ج ۹ ص ۱۷۶۔ ❻ زین الاخبار ۷۳، ۷۴۔

ہوا تھا، اس کی پرورش نسوانی ماحول میں ہوئی تھی اس لئے سن شعور کو پہنچنے کے بعد بھی وہ امور جہانبانی سے محروم رہا تھا، اس کا سارا وقت عورتوں کی صحبت یا کتب بینی میں صرف ہوتا تھا، حکومت کی باگ اس کی ماں ہی کے ہاتھوں میں رہی، اور خود اس کو کوئی تجربہ نہ ہوسکا، اس لئے ماں کی موت کے بعد وہ حکومت کو نہ سنبھال سکا۔ اور فوج اس کے قابو سے باہر ہوگئی۔ [1]
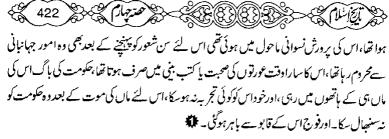
ابن اثیر کا بیان ہے کہ اس نے مجبور ہو کر محمود سے مدد طلب کی، اس نے علی حاجب کو روانہ کیا اور خفیہ مجدالدولہ کو گرفتار کر لینے کی ہدایت کی، لیکن گردیزی میں مجدالدولہ کی امداد طلب کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے، اس کے بیان کے مطابق مجدالدولہ کی نااہلی اور کمزوری کو دیکھ کر محمود نے خود علی حاجب کو بھیجا، مجدالدولہ یہ سمجھ کر کہ محمود خود آیا ہے اس کے استقبال کو نکلا' علی نے اسے گرفتار کر کے محمود کو اس کی اطلاع دی، وہ فوراً رَے پہنچا اور بغیر کسی کشت و خون کے رے پر اس کا قبضہ ہوگیا، اور دیلمی خاندان کی بے اندازہ دولت اس کے ہاتھ میں آئی۔ [2]

مغربی سمت میں غزنوی حکومت کے حدود خراسان اور خوارزم سے آگے نہ بڑھے تھے، اتفاق سے ترکستان کا ایک فرماں روا علی تگین بڑا جابر و ظالم تھا، اس کے مظالم سے تنگ آکر اس کی رعایا نے سلطان محمود سے فریاد کی، اس تقریب سے ۴۱۵ھ میں اس نے جیحون کو عبور کر کے ترکستان کی سرزمین میں قدم رکھا، اس کی آمد سے یہاں کے فرماں رواؤں میں ہلچل مچ گئی، امیر چغانیاں اور دوسرے چھوٹے چھوٹے حکمرانوں نے اس کی خدمت میں حاضر ہو کر سرِ اطاعت خم کیا، یوسف قدر خاں فرماں روائے ختن جو ترکستان کے فرمانرواؤں میں سب سے زیادہ بلند مرتبہ اور ان سب کا سردار تھا، محمود کی ملاقات کے لئے کاشغر سے سمرقند آیا، دونوں بڑے لطف و مدارات کے ساتھ ایک دوسرے سے ملے، محمود نے اس کے اعزاز میں بڑی پرتکلف دعوت کی اور بہت سے قیمتی ہدایا و تحائف اس کو دیئے، اس کے جواب میں قدر خاں نے بھی ترکستان کی قیمتی اور نادر چیزیں اس کی خدمت میں ہدیۃً پیش کیں، اور دونوں لطف و محبت کے ساتھ ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔ [3]

علی تگین جس کی تنبیہ کے لئے محمود نے ترکستان کا سفر کیا تھا کہیں روپوش ہوگیا تھا اور باوجود تلاش کے اس کا پتہ نہ چل سکا، اس لئے محمود نے اس کے اہل و عیال کو گرفتار کرا لیا، اور ۴۱۶ھ میں غزنین واپس گیا۔

[1] ابن اثیر ج ۹ ص ۱۲۸۔ [2] زین الاخبار ص ۹۰، ۹۱۔
[3] گردیزی نے اس کی بڑی طویل تفصیل لکھی ہے ملاحظہ ہو ص ۸۱ تا ۸۴۔

تاریخ میں محمود کا نام زیادہ تر ہندوستان کی فتوحات کی وجہ سے روشن ہے۔ لیکن اس کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے' یہ حالات ان شاء اللہ تاریخ اسلام کے کسی اور حصہ میں آئیں گے۔
اس نے ہندوستان پر سولہ یا سترہ حملے کئے اور راجہ انند پال والی پنجاب اور قنوج' میرٹھ' کالنجر' متھرا' مالوہ' اجمیر' گوالیار اور گجرات کے راجاؤں کی متحدہ فوجوں کو شکست دے کر پنجاب پر قبضہ کر لیا اور اپنے نامور غلام ایاز کو یہاں کا حاکم بنایا' پھر چند برسوں میں کشمیر' قنوج' کالنجر' کوہ بالا ناتھ' گوالیار اور گجرات کے راجاؤں کو مطیع بنایا۔ سندھ و پشاور سے لے کر پنجاب تک زیر نگیں کر لیا۔ ان فتوحات میں سب سے زیادہ اہم فتح سومنات کی شمار کی جاتی ہے جو ۴۱۶ھ میں ہوئی۔
محمود ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھا۔ اس نے باطنیوں کا جنہوں نے مسلمانوں پر بڑی آفت ڈھا رکھی تھی' زور توڑنے کی کوشش کی' چنانچہ رے اور نواح رے کے بہت سے باطنیوں کو قتل کیا اور پکڑ کر خراسان بھجوا دیا۔ سندھ اور ملتان میں بھی باطنیوں کا استیصال کیا۔

محمود اور خلافت بغداد کے تعلقات

خلافت بغداد کی دینی مرکزیت ہر دور میں قائم رہی اور عباسی خلفا کی تصدیق و اجازت نامہ کے بغیر کوئی نئی حکومت باقاعدہ حکومت تسلیم نہ کی جاتی تھی۔ اس لئے مشرق کی نومولود حکومتوں کے حکمران خواہ بطیب خاطر' خواہ سیاسی مصلحت کی بنا پر خلافت بغداد کی سیادت ماننے اور اس سے تعلق قائم رکھنے پر مجبور تھے۔ اس لئے خراسان پر قبضہ اور اسماعیل کو شکست دینے کے بعد ۳۸۹ھ میں محمود نے بھی قادر باللہ سے خراسان اور دوسرے مقبوضات کے صداقت نامہ اور فرمانِ حکومت کی درخواست کی۔ اس کی درخواست پر جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے' قادر باللہ نے اسے لواء خلعت اور یمین الدولہ اور امین الملت ولی امیر المؤمنین کا لقب عطا کیا۔ [1]
فرشتہ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ محمود اور قادر باللہ میں کچھ ناگواری بھی پیش آئی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ محمود نے قادر باللہ کو لکھا کہ خراسان کا بڑا حصہ میرے قبضہ میں آ چکا ہے۔ کچھ تھوڑا سا علاقہ آپ کے غلاموں کے پاس ہے جو مجھے مرحمت فرمایا جائے۔ قادر نے اس کی درخواست منظور کر لی اور مطلوبہ حصہ محمود کو دلا دیا۔ چند دنوں کے بعد پھر اس نے سمرقند کی خواہش کی۔ قادر نے اس سے انکار کر دیا اور کہلا بھیجا کہ اگر میری اجازت کے بغیر تم نے سمرقند کی طرف قدم بڑھایا تو ساری دنیائے اسلام کو تمہارے خلاف کر دوں گا۔ محمود اس جواب پر بگڑ گیا اور بغدادی قاصد سے کہا کیا تم چاہتے ہو کہ ایک

---

[1] زین الاخبار گردیزی ص ۶۲۔

ہزار ہاتھیوں سے بغداد پر حملہ کر کے اسے برباد کر دوں اور اس کی خاک ہاتھیوں پر لاد کر غزنین لے آؤں۔ قاصد نے واپس جا کر قادر کو یہ جواب سنایا۔ اس کے جواب میں قادر نے لکھ دیا (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ا،ل،م اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَاٰلِهٖ اَجْمَعِيْنَ) محمود کے درباریوں میں سے کوئی اس تحریر کا مطلب نہ سمجھ سکا' خواجہ ابوبکر قہستانی اس تلمیح کو سمجھ گئے' انہوں نے کہا حضور نے ہاتھیوں سے بغداد پر حملہ کرنے کی دھمکی دی تھی' اس لئے اس کے جواب میں ﴿ ا،ل،م﴾ سے ﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ﴾[۱۰۵/الفیل:۱] کی طرف اشارہ ہے۔ یہ سن کر محمود گھبرا گیا اور بہت رویا اور قاصد سے اپنی گستاخی کی معذرت کر کے ہدایا و تحائف دے کر اس کو بغداد واپس کیا۔ [1] لیکن فرشتہ کا یہ بیان محل نظر ہے' وہ بہت بعد کا مؤرخ ہے۔ قدیم تاریخوں میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ محمود کا تعلق خلافت بغداد سے خادمانہ رہا اور خلفائے بغداد اس کی قدر افزائی کرتے رہے۔ خود قادر نے مختلف اوقات میں اس کو خراسان' ہندوستان' نیمروز اور خوارزم کا لوائے حکومت عطا کیا اور اس کو کہف الدولہ والاسلام' اس کے بھائی امیر یوسف کو عضد الدولہ اور مؤید الدولہ اور اس کے بیٹوں مسعود و محمد کو شہاب الدولہ و شہاب الملۃ اور جمال الدولہ و جمال الملۃ کے القاب سے سرفراز کیا۔ [2]

محمود کا انتقال

ربیع الثانی ۴۲۱ھ میں اس جلیل القدر فرمانروا کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت ۶۴ سال کی عمر تھی' مدت حکومت پینتیس سال۔

ہمارے ہندوستانی مؤرخین کو عموماً محمود کی زندگی میں کشت و خون' فتوحات اور حرص دولت کے سوا اس کے کارنامے بہت کم نظر آتے ہیں۔ حالانکہ وہ جس درجہ کا جہانگیر و کشور کشا تھا' اسی درجہ کا جہاندار بھی تھا۔ اس نے علم و تمدن کی بڑی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ وہ جامع کمالات فرمانروا تھا۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ محمود عاقل' دیندار' نیک سیرت اور صاحب علم فرمانروا تھا۔ اس کے لئے مختلف علوم و فنون پر کتابیں لکھی گئیں۔ وہ علما کا قدردان تھا۔ ان کا اعزاز و اکرام اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا تھا۔ دور دور کے علما اس کے دربار میں جمع ہو گئے تھے۔ وہ عدل پرور اور رعایا کے ساتھ شفیق تھا۔ [3] وہ خود بھی بڑا صاحب علم تھا' صاحب جواہر مضیہ شیخ محی الدین عبدالقادر حنفی نے اس کو حنفی فقہا میں شمار کیا ہے۔ اس کے حالات میں لکھتے ہیں کہ محمود ممتاز فقہا میں تھا' فصاحت و بلاغت میں یگانہ

---

[1] فرشتہ ج۱' ص۸۔ [2] گردیزی ص۸۷۔ [3] ابن اثیر ج۹' ص۱۳۹۔

تھا۔فقہ‘ حدیث‘ خطبات و رسائل میں اس کی تصانیف ہیں‘ فقہ حنفی میں اس کی تصنیف ’’کتاب التفرید‘‘ جودت اور کثرت مسائل میں امتیازی درجہ رکھتی ہے۔ [1]

جہاں جہاں اصحاب کمال کا پتہ چلتا تھا ان کو غزنین بلا بھیجتا تھا۔اس کے بہنوئی ابوالعباس مامون فرمانروائے خوارزم کے دربار میں مختلف علوم کے ارباب کمال جمع تھے۔اطبا میں ابن سینا اور ابوالحسن الخمار‘ علمائے ریاضی میں البیرونی اور ابونصر عراق‘ فلاسفہ میں ابوسہل مسیحی دربار خوارزم کی زینت تھے۔محمود نے مامون کو لکھ بھیجا کہ تمہارے دربار میں جو فلاں فلاں علما ہیں‘ میں استفادہ کے لئے اپنے یہاں بلانا چاہتا ہوں‘ انہیں بھیج دو۔مامون ایسے ارباب کمال کو جدا کرنا نہیں چاہتا تھا‘ لیکن محمود کی خواہش کو رد کرنا بھی اس کے بس میں نہ تھا۔اس لئے اس نے ان علما کو محمود کا خط سنا کر اپنی مجبوری ظاہر کردی۔خط سن کر البیرونی‘ ابوالحسن الخمار اور ابونصر عراق غزنین چلے گئے‘ لیکن ابن سینا اور ابوسہل مسیحی نے جانا پسند نہ کیا اور محمود کے خوف سے خوارزم چھوڑ دیا۔ [2]

محمود خود نکتہ سنج شاعر تھا اور شعر وسخن کا بڑا مذاق رکھتا تھا‘ چنانچہ اس نے شاعری کا ایک خاص محکمہ قائم کیا تھا اور عنصری کو ملک الشعرا کا خطاب دے کر شعبہ شاعری کا افسر مقرر کیا تھا۔تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ چار سو شعرا اس کے دربار سے وابستہ تھے۔ان میں ابوالقاسم‘حسن بن احمد عنصری‘ ابوالحسن علی بن قلوع خرفی‘ حسن بن اسحاق فردوسی‘ ابونصر علی بن احمد اسدی طوسی‘ابونعیم احمد منوچہر امغانی کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔وہ جس فیاضی سے شعرا پر صرف کرتا تھا‘ اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ چار سو زریں کمر غلام ملک الشعرا عنصری کے جلو میں چلتے تھے۔سفر میں اس کا سامان چار سو اونٹوں پر بار ہوتا تھا۔ [3] حمد اللہ مستوفی کا بیان ہے کہ محمود علما اور شعرا کا قدردان تھا اور ان پر چار لاکھ دینار سالانہ سے زیادہ صرف کرتا تھا۔ [4]

اس کی اس قدردانی اور زرپاشی نے فارسی شاعری کو زمین سے آسمان تک پہنچا دیا۔بقول مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ فارسی شاعری غزنوی دور میں انتہائی کمال کو پہنچ گئی اور تاریخ و اخلاق کے علاوہ محمودی شعرا نے اصل فن کو ترقی دی اور شاعری کو اس قابل بنا دیا کہ جس قسم کے مطالب چاہیں ادا کرسکیں۔ [5] شاہنامہ جیسی زندہ جاوید کتاب جس نے عجم کی تاریخ کو زندہ کردیا۔محمود ہی کی یادگار ہے۔

محمود کی علم نوازی محض علماوشعرا کی قدردانی تک محدود نہ تھی‘ بلکہ اس نے علم وتعلیم کی عام اشاعت

---

[1] جواہر المضیہ ج ۲‘ ص ۱۵۷۔
[2] تاریخ ادبیات ایران براؤن ج ۲‘ ص ۶۹۔
[3] تذکرہ دولت شاہ سمرقندی ذکر عنصری۔
[4] تاریخ گزیدہ ج ۱‘ ص ۳۹۵۔
[5] شعر العجم ج ۱‘ ص ۵۶‘ ۵۹۔

کے لئے غزنی میں ایک عظیم الشان مدرسہ قائم کیا، جس کے ساتھ ایک عجائب خانہ بھی تھا۔ اس میں تمام دنیا کے نوادر موجود تھے۔

یہ موقع محمود کے علمی وتمدنی خدمات پر تفصیل سے بحث کرنے کا نہیں۔ اس کی علم نوازی اتنا مسلم واقعہ ہے کہ یورپین مؤرخین بھی جنہیں محمود کو بدنام کرنے میں خاص لطف آتا ہے اس کی علم دوستی کے اعتراف پر مجبور ہو گئے۔ الفنسٹن صاحب لکھتے ہیں محمود کے فخر واعزاز کا واقعی سبب یہ تھا کہ وہ سپہ گری اور بہادرانہ زندگی کے باوجود علوم وفنون کے ترقی دینے میں بڑا سرگرم تھا اور یہ اس کے دور کی عجیب وغریب خوبی تھی اور آج تک کوئی بادشاہ علوم پروری میں اس سے سبقت نہ لے جا سکا۔ باوجود یہ کہ محمود نہایت کفایت شعار تھا' مگر علوم وفنون کے باب میں بڑا فیاض واقع ہوا تھا۔ اس نے خاص غزنی میں ایک بہت بڑا مدرسہ تعمیر کرایا اور مختلف زبانوں کی عجیب وغریب کتابیں جمع کیں اور قدرتی عجائبات کا ایک عجائب خانہ بنوایا۔ اس مدرسہ کے اخراجات کے لئے اس نے بہت سا روپیہ مقرر کیا اور طلبا اور ارباب کمال کے وظائف کے لئے فنڈ قائم کیا اور ایک لاکھ سالانہ محض علما کے وظائف مقرر کئے۔ علما ومشاہیر کے ساتھ اس احترام سے پیش آتا تھا کہ اس کے دارالسلطنت میں اتنے ارباب کمال جمع ہو گئے تھے کہ ایشیا کے کسی بادشاہ کو یہ فخر حاصل نہ ہوا تھا۔ [1]

ولایت عہد

۴۲۱ھ میں قادر باللہ بہت سخت بیمار پڑا تھا۔ زندگی سے مایوسی ہو گئی تھی۔ اس لئے اپنے لڑکے ابو جعفر عبداللہ کو ولی عہد نامزد کر کے مراسم ولی عہدی ادا کر دیے۔

وفات

اس کے ایک سال بعد ذی الحجہ ۴۲۲ھ میں انتقال کر گیا۔ اس وقت ۸۷ سال کی عمر تھی۔ مدت خلافت ۴۱ سال' حکومت کا اتنا طویل زمانہ اس کے پیشرووں میں سے کسی کو نہ ملا تھا۔

اوصاف وکمالات

قادر جامع کمالات خلیفہ تھا۔ مدتوں کے بعد ایسا خلیفہ عباسی تخت پر بیٹھا تھا۔ اس میں تدبیر وسیاست' فضل وکمال' زہد وتقویٰ تمام اوصاف مجتمع تھے' اگر وہ دور عروج میں پیدا ہوا ہوتا تو ہارون ثانی ہوتا۔

جیسا کہ اوپر کے واقعات سے اندازہ ہو گا قادر کے پیشرو خلفا کی کوئی حیثیت باقی نہ رہ گئی

[1] تاریخ الفنسٹن ترجمہ اردو ص ۵۵۱' ۵۵۲۔

تھی۔ خلافت کا سارا انتظام دیالمہ کے ہاتھوں میں تھا' جو چاہتے تھے کرتے تھے۔ خلفا کو دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ قادر نے اپنی سیاست و تدبیر سے خلافت کا کھویا ہوا وقار دوبارہ قائم کیا۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ قادر سے پہلے خلافت ترک اور دیالمہ کی حرص و آز کا شکار تھی۔ قادر نے اس کے وقار و ناموس کو دوبارہ زندہ کیا۔ اللہ نے مخلوق کے دلوں میں اس کی ہیبت ڈال دی تھی اور ان کی گردن اطاعت اس کے سامنے خم رہی۔ [1] ابن طقطقی لکھتا ہے کہ قادر کے زمانہ میں عباسی خلافت کا وقار دوبارہ قائم ہوا۔ اس کی رونق بڑھ گئی اور اس کے پورے نظام میں قوت پیدا ہوگئی۔ [2]

دیالمہ خودسری کے عادی چلے آتے تھے' جسے جو منصب چاہتے تھے دے دیتے تھے' جسے چاہتے تھے معزول کر دیتے تھے۔ ۳۹۵ھ میں شرف الدولہ نے قاضی القضاۃ، حج کی امارت' مظالم اور طالبین کی نقابت وغیرہ کے بڑے بڑے مذہبی عہدوں پر شریف ابو احمد الحسین کے تقرر کا فرمان جاری کر دیا۔ [3] یہ تقرر قادر کے خلاف مزاج تھا' اس نے مسترد کر دیا۔

دیالمہ کی شیعیت نوازی سے بغداد میں شیعوں کا زور اتنا بڑھ گیا تھا کہ وہ علانیہ سنیوں پر زیادتی کرتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم پر تبرا کرتے تھے' لیکن کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ قادر نے ان کی شیعیت نوازی ختم کر دی۔ سنیوں پر ان کی زیادتیوں کا سدباب کیا اور دیالمہ کے اثر سے سنیوں میں جو غیر اسلامی خیالات پھیل گئے تھے' ان کا پورا انسداد کیا۔ قیام عدل میں اتنا اہتمام تھا کہ بڑے بڑے ارکان دولت بھی کسی پر زیادتی نہ کر سکتے تھے۔ قاضی بغداد حسین بن ہارون کا بیان ہے کہ کرخ میں ایک یتیم کی قیمتی جائیداد محکمہ قضا کی تولیت میں تھی۔ قادر کے حاجب کے بعض احباب اس کو خریدنا چاہتے تھے۔ حاجب نے مجھ سے کہلا بھیجا کہ میں جائیداد کو قضا کی تولیت سے آزاد کر دوں تاکہ وہ من مانی قیمت پر خرید لیں میں نے اس کی تعمیل نہیں کی۔ حاجب نے مجھ کو بلا بھیجا۔ مجھے بڑا خوف پیدا ہوا اور جانے کا وعدہ کر کے حاجب کے شر سے بچنے کے لئے معروف کرخی کے مزار پر دعا کے لئے چلا گیا۔ یہاں ایک درویش بیٹھا تھا۔ اس نے پوچھا کس کے لئے بددعا کرتے ہو۔ میں نے واقعہ بیان کیا۔ یہاں سے واپس ہو کر حاجب کے گھر پہنچا وہ دیکھتے ہی برس پڑا۔ بڑے نازیبا الفاظ استعمال کئے اور میرا کوئی عذر نہ سنا۔ اتنے میں ایک نوجوان نے ایک رقعہ لا کر حاجب کو دیا' اسے پڑھ کر اس کا رنگ اڑ گیا۔ اس نے مجھ سے معذرت چاہی اور پوچھا' کیا آپ نے خلیفہ کو اس واقعہ کی خبر کر دی تھی' میں

---

[1] ابن اثیر ج ۹' ص ۱۴۴۔ [2] الفخری ص ۲۶۰۔

[3] تاریخ الخلفاء ص ۴۲۴۔

نے انکار کیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ جو درویش معروف کرخی کے مزار پر تھا' وہ خود قادر باللہ تھا۔ ❶

علمی اعتبار سے اس کا شمار اس عہد کے علما میں تھا۔ اس زمانہ کے مشہور عالم ابوبشر ہروی شافعی سے فقہ حاصل کی تھی۔ ❷ تقی الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ میں شافعی علما کے زمرہ میں اس کے حالات لکھے ہیں۔ اس نے اصول میں ایک کتاب بھی لکھی تھی۔ ❸ علم کے ساتھ وہ باعمل بھی تھا' بلکہ اس کا عمل اس کے علم سے زیادہ تھا۔ خطیب کا بیان ہے کہ اس کی سیادت' دینداری' تہجد گزاری' نیکیاں اور صداقت وخیرات کی کثرت اتنی مشہور باتیں ہیں جن سے ہر شخص واقف ہے۔ ❹

ابن اثیر کا بیان ہے کہ وہ حلیم الطبع اور کریم النفس تھا۔ نیکی اور بھلائی اور نیکیوں کو محبوب رکھتا تھا۔ نیکی کا حکم دیتا تھا۔ شر سے روکتا تھا اور اہل شر سے بغض رکھتا تھا۔ ❺

مختلف مذاہب واقوام کے اثر سے بغداد ہر قسم کے عقائد وخیالات کا مرکز بن گیا تھا۔ جس سے مسلمان بھی متاثر ہو رہے تھے۔ قادر نے اس کی اصلاح اور تصحیح عقائد میں سعی بلیغ کی اور ۴۰۸ھ میں محمود غزنوی کو احیائے سنت کا حکم دیا۔ اس نے نہایت سختی سے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ ❻

تصحیح عقائد کے لئے خود ایک کتاب لکھی۔ جس میں محدثین کے مسلک کے مطابق صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل ترتیب کے ساتھ تھے۔ اس میں اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ان کے رتبہ کی بنا پر شامل کر لیا تھا اور معتزلہ اور خلق القرآن کا عقیدہ رکھنے والوں کی تکفیر کی تھی۔ یہ کتاب ہر جمعہ کو جامع رصافہ اور جامع بغداد میں محدثین کے حلقہ میں پڑھی جاتی تھی۔ ❼ صدقات وخیرات میں اتنا اہتمام تھا کہ اپنے افطار تک کے تین حصے کرتا تھا۔ ایک حصہ اپنے لئے رکھتا تھا اور دو حصے جامع رصافہ اور جامع بغداد میں رہنے والے مسکینوں کے لئے بھیجتا تھا۔ ایک مرتبہ جامع رصافہ کے ایک نوجوان نے کھانا لینے سے انکار کیا اور تھوڑی دیر کے بعد مسجد کے دروازے پر دوسروں سے مانگ کر چند ٹکڑے حاصل کئے۔ یہ دیکھ کر شاہی فراش نے اس سے کہا کہ تجھ کو شرم نہیں آتی کہ اللہ کا خلیفہ تیرے لئے رزق حلال بھیجتا ہے۔ اس کے لینے سے تو نے انکار کیا اور دردر مانگ کر کھاتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے اس لئے واپس کیا تھا کہ تم نے مغرب سے پہلے کھانا پیش کیا تھا' جس وقت مجھ کو اس کی ضرورت نہ تھی۔ جب اس کی حاجت ہوئی تو مانگ کر کھایا۔ فراش نے واپس جا کر یہ واقعہ قادر سے بیان کیا۔ وہ سن کر رو دیا اور کہا ایسے لوگوں کا لحاظ رکھا کرو اور ان کا کھانا قبول کر لینے کو غنیمت سمجھو اور افطار کے وقت تک ٹھہرے رہا کرو۔ ❽

---

❶ ابن اثیر ج ۹' ص ۱۴۴۔ ❷ تاریخ الخلفاء ص ۴۲۲۔ ❸ طبقات الشافعیہ ج ۳' ص ۱۔
❹ خطیب ج ۴' ص ۱۴۷۔ ❺ ابن اثیر ج ۹' ص ۱۴۴۔ ❻ دول الاسلام ذہبی ج ۱' ص ۱۸۹۔
❼ خطیب ج ۴' ص ۳۷۔ ❽ ابن اثیر ج ۳' ص ۱۴۴۔

ابوجعفر عبداللہ بن قادر الملقب بہ قائم بامر اللہ

(۴۲۲ھ تا ۴۶۷ھ مطابق ۱۰۳۱ء تا ۱۰۷۴ء)

قادر اپنی زندگی میں اپنے لڑکے ابوجعفر کو ولی عہد بنا کر اس کی بیعت لے چکا تھا۔ اس لئے قادر کی وفات کے بعد ذی الحجہ ۴۲۲ھ میں وہ تخت نشین ہوا اور قائم بامر اللہ لقب اختیار کیا۔ یہ ایک ارمنی لونڈی بدر الدجیٰ کے بطن سے تھا۔ تخت نشینی کے وقت ۳۱ سال کی عمر تھی۔

قائم کی تخت نشینی کے وقت نظام خلافت جلال الدولہ کے ہاتھوں میں تھا۔ وہ ایک غافل فرمانروا تھا۔ حکومت کی آمدنی پر افسران فوج قابض ہو گئے تھے اور تمام سپاہیوں کو خصوصاً ترکوں اور دوسرے عہدیداروں کو تنخواہیں نہ ملتی تھیں۔ اس لئے ترکی فوج کی بغاوت کا ایسا سلسلہ شروع ہو گیا کہ جلال الدولہ کا سارا نظام درہم برہم ہو گیا۔

جلال الدولہ کے خلاف فوج کی بغاوت

اس سلسلہ میں سب سے پہلی بار قادر کے عہد ۴۱۹ھ میں بغاوت ہوئی تھی' جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ اس کے بعد ۴۲۲ھ میں بغداد کے شیعہ سنیوں میں تصادم ہوا اور ایک دوسری شورش بپا ہو گئی۔ ترکی فوج کو موقع مل گیا۔ وہ پھر جلال الدولہ کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی اور قائم سے اس کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ جلال الدولہ نے روپیہ دے کر اس کو خاموش کر دیا۔ فوج خاموش ہوئی تھی کہ غلمان جن کی تنخواہیں رکی ہوئی تھیں' اٹھ کھڑے ہوئے اور جلال الدولہ کا گھر لوٹ لیا اور اسے سارا خدم وحشم الگ کر کے خانہ نشین ہو جانا پڑا۔

۴۲۳ھ میں پھر فوج میں بغاوت رونما ہوئی اور اس نے جلال الدولہ کے گھر پر حملہ آور ہو کر اس کے وزیر ابواسحاق سہیلی کو حوالہ کرنے کا مطالبہ کیا۔ جلال الدولہ کو بغداد چھوڑ کر عکبرا میں پناہ لینی پڑی۔ اس کے فرار کے بعد ترکوں نے اس کے بھتیجے ابوکالیجار کو بلا بھیجا' لیکن اس کے مشیروں نے روک لیا۔ اس لئے ترک پھر جلال الدولہ کو جا کر واپس لائے اور عارضی طور پر سکون ہو گیا' لیکن جلال الدولہ کا رعب ودبدبہ اٹھ چکا تھا۔ اس کا خزانہ خالی تھا۔ اس لئے حالات کی اصلاح نہ ہو سکی اور تھوڑے تھوڑے وقفہ سے بغاوت کا سلسلہ قائم رہا۔ اس سلسلہ میں بڑے بڑے واقعات پیش آئے۔ جلال الدولہ کو کئی مرتبہ بغداد چھوڑنا پڑا۔ اس شورش وہنگامہ سے بغداد کا امن وامان رخصت ہو گیا۔

۴۲۶ھ میں یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ کچھ فوجی بغداد کے قریب ایک گاؤں میں گئے کردوں نے ان کی سواریاں چھین لیں۔ قریب ہی شاہی باغ تھا۔ فوجیوں نے اس کے محافظوں پر یہ الزام لگا کر کہ ان کو کردوں کا علم تھا اور انہیں نہیں بتایا شاہی باغ لوٹ لیا۔ قائم کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس کو ان کی یہ جسارت سخت گراں گزری۔ جلال الدولہ اتنا بے بس تھا کہ اس کا کوئی تدارک نہ کر سکا۔ قائم نے حکومت کا تعطل دیکھ کر قضا اور افتا کے محکمے توڑ دیئے۔ اس وقت جلال الدولہ نے فوج کو بارگاہ خلافت تک پہنچانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا اور فوج نے شورش پسند عوام کے ساتھ مل کر حکومت کے عہدہ داروں کو باہر نکلنے سے روک دیا۔ اس سے اور ابتری پیدا ہو گئی۔ دن دیہاڑے لوٹ مار ہونے لگی۔ عرب قبائل نواح بغداد لوٹ کر خاص بغداد میں گھس آئے۔ باقی فوج جلال الدولہ کے نئے وزیر ابوالقاسم کو ننگے پاؤں باہر گھسیٹ لے گئی اور ۴۲۷ھ میں جلال الدولہ کو معزول کرنے کا عزم کر لیا اور اسے زخمی کر کے اس کا گھر لوٹ لیا۔ وہ بغداد چھوڑ کر تکریت بھاگ گیا۔ قائم نے درمیان میں پڑ کر بڑی مشکلوں سے دونوں میں صلح کرائی اور جلال الدولہ پھر بغداد واپس آ گیا۔

لیکن ایک ہی سال کے بعد ۴۲۸ھ میں دولت عباسیہ کے امیر کبیر اور حاجب الحجاب بارسطخان اور جلال الدولہ میں چل گئی۔ ابوکالیجار نے بارسطخان کے اشارہ سے جلال الدولہ کے لڑکے ابومنصور ملک عزیز کو واسط سے اور بغداد کے غلمان نے جلال الدولہ کو بغداد سے نکال دیا' لیکن چند ہی دنوں کے بعد جلال الدولہ نے واپس ہو کر بارسطخان کو قتل کر دیا اور قاضی ابوالحسن ماوردی قاضی القضاۃ بغداد نے جلال الدولہ اور ابوکالیجار میں صلح کرا دی اور جلال الدولہ نے اپنی لڑکی ابوکالیجار کے لڑکے سے بیاہ دی۔

اسی زمانہ میں جلال الدولہ نے اپنی کمزوری کو بڑے بڑے القاب کے پردے میں چھپانے کے لئے قائم سے شہنشاہ کا لقب اختیار کرنے کی درخواست کی۔ اس نے علما سے فتویٰ طلب کیا۔ اکثر جاہ پسند علما نے جواز کا فتویٰ دے دیا۔ صرف قاضی ابوالحسن ماوردی نے' جن کے جلال الدولہ سے ذاتی تعلقات بھی تھے' مخالفت کی اور جلال الدولہ کے پاس آنا جانا بند کر دیا۔ اس سے جلال الدولہ کے دل میں ان کی وقعت اور عظمت اور بڑھ گئی اور اس نے ان سے مل کر ان کی صداقت و حق گوئی کا اعتراف کیا' لیکن علما کی اکثریت جواز کا فتویٰ دے چکی تھی' اس لئے قائم نے اجازت دے دی۔

جلال الدولہ میں کوئی دم باقی نہ رہ گیا تھا۔ اس لئے یہ لقب اس کا سہارا نہ بن سکا اور ۴۳۲ھ میں پھر فوجوں میں بغاوت رونما اور بغداد میں شورش اور بدامنی بپا ہو گئی۔ ان بغاوتوں کا بڑا سبب روپیہ کی قلت تھی۔ جلال الدولہ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ۴۳۴ھ میں جوالی کے محاصل پر' جو عباسی

خلفا کا خالصہ تھا' ہاتھ بڑھایا۔ قائم پر یہ جسارت سخت گراں گزری۔ اس نے قاضی ابوالحسن ماوردی کے ذریعہ جلال الدولہ کو اس سے روکنے کی کوشش کی' لیکن وہ باز نہ آیا اور قائم نے بغداد چھوڑ دینے کا عزم کر لیا' لیکن اس پر عمل نہ کر سکا اور اس میں اور جلال الدولہ میں کشمکش پیدا ہو گئی۔

شعبان ۴۳۵ھ میں جلال الدولہ کا انتقال ہو گیا۔ ۵۲ سال کی عمر تھی' مدت حکومت سترہ سال' گو مدت کے لحاظ سے اتنا زمانہ کچھ کم نہیں' لیکن اس مدت میں جلال الدولہ کو ایک دن کے لئے بھی سکون میسر نہ ہوا اور ایسے مخالف حالات میں اتنے دنوں تک اس کی حکومت کا قائم رہ جانا ہی تعجب انگیز ہے۔ [1]

ابو کالیجار

جلال الدولہ کی وفات کے وقت اس کا لڑکا ابومنصور ملک عزیز واسط میں تھا۔ بغدادی فوجوں نے اس کے پاس تحریری اطاعت نامہ بھیج دیا اور ساتھ ہی حق بیعت کا بھی مطالبہ کیا۔ ملک عزیز کے پاس روپیہ نہ تھا۔ اس لئے وہ اس مطالبہ کو پورا نہ کر سکا۔ ابو کالیجار عرصہ سے عراق کی حکومت کا متمنی تھا۔ اس کے پاس دولت بھی تھی۔ اس کو فوج کے مطالبہ اور ملک عزیز کی معذوری کی خبر ہوئی تو فوج کو روپیہ کا لالچ دے کر اپنی طرف مائل کر لیا اور ایک بڑی رقم فوج کے لئے اور دس ہزار دینار کی نذر اور بہت سے ہدایا و تحائف قائم کی خدمت میں بھیجے اور صفر ۴۳۶ھ میں قائم نے بغداد میں اس کے نام کا خطبہ جاری کر دیا اور محی الدین کا لقب عطا کیا۔ اس کے بعد رمضان ۴۳۶ھ میں خود ابو کالیجار بغداد گیا۔

اسی زمانہ میں ملک عزیز نے بھی بغداد کا قصد کیا' لیکن ابو کالیجار اس سے پہلے پہنچ چکا تھا۔ اس لئے ملک عزیز کی فوجوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ ناکام لوٹ گیا۔ چند دنوں کے بعد اس نے پھر ابو کالیجار کے مقابلہ کی کوشش کی' مگر اس مرتبہ بھی ناکام رہا اور الٹے اس کے مستقر واسط پر ابو کالیجار کا قبضہ ہو گیا اور ملک عزیز کو میافارقین جا کر نصر الدولہ کے دامن میں پناہ لینی پڑی اور ۴۴۱ھ میں ناکام و نامراد مر گیا۔

سلجوقیوں کا ظہور

سلجوقیوں کی نئی طاقت کا ظہور قادر ہی کے زمانہ میں ہو چکا تھا' لیکن اس وقت ان کی حیثیت خانہ بدوش قبائل سے زیادہ نہ تھی۔ قائم کے زمانہ میں ان کی حیثیت ایک منظم طاقت کی ہو گئی اور انہوں نے ایک عظیم الشان حکومت کی بنیاد رکھی' جس نے آگے چل کر بغداد میں دیالمہ کی جگہ لے لی۔ ان کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ سلجوقی نسلاً ترک تھے۔ ان کا آبائی وطن ترکستان اور چین کا درمیانی علاقہ تھا۔ سلجوقی

[1] یہ تمام حالات ابن اثیر سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔

قبائل کی تعداد ہزاروں نفوس پر مشتمل تھی۔ ترکستان کی غیر مسلم حکومت میں ان کے سردار دقاق یا تاق کو بڑی قدر و منزلت حاصل تھی بیغو' فرمانروائے ترک اسے بہت مانتا تھا۔ دقاق کے ایک لڑکا پیدا ہوا' جس کا نام اس نے سلجوق رکھا۔ یہ بڑا ہونہار اور جوہر قابل تھا۔ سن شعور کو پہنچ کر اس کے جوہر چمکنے لگے اور اس نے اپنی صلاحیتوں اور کارناموں سے بیغو کے دل میں بڑا اعتماد حاصل کیا۔ اس نے اس کو اپنا مقرب خاص بنا کر سباشی یعنی سپہ سالاری کا منصب عطا کیا۔ چند دنوں میں اس نے اتنا اثر پیدا کیا کہ سارے ترک اس کے مطیع ہو گئے۔ اس کے اثر و اقتدار کو دیکھ کر بیغو کی ملکہ کو خطرہ پیدا ہوا۔ اس نے اپنے شوہر کو اس کے قتل پر آمادہ کرنا شروع کیا۔ [1] اس زمانے میں ترکستان کی حکومت کی حالت بگڑ چکی تھی۔ آبادی کی کثرت سے ذرائع معاش بھی تنگ ہو گئے تھے۔ ملکہ کی مخالفت کو دیکھ کر سلجوق اپنے زیر اثر ترکمان قبائل کو لے کر ترکستان سے ترک وطن کر کے اسلامی قلمرو میں چلا آیا اور ماوراء النہر کے علاقہ جند میں قیام پذیر ہوا۔

راوندی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سلجوق نے ترک وطن سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا اور ابن اثیر کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ دارالاسلام میں توطن کے بعد اس شرف سے مشرف ہوا۔ [2] قبول اسلام کے بعد سلجوقی ایک منظم قوت بن گئے اور ماوراء النہر کے ان سرحدی مقاموں پر جو بیغو کے قبضہ میں تھے' اور جہاں کے مسلمانوں سے وہ خراج وصول کرتا تھا' قبضہ کر لیا۔ [3]

سلجوق نے اپنی اولاد کو پھلتا پھولتا ہوا چھوڑ کر ۱۰۷ برس کی عمر میں انتقال کیا اور چار نامور لڑکے یادگار چھوڑ گیا۔ ارسلان یا اسرائیل' میکائیل' یونس اور موسیٰ۔ ان سب سے نسل چلی' مگر میکائیل کی اولاد بہت پھولی پھلی اور بڑی عظمت و ناموری حاصل کی۔ ان میں بڑے بڑے نامور سلاطین اور فرمانروا پیدا ہوئے۔ ایران و عراق کے سلجوقی فرمانروا اسی کی نسل سے تھے۔ میکائیل کی اولاد کے بعد ارسلان کی اولاد نے ترقی کی۔ انہوں نے ایشیائے کوچک میں اپنی حکومت قائم کی۔ ترکان عثمانی ان ہی کی یادگار تھے۔ البتہ یونس اور موسیٰ کی اولاد نے تاریخ میں اپنی کوئی یادگار نہیں چھوڑی۔

سلجوق کی موت کے بعد اس کے چاروں لڑکے ماوراء النہر کے مختلف حصوں میں پھیل گئے۔ ارسلان اپنے قبیلہ کے ساتھ بخارا کے قریب مقیم ہوا اور ایلک خانی اور غزنوی حکومت کی سرحدوں پر تاخت شروع کی۔ [4] ایلک خان کا ملک زیادہ قریب تھا' اس لئے وہ بہت گھبرایا' لیکن سلجوقیوں کا روکنا اس کے بس سے باہر تھا اس لئے خاموش رہا۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں سلطان محمود اور ایلک خان کی

---

[1] ابن اثیر ج ۹' ص ۱۶۳۔
[2] راحت الصدور ص ۸۶' و ابن اثیر ج ۹' ص ۱۶۳۔
[3] ابن اثیر ج ۱' ص ۱۶۳۔
[4] ابن اثیر ج ۱' ص ۱۶۳۔

سرحدوں کی تعیین کے سلسلہ میں ماوراء النہر گیا۔ غزنوی حدود سے سلجوقیوں کی قربت محمود کے لئے بھی خطرے سے خالی نہ تھی اس لئے ایلک خان نے اس کو بھڑکایا کہ ترکستان کے جو قبائل ان حدود میں آ کر آباد ہوئے ہیں انہوں نے نور بخارا' سغد اور سمرقند کے مرغزاروں پر قبضہ کر لیا ہے۔ سلجوق کے چاروں لڑکوں نے بڑی شہرت اور ناموری حاصل کر لی ہے۔ ان کی قوت بہت زیادہ ہے اور وہ حکومت کی داغ بیل ڈالنا چاہتے ہیں۔ آپ کو اکثر ہندوستان کی مہموں کے سلسلے میں باہر رہنا پڑتا ہے اس لئے خطرہ ہے کہ وہ آپ کی عدم موجودگی میں آپ کے حدود مملکت میں کوئی فساد نہ برپا کریں اس لئے ان کا تدارک ضروری ہے۔ [1]

محمود ان نو وارد قبائل کے خطرہ سے بے خبر نہ تھا۔ اس سفر میں ان کی قوت و کثرت اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر کے ان کی جانب سے بدگمان ہو گیا اور سلجوقیوں کے پاس دوستانہ پیغام بھیج کر عہد مواخاۃ کے بہانہ سے بلا بھیجا۔ [2]

اس کی دعوت پر ارسلان بن سلجوق جو سب بھائیوں میں بڑا تھا' محمود سے ملنے گیا۔ اس نے اس کا بڑا احترام کیا۔ اپنے ساتھ تخت شاہی پر بٹھایا اور باتوں باتوں میں سلجوقیوں کی فوجی قوت کا حال معلوم کر کے ارسلان کو قید کر کے ہندوستان بھیج دیا اور وہ کالنجر کے قلعہ میں نظر بند کر دیا گیا اور اس کے قبیلہ کو قتل و قید کر کے مختلف سمتوں میں منتشر کر دیا اور ارسلان سات برس تک محمود کی قید میں رہا۔ حمد اللہ مستوفی کا بیان ہے کہ قید ہی میں مر گیا۔ [3]

راوندی لکھتا ہے کہ دو ترکمان کالنجر پہنچے اور کسی طرح ارسلان کو قید سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے' لیکن راستہ بھول گئے اور قلعہ کا محافظ جو ان کی تلاش میں نکلا تھا' پہنچ گیا۔ ارسلان نے جب دیکھا کہ اس کے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے تو اس نے دونوں ترکمانوں سے کہا کہ مجھے تم میرے حال پر چھوڑ دو اور میرے بھائیوں کو جا کر یہ پیغام پہنچا دو کہ وہ ملک گیری کے لئے پوری کوشش کرتے رہیں' ناکامی سے مایوس نہ ہوں۔ کوشش جاری رکھیں۔ محمود غلام زادہ ہے اس کا کوئی نسب نہیں ہے' وہ غدار ہے' اس کے پاس ملک نہیں رہ سکتا' ایک نہ ایک دن ضرور ان کے قبضہ میں آئے گا۔ [4] ارسلان کی موت کے بعد محمود نے سلجوقیوں کو خراسان کے حدود میں قیام کی اجازت دے دی۔ اس لئے اس کی زندگی بھر وہ خاموش رہے اور غزنوی حکومت کے ساتھ ان کی کوئی آویزش نہیں ہوئی۔

میکائیل نے غیر مسلم ترکوں کے مقابلے میں شہادت پائی اور تین نامور لڑکے یادگار

---

[1] راحت الصدور ص ۸۷٬۸۸۔ [2] راحت الصدور ص ۸۷٬۸۸۔
[3] تاریخ گزیدہ ص ۴۳۵۔ [4] راحت الصدور ص ۹۳۔

چھوڑے۔ طغرل بک محمد‘ جعفری بک داؤد اور بیغو۔ باپ کی موت کے بعد یہ تینوں بھائی جند سے نور بخارا میں منتقل ہو گئے۔ امیر بخارا علی تگین ان کی قربت پسند نہ کرتا تھا۔ وہ ان کے درپے ہو گیا۔ اس لئے سلجوقی نور بخارا سے بغرا خان کی حدود سلطنت میں چلے گئے۔ اس نے بھی انہیں نہ ٹکنے دیا اور طغرل بک کو گرفتار کر کے داؤد کو بھی پکڑنے کی کوشش کی‘ لیکن سلجوقیوں نے شکست دے کر طغرل بک کو چھڑا لیا اور اپنے پہلے مستقر جند لوٹ گئے۔

جند بھی بخارا کے قریب تھا۔ علی تگین پہلے سے سلجوقیوں کے خلاف تھا۔ اس مرتبہ اس نے ان سے لڑنے کے بجائے طغرل بک کے چچا زاد بھائی یوسف بن موسیٰ کو توڑنے کی کوشش کی اور اس کو بخارا بلا کر بخاری ترکوں کا سردار بنایا اور نیاخ بیغو کا لقب اور جاگیر عطا کی‘ لیکن یوسف اس کے پھندے میں نہ آیا۔ اس لئے علی تگین نے اسے قتل کر دیا۔ اس کے انتقام میں سلجوقیوں نے حملہ کر کے ایک ہزار بخاری فوج تہ تیغ کر دی۔ علی تگین نے بھی ان پر فوج کشی کر کے ان کی بڑی تعداد قتل و گرفتار کر لی اور سلجوقیوں کو جند بخارا سے منتشر کر دیا۔

خوارزم کے فرمانروا ہارون بن تونتاش کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے سلجوقیوں کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دی۔ اس دعوت پر وہ ۴۲۶ھ میں خوارزم میں جا کر مقیم ہوئے۔ کچھ دنوں کے بعد ہارون نے بھی غداری کی اور سلجوقیوں کو قتل و قید کر کے ان کا مال لٹوا لیا۔ اس لئے یہ لوگ خوارزم چھوڑ کر مرو چلے گئے اور مسعود غزنوی کے دامن حمایت میں پناہ لینا چاہی اور اس کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر وہ ان کو خراسان میں قیام کی اجازت دے دے تو یہ لوگ اس کے دشمنوں کے مقابلہ میں ہمیشہ سینہ سپر رہیں گے۔ مسعود نے ان کے قاصد کو گرفتار کر لیا اور سلجوقیوں کو خراسان سے نکالنے کے لئے فوج بھیجی۔ اس نے ان کو بڑی فاش شکست دی اور ان کا ساز و سامان لوٹنے میں مشغول ہو گئی۔ داؤد نے موقع پا کر دفعتۃً حملہ کر دیا۔ غزنوی اس کو نہ سنبھال سکے اور سلجوقیوں نے اپنی شکست کا ان سے پورا بدلہ لیا۔ اس شکست سے غزنویوں پر سلجوقیوں کی اتنی ہیبت بیٹھ گئی کہ مسعود نے دوبارہ فوج کشی کی ہمت نہ کی اور طغرل بک اور داؤد کو ایک تہدید آمیز تحریر بھیجی۔ انہوں نے اس کے جواب میں کلام مجید کی یہ آیت لکھ کر بھیج دی۔

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ [۳/آل عمران:۲۶]

یہ جواب سن کر مسعود نے اپنا طرز عمل بدل دیا اور دوستی کے ذریعہ سلجوقیوں کو قابو میں لانے کی

کوشش کی۔ ان کے پاس دوستانہ خط لکھا۔ تینوں بھائیوں کیلئے خلعت بھیجے اور ان کے قیام کے لئے دہستان' نساء اور فرادہ کے علاقے پیش کئے' لیکن ان کو یقین تھا کہ یہ سب مسعود کا فریب ہے۔ اس لئے خلعت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور قاصد کی تحقیر کی۔ اس سے پھر دونوں میں مخالفت ہوگئی' اور سلجوقیوں نے خراسان پر عام یورش کر دی اور غزنوی عمال کو پیہم شکستیں دے کر زچ کر ڈالا۔ وہ برابر مسعود کو اس کی طلاع دے کر خراسان کی حفاظت کی جانب توجہ دلاتے رہے' لیکن وہ ہندوستان کی مہم میں ایسا مشغول تھا کہ ادھر توجہ نہ کر سکا۔ آخر میں عمائد بخارا نے متفقہ درخواست بھیجی کہ اگر سلجوقیوں کی یورش کا تدارک نہ کیا گیا تو وہ خراسان پر قابض ہو جائیں گے اور غزنہ پر حملہ آور ہونگے۔ اس وقت ان کا معاملہ قابو سے باہر ہو جائے گا۔ اس درخواست پر مسعود نے سباشی حاجب کو تیس ہزار فوج کے ساتھ خراسان روانہ کیا۔ سلجوقی اس وقت مرو میں تھے۔ سباشی فطرۃً بزدل تھا اس لئے مقابلہ کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ چند دنوں تک ہراۃ اور نیشاپور میں ٹھہرا رہا اور ایک دن دفعۃً مرو پہنچ گیا۔ سلجوقی تیار نہ تھے' اس لئے شکست کھا گئے۔ اسی دوران میں والی جوز جان نے ان پر حملہ کر دیا۔ داؤد نے اس کو شکست دے کر قتل کر دیا۔ اس سے سباشی کے دل میں بڑا ہراس پیدا ہو گیا اور اس کی ہمت پست ہوگئی اور داؤد نے رجب ۴۲۸ھ میں اپنا خطبہ جاری کر دیا۔ [1]

سلجوقی حکومت کا قیام

سباشی کی ہمت اتنی پست ہو چکی تھی اور وہ سلجوقیوں سے اتنا خائف تھا کہ پھر اس نے ان کے مقابلہ کی جرأت نہ کی اور جنگ کو برابر ٹالتا رہا۔ تا آنکہ اس کا سامان رسد ختم ہو گیا اور شعبان ۴۲۸ھ میں داؤد نے اس کو شکست دے کر خراسان پر قبضہ کر لیا اور یہاں کے تمام سابق انتظامات بدستور قائم رکھے۔

غزنوی فوج کی شکست اور خراسان پر داؤد کے قبضہ کی خبر مسعود کو ہوئی تو وہ پوری قوت کے ساتھ سلجوقیوں کے مقابلے کے لئے خراسان پہنچا۔ سلجوقیوں نے کھل کر مقابلہ کرنے کے بعد اسے چکر دے کر تھکا دینے کا طریقہ اختیار کیا۔ جب مسعود ان کی طرف بڑھتا تو وہ کترا کر دوسری طرف نکل جاتے۔ اس طرح ایک عرصہ تک تھکا دینے کے بعد جب غزنوی فوج گھبرا گئی تو سلجوقی ایک بے آب و گیاہ میدان کی طرف نکل گئے۔ غزنوی فوج نے ان کا تعاقب کیا اور ایک چشمہ یا تالاب پر منزل کی۔ پانی کم تھا' غزنویوں میں اس کے لئے آپس ہی میں جنگ ہوگئی۔ اس وقت سلجوقی جو برابر ان کی نگرانی کر رہے تھے' دفعۃً پہنچ گئے اور غزنوی فوج کو پسپا کر دیا۔ مسعود نے استقلال دکھلایا' لیکن اس کی فوج کی ہمت چھوٹ گئی تھی۔ اس لئے اسے بھی مجبور ہو کر غزنہ لوٹ جانا پڑا۔ اس معرکہ نے غزنوی اور

[1] یہ سب واقعات ابن اثیر سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔

سلجوقی کشمکش کا فیصلہ کر دیا اور خراسان پر مستقل سلجوقیوں کا قبضہ ہو گیا۔

خراسان پر قبضہ کے بعد سلجوقی ملک گیری کے لئے مختلف ملکوں پر پھیل گئے اور چند دنوں میں بیغو نے ہراۃ' داؤد نے بلخ اور طغرل بک نے جرجان' طبرستان اور خوارزم پر قبضہ کر لیا۔ طغرل بک کے ماں جائے بھائی ابراہیم نیال نے رے کو زیر نگیں کیا اور طغرل بک اہل قزوین' بادشاہ دیلم' سالار طرم' علاء الدولہ دیلمی کے لڑکے فرامرز والی اصفہان اور دوسرے لڑکے گرتاشف نے والی ہمدان کو مطیع بنایا اور جا بجا اپنے عمال مقرر کئے۔ ۴۳۶ھ میں گرتاشف نے طغرل بک کے حاکم کو ہمدان سے نکال دیا۔ اس لئے ابراہیم نیال نے اس پر فوج کشی کر کے ہمدان' دینور' کرمان شاہ وغیرہ پورے عراق عجم اور کردستان کو زیر نگیں کر لیا اور حلوان تک بڑھتا چلا گیا۔

یہاں سے عراق کی سرحد شروع ہو جاتی تھی۔ ابو کالیجار دیلمی کو اس کی خبر ہوئی تو وہ اس کے تدارک کے لئے خوزستان سے فارس پہنچا۔ اس میں سلجوقیوں کے روکنے کی طاقت نہ تھی۔ اس لئے طغرل بک سے صلح کر لی۔ اس نے ابراہیم کو آگے بڑھنے سے روک دیا اور دیلمی خاندان سے رشتہ قائم کرنے کے لئے ابو کالیجار کی لڑکی سے خود عقد کر لیا اور اپنی بھتیجی اس کے لڑکے ابو منصور فلاستون کو بیاہ دی۔

اس کے ایک سال بعد ۴۴۰ھ میں ابو کالیجار والی کرمان کی بغاوت فرو کرنے کے لئے نکلا۔ راستہ میں بیمار پڑا اور جناب پہنچ کر انتقال کر گیا۔ عراق میں اس کی مدت حکومت چار سال سے کچھ اوپر تھی۔

الملک الرحیم

ابو کالیجار کے کئی لڑکے تھے۔ ایک لڑکا ابو منصور فلاستون اس کی موت کے وقت جناب میں ساتھ تھا۔ دوسرا ابو نصر خرہ فیروز بغداد میں تھا۔ ابو کالیجار کی وفات کے بعد ابو نصر نے قائم سے بغداد کی تولیت اور عراق کی حکومت حاصل کر لی اور الملک الرحیم لقب اختیار کیا۔ دوسرے بھائی ابو منصور نے فارس جا کر شیراز پر قبضہ کر لیا' لیکن چند ہی دنوں کے بعد ملک الرحیم نے اپنے بھائی ابو سعد کو بھیج کر ابو منصور کو گرفتار کرا کے شیراز لے گیا' پھر کچھ دنوں کے بعد ابو منصور قید سے چھوٹ گیا۔ شیراز کی فوج اس کے ساتھ تھی۔ اس لئے پھر اس نے قبضہ کر لیا اور ابو کالیجار کے خاص علاقے اہواز پر بھی قابض ہو گیا اور کئی سال تک دونوں بھائیوں میں فارس اور خوزستان کے لئے جنگ ہوتی رہی۔ کبھی ایک بھائی قابض ہو جاتا تھا' کبھی دوسرا۔ آخر میں ابو منصور نے شیراز پر مستقل قبضہ کر لیا اور اہواز الملک الرحیم کے پاس رہا۔

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ فرامرز بن علاء الدولہ والی اصفہان نے طغرل بک کی اطاعت قبول کر

لی تھی' لیکن بار بار باغی ہو جاتا تھا' اس لئے ۴۴۳ھ میں طغرل بک نے فوج کشی کر کے اصفہان اور رے پر مستقل قبضہ کر لیا اور فرامرز کے گزارہ کے لئے جاگیر دے دی۔ اس طرح دیلمی خاندان کی ایک شاخ کا خاتمہ ہو گیا۔

خلافت بغداد سے سلجوقی حکومت کی تصدیق

اب سلجوقی حکومت کا رقبہ خراسان سے لے کر ایران و عراق تک پھیل چکا تھا' لیکن ابھی تک خلافت بغداد نے اس کی تصدیق نہیں کی تھی۔ ۴۴۳ھ میں طغرل بک نے قائم سے فرمان حکومت کی استدعا کی۔ قائم نے اس کو فرمان عطا کیا۔ اسی کے ساتھ خلعت اور رکن الدولہ کے لقب سے بھی سرفراز کیا اور طغرل کو بغداد آنے کی دعوت دی۔ طغرل بک نے اس کے جواب میں دس ہزار نقد' جواہرات کے قیمتی ہار' بیش قیمت ملبوسات قائم کی نذر کئے۔ دو ہزار امیر الامرا اور پانچ ہزار دوسرے ارکان دولت کے شکرانہ میں بھیجے۔ قائم نے سلجوقی سفارت کی پذیرائی کے لئے خاص دربار منعقد کیا۔ اس طرح خلافت بغداد کے ساتھ سلجوقیوں کے تعلقات کی بنیاد پڑی۔ [1]

سلجوقی حکومت کی تعمیر و توسیع میں میکائیل کی تمام اولادیں شریک تھیں۔ اس لئے قیام حکومت اور خلافت بغداد کی تصدیق کے بعد طغرل بک نے اپنے بڑے بھائی داؤد کے ذریعہ مفتوحہ ممالک کو اپنے تمام بھائیوں اور بھتیجوں میں تقسیم کرا دیا۔ خراسان کا بڑا حصہ داؤد نے خود لیا اور بست' ہرات اور سیستان بیغو کو ملے' طبس و کرمان داؤد کے لڑکے قاروت کے حصہ میں آئے اور عراق عجم طغرل بک کے حصہ میں پڑا۔ اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً بقدر حصہ رسدی تقسیم کا سلسلہ جاری رہا۔ چنانچہ بعد میں طغرل بک کے دوسرے بھائی ابراہیم نیال کو ہمدان' امیر یاقوتی بن جعفری بک کو ابہر' زنگان اور نواح آذربائیجان اور قتلمش بن ارسلان کو گرگان اور دامغان ملے۔ [2]

۴۴۶ھ میں تبریز کے حاکم نے طغرل بک کی اطاعت قبول کر کے خراج ادا کیا اور اپنے ملک میں اس کے نام کا خطبہ جاری کیا۔ اس اطاعت کے بعد اس نواح کے تمام امرا نے طغرل بک کے سامنے سر اطاعت خم کر دیا اور اس نے ارمنستان پر فوج کشی کر کے بلاد کرد کا محاصرہ کر لیا' لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی اور طغرل بک ارض روم تک جا کر لوٹ آیا۔ واپسی میں قریش بن بدران والی موصل

---

[1] راحت الصدور ص ۱۰۵' و ابن خلدون ج ۳' ص ۴۵۵۔

[2] ملک کی تقسیم راوندی اور حمد اللہ مستوفی کے بیان سے ماخوذ ہے۔ دونوں میں جزوی اختلاف ہے۔ ہم نے ان کا قدر مشترک لکھا ہے۔

نے جو دیالمہ کے خلاف تھا' طغرل بک کی اطاعت قبول کر کے اس کا خطبہ پڑھایا۔

بغداد میں جنگ اور بدامنی

ایک طرف سلجوقیوں کی یہ روز افزوں ترقی تھی' دوسری طرف دیالمہ کی حالت روز بروز گرتی جا رہی تھی۔ ان میں خانہ جنگی بپا تھی۔ وہ نہ صرف خلافت بغداد بلکہ اپنی اصل حکومت فارس کا نظام سنبھالنے سے بھی عاجز تھے۔ عین ان حالات میں ۴۴۱ھ میں بغداد کے شیعہ سنیوں میں جنگ شروع ہو گئی۔ ملک الرحیم میں ان کے روکنے کی طاقت نہ تھی۔ اس لئے اس کا سلسلہ وقتاً فوقتاً پانچ سال تک قائم رہا۔ فریقین کے ہزاروں آدمی کام آئے۔ قتل و خونریزی اور آتش زنی سے بغداد کے محلے کے محلے ویران ہو گئے اور پانچ سال بغداد میں شورش و بدامنی قائم رہی۔ بڑی مشکلوں سے ۴۴۵ھ میں اس کا خاتمہ ہوا۔ [1]

فوج کی بغاوت اور نظام حکومت کی برہمی

شیعہ سنی جنگ ختم ہوئی تھی کہ بغدادی فوج میں بغاوت پھیل گئی۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ ملک الرحیم کے وزیر نے فوج کی تنخواہ روک لی۔ اس سے وہ بگڑ گئی وزیر مذکور کو اس خوف سے روپوش ہونا پڑا۔ باغی فوجوں نے گھروں کی تلاشی لی اور اس سلسلہ میں لوٹ مار شروع کر دی اور بغداد میں پھر بدامنی پھیل گئی۔ قائم نے ہر چند روکنے کی کوشش کی لیکن باغی فوج باز نہ آئی اور قائم نے مجبور ہو کر بغداد چھوڑنے کا عزم کر لیا۔ اس وقت وزیر مذکور کو مجبور ہو کر فوج کا مطالبہ پورا کرنا پڑا' لیکن اب اس کی سرکشی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ مطالبہ پورا ہونے کے بعد بھی وہ شورش سے باز نہ آئی۔ بغداد کی بدنظمی دیکھ کر اطراف کے کردوں اور عربوں نے الگ لوٹ مار شروع کر دی۔ اہل بغداد اور قرب و جوار کے لوگ گھر بار چھوڑ کر نکل گئے اور بغداد کی حکومت کا نظام درہم برہم ہو گیا۔ [2]

بساسیری کا عروج اور اس کا اور رئیس الرؤسا کا اختلاف

اسی زمانہ میں بغداد میں ایک اور واقعہ پیش آ گیا جس نے ایک بڑے انقلاب کا سامان فراہم کر دیا۔ دیالمہ کے ایک ترکی غلام ارسلان المعروف بہ بساسیری نے ملک الرحیم کے زمانہ میں اتنا عروج و اقتدار حاصل کیا کہ دولت عباسیہ کا مختار کل بن گیا تھا۔ سارے امراء اس سے ڈرتے تھے۔ عراق و خوزستان میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ دولت عباسیہ کے سارے سیر حاصل علاقے

---

[1] ابن اثیر میں اس کی بڑی لمبی تفصیل ہے' ہم نے صرف خلاصہ اور نتیجہ لکھا ہے۔ [2] ابن اثیر ج ۹' ص ۲۱۱۔

اس کے تصرف میں تھے۔ ان کو لوٹ کر دیہاتوں کو ویران کر دیا تھا' قائم اس کی اجازت کے بغیر کوئی کام انجام نہ دے سکتا تھا۔ [1] بساسیری مذہباً باطنی شیعہ تھا اور بغداد کا رئیس الرؤسأ سنی تھا۔ اس لئے دونوں میں دلی مخالفت تھی۔ بساسیری کو سلجوقیوں کا عروج جو سنی تھے' سخت گراں تھا اور رئیس الرؤسا ان کا ہمدرد اور بہی خواہ تھا۔ بساسیری اور موصل کی حکومت میں بھی مخالفت تھی' خصوصاً جب سے قریش بن بدران نے طغرل بک کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ اس وقت سے بساسیری اس کے سخت خلاف ہو گیا تھا۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں قریش بن بدران کے دو خاص آدمی ابوالغنائم اور ابوسعد خفیہ بغداد آئے۔ بساسیری نے ان کو گرفتار کرنا چاہا' لیکن یہ دونوں نکل گئے۔ بساسیری نے اس کا الزام رئیس الرؤسا کے سر رکھا کہ وہ دیالمہ کے دشمنوں سے ساز باز رکھتا ہے اور سلجوقیوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور اس غصہ میں قائم' رئیس الرؤسا اور تمام خدام شاہی کے وظائف بند کر دیے اور انبار پر فوج کشی کر کے اس کو قریش کے قبضہ سے چھڑایا اور ابوالغنائم کو گرفتار کر کے سولی پر آویزاں کیا۔ اس سے بساسیری کے تعلقات قائم اور رئیس الرؤسأ دونوں سے اور زیادہ کشیدہ ہو گئے۔ [2]

اس کے بعد ہی ۴۴۷ھ میں پھر بغداد میں شورش پھیل گئی۔ حکومت قیام امن سے عاجز ہو چکی تھی۔ اس لئے اس کی اجازت سے سنیوں کی ایک جماعت نے قیام امن کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض اپنے ذمہ لے لیا۔ اتفاق سے بساسیری کا ایک عیسائی مصاحب اس کے لئے شراب کے چھ سو خم لئے جا رہا تھا۔ وہ پکڑے گئے اور عمائد بغداد نے ان کو توڑ کر شراب بہا دی۔ بساسیری کو معلوم ہوا تو اس پر سخت گراں گزرا۔ اس کا الزام بھی اس نے رئیس الرؤسأ کے سر رکھا۔ رئیس الرؤسأ نے ترکی فوج کو اس کے خلاف بھڑکا دیا۔ اس نے بساسیری کو ہر طرح کے الزاموں کا نشانہ بنایا۔ [3]

بساسیری اور قائم میں اختلاف اور بغداد میں علوی حکومت کے قیام کی کوشش

بساسیری نے اس کا بدلہ قائم سے لینا چاہا اور قصر خلافت کو لوٹنے اور قائم کو گرفتار کرنے کا ارادہ کیا۔ [4] ترک اس سے برہم ہی تھے' انہوں نے قائم سے خود بساسیری کا گھر لوٹنے کی اجازت چاہی اس نے دے دی' اور ترکوں نے اسکی ساری املاک لوٹ لی' لیا۔ بساسیری شیعہ تھا' اس لئے دل سے فاطمیہ مصر کا طرفدار تھا' چنانچہ اس نے مستنصر علوی سے ساز باز شروع کر دی۔ [5]

[1] تاریخ خطیب ج ۹' ص ۴۰۰۔ [2] ابن اثیر ج ۹' ص ۲۰۸' ۲۰۹۔ [3] ابن اثیر ج ۹' ص ۲۰۸' ۲۰۹۔

[4] تاریخ خطیب ج ۹' ص ۴۰۰ و دول الاسلام ذہبی ج ۱' ص ۲۳۰۔ [5] دول الاسلام ذہبی ج ۱' ص ۲۳۰۔

قائم عرصہ سے دیالمہ کے استبداد سے عاجز تھا اور طغرل بک کو فرمان حکومت عطا کرتے وقت بغداد آنے کی دعوت دے چکا تھا۔ طغرل بک کو بھی بغداد میں دیالمہ کا اقتدار ناپسند تھا' لیکن اس وقت وہ اپنی مہموں میں مشغول تھا' اس لئے بغداد نہ جا سکا تھا۔ ان سے فراغت کے بعد ۴۴۷ھ میں وہ حج اور فاطمیہ مصر پر حملہ کے بہانے سے بغداد روانہ ہو گیا۔ یہاں اس کی آمد کی خبر سے بڑی بے چینی پیدا ہو گئی۔ ملک الرحیم اس وقت واسط میں تھا' اس کو خبر ملی تو وہ فوراً بغداد کے لئے روانہ ہو گیا۔ بساسیری بھی اس کے ساتھ تھا۔ راستہ میں ملک الرحیم کو قائم کا خط ملا کہ بساسیری نے میرے خلاف میرے دشمن مستنصر فاطمی سے خط و کتابت کی ہے اور میرے اور تمھارے درمیان ایک دوسرے کے ساتھ وفاداری کا عہد و پیمان ہے' ایسی حالت میں اگر تم نے میرے مقابلے میں بساسیری کے تعلقات کو ترجیح دی' تو گویا مجھ سے تعلق منقطع کر لیا اور اگر اس کو علیحدہ کر کے بغداد آ گئے تو حکومت کا سارا نظام بدستور تمہارے ہاتھوں میں رہے گا۔ اس لئے ملک الرحیم نے بساسیری کو الگ کر دیا۔

طغرل بک کی آمد اور ترکوں کی جانب سے اس کی مخالفت

اس درمیان میں طغرل بک بغداد کے قریب پہنچ گیا اور قائم کے پاس اظہار اطاعت و خدمت گزاری کے لئے قاصد بھیجا اور بغدادی ترکوں کو انعام و اکرام کا لالچ دے کر ملانے کی کوشش کی' گو ترک رئیس الرؤسا کے مقابلہ میں بساسیری کے خلاف تھے' لیکن بساسیری ان کا ہم قوم اور طغرل بک ایک غیر شخص تھا' اس لئے وہ طمع میں نہ آئے اور قائم کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم نے بساسیری کے ساتھ جو کچھ بھی کیا ہو' لیکن وہ ہمارا محترم ہے اور امیر المؤمنین کا بنایا ہوا سردار ہے۔ امیر المؤمنین نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ ہمارے دشمن (طغرل بک) کو آنے نہ دیا جائے گا' لیکن وہ بغداد کے قریب پہنچ گیا ہے اور اس کے روکنے کی اب تک کوئی تدبیر نہیں کی گئی۔ اسی کے ساتھ بساسیری کو واپس بلانے کی درخواست کی۔

طغرل بک کا دورہ بغداد اور ملک الرحیم سے مصالحت

اس دوران میں طغرل بک بغداد پہنچ گیا۔ ملک الرحیم میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لئے اس نے قائم کو مختار بنا دیا کہ وہ جس طرح مناسب سمجھے اس کے اور طغرل کے درمیان مفاہمت و معاملت کرا دے۔ قائم نے رائے دی کہ وہ طغرل بک کی اطاعت اور اس کا خطبہ قبول کر لے۔ ملک الرحیم نے مان لیا۔ اس کے صلہ میں طغرل بک نے ملک الرحیم کے ساتھ حسن سلوک کا وعدہ کیا اور رمضان ۴۴۷ھ میں بغداد میں طغرل بک کا خطبہ جاری ہو گیا۔

طغرل اس وقت تک بغداد کے باہر مقیم تھا۔ خطبہ جاری ہونے کے بعد اس نے قائم سے بغداد میں داخل ہونے کی اجازت چاہی۔ اس نے اجازت دے دی۔ بغداد کے عمائد اور ارکان سلطنت نے طغرل بک کے قیام گاہ پر اس سے مل کر خلیفہ کی جانب سے ملک الرحیم کے ساتھ حسن سلوک کا دوبارہ عہد لیا اور آخر رمضان ۴۴۷ھ میں طغرل بک بغداد میں داخل ہو گیا۔ [1]

اہل بغداد اور سلجوقیوں میں جنگ اور ملک الرحیم کی گرفتاری

اس کا داخلہ بہت پر امن ہوا۔ کسی قسم کا کوئی ناگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ سلجوقی فوجوں نے کسی سے کوئی تعرض نہیں کیا' لیکن اس کے دوسرے دن چند سپاہیوں نے کسی کام سے ایک بغدادی کو پکڑا۔ وہ ان کی زبان نہ سمجھتا تھا۔ اس نے غلط فہمی میں شور مچا دیا۔ چند بغدادی اس کی حمایت میں سلجوقیوں پر حملہ آور ہو گئے۔ یہ دیکھ کر عوام سمجھے کہ طغرل بک اور ملک الرحیم میں جنگ چھڑ گئی۔ وہ سلجوقیوں پر حملہ آور ہو گئے۔ ایک جماعت طغرل بک پر حملہ کے لئے اس کی فرودگاہ کی طرف بڑھی۔ اہل کرخ اس ہنگامہ سے الگ رہے' بلکہ ان سے جہاں تک ہو سکا' سلجوقیوں کو بچایا۔ یہ حالت دیکھ کر ملک الرحیم الزام سے بچنے کے لئے اپنے امرا کو ساتھ لے کر قصر خلافت میں چلا گیا۔ اہل شہر کے ناگہانی حملے سے بہت سے سلجوقی مارے گئے' لیکن پھر انہوں نے سنبھل کر پورا مقابلہ کیا۔ فریقین میں بڑا کشت وخون ہوا۔ سلجوقیوں نے بغداد کے کئی محلے لوٹ لئے اور شہر میں سخت بدامنی پھیل گئی۔

اس کے دوسرے دن طغرل بک نے قائم کے پاس کہلا بھیجا کہ یہ ہنگامہ ملک الرحیم اور اس کی فوج کے اشارے سے ہوا ہے' اگر اس کا دامن پاک ہے تو اس کو میرے پاس آ کر اس کی صفائی دینی چاہیے' ورنہ اس کی ساری ذمہ داری اس کے سر ہے۔ طغرل بک کے اس پیام پر قائم نے ملک الرحیم کو اپنے قاصدوں کے ہمراہ طغرل کے پاس صفائی دینے کے لئے بھیجا اور خود بھی اس کی صفائی دی۔ جب یہ لوگ سلطانی قیام گاہ کے پاس پہنچے تو طغرل کی فوج نے ان کو لوٹ لیا اور طغرل نے ملک الرحیم اور اس کے ہمراہیوں کو گرفتار کر کے شروان بھیج دیا۔

قائم کو ملک الرحیم کی گرفتاری سخت ناگوار ہوئی۔ اس نے طغرل کے پاس کہلا بھیجا کہ ملک الرحیم کو میں نے اپنی امان اور اپنی ذمہ داری پر تمہارے پاس بھیجا ہے۔ اس کو رہا کر دو ورنہ میں بغداد چھوڑ دوں گا۔ میں نے اس یقین واعتماد پر تم کو بغداد آنے کی دعوت دی تھی کہ تمہارے ذریعہ شرعی احکام کی عظمت ظاہر ہو گی اور محرمات کی حرمت بڑھے گی' لیکن معاملہ اس کے برعکس نکلا۔ قائم کا پیام

[1] ابن اثیر ج ۹ ص ۲۱۱' ۲۱۲۔

سن کر طغرل بک نے کچھ آدمیوں کو رہا کر دیا' لیکن ملک الرحیم بدستور قید رہا۔ اس کے بعد ملک الرحیم کی فوج کی جاگیریں اور بغدادی ترکوں کا کل مال و متاع ضبط کر لیا اور دار المملکۃ کی عمارت تعمیر کر کے اس میں مقیم ہوا اور خلافت عباسیہ سے تعلقات استوار کرنے کے لئے ۴۴۸ھ میں قائم کے ساتھ اپنی بھتیجی خدیجہ بنت داؤد کا عقد کر دیا۔

بغداد سے طغرل کی واپسی

طغرل بک بغداد میں تیرہ مہینے مقیم رہا۔ اس مدت میں سلجوقی سپاہیوں نے اہل بغداد پر بڑی زیادتیاں کیں اور ان کے ہاتھوں ان کو بڑی تکلیفیں پہنچیں۔ قائم نے طغرل کے وزیر عمید الملک کندری سے اس کی شکایت کی۔ طغرل نے اپنی مجبوری ظاہر کر کے اظہار معذرت کیا اور فوجوں کو بغداد سے کوچ کا حکم دے دیا۔

عرب فرمانرواؤں کی مخالفت اور اطاعت

بساسیری ملک الرحیم سے الگ ہونے کے بعد نور الدولہ دبیس بن مزید والی حلہ کے پاس جو طغرل کے مخالفین میں تھا' حلہ چلا گیا۔ ۴۴۸ھ میں ان دونوں نے مل کر موصل پر حملہ کر کے قریش بن بدران کو شکست دی اور وہ زخمی ہو کر نور الدولہ کے پاس لایا گیا۔ اس نے اس کے سامنے مستنصر علوی کا بھیجا ہوا خلعت پیش کیا۔ شکست خوردہ قریش نے اسے قبول کیا اور موصل میں مستنصر کا خطبہ جاری کر دیا تھا۔ بغداد سے روانگی کے وقت طغرل کو اس کی اطلاع ملی۔ اس لئے وہ بغداد سے سیدھا موصل روانہ ہو گیا۔ راستہ میں امیر ہزار سب کو اعراب موصل کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ اس نے ان کو شکست دے کر ان کی بڑی تعداد قتل و گرفتار کی اور طغرل نے ان سے پورا انتقام لیا۔

اعراب کی شکست کی خبر موصل پہنچی تو قریش اور نور الدولہ کی ہمت چھوٹ گئی۔ انہوں نے طغرل بک سے صفائی کر کے اطاعت قبول کر لی' لیکن بساسیری کا معاملہ اس نے قائم پر منحصر رکھا۔ اس لئے وہ موصل چھوڑ کر رحبہ چلا گیا اور طغرل نے نور الدولہ اور قریش کو ان کی حکومت کے بعض حصے واپس کر دیئے۔ اس کے بعد دیار بکر اور جزیرہ ابن عمر کی طرف بڑھا۔ یہاں کے حاکم ابن مروان نے ہدایا و تحائف پیش کر کے رضامند کر لیا۔ اس مہم میں طغرل کا چچیرا بھائی قتلمش ہمراہ تھا۔ اس نے اہل سنجار کی شکایت کی' اس لئے طغرل نے فوج کشی کر کے سنجار کو بزور شمشیر فتح کیا اور اس کے والی کو قتل کر دیا۔

طغرل بک کی بغداد واپسی اور خلافت بغداد کی جانب سے حکومت کے جلیل القدر منصب پر تقرر اور عزت افزائی
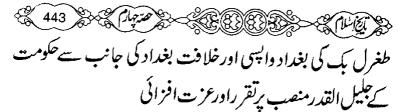
ان مہمات سے فراغت کے بعد طغرل ۴۴۹ھ میں دوبارہ بغداد گیا۔ رئیس الروسأ نے شہر سے باہر نکل کر اس کا استقبال کیا اور قائم کی جانب سے سلام کے بعد ایک مرصع جام اور خلعت پیش کیا۔ طغرل بک اس عزت افزائی کے شکرانہ میں زمین بوس ہوا۔ بغداد کی پہلی آمد میں قائم سے طغرل کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اس مرتبہ اس نے حضوری کی درخواست کی۔ قائم نے اجازت دی اور خاصہ کا گھوڑا اس کی سواری کے لئے بھیجا۔ طغرل اس پر سوار ہوکر بارگاہ خلافت میں حاضر ہوا۔ قائم نے اس کے اعزاز میں خاص دربار منعقد کر کے باریابی کا شرف بخشا۔ قائم ایک بلند تخت پر تھا۔ دوش پر ردائے نبوی ﷺ اور ہاتھ میں عصائے خلافت تھا۔ چپ و راست ارکان دولت تھے۔ طغرل نے تخت شاہی کے سامنے زمین بوس ہوکر دست بوسی کی عزت حاصل کی۔ قائم نے اسے کرسی پر بیٹھنے کا اعزاز بخشا اور رئیس الروسا نے قائم کی جانب سے اعلان کیا کہ امیر المؤمنین تمہاری کوششوں کے مشکور، تمہارے کام کے مداح اور تمہاری قربت سے مسرور ہیں۔ وہ تم کو ممالک محروسہ کا والی بناتے ہیں اور اللہ کی مخلوق کی ذمہ داری تمہارے سپرد کرتے ہیں۔ اس کو پورا کرنے میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا خوف پیش نظر رکھو۔ اپنے اوپر اس کی نعمتوں کا احساس کرو اور عدل وانصاف کے قیام اور ظلم و جور کے انسداد اور رعایا کی اصلاح میں پوری کوشش کرو۔ اس جلیل القدر منصب کے شکرانے میں طغرل بک نے پھر زمین بوس ہو کر دست بوسی کی عزت حاصل کی اور خلیفہ کے ہاتھوں کو اپنی آنکھوں سے ملا۔ اس نے اس کو ''ملک المشرق والمغرب'' کے لقب سے ملقب اور فرمان حکومت عطا کیا۔ ان مراسم کے بعد طغرل بک اپنے قیام گاہ پر واپس گیا اور قائم کی خدمت میں پچاس ہزار اشرفیاں نقد، بیش قیمت ہدایا، پچیس ترکی سوار مع اسپ و ساز زریں اور قیمتی کپڑے نذر بھیجے۔ [1]

ابراہیم نیال کی بغاوت اور اس کا قتل

طغرل کے قیام بغداد کے زمانہ میں اس کا بھائی ابراہیم نیال جسے وہ موصل کی نگرانی کے لئے چھوڑ آیا تھا، اس کے خلاف ہوگیا اور موصل چھوڑ کر ہمدان چلا گیا۔ بساسیری اور قریش بن بدران قریب ہی تھے۔ میدان خالی پاکر موصل پہنچ گئے۔ طغرل کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ فوراً بغداد سے موصل روانہ

[1] ابن اثیر ج ۹، ص ۲۲۱۔

ہو گیا۔اس کی آمد کی خبرسن کر دونوں نے موصل چھوڑ دیا اور طغرل ابراہیم کے مقابلے کے لئے ہمدان پہنچا' لیکن ابراہیم کی قوت زیادہ تھی' اس لئے طغرل رے چلا گیا اور اپنے بھتیجوں الپ ارسلان یاقوتی اور قاروت کو بلا کر ان کی مدد سے ابراہیم کو شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ابراہیم کو کئی مرتبہ طغرل معاف کر چکا تھا' لیکن وہ مخالفت سے باز نہ آتا تھا' اس لئے طغرل نے اس کو قتل کرا دیا۔

بغداد پر بساسیری کا قبضہ اور قائم کی حدیثہ روانگی

ابراہیم کے مقابلہ میں طغرل کی مشغولیت دیکھ کر قریش بن بدران اور بساسیری بغداد پہنچ گئے۔ یہاں کوئی روکنے والا نہ تھا۔اس لئے ذیقعدہ ۴۵۰ھ میں بساسیری نے بغداد پر قبضہ کر کے یہاں مستنصر علوی کا خطبہ جاری کر دیا۔اتفاق سے بغداد میں اس وقت کوئی تجربہ کار افسر موجود نہ تھا۔چند عمائد بغداد نے عوام کو ساتھ لے کر مقابلہ کرنے کی کوشش کی' لیکن انہوں نے شکست کھائی اور بساسیری نے حریم خلافت کو اوٹ لیا اور باب نوبی تک گھس آیا۔عمید عراق کو مجبور ہو کر قریش کے دامن میں پناہ لینی پڑی۔قائم نے یہ صورت دیکھی تو سیاہ لباس پہن کر قصر خلافت سے نکل آیا۔اس وقت اس کے لئے کوئی جائے پناہ نہ تھی اس لئے اسے مجبور ہو کر قریش سے جو اس وقت بساسیری کے ساتھ تھا' لیکن عرب تھا' اپنے اور اپنے تمام متعلقین و وابستگان دولت کے لئے پناہ لینی پڑی۔بساسیری کو معلوم ہوا تو اس نے کہلا بھیجا کہ یہ معاہدہ کے خلاف ہے۔اس لئے قریش کو رئیس الرؤسا کو اس کے حوالہ کر دینا پڑا اور قائم کو اپنے چچیرے بھائی مہارش کی حفاظت میں دے دیا۔یہ اپنے ساتھ عزت و حرمت کے ساتھ اس کو حدیثہ لے گیا اور خدمت گزاری کا پورا حق ادا کیا۔

بساسیری نے اہل بغداد میں اثر قائم کرنے کے لئے ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا قائم کی ضعیف والدہ کو ایک علیحدہ گھر دے دیا اور اس کی خدمت کے لئے دو کنیزیں مقرر کر کے وظیفہ جاری کر دیا' لیکن رئیس الرؤسا اور عمید العراق سے اس کو پرانی عداوت تھی۔ان کو اس نے معاف نہیں کیا اور رئیس الرؤسا کی تشہیر کر کے سولی پر آویزاں کیا اور عمید عراق کو قتل کر دیا۔مستنصر علوی کی خوشنودی کے لئے ان کارروائیوں کی اطلاع مصر بھجوائی' لیکن وہاں سے کوئی حوصلہ افزا جواب نہیں ملا۔

بساسیری کا اخراج اور قائم کی واپسی

اس زمانہ میں طغرل ابراہیم نیال کے مقابلہ میں مشغول تھا' اس لئے بغداد کے معاملہ کی طرف توجہ نہ کر سکا۔اس سے فراغت کے بعد قریش بن بدران اور بساسیری کو لکھ بھیجا کہ اگر وہ خلیفہ کو بحال کر

دیں تو وہ بغداد میں صرف اپنے سکہ اور خطبہ پر قناعت کرے گا اور عراق ان کے لئے چھوڑ دے گا' لیکن بساسیری اس پر رضامند نہ ہوا۔ اس لئے طغرل بک کو فوج کشی کرنی پڑی۔ بساسیری میں اس کو روکنے کی طاقت نہ تھی۔ اس لئے ایک سال کے قیام کے بعد ذیقعدہ ۴۵۰ھ میں اس کو بغداد چھوڑنا پڑا۔

طغرل نے راستہ ہی سے قائم کو واپس لانے کے لئے ابن فورک کو قریش بن بدران کے پاس بھیج دیا۔ قریش کی نیت میں فتور تھا۔ اس نے اپنے بھائی مہارش کے پاس کہلا بھیجا کہ میں نے سلجوقیوں سے بچنے کے لئے خلیفہ کو تمہاری امانت میں دے دیا تھا۔ اب وہ پھر آ گئے ہیں۔ اس لئے تم خلیفہ کو لے کر خشکی کے علاقہ کی طرف نکل جاؤ۔ جب وہ اس کو ہمارے ساتھ دیکھیں گے تو پھر عراق کا رخ نہ کریں گے اور ان سے ہم کو آزادی مل جائے گی' لیکن مہارش نے اس کی تعمیل نہیں کی اور قائم کو لے کر بغداد روانہ ہو گیا۔ دوسری طرف طغرل آ رہا تھا۔ نہروان میں دونوں ملے۔ طغرل نے قائم کے سامنے زمین بوس ہو کر اس کی سلامتی پر مبارک باد پیش کی اور ابراہیم کی بغاوت کی وجہ سے وقت پر بغداد نہ پہنچنے کی معذرت کی اور وعدہ کیا کہ بساسیری کو بہت جلد اس کے کئے کی سزا کو پہنچائے گا اور مستنصر علوی سے پورا بدلہ لے گا۔ اس وفاداری کے سلسلہ میں قائم نے اپنے دست خاص سے اس کی تلوار باندھی اور طغرل اس کی پیشوائی کے لئے اس کے ورود سے دو چار دن پہلے بغداد پہنچ گیا اور ذیقعدہ ۴۵۱ھ میں اپنے ہاتھوں سے قائم کی سواری کی لگام تھام کر قصر خلافت میں لے گیا۔ اس کی واپسی پر بغداد میں بڑا جشن ہوا۔ شعراء نے قصائد تہنیت پیش کئے۔

بساسیری کا قتل

بساسیری اس وقت تک عراق میں مقیم تھا۔ قائم کی واپسی کے بعد طغرل نے اس کے استیصال کے لئے فوجیں روانہ کیں۔ بساسیری کا ساتھی نور الدولہ تو بطیحہ نکل گیا' لیکن بساسیری خود ٹھہرا رہا۔ اس دوران میں سلجوقی فوجیں پہنچ گئیں۔ اس وقت بساسیری نے نکل جانا چاہا' لیکن گھوڑے سے گر پڑا۔ سلجوقیوں نے پکڑ کر قتل کر دیا اور اس کا سر لے جا کر طغرل کے سامنے پیش کیا۔ اس نے بغداد میں سر کی تشہیر کرائی اور جسم کو سولی پر آویزاں کیا اور بغداد میں اس کا جس قدر مال و متاع تھا' سب ضبط کر لیا گیا۔ بساسیری کے قتل سے طغرل اور قائم دونوں کی راہ کا ایک بڑا کانٹا صاف ہو گیا۔

طغرل کی واپسی

بساسیری کی جانب سے اطمینان حاصل کرنے کے بعد طغرل بغداد کا نظام درست کر کے

واسط چلا گیا اور عراق کے امرا کو مختلف حصوں میں مامور کیا اور ۴۵۲ھ میں امیر ہزار سب' دبیس بن مزید' ابوعلی بن کالیجار وغیرہ کو لے کر بغداد واپس آئے۔ قائم نے ان کے اعزاز میں دعوت دی۔ طغرل نے بھی ان سب کو مدعو کیا اور انہیں خلعتیں تقسیم کیں اور امیر برسق کو بغداد کا شحنہ بنا کر ربیع الاول ۴۵۲ھ میں اپنے مستقر واپس گیا۔

قائم کی لڑکی سے طغرل کا نکاح اور اس کا انتقال

۴۵۳ھ میں طغرل بک نے قائم کی لڑکی کے ساتھ شادی کی درخواست کی۔ یہ جرأت آج تک ترک و دیالمہ کسی نے بھی نہ کی تھی۔ قائم کو اس سے بڑی ناگواری ہوئی اور اس نے سختی کے ساتھ اس رشتہ سے انکار کر دیا اور معاملہ اتنا طول کھینچ گیا کہ قائم بغداد چھوڑنے پر آمادہ ہو گیا' لیکن پھر آخر میں خیر خواہان دولت کے مشورہ سے چار و ناچار منظور کرنا پڑا اور شعبان ۴۵۴ھ میں تبریز میں عمید الملک کی وکالت میں اس شرط پر کہ یہ رشتہ صرف شرف انتساب کے لئے ہے' میاں بیوی میں زن و شوہر کے تعلقات قائم نہ ہوں گے' نکاح ہو گیا اور دلہن بغداد ہی میں رہی۔

۴۵۵ھ میں طغرل بیوی سے ملنے کے لئے بغداد گیا۔ عمید الملک نے اسے شرط یاد دلائی کہ میاں بیوی خلوت میں نہیں مل سکتے۔ طغرل نے منظور کیا اور قصر خلافت میں دلہن ایک زریں تخت پر بیٹھی۔ طغرل نے اس کے سامنے زمین بوسی پر اکتفا کیا اور بہت سا ساز و سامان اور بیش قیمت جواہرات جو دلہن کے لئے لایا تھا' پیش کئے اور اہل بغداد کی عام دعوت کی' جس کا سلسلہ کئی دن تک جاری رہا۔ بغداد کے عمائد اور اراکین سلطنت کو خلعتیں تقسیم کیں۔ ایک مہینہ قیام کے بعد ربیع الاول ۴۵۵ھ میں اپنے دار السلطنت رے واپس چلا گیا۔ واپسی کے چھ مہینے بعد رمضان ۴۵۵ھ میں انتقال کر گیا۔ اس وقت ستر سال کی عمر تھی۔ مدت حکومت ۲۶ سال اور خلافت بغداد کی تولیت کی مدت آٹھ سال تھی۔

اوصاف

طغرل کے کمالات اور اوصاف جہانبانی خود اس کی زندگی کے واقعات سے ظاہر ہیں۔ اس نے اپنی قوت بازو سے ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھی اور مخالف طاقتوں کو مغلوب کر کے اس کو اس قدر مضبوط کر گیا کہ اس کے جانشینوں نے اس کی بنیاد پر سلجوقی حکومت کا عظیم الشان قصر تعمیر کیا۔ خلافت بغداد کو دیالمہ کے پنجے سے آزاد کرایا۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے تمام مفتوحہ ملکوں کو اپنے بھائی بھتیجوں میں تقسیم کر دیا۔

وہ ایک راسخ العقیدہ اور دیندار مسلمان اور پاکباز' متقی فرمانروا تھا۔ نماز پنج گانہ باجماعت ادا

کرتا تھا۔ تہجد بھی ناغہ نہ ہوتی تھی۔ ہر جمعہ دوشنبہ کو روزہ رکھتا تھا۔ صدقات وخیرات کرتا' مسجدوں کے بنوانے سے شغف رکھتا تھا' کہا کرتا تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم معلوم ہوتی ہے کہ کوئی عمارت بنواؤں جس کے پہلو میں مسجد نہ ہو۔ [1]

الپ ارسلان

طغرل خود لاولد تھا۔ اپنے بھتیجے سلیمان بن داؤد کو اپنا جانشین بنا گیا تھا' چنانچہ اس کی وفات کے بعد رمضان ۴۵۵ھ میں وہ تخت نشین ہوا۔ قتلمش بن اسرائیل والی قونیہ نے اس کو تسلیم نہیں کیا اور اس کے مقابلے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ بعض اور امرانے بھی سلیمان کی مخالفت کی اور اس کے بجائے طغرل کے دوسرے بھتیجے الپ ارسلان کا خطبہ جاری کر دیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر طغرل کا وزیر عمید الملک کندری بھی الپ ارسلان کے ساتھ ہو گیا۔ قتلمش نے اس کی بادشاہت بھی تسلیم نہیں کی' لیکن الپ ارسلان نے اس کو مغلوب کر لیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ جنگ میں مارا گیا۔ دوسری یہ کہ گھوڑے سے گر کر مر گیا۔

قتلمش کے بعد الپ ارسلان کی جانشینی مسلم ہوگئی اور اس نے اپنے کاتب نظام الملک طوسی کو وزیر بنایا۔ عمید الملک کندری کا درخور بھی قائم رہا۔ ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتی تھیں۔ اس لئے اس میں اور نظام الملک میں اختلاف شروع ہو گیا۔ نظام الملک نے الپ ارسلان کو بھڑکا کر عمید الملک کو قید کرا دیا اور چند دنوں کے بعد وہ قتل کر دیا گیا۔ قتل کے وقت اس نے الپ ارسلان کے پاس یہ پیغام کہلا بھیجا کہ حضور کے خانوادہ کی خدمت میرے لئے مبارک تھی۔ اس کے طفیل میں مجھے دونوں جہان کی نعمتیں ملیں۔ حضور کے چچا نے وزیر بنا کر دنیا کا حاکم بنایا اور حضور نے درجہ شہادت پر سرفراز کر کے دوسرے جہان میں امتیاز بخشا اور نظام الملک سے کہلا بھیجا کہ تم نے بادشاہ کو وزیر کشی کی تعلیم دے کر ایک بری رسم قائم کی ہے۔ عجب کیا ہے کہ ایک دن تم کو یا تمہاری اولاد کو بھی یہ دن دیکھنا پڑے۔ [2]

۴۵۶ھ میں الپ ارسلان نے قائم کی لڑکی اور طغرل کی بیوی کو جورے میں تھی بڑے تزک و احتشام سے بغداد واپس کیا اور قائم سے خطاب وخلعت کی درخواست کی۔ اس نے "ضیاء الدین عضد الدولہ" کا لقب اور خلعت عطا کیا اور قاصد بھیج کر الپ ارسلان سے اپنی بیعت لی۔ [3] خلافت

[1] اختصار دولت آل سلجوقی عماد الدین اصفہانی ص ۲۶۔ [2] راحۃ الصدور ص ۱۰۸' وتاریخ گزیدہ ص ۴۳۹۔

[3] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۱۱۔

غداد کی تصدیق کے بعد الپ ارسلان نے توسیع حکومت کی جانب توجہ کی۔ وہ بڑا اولوالعزم' حوصلہ مند اور شجاع و بہادر تھا۔ فتح و نصرت اس کے ہمرکاب تھی۔ کسی مہم میں ناکام نہیں رہا' اپنے زمانہ میں اس نے ایران کی سلجوقی حکومت کو مشرق کا امپائر بنا دیا۔ اس کے کاموں کی تفصیل بہت طویل ہے' اس کا پورا تذکرہ ان شاء اللہ سلجوقیوں کی تاریخ میں آئے گا۔ اس سلسلہ میں الپ ارسلان کے دو کارنامے زیادہ اہم اور قابل ذکر ہیں۔ ایک حکومت قسطنطنیہ کے خطرہ کا انسداد اور دوسرے حرمین میں فاطمیوں کے بجائے عباسی خطبہ کا اجرا

گرجستان کی فتح

خلافت بغداد کے زوال کے بعد اس میں اور رومیوں میں معرکہ آرائی کا سلسلہ قریب قریب بند ہو چکا تھا۔ اس کے متولی دیالمہ میں کوئی جوش و ولولہ نہ تھا۔ وہ ایران کی حکومت پر قانع تھے۔ ان کے برعکس سلجوقیوں کے حوصلہ کے سامنے تنہا وسط ایشیا کا میدان تنگ تھا۔ اس لئے وہ ابتدا ہی سے قسمت آزمائی کے لئے مختلف ملکوں میں پھیل گئے تھے اور قتلمش بن ارسلان نے ایشیائے کوچک کو اپنے حوصلہ کی آماجگاہ بنایا تھا اور اس کا بڑا حصہ فتح کر کے اپنی حکومت قائم کر لی تھی' جو ڈھائی صدیوں تک قائم رہی اس کے حالات ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔

خود طغرل بک کی سلطنت کے حدود آرمنستان تک پہنچ گئے تھے جہاں سے قسطنطنیہ کی حکومت یا اس کے ماتحت حکمرانوں کے حدود شروع ہو جاتے تھے۔ اس لئے دونوں میں تصادم ناگزیر تھا' چنانچہ ۴۵۶ھ میں الپ ارسلان نے اران اور گرجستان کے صوبوں پر فوج کشی کی اور اس کے لڑکے ملک شاہ اور وزیر نظام الملک نے رومیوں کے متعدد قلعے فتح کیے اور شہر مریم نشین کا محاصرہ کیا۔ یہ عیسائیوں کا بڑا مقدس شہر تھا۔ پوری عیسائی دنیا اس کی تعظیم کرتی تھی۔ اس کے گرد سنگین شہر پناہ اور چاروں طرف نہر رواں تھی۔ عیسائیوں نے مدافعت میں پوری قوت صرف کر دی' لیکن سلجوقی شہر پناہ تک پہنچ کر کمند کے ذریعہ فصیل پر چڑھ گئے۔ اہل شہر نے جو مدافعت کرتے کرتے تھک چکے تھے سپر ڈال دی اور شہر پر قبضہ ہو گیا۔ [1]

الپ ارسلان دوسری سمت مصروف پیکار تھا اسے مریم نشین کی فتح سے بڑی مسرت ہوئی اور وہ ملک شاہ اور نظام الملک کو واپس بلا کر سپید شہر کی طرف بڑھا اور اسے فتح کر کے اعال لال کے قلعہ کا رخ کیا۔ یہ بڑا سنگین اور مستحکم شہر تھا۔ اس کے مشرق و مغرب میں پہاڑ کی قدرتی دیوار اور متعدد مستحکم قلعے تھے۔ دوسری سمت نہر حائل تھی۔ الپ ارسلان نے اس پر پل تعمیر کر کے شہر پر حملہ کیا۔ اہل شہر نے ہر چند

[1] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۱۳۔

مدافعت کی لیکن روکنے میں کامیاب نہ ہو سکے اور سلجوقیوں نے انہیں شکست دے کر شہر پر قبضہ کر لیا۔

اعال لال کی تسخیر کے بعد شہر آنی کا رخ کیا اور راستہ کی عیسائی آبادیوں کو مطیع کرتے ہوئے آنی پہنچا۔ یہ اتنا بڑا شہر تھا کہ اس میں پانچ سو گرجے تھے۔ اس کے تین طرف دریائے ارس تھا اور چوتھی سمت نہر تھی۔ شہر تک پہنچنے کے لئے تھوڑا سا خشکی کا راستہ تھا۔ الپ ارسلان نے لکڑی کا برج بنا کر سنگباری اور تیر اندازی کے ذریعہ اہل شہر کو فصیل سے ہٹا دیا اور حملہ کر کے شہر پناہ کی دیوار تک پہنچ گیا۔ عین اس وقت اس کا ایک حصہ جو سنگ باری سے کمزور ہو چکا تھا' گر گیا اور سلجوقی اس کے راستے سے داخل ہو کر شہر پر قابض ہو گئے۔ گرجستان کے فرمانروا نے جب دیکھا کہ سلجوقیوں کا روکنا اس کے بس سے باہر ہے تو اس نے جزیہ دے کر صلح کر لی اور الپ ارسلان مفتوحہ علاقوں کی حفاظت کے لئے فوج چھوڑ کر مرو واپس گیا۔ ان فتوحات سے اسلامی دنیا کو بڑی شادمانی و مسرت ہوئی۔ قائم نے خاص طور سے خوشنودی کا اظہار اور الپ ارسلان کے لئے دعا کی۔ [1]

قیصر ارمانوس کی شکست اور گرفتاری

ان فتوحات کا تعلق اگرچہ براہ راست قسطنطنیہ کی حکومت سے نہ تھا لیکن یہ صوبے رومی حکومت کے ہم سرحد اور اس کے باجگزار تھے۔ اس لئے بالواسطہ رومی حکومت پر ان کا اثر پڑنا ناگزیر تھا۔ اس لئے قیصر ارمانوس دیوجانس ۴۶۳ھ میں سلجوقیوں کی یورش کو روکنے کے لئے رومی' روسی' غزی' قفجاقی' کرجی' خزر اور ارمنی قوموں کا تین لاکھ کا لشکر جرار لے کر اسلامی حدود کی طرف بڑھا۔ الپ ارسلان کو آذربائیجان میں اس کی اطلاع ملی۔ ارمانوس ملاذ کرد تک پہنچ چکا تھا۔ الپ ارسلان کے لئے تیاری کا موقع نہ تھا۔ اس لئے اس نے اپنی بیوی کو نظام الملک کے ہمراہ ہمدان بھیج دیا اور خود کل پندرہ ہزار فوج کے ساتھ ارمانوس کے مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ خلاط کے قریب دونوں کے مقدمۃ الجیش کا سامنا ہوا۔ گو رومی مقدمۃ الجیش کی تعداد پوری سلجوقی فوج سے بھی زیادہ تھی' لیکن اس کے باوجود سلجوقیوں نے اس کو شکست دے کر اس کے سپہ سالار کو گرفتار کر لیا اور ان کی مقدس صلیب کو چھین کر نشان فتح کے طور پر بغداد بھیجا۔

اس دوران میں اصل رومی لشکر نے خلاط کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں کے مسلمانوں کے پاس کوئی قوت نہ تھی۔ اس لئے تھوڑی مدافعت کے بعد انہوں نے شہر رومیوں کے حوالہ کر دیا۔ انہوں نے سارے اہل شہر کو قیدی بنا لیا۔ اس کے دوسرے دن سلجوقی فوج پہنچی۔ اس نے رومیوں کو ہٹا کر

[1] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۱۳' ۱۴۔

مسلمانوں کو ان سے چھڑایا۔ اس کے بعد الپ ارسلان پہنچا اور رومیوں کے قریب ہی خیمہ زن ہوا۔ پہلے اس نے مصالحت کی کوشش کی' لیکن ارمانوس نے جواب دیا کہ "صلح تمہارے پایہ تخت رے پہنچ کر ہوگی"۔ اس جواب کے بعد جنگ ناگزیر ہوگئی' لیکن دونوں کی قوت میں کوئی تناسب نہ تھا۔ امام ابونصر محمد بن عبدالملک حنفی نے جو الپ ارسلان کے ساتھ تھے' اس کا حوصلہ بڑھایا کہ تم اللہ کے دین کی حمایت میں لڑ رہے ہو۔ جس کی امداد اور غلبہ کا اس نے وعدہ کیا ہے۔ اس لئے اللہ تم کو ضرور کامیاب کرے گا اور دوسرے دن نماز جمعہ کے بعد آغاز جنگ کا مشورہ دیا۔

الپ ارسلان نے دوسرے دن مجاہدین کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی۔ اس وقت اس پر بے اختیار رقت طاری ہوگئی۔ اس کے ساتھ سارے نمازی رونے لگے' اور اسی حالت میں سب نے بارگاہ ایزدی میں فتح و نصرت کی دعا کی اور الپ ارسلان لباس بدل کر گھوڑے پر میدان جنگ پہنچا اور اس شدت کا معرکہ ہوا کہ میدان جنگ میں خون کا دریا بہنے لگا۔ ہر طرف کشتوں کے انبار لگ گئے۔ یہ معرکہ سلجوقیوں کی شجاعت کی حیرت انگیز مثال ہے۔ ان کی جانبازی نے کئی لاکھ رومیوں کو بڑی فاش شکست دی۔ قیصر ارمانوس گرفتار ہو کر الپ ارسلان کے حضور میں پیش کیا گیا۔ اس نے طنزاً پوچھا تم ہی نے میرے پیام صلح کو ٹھکرایا تھا۔ ارمانوس نے جواب دیا' جو تمہارے دل میں آئے فیصلہ کرو' لیکن مجھے جھڑکو مت۔ الپ ارسلان نے پوچھا اگر تم مجھے گرفتار کر لیتے تو میرے ساتھ کیا سلوک کرتے۔ ارمانوس نے کہا بہت برا۔ الپ ارسلان نے کہا میرے متعلق کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیسا سلوک کروں گا؟ ارمانوس نے کہا یا قتل کرو گے یا تشہیر کرو گے تیسری صورت یعنی فدیہ لے کر چھوڑنے کی امید نہیں۔ الپ ارسلان نے کہا میں یہی تیسری صورت اختیار کروں گا' چنانچہ کئی کروڑ فدیہ کے وعدہ پر اس کو رہا کر دیا اور یہ شرط قرار پائی کہ الپ ارسلان کو جس وقت فوجی مدد کی ضرورت پیش آیا کرے گی' ارمانوس مدد کرے گا اور اس کے یہاں جس قدر مسلمان قید ہیں' سب کو رہا کر دے گا۔

صلح کے بعد الپ ارسلان نے ارمانوس کو شاہی خیمہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا۔ دس ہزار اشرفیاں زادراہ کے لئے دیں اور اس کی مشایعت کے لئے بطریقوں کی ایک جماعت کو جو جنگ میں قید ہوئے تھے رہا کر کے سب کو خلعتیں دیں۔ ارمانوس اس شریفانہ سلوک سے اتنا متاثر ہوا کہ دوبارہ الپ ارسلان کے پاس جا کر اظہار اطاعت کیا اور دونوں میں دس سال کے لئے تحریری معاہدہ ہو گیا۔ سلطان نے خاص اپنی فوج حفاظت کے لئے ساتھ کی اور ایک فرسخ تک خود رخصت کرنے کے لئے گیا۔

اس دوران میں قسطنطنیہ میں انقلاب بپا ہو گیا۔ ارمانوس کی گرفتاری کے بعد میخائیل نے قسطنطنیہ کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ راستہ میں ارمانوس کو اس کی اطلاع ملی۔ وہ اپنی شکست سے بہت متاثر تھا۔ اس خبر

نے اس کا دل توڑ دیا اور اس نے راہبانہ زندگی اختیار کر لی اور میخائل کے پاس کہلا بھیجا کہ میں نے رومی حکومت کی جانب سے الپ ارسلان سے جو معاہدہ کیا تھا' اس کے رد و قبول کا تم کو اختیار ہے۔ میخائل نے زر فدیہ کی ادائیگی کے علاوہ معاہدہ کے اور تمام شرائط قبول کر لیے۔ ارمانوس کو سب سے زیادہ اسی شرط کے ایفا کا خیال تھا۔ اس نے اپنا کل اندوختہ جو اس کے پاس بچ رہا تھا اور جس کی تعداد دو لاکھ تھی اور نوے لاکھ کے قیمتی جواہرات اس معذرت کے ساتھ الپ ارسلان کے پاس بھجوائے کہ تاج و تخت سے محرومی کے بعد اس سے زیادہ رقم کی ادائیگی میرے امکان سے باہر ہے' الپ ارسلان نے اس کو قبول کیا۔ [1]

حرمین میں عباسی خطبہ کا اجراء

مصر کے فاطمی خلفا عباسیوں کے حریف مقابل تھے۔ دیالمہ نے ہم مذہبی کی بنا پر ان سے کبھی کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔ اس لیے ان کا اثر و رسوخ برابر بڑھتا گیا اور حرمین تک میں ان کا خطبہ جاری ہو گیا تھا۔ سلجوقی سنی تھے۔ جب انہوں نے دیالمہ کی جگہ لی تو فاطمیوں کی قوت توڑنے کی کوشش کی' چنانچہ طغرل بک نے مصر پر حملہ کا ارادہ کیا تھا' لیکن اس کا موقع نہ مل سکا۔ الپ ارسلان کے زمانہ میں اس کے قدرتی اسباب پیدا ہو گئے۔

اتفاق سے سلجوقیوں کے زمانہ میں فاطمیوں کا نظام بگڑ چکا تھا اور مصر میں سخت ابتری پھیل گئی تھی۔ مقریزی کا بیان ہے کہ عوام کے ساتھ مستنصر فاطمی کے اختلاط اور اس کی سفلہ پروری سے معاملات و مقدمات کی تعداد اتنی بڑھ گئی تھی کہ ایک ایک دن میں آٹھ آٹھ سو استغاثوں کی نوبت آ جاتی تھی۔ اس لیے قدرتاً وزراء اور قضاۃ کے مصارف بہت بڑھ گئے تھے۔ عبید الدولہ اور وزراء میں اختلاف کی وجہ سے وزراء کی قوت کمزور پڑ گئی تھی اور حکومت کا نظام بگڑ گیا تھا۔ صوبوں پر خودسر امرا کے قبضہ کی وجہ سے حکومت کے محاصل گھٹ گئے تھے۔ امرا کی خودسری کے ساتھ حکومت کا مالی نظام ابتر ہو گیا تھا۔ [2]

اس کے مقابلہ میں سلجوقیوں کی طاقت روز افزوں ترقی پذیر تھی۔ ان کے تسنن کی وجہ سے ملک کا عام رجحان بھی ان کی طرف تھا۔ اس لیے خود بخود لوگ ان کی طرف مائل ہونے لگے' چنانچہ ۴۶۲ھ میں محمد بن ابی ہاشم امیر مکہ نے فاطمیہ سے تعلق منقطع کر کے الپ ارسلان کی اطاعت قبول کر لی اور مکہ میں اس کے نام کا خطبہ جاری کر دیا۔ الپ ارسلان نے اس کے صلہ میں خلعت اور بیس ہزار نقد نذرانہ بھیجا اور دس ہزار سالانہ وظیفہ مقرر کیا۔ [3]

---

[1] یہ حالات زیادہ تر ابن اثیر ج ۱۰' ص ۲۲' ۲۳' اور دولت آل سلجوق ص ۳۷ تا ۴۹ سے ماخوذ ہیں۔

[2] مقریزی ج ۲' ص ۱۷۲۔

[3] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۲۱۔

والی حلب کی اطاعت

اسی زمانہ میں ناصر الدولہ حمدانی نے جو مستنصر علوی کے امرا میں تھا اور اس کے خلاف ہو گیا تھا ابوجعفر محمد بن احمد بخاری کے ذریعہ الپ ارسلان کو مصر پر حملہ کی دعوت دی۔ اس دعوت پر وہ شام کی طرف بڑھا۔ راستہ میں محمود بن صالح والی حلب نے جو فاطمی حکومت کے ماتحت تھا الپ ارسلان کی اطاعت قبول کر کے حلب میں اس کا خطبہ جاری کیا۔ قائم نے اس کے صلہ میں محمود کے لئے خلعت بھجوائی' لیکن محمود شیعوں کی اذان چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوا۔ اس لئے الپ ارسلان نے حلب کا محاصرہ کر لیا۔ چند دنوں کے بعد محمود محاصرہ کی سختی سے گھبرا کر اپنی ضعیفہ ماں کو لے کر الپ ارسلان کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اس نے اس ضعیفہ کی سفارش پر محمود کی حکومت بحال رکھی اور خلعت بھی عطا کیا۔ ❶

فلسطین پر قبضہ

حلب کے بعد آگے بڑھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ خراسان پر رومیوں کی فوج کشی کی خبر ملی۔ اس لئے شام کی مہم ترکوں کے ہاتھوں میں چھوڑ کر خراسان چلا گیا۔ اس کی واپسی کے بعد اتسنر ترکی نے ۴۶۳ھ میں عسقلان کے علاوہ پورے فلسطین پر قبضہ کر لیا اور دمشق پر حملہ آور ہوا' لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی' اس لئے لوٹ گیا۔

ملک شاہ کی ولی عہدی

۴۶۴ھ میں الپ ارسلان نے قائم کی اجازت سے اپنے لڑکے ملک شاہ کو باقاعدہ ولی عہد بنایا۔ قائم نے اس کے لئے خلعت اور الپ ارسلان کی لڑکی سفری خاتون کے ساتھ اپنے ولی عہد مقتدی کے عقد کا پیغام بھیجا۔ الپ ارسلان نے بڑی مسرت سے اس اعزاز کو قبول کیا اور عمید الملک اور نظام الملک کی وکالت میں نیشاپور میں غائبانہ عقد ہوا۔ عقد کے بعد عمید الملک نے اصفہان جا کر ملک شاہ کو قائم کا عطا کردہ خلعت پہنایا۔

ترکستان پر فوج کشی اور الپ ارسلان کی وفات

مغرب کے بعد الپ ارسلان نے مشرق کی جانب توجہ کی اور ۴۶۵ھ میں ماوراء النہر کے علاقہ پر فوج کشی کی جیحون کے پار چند سلجوقی سپاہی ایک قلعدار یوسف خوارزمی کو پکڑ کر الپ ارسلان کے پاس

❶ ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۲۔

لائے۔اس نے اس سے کچھ باتیں دریافت کیں۔یوسف نے گستاخانہ جواب دیا۔الپ ارسلان نے اسے سزا دینے کا حکم دیا۔یوسف بگڑ کر الپ ارسلان پر حملہ کے قصد سے بڑھا۔خدام نے روکنا چاہا لیکن سلطان نے ان کو منع کر دیا اور یوسف پر خود تیر چلایا۔اتفاق سے نشانہ خطا کر گیا اور یوسف نے الپ ارسلان کو زخمی کر دیا۔وہ خود تو مارا گیا' لیکن سلطان کا زخم کاری تھا وہ اس سے جانبر نہ ہو سکا اور اس کے صدمہ سے ربیع الاول ۴۶۵ھ میں انتقال کر گیا۔لاش مرو لے جا کر باپ کے پہلو میں دفن کی گئی۔انتقال کے وقت کل چالیس سال کی عمر تھی۔مدت حکومت نو سال چھ مہینے۔ [1]

اوصاف وکمالات

الپ ارسلان اوصاف جہانبانی میں طغرل کا صحیح جانشین اور بعض دوسرے اوصاف وخصوصیات میں اس سے بڑھا ہوا تھا۔اس نے سیاسی اور تمدنی دونوں حیثیتوں سے سلجوقی حکومت کو بڑی ترقی دی۔اس کا رقبہ اتنا وسیع کر دیا کہ اس کا ایک سرا ترکستان سے ملتا تھا اور دوسرا شام سے۔ابن خلکان کا بیان ہے کہ قتلمش کے مقابلہ میں کامیابی کے بعد الپ ارسلان ملکوں پر چھا گیا۔اس کی سلطنت کے حدود بہت بڑھ گئے۔اس کی سطوت وہیبت دلوں پر بیٹھ گئی۔اس کی فتوحات کا دائرہ اور سلطنت کا رقبہ طغرل کی سلطنت سے زیادہ بڑھ گیا۔مغرب میں وہ شام تک پہنچ گیا اور حلب میں محمود بن صالح کو مطیع بنایا۔اسلام کی تاریخ میں وہ پہلا ترک فرمانروا ہے جس نے فرات کو عبور کر کے سرزمین شام میں قدم رکھا اور ترکستان میں جیجون پار تک پہنچ گیا۔ [2]

ابن اثیر اس کے اوصاف کے ذکر میں لکھتا ہے۔الپ ارسلان فیاض' عادل' عاقل وفرزانہ تھا۔اس کی حکومت کے حدود بہت وسیع ہو گئے تھے۔ایک عالم اس کے سامنے جھک گیا تھا اور اس کو سلطان العالم بالکل بجا کہا جاتا ہے۔ [3] سلطنت کی توسیع کے ساتھ ساتھ اس نے اس کو انتظامی اور تمدنی حیثیت سے بھی ترقی دی۔ملک کے امن وامان کا یہ حال تھا کہ اس کے حدود حکومت میں جرائم مفقود ہو گئے تھے۔رعایا کا مال اتنا محفوظ تھا کہ حکومت کے اصل محاصل کے سوا ناجائز آمدنی کا ایک حبہ نہ لیا جاتا تھا۔بڑے سے بڑا عہدہ دار ادنیٰ سے ادنیٰ شخص کے مال کی جانب نگاہ اٹھانے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ایک مرتبہ الپ ارسلان کو اطلاع ملی کہ اس کے ایک غلام نے ایک دیہاتی کا تہہ بند چھین لیا ہے۔اس جرم میں اس نے اس غلام کو سولی پر چڑھا دیا۔گو جرم کے مقابلہ میں یہ سزا نہایت سنگین ہے' لیکن اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کسی شخص کو دوسرے کے مال پر دست درازی کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ایک

[1] راحۃ الصدور ص ۱۲۰' اور تاریخ گزیدہ ص ۴۴۱' عربی مؤرخین کا بیان اس سے کسی قدر مختلف ہے۔

[2] ابن خلکان ج ۲' ص ۴۶۔ [3] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۲۶۔

مرتبہ ایک شخص نے الپ ارسلان کو لکھا کہ نظام الملک ناجائز روپیہ حاصل کر کے جمع کرتا ہے۔ نظام الملک کو اس کے مزاج میں جو رسوخ حاصل تھا' وہ محتاج بیان نہیں۔ اس کے باوجود الپ ارسلان نے یہ تحریر اس کے حوالہ کر کے کہا کہ اگر یہ تحریر صحیح ہے تو تم کو اپنی اصلاح اور اپنے اخلاق درست کرنے چاہئیں اور اگر غلط ہے تو لکھنے والے کو معاف کر دو۔ [1] وہ طبعاً نہایت رقیق القلب اور غریب پرور تھا۔ كَانَ رَحِيْمُ الْقَلْبِ رَقِيْقًا بِالْغُرَبَاءِ غربا پر بکثرت خیرات کرتا تھا۔ رمضان میں پندرہ ہزار اشرفیاں تقسیم کرتا تھا۔ سارے ملک کے فقرا و مساکین کے نام درج رجسٹر تھے اور حکومت ان سب کی کفالت کرتی تھی۔ [2] خاص پایہ تخت کے محتاجوں کے لئے مطبخ شاہی میں روزانہ پچاس بکرے ذبح ہوتے تھے۔ [3]

علم و فن کا قدر دان اور سرپرست تھا۔ بغداد میں بصرف کثیر ایک عظیم الشان مدرسہ قائم کیا تھا۔ یہ مدرسہ مشہور مدرسہ نظامیہ کے علاوہ تھا۔ [4]

الپ ارسلان کے اوصاف و محاسن بے شمار ہیں' جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

ملک شاہ

الپ ارسلان اپنی زندگی ہی میں ملک شاہ کو ولی عہد بنا گیا تھا' چنانچہ اس کی وفات کے بعد ربیع الاول ۴۶۵ھ میں وہ تخت نشین ہوا۔ قائم نے بھی اس کی تصدیق کر دی اور بغداد اور سلجوقی حکومت کے تمام مقبوضات اور اس کے ماتحت ملکوں میں ملک شاہ کا خطبہ جاری ہو گیا۔ تخت نشینی کے بعد اس نے نظام الملک کو اتابک اور عماد الدولہ کا لقب عطا کیا اور سلطنت کا مختار کل بنا دیا۔ اس نے بھی وفاداری کا پورا حق ادا کر دیا اور ملک شاہ کی ہر مشکل اور دشواری میں سینہ سپر رہا۔ ملک شاہ کی کامیابیاں بیشتر نظام الملک ہی کے حسن تدبیر کا نتیجہ تھیں۔

قاروت بک کی مخالفت اور اس کا قتل

الپ ارسلان اپنی وفات کے وقت اپنے لڑکے ایاز ارسلان کے لئے پانچ لاکھ نقد اور اپنے بھائی قاروت بک والی کرمان کے لئے فارس اور کرمان کی حکومت کی وصیت کرتا گیا تھا۔ ملک شاہ نے اپنے بھائی کی وصیت کی تعمیل فوراً کر دی۔ چچا کے متعلق بھی وصیت پوری کرنے کا ارادہ رکھتا تھا' لیکن وہ الپ ارسلان کی وفات کے بعد ملک شاہ کے مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ ملک شاہ نے اسے شکست دے کر

---

[1] بن اثیر جلد ۱۰' ص ۲۶۔ [2] ابن اثیر جلد ۱۰' ص ۲۶۔ [3] دولت آل سلجوق ص ۴۵۔ [4] ابن خلکان ج ۲' ص ۴۶۔

قتل کر دیا اور کرمان و فارس اس کے لڑکوں کو دے کر باپ کی وصیت پوری کر دی۔ [1]

۴۶۶ھ میں ملک شاہ کی درخواست پر قائم نے اس کو حکومت کا فرمان اور لوا و خلعت عطا کیا۔ [2]

الپ ارسلان کی وفات کے بعد خاقان تگین والی سمرقند نے ترمذ پر قبضہ کر لیا تھا۔ ۴۶۶ھ میں ملک شاہ نے ترمذ پر فوج کشی کر کے اس کو خاقان تگین کے بھائی کے ہاتھوں سے چھڑایا اور اس کو خلعت عطا کی اور سمرقند پر فوج کشی کر کے خاقان تگین کو مطیع بنایا۔

ولایت عہد

قائم کے صرف ایک لڑکا محمد تھا' جو اس کی زندگی ہی میں مر گیا تھا۔ اس کی موت کے چھ مہینے کے بعد اس کی لونڈی ارجون کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ یہ نومولود قائم کی زندگی کا واحد سہارا تھا۔ اس لئے اس کی ولادت پر اس کو بڑی مسرت ہوئی اور بڑے ناز و نعم سے اس کی پرورش کی اور اپنی زندگی میں اس کو ولی عہد بنا کر مقتدی بامر اللہ کا لقب عطا کیا۔

قائم کی وفات

شعبان ۴۶۷ھ میں قائم نے ۷۶ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اس کی مدت حکومت ۴۴ سال آٹھ مہینے تھی۔

اوصاف

قائم اوصاف جہانبانی میں اپنے باپ کا صحیح جانشین تھا۔ اس نے بھی خلافت کے وقار کو قائم رکھنے کی کوشش کی۔ ابن طقطقی کا بیان ہے کہ وہ فاضل اور صالح خلیفہ تھا۔ اس نے عباسی خلافت کے وقار و قوت میں اضافہ کیا۔ [3] سلجوقیوں کے ذریعہ خلافت کو دیالمہ کے پنجہ استبداد سے چھڑایا۔ گو اس کے بعد خود سلجوقی اس پر حاوی ہو گئے' لیکن وہ سنی تھے' اس لئے انہوں نے اس کے ظاہری احترام کو قائم رکھا۔

ذاتی حیثیت سے وہ بڑا دیندار' متقی اور زاہد تھا۔ [4] حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ وہ شب بیدار تھا۔ رات بھر سجادۂ عبادت پر بسر کرتا تھا اور اکثر روزہ رکھتا تھا۔ [5]

علمی حیثیت سے بھی ممتاز تھا۔ ادب اور خطاطی سے خاص دلچسپی تھی اور ان کا بڑا اچھا مذاق رکھتا تھا۔ اسے دفتری تحریریں پسند نہ آتی تھیں۔ ان میں اصلاح دیا کرتا تھا۔ قیام عدل میں خاص اہتمام رکھتا تھا۔ اہل حاجت کی حاجت برآری میں بڑا مستعد تھا' کوئی حاجت منداس کے دربار سے مایوس واپس نہ ہوتا تھا۔ [6] اس کی فیاضی کے بہت سے واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں۔

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۷۔ [2] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۷۔ [3] الفخری ص ۲۶۰۔

[4] دول الاسلام ج ۱ ص ۲۱۳۔ [5] دول الاسلام ج ۱ ص ۲۱۳۔ [6] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۳۳۔

ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن قائم الملقب بہ مقتدی بامر اللہ

(۴۶۷ھ تا ۴۸۷ھ مطابق ۱۰۷۴ء تا ۱۰۹۴ء)

قائم کے بعد شعبان ۴۶۷ھ میں اس کا پوتا عبداللہ بن محمد الملقب بہ مقتدی بامر اللہ' جسے وہ اپنی زندگی میں ولی عہد بنا گیا تھا' تخت نشین ہوا۔ اس وقت اس کا بیسواں سال تھا۔

مقتدی کے زمانہ میں سلجوقیوں کو تاج و تخت حاصل کیے ہوئے تین پشتیں ہو چکی تھیں۔ اس لئے ان میں خلافت بغداد کے ساتھ عقیدت اور اس کی خدمت گزاری کا جذبہ ختم ہو گیا اور ملک شاہ نے مقتدی کو اپنا محکوم و تابع فرمان بنانے کی کوشش کی' لیکن مقتدی حوصلہ و ہمت کا خلیفہ تھا۔ اس نے اس کے استبداد کو قبول نہ کیا اور بڑی حد تک خلافت کے وقار کو قائم رکھنے کی کوشش کی' گو وہ پوری طرح اس میں کامیاب نہ ہو سکا' تاہم بڑی حد تک اپنا وقار قائم رکھا۔

اشاعرہ اور حنابلہ کی جنگ

۴۶۸ھ میں ذات باری کی تنزیہ و تجسیم کے مسئلہ میں بغداد کے حنابلہ اور اشاعرہ کے درمیان سخت فساد ہو گیا۔ اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ امام ابونصر شافعی نے مدرسہ نظامیہ میں وعظ کہا اور اشاعرہ کی حمایت میں حنابلہ کے عقائد پر کچھ طعن و طنز کیا۔ [1] اس پر وہ بگڑ گئے اور مدرسہ نظامیہ کے بازار پر حملہ کر کے اپنے بعض مخالفین کو قتل کر دیا۔ [2] اس پر دونوں میں فساد ہو گیا اور فریقین کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ [3] اس وقت تو یہ ہنگامہ فرو ہو گیا' لیکن اس کے دو سال بعد پھر تصادم ہوا۔ نظام الملک نے اس ہنگامہ کا بانی مقتدی کے وزیر فخر الدولہ کو قرار دیا اور مقتدی سے اس کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ [4] اس کو اس کے ماننے میں تامل ہوا' لیکن فخر الدولہ حالات کی نزاکت کا اندازہ کر کے خود مستعفی ہو گیا اور اس کے لڑکے عمید الملک نے نظام الملک کو رضامند کر کے باپ کی جگہ حاصل کر لی۔ [5]

ابونصر بڑے جلیل القدر عالم تھے۔ ان سے نظام الملک نے کوئی تعرض نہیں کیا اور انہیں عزت و احترام کے ساتھ نیشاپور بھیج دیا۔ جہاں آخر وقت تک وہ درس و افتا میں مشغول رہے۔ [6] مقتدی

---

[1] ذات باری تعالیٰ کی تنزیہ اہلسنت کا متفقہ عقیدہ ہے لیکن قرآن مجید اور احادیث نبوی میں باری تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی تعبیر کے سلسلہ میں اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ جن اعضا کا ذکر آیا ہے' حنابلہ بغیر کسی تاویل کے اس کو مانتے ہیں جس سے تجسیم کا شائبہ پیدا ہوتا ہے۔

[2] تاریخ آل سلجوق ص ۵۰۔

[3] ابن خلکان ج ۲' ص ۳۰۰۔

[4] ابن اثیر جلد ۱۰' ص ۳۸۔

[5] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۳۸' و تاریخ آل سلجوق ص ۵۰۔

[6] ابن خلکان ج ۲' ص ۳۰۰۔

کے زمانہ میں بھی اس کے اور ملک شاہ کے اختلافی معاملات کے سوا خلافت بغداد کے اور کوئی قابل ذکر واقعات نہیں ہیں۔اس کی تفصیل آخر میں آئے گی' البتہ خود ملک شاہ نے بڑے کارنامے انجام دیئے اور سلجوقی حکومت کا رقبہ شام سے لے کر چین کی سرحد تک وسیع کر دیا۔اس کا اجمالی حال یہ ہے۔

دمشق پر سلجوقیوں کا قبضہ

اوپر الپ ارسلان کے دور میں معلوم ہو چکا ہے کہ اس کے ترکی افسر اتسز نے فلسطین پر قبضہ کر لیا تھا۔دمشق لینے کی بھی کوشش کی تھی' لیکن کامیاب نہ ہوا تھا۔۴۶۸ھ میں دمشق میں سخت قحط پڑا۔ ہزاروں آدمی لقمہ اجل ہو گئے۔اس کے علاوہ یہاں کی پولیس اور مصمودی قبائل میں جنگ ہو گئی۔اس نے دمشق کی حالت اور زیادہ ابتر کر دی۔امیر اتسز نے موقع پا کر حملہ کر دیا۔اہل دمشق میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔انہوں نے شہر حوالہ کر دیا اور ذیقعدہ ۴۶۸ھ میں دمشق فاطمیوں کی سیادت سے نکل کر سلجوقیوں کے قبضہ میں آ گیا اور یہاں مقتدی کا خطبہ جاری ہو گیا۔ [1] اور اتسز نے شام میں شیعی اذان ختم کر کے سنی اذان جاری کر دی۔سلجوقیوں کا اصل مقصد فاطمی حکومت کا استیصال تھا۔اتفاق سے اسی زمانہ میں فاطمیوں کا ایک ممتاز فوجی افسر ابن ایلدکوز اس کے خلاف ہو گیا اور شام جا کر اتسز کی خدمت میں ہدایا پیش کر کے اس کو مصر پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کر لیا۔دولت فاطمیہ کا مختار کل بدر الجمالی تیس ہزار فوج کے ساتھ اس کے مقابلے میں آیا۔اتسز کے پاس کل پانچ ہزار سپاہ تھی۔اپنے بھائی مامون کے اصرار سے اس نے اتنی ہی فوج سے مقابلہ کیا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اتسز نے شکست کھائی اور مامون جنگ میں مارا گیا۔ [2]

دوسری طرف اتسز کی عدم موجودگی میں شام میں بغاوت ہو گئی۔صرف دمشق کے باشندے اس سے الگ رہے۔بیت المقدس میں بغاوت زیادہ سخت تھی۔اس لئے اتسز واپسی کے بعد دمشق ہوتا ہوا اقدس گیا اور یہاں کے باشندوں کو بے دریغ قتل کیا۔صرف ان لوگوں کو چھوڑا جنہوں نے صخرہ میں پناہ لی تھی۔

شام میں سلجوقی حکومت کا قیام

بدر الجمالی کو اس بغاوت کا حال معلوم ہوا تو اس نے نصر الدولہ کو فوجیں دے کر شام روانہ کیا۔اس نے دمشق میں اتسز کا محاصرہ کر لیا۔اسی دوران میں ملک شاہ کا بھائی تتش ارسلان جس کو ملک شاہ نے شاہی مقبوضات کا حاکم بنا کر بھیجا تھا' پہنچ گیا۔نصر الدولہ میں اس کے مقابلہ کی طاقت

---

[1] تاریخ ذیل دمشق ابن القلانسی ص ۱۰۸'۱۰۹۔ [2] تاریخ مصر ابن میسر ص ۲۵۔

نہیں تھی اس لئے محاصرہ اٹھا کر چلا گیا اور اتسز نے دمشق تتش ارسلان کے حوالے کر دیا۔ اتسز کا رویہ سلجوقی حکومت کے ساتھ مشتبہ تھا۔ اس لئے تتش نے اس کو قتل کرا دیا اور چند دنوں میں فلسطین وغیرہ پر قبضہ کر کے شام میں مستقل حکومت قائم کر لی جو دولت بوریہ شام کے نام سے موسوم تھی۔ [1] ملک شاہ کے زمانہ میں شام اور اس کے آس پاس حلب' دیار بکر اور موصل میں عرب حکومتیں قائم تھیں اور علی الترتیب سابق بن محمود' منصور بن نصر مروانی اور شرف الدولہ بن مسلم ان کے حکمران تھے۔ یہ تینوں سلجوقیوں کی جانب سے مطمئن نہ تھے اور بعضوں سے ان کا تصادم بھی ہو چکا تھا۔ اس لئے ملک شاہ کے مقابلہ کے لئے تینوں متحد ہو گئے۔

حلب شام ہی کا حصہ تھا اور الپ ارسلان کے زمانہ میں یہاں کا فرمانروا محمود بن صالح مرداسی الپ ارسلان کی اطاعت قبول کر چکا تھا' لیکن اس کا لڑکا سابق پھر فاطمیہ سے مل گیا تھا۔ تتش ارسلان برابر حلب پر قبضہ کرنے کی کوشش میں لگا رہا' لیکن شرف الدولہ والی موصل کی مزاحمت کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکا' مگر خود سابق میں کوئی صلاحیت نہ تھی۔ اس لئے حلب کے ایک امیر ابن الحتیتی نے حلب کی حکومت حاصل کر لی اور چند دنوں کے بعد ۴۷۳ھ میں شرف الدولہ کے حوالہ کر دی۔ سابق نے بھی اس کی اطاعت قبول کر لی اور حلب کی مرداسی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ حلب پر قبضہ کے بعد شرف الدولہ کو پورے شام کی طمع دامن گیر ہوئی' اس نے حکومت مصر کی مدد کے اعتماد پر دمشق پر حملہ کر دیا' لیکن وہاں سے کوئی مدد نہ ملی اور شرف الدولہ شکست کھا کر موصل لوٹ گیا۔

۴۷۶ھ میں ملک شاہ نے فخر الدولہ کو دیار بکر کی مہم پر مامور کیا۔ اس کے فرمانروا منصور ابن نصر اور شرف الدولہ نے مل کر اس کا مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ ملک شاہ نے اہل موصل کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر وہ اس کی اطاعت قبول کر لیں تو فبہا ورنہ بزور شمشیر موصل پر قبضہ کیا جائے گا۔ شرف الدولہ کے بعد خود ان میں مقابلہ کی قوت نہ تھی اس لئے انہوں نے شہر حوالہ کر دیا۔ اس کے بعد خود ملک شاہ نے موصل پر شرف الدولہ کو جو رحبہ میں مقیم تھا' اطمینان دلا کر بھیجا اور اس سے اپنی اطاعت قبول کرا کے موصل کی حکومت پر بحال کر دیا۔ اس طرح یہ حکومت سلجوقیوں کے زیر اثر آ گئی۔ ۴۷۸ھ میں سلیمان بن قتلمش سلجوقی والی قونیہ نے ایک اختلاف کی بنا پر شرف الدولہ پر فوج کشی کر کے اس کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی ابراہیم اس کا جانشین ہوا۔

حلب پر شرف الدولہ کی جانب سے ابن الحتیتی حکمران تھا۔ شرف الدولہ کو قتل کرنے کے بعد

[1] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۳۸۔

سلیمان نے اس پر فوج کشی کر دی۔ ابن الحتیتی نے اس کے پاس کہلا بھیجا کہ حلب کی حکومت کا فیصلہ ملک شاہ پر منحصر کر دیا جائے اور دوسری طرف خفیہ تتش ارسلان سلجوقی فرمانروائے شام کو حلب حوالہ کرنے کے لئے بھیجا۔ اس دعوت پر اس نے ۴۷۹ھ میں حلب پر فوج کشی کی۔ سلیمان کو اس کی خبر ہو گئی۔ اس نے آگے بڑھ کر روکنے کی کوشش کی' لیکن شکست کھا کر خودکشی کر لی اور تتش ارسلان نے ابن الحتیتی سے حلب حوالہ کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس نے اسے بھی ملک شاہ سے استصواب کے بہانہ سے ٹالنا چاہا' لیکن تتش نے حلب پر بزور قبضہ کر لیا۔ ابن الحتیتی کا بھائی قلعہ بند ہو گیا اور تتش کو اس کا محاصرہ کرنا پڑا۔ اسی دوران میں ملک شاہ جسے ابن الحتیتی نے بلا بھیجا تھا' جمادی الثانی ۴۷۹ھ میں حلب پہنچ گیا۔ اسے دیکھ کر تتش محاصرہ اٹھا کر دمشق لوٹ گیا اور ابن الحتیتی نے حلب ملک شاہ کے حوالہ کر دیا۔ اس سفر میں اس نے خراسان اور رہا وغیرہ پر بھی قبضہ کیا اور نصر بن علی والی شیراز کو مطیع بنایا اور قسیم الدولہ کو حلب میں چھوڑ کر اصفہان واپس گیا۔ [1]

ترکستان پر قبضہ

مشرق میں اس کی فتوحات کا دائرہ چین تک پہنچ گیا تھا۔ یاد ہو گا کہ الپ ارسلان نے ترکستان پر فوج کشی کی تھی اور اسی سفر میں ایک قلعدار کے ہاتھوں زخمی ہو کر انتقال کر گیا تھا۔ ترکستان پر ملک شاہ کے قبضہ کے قدرتی اسباب پیدا ہو گئے۔ اس لئے اس کے زمانہ میں احمد خان بن خضر خان ترکستان کے تخت پر بیٹھا۔ یہ بڑا ظالم و جابر تھا۔ اس کی رعایا نے اس کے مظالم سے نجات حاصل کرنے کے لئے ملک شاہ کو حملے کی دعوت دی۔ اس دعوت پر اس نے ۴۸۲ھ میں فوج کشی کر کے بخارا و سمرقند کو فتح کر لیا۔ احمد خان کو گرفتار کر کے اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ ملک شاہ نے چند دنوں عزت و احترام کے ساتھ اپنا مہمان رکھ کر اصفہان بھجوا دیا۔ عماد الدین اصفہانی کا بیان ہے کہ اس کو رہا کر کے اس کا ملک اس کو واپس کر دیا۔

ترکستان پر قبضہ کے بعد چین کا رخ کیا اور یوزکند جا کر خاقان چین کو اطاعت کا پیغام بھیجا اور سکہ و خطبہ میں اپنا نام داخل کرنے کا مطالبہ کیا۔ خاقان میں اس کے رد کرنے کی جرأت نہ تھی۔ اس نے خود حاضر ہو کر اظہار اطاعت کیا اور بہت سے ہدایا و تحائف پیش کئے۔ [2] اس سلسلے میں یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ ترکستان پر فوج کشی کی تیاری کے زمانہ میں روم کے سفرا خراج لے کر ملک شاہ کے پاس خراسان آئے ہوئے تھے۔ ملک شاہ انہیں بھی اپنے ساتھ ترکستان لیتا گیا اور کہا میں چاہتا ہوں کہ آنے

---

[1] یہ حالات تاریخ مصر ابن میسر و تاریخ ذیل دمشق ابن القلانسی اور ابن اثیر سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔

[2] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۵۸' و دولت آل سلجوق ص ۵۲۔

والے مؤرخ لکھیں کہ روم کے شہنشاہ نے کاشغر کے پھاٹک پر مجھے خراج پہنچایا' چنانچہ آج نو صدیوں کے بعد ایک مؤرخ اس واقعہ کو قلمبند کر رہا ہے۔ان فتوحات کے علاوہ ملک شاہ نے اور بھی بہت سی فتوحات حاصل کیں اور قرب و جوار کے تمام امرا اور فرمانرواؤں کو مطیع بنایا جن کی تفصیل ہم قلم انداز کرتے ہیں۔عماد الدین اصفہانی کا بیان ہے کہ فتح وظفر اس کے ہمرکاب تھی۔سلطان العرب مسلم بن قریش نے اس کے گھوڑے کے سم کو بوسہ دیا۔روم' غزنہ اور ماوراءالنہر کے فرمانروا اس کے ظل عاطفت میں تھے۔آس پاس کے تمام حکمران اس کا احترام کرتے تھے۔اس کے عطا کردہ خلعت کو اپنے لئے فخر و اعزاز کا باعث سمجھتے تھے۔ [1]

مقتدی اور ملک شاہ کے تعلقات

مقتدی کے زمانہ میں خلافت بغداد کے ساتھ سلجوقیوں کی خدمت گزاری کا دور ختم ہو گیا تھا اور دیالمہ کی طرح ان کی حیثیت بھی حاکمانہ ہو گئی تھی۔خلافت کا سارا نظام ملک شاہ کے ہاتھوں میں تھا۔مقتدی کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا' لیکن ملک شاہ اپنے پایہ تخت میں رہتا تھا اور اپنی گوناگوں مصروفیتوں کی وجہ سے بذات خود اس کو خلافت بغداد کے نظام کی نگرانی کی فرصت نہ تھی۔اس کی جانب سے اس کا ایک نائب بغداد میں رہتا تھا' جو عمید العراق کہلاتا تھا۔وہی خلافت کے جملہ انتظام و انصرام کا ذمہ دار ہوتا تھا۔

مقتدی کے زمانے میں ابوالفتح بن ابی اللیث لیثی اس عہدہ پر تھا' جو بڑا بدخلق شخص تھا۔اس لئے مقتدی کے تعلقات اس سے ہمیشہ کشیدہ رہے۔اس کا اثر ملک شاہ اور مقتدی کے تعلقات پر بھی پڑا اور دونوں میں ناخوشگواری پیدا ہو گئی۔مقتدی نے تعلقات کو سلجھانے اور ان کو استوار کرنے کے لئے ۴۷۴ھ میں ملک شاہ کی لڑکی کے ساتھ اپنی شادی کا پیغام بھیجا۔لڑکی کی ماں ترکان خاتون نے اس شرط پر کہ مقتدی اس لڑکی کے علاوہ اور کسی حرم یا کنیز سے تعلقات نہیں رکھے گا' پچاس ہزار مہر معجّل پر رشتہ منظور کیا اور ۴۷۴ھ میں دونوں کا عقد ہو گیا' لیکن رخصتی چھ سال بعد ۴۸۰ھ میں عمل میں آئی۔

مگر اس رشتہ کے بعد بھی عمید العراق کی روش میں کوئی فرق نہ آیا اور مقتدی کی شکایتیں بدستور قائم رہیں۔۴۷۵ھ میں مقتدی نے شیخ ابو اسحاق شیرازی شافعی کو جو اس زمانہ کے بڑے جلیل القدر عالم اور شیخ وقت تھے' ملک شاہ اور نظام الملک کے پاس اپنی شکایتیں پیش کرنے کے لئے بھیجا۔شیخ اس پایہ کے بزرگ تھے کہ بغداد سے لے کر خراسان تک جن جن مقامات سے گزرے ان کی پابوسی کے

[1] دولت آل سلجوق ص ۵۳۔

لئے مخلوق ٹوٹ پڑتی تھی۔ بڑے بڑے علما اور صوفیا اپنی مسندوں اور حجروں کو چھوڑ کر زیارت کے لئے نکل آتے تھے۔ شیخ اسی شان سے بغداد سے خراسان پہنچے اور ملک شاہ اور نظام الملک سے مل کر ان کے سامنے عمید العراق کی شکایات بیان کیں۔ شیخ کی گفتگو کے بعد ان دونوں کے لئے کسی عذر کی گنجائش نہ تھی' چنانچہ ان کے تمام مطالبات منظور کیے اور مقتدی اور اس کے وابستگان دولت کے معاملات میں عمید العراق کا کوئی اختیار باقی نہ رہا اور ان کو اس کی زیادتیوں سے نجات مل گئی۔ [1]

ملک شاہ کو مہمات میں مشغولیت کی بنا پر اب تک بارگاہ خلافت میں حاضری کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ ۴۷۹ھ میں اس نے پہلی مرتبہ بغداد کا سفر کیا اور مقتدی کے حضور میں بیش قیمت ہدایا و تحائف پیش کیے۔ اس نے باریابی کے بعد شرف اور خلعت فاخرہ سے سرفراز کیا۔ نظام الملک نے ملک شاہ کے ہمراہ سلجوقی امرا کو مقتدی کے حضور پیش کر کے ان کا تعارف کرایا۔ ان مراسم کے بعد مقتدی نے ملک شاہ کو ملک اور رعایا کی نگرانی کا ذمہ دار بنایا اور اسے عدل و انصاف کی نصیحت کی۔ ملک شاہ نے اس کی شکر گزاری میں دست بوسی کی درخواست کی' جو منظور نہ ہوئی اور ملک شاہ کو صرف خاتم خلافت کے بوسہ پر اکتفا کرنی پڑی۔ نظام الملک کو بھی خلعت عطا ہوا۔ [2]

ملک شاہ کے قیام بغداد کے دوران ۴۸۰ھ میں اس کی لڑکی پہلی مرتبہ رخصت ہو کر بغداد آئی۔ اس کی بارات کا جلوس اس شکوہ و تجمل کا تھا کہ اہل بغداد نے اس سے پہلے کبھی ایسا منظر نہ دیکھا تھا۔ ۱۳۰ اونٹوں اور ۷۴ خچروں پر جہیز کا طلائی و نقرئی سامان بار تھا۔ اونٹوں اور خچروں کی جھولیں دیبائے رومی کی اور ان کی گھنٹیاں سونے اور چاندی کی تھیں۔ خاص چاندی کے بارہ صندوق جن میں دلہن کے زیورات' جواہرات اور ملبوسات تھے' خچروں کے آگے ۳۳ طلائی ساز کے اعلیٰ نسل کے گھوڑے تھے۔ ایک خالص سونے کا گھوارہ تھا۔ تمام سلجوقی امرا جلوس کے ہمرکاب تھے۔ سب کے علیحدہ علیحدہ شمع و مشعل بردار تھے۔ اسی شان کا جلوس امرا کی بیویوں کا تھا۔ سب سے آخر میں دلہن کی سواری تھی۔ اس کے محفہ پر سونے اور جواہرات سے مرصع پردہ آویزاں تھا۔ اس کے گرد دو سو حسین ترکی کنیزوں کا گلرنگ دستہ تھا۔ یہ جلوس نہر معلیٰ پر پہنچا تو یہاں کے باشندوں نے اشرفیاں اور کپڑے نچھاور کیے۔ مقتدی نے وزیر دولت ابو شجاع کو تین سو سواروں کے ساتھ دلہن کے استقبال کے لئے بھیجا اور اس کے لئے ایک نادر الوجود تحفہ بھیجا۔ اس شان سے یہ جلوس قصر خلافت تک آیا۔ اس شب کو بغداد کے گلی کوچوں میں اتنی روشنی تھی کہ پورا شہر بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ [3]

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۴۳' وطبقات الشافعیہ ج ۳' ص ۹۱' ۹۲ میں اس کی پوری تفصیل ہے۔

[2] ابن اثیر جلد ۱۰' ص ۵۳۔ [3] ابن اثیر جلد ۱۰' ص ۵۵۔

مقتدی نے یہ رشتہ ملک شاہ سے تعلقات کی خوشگواری کے لئے قائم کیا تھا' لیکن اس کا نتیجہ الٹا نکلا اور یہ شادی وبال جان بن گئی۔ اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ ملک شاہ کی لڑکی کے ساتھ جو ترکی خدام آئے تھے' ان میں سے ایک خادم نے ایک میوہ فروش سے میوہ خریدا اور اس کی قیمت ادا کرنے میں کچھ پس وپیش کیا۔ میوہ فروش نے اسے گالی دی۔ اس نے اس کے ترازو سے اس کے سر کو زخمی کر دیا۔ خادم کی اس زیادتی پر عوام میوہ فروش کی حمایت پر آمادہ ہو گئے اور مقتدی سے اس کی شکایت کی۔ اس نے تمام ترکی خدام کو ذلت کے ساتھ نکلوا دیا۔ اس کی نازک مزاج بیوی کو یہ بہت ناگوار ہوا۔

دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ مقتدی کی ساس نے اس شرط پر شادی کی تھی کہ مقتدی اس کی لڑکی کے علاوہ کسی دوسری بیوی یا باندی سے تعلق نہ رکھے گا۔ مقتدی یہ شرط پوری نہ کر سکا۔ اس سے میاں بیوی کے تعلقات خراب ہو گئے۔ ملک شاہ کی لڑکی نے باپ کو شکایت لکھ دی کہ مقتدی اس کی جانب التفات نہیں کرتا۔ اس شکایت پر ملک شاہ برہم ہو گیا اور مقتدی کو لکھ کر فوراً لڑکی کو بغداد سے واپس بلا لیا۔ باپ کے گھر آنے کے بعد چند ہی دنوں بعد وہ مر گئی اور اپنی یادگار ایک لڑکا جعفر چھوڑ گئی' جو آگے چل کر باپ کے لئے مصیبت کا سامان بنا۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

۴۸۴ھ میں ملک شاہ نے بغداد کا دوسرا سفر طے کیا۔ اس سفر میں اس نے بغداد میں ''جامع سلطانی'' کی تعمیر کا حکم دیا اور نظام الملک وتاج الدولہ تتش ارسلان وغیرہ سلجوقی امرا نے بغداد میں اپنے اپنے مکانات بنوائے' لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ان میں سے کسی کو ان گھروں میں رہنے کا موقع نہ ملا اور چند دنوں میں سب یکے بعد دیگرے ختم ہو گئے۔

نظام الملک کی معزولی

۴۸۵ھ میں نظام الملک کی معزولی کا واقعہ پیش آیا۔ یہ افسوس ناک واقعہ بھی برامکہ کے زوال کے اسباب کی طرح حکومت پر نظام الملک کے بے جا تسلط واستیلا' اس کی خودرائی وخودسری اور اس کے لواحقین کی بے عنوانیوں کا نتیجہ تھا۔ ملک شاہ نے نظام الملک کو سلطنت کا مختار کل بنا دیا تھا۔ وہ خود تو زیادہ تر سیر وشکار میں مشغول رہتا تھا اور حکومت کا سارا نظام' نظام الملک کے ہاتھوں میں تھا۔ اس لئے نظام الملک اپنے تدبر وہوشمندی اور حکومت کی ہواخواہی کے باوجود جادۂ اعتدال پر قائم نہ رہ سکا اور اس میں استبداد اور جاہ پسندی پیدا ہو گئی۔ حکومت کے تمام بڑے بڑے عہدوں پر اپنے اعزہ اور لواحقین کو بھر دیا' جو نظام الملک کے بل پر بڑی بے عنوانیاں کرتے' کسی کو ان کے مقابلہ میں بولنے کی مجال نہ تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سلجوقی امرا جن کی حق تلفی ہوتی تھی یا نظام الملک کے جاہ واقتدار کو پسند نہ کرتے تھے' اس

کے خلاف ہو گئے اور چونکہ تمام شعبوں میں نظام الملک کے لواحقین بھرے ہوئے تھے اس لئے ان کو گرفت کا موقع مل گیا اور انہوں نے اس کے خلاف ملک شاہ کے کان بھرنا شروع کر دیئے۔ چنانچہ سب سے اول ۴۷۶ھ میں سید الرؤساء ابوالمحاسن بن کمال الملک نے جو ایک جلیل القدر سلجوقی امیر اور نظام الملک کا عزیز بھی تھا' ملک شاہ سے شکایت کی کہ نظام الملک اور اس کے لواحقین حکومت کی ساری آمدنی کھائے جاتے ہیں۔ صوبوں کو اپنی جاگیر بنا لیا ہے اور ان کو لوٹ لوٹ کر دولت سے اپنا گھر بھر لیا ہے' اگر آپ نظام الملک کو میرے حوالہ کر دیجئے تو میں اس سے ایک لاکھ اشرفی وصول کر دوں۔ نظام الملک کو اس شکایت کی خبر ہو گئی۔ اس نے سلطان کی دعوت کی اور اپنے تمام خدم وحشم کو سلطان کے ملاحظہ میں پیش کر کے عرض کیا کہ غلام تین پشتوں سے اس دودمان عالی کی خدمت کرتا چلا آتا ہے۔ اس لئے اس پر غلام کا حق ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضور کو سلطنت کی آمدنی میں میرے تصرفات بے جا کی خبر پہنچائی گئی ہے۔ یہ خبر صحیح ہے' لیکن یہ مال میری ذات پر نہیں بلکہ ان خدام اور غلاموں پر جو حضور کی خدمت کے لئے جمع کئے گئے ہیں اور انعام واکرام اور صدقات واوقاف میں خرچ ہوتا ہے جس سے آپ کا نام بلند ہوتا ہے۔ دنیا آپ کی ممنون ہوتی ہے اور اس کا اجر بھی آپ ہی کو ملے گا۔ میری ساری املاک آپ کے لئے حاضر ہے۔ میرے واسطے روٹی کا ایک ٹکڑا اور ایک گوشہ عافیت کافی ہے۔ یہ نظام الملک کے اقبال کا زمانہ تھا۔ اس لئے اس کی یہ تدبیر کارگر ہو گئی اور ملک شاہ نے الٹے امیر ابوالمحاسن کو اس کے حوالے کر دیا اور اس کو آخر میں نظام الملک کے دامن میں پناہ لینی پڑی۔ [1]

لیکن نظام الملک اور اس کے لواحقین کی روش میں کوئی فرق نہ آیا۔ اس لئے آخر میں سلطان نے ان کے استبداد اور بے عنوانیوں سے تنگ آ کر نظام الملک کو ۴۸۵ھ میں عہدۂ وزارت سے معزول کر دیا۔ معزولی کے اصل سبب یعنی نظام الملک کے استبداد اور اس کے اعزہ کی بے عنوانیوں پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے' لیکن آخری واقعہ کے بارے میں جس کے بعد معزولی عمل میں آئی' عربی اور فارسی مؤرخین کے بیانات مختلف ہیں۔

راوندی کے بیان کے مطابق یہ آخری سبب نظام الملک کے ساتھ ملک شاہ کی بیوی ترکان خاتون کی مخالفت تھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ نظام الملک ملک شاہ کے بڑے لڑکے برکیارق کو جو زبیدہ خاتون کے بطن سے تھا اور حکومت کا اہل بھی تھا' ولی عہد بنوانا چاہتا تھا۔ برکیارق کے اوصاف کی وجہ سے سلطان بھی اسے پسند کرتا تھا' لیکن ترکان خاتون سا اپنے صغیر السن لڑکے محمود کو ولی عہد بنانے کی فکر میں تھی۔ اس لئے وہ نظام الملک کے خلاف ہو گئی اور ملک شاہ کو اس کے خلاف بھڑکانا شروع کر

[1] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۴۴۔

دیا۔ [1] نظام الملک کے لڑکے اور پوتے حکومت پر چھائے ہوئے تھے اور ایران و توران کی حکومت اس کے بارہ لڑکوں نے آپس میں تقسیم کر لی تھی۔ [2] یہ چیز خود سلطان کو بھی کھٹکتی تھی۔ اس لئے ترکان خاتون کی مخالفت کارگر ہوگئی۔ راوندی اور حمد اللہ مستوفی دونوں کا بیان ہے کہ سلطان نے ترکان خاتون کے بھڑکانے سے متاثر ہو کر نظام الملک کے پاس کہلا بھیجا کہ معلوم ہوتا ہے تم حکومت میں میرے شریک و سہیم ہو، میرے مشورہ کے بغیر جو چاہتے ہو کرتے ہو۔ ساری ولایت اور جاگیریں اپنے لڑکوں کو دے رکھی ہیں، اگر اس سے باز نہ آئے تو تمہارے سر سے دستار وزارت اتر جائے گی۔ نظام الملک نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ آپ کا تاج میری دستار سے وابستہ ہے۔ [3] اس جواب پر ترکان خاتون کو اور زیادہ بھڑکانے کا موقع مل گیا اور بالآخر سلطان نے نظام الملک کو وزارت سے معزول کر کے تاج الدین ابوالقاسم کو وزیر بنایا۔ [4]

ابن اثیر نے معزولی کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ البتہ نظام الملک کے قتل کے سلسلے میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ اس نے اپنے پوتے عثمان بن جمال الدین کو مرو کا والی بنایا تھا۔ اس میں اور یہاں کے کوتوال قودن میں کچھ اختلاف ہوگیا۔ عثمان نے ناتجربہ کاری سے اس کو گرفتار کر لیا، پھر چند دنوں کے بعد رہا کر دیا۔ قودن ملک شاہ کا مقرب غلام تھا۔ اس نے ملک شاہ سے شکایت کی۔ وہ نظام الملک کے استبداد اور استیلا سے پہلے سے بھرا ہوا تھا۔ اس لئے عثمان کی یہ نازیبا حرکت بہت ناگوار ہوئی اور نظام الملک کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر تم حکومت و سلطنت میں میرے شریک و سہیم بھی ہو تو بھی تم کو کسی نہ کسی اصول کا پابند ہونا پڑے گا اور اگر میرے ماتحت ہو تو ماتحتی کی حدود کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ تمہاری اولاد نے بڑی بڑی ولایتوں پر قبضہ کر رکھا ہے اور سیاست ملکی کے حدود کو توڑ کر خودسری اور مطلق العنانی کرنا چاہتے ہیں۔ نظام الملک نے اس کے جواب میں کہا کہ اگر سلطان کو اب تک معلوم نہیں تھا تو اب معلوم ہونا چاہیے کہ اب میں بے شک حکومت میں اس کا شریک ہوں۔ اس کو میری ہی تدبیروں سے تاج و تخت ملا ہے۔ کیا وہ بھول گیا کہ اس کے والد کے بعد میں نے ہی مخالف قوتوں کو زیر کر کے ملک کو صاف کیا تھا۔ اس وقت اس نے میرے کسی کام کی مخالفت نہیں کی اور مجھ سے چمٹا رہا، اب جبکہ جملہ امور مملکت اس کے قبضہ اقتدار میں آگئے اس کا کوئی مخالف باقی نہیں رہا، دور و قریب کے ملک زیر نگیں اور فرمانروا اس کے زیر فرمان ہوگئے۔ اس وقت وہ میرے گناہ گناتا ہے اور دوسروں سے میری چغلی سنتا ہے۔ اس سے جا کر کہہ دو کہ اس کا تاج سلطنت میرے قلمدان وزارت سے وابستہ

[1] راحۃ الصدور ص ۱۳۳، ۱۳۴۔　[2] تاریخ گزیدہ ج ۱، ص ۴۴۷۔

[3] راحۃ الصدور ص ۱۳۴ و تاریخ گزیدہ ج ۱، ص ۴۴۷۔　[4] تاریخ گزیدہ ج ۱، ص ۴۴۸۔

ہے۔ جب یہ الٹے گا تو تاج بھی باقی نہ رہے گا۔ اس بارہ میں اس کو سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہیے۔ نظام الملک غصہ میں یہ نازیبا کلمات کہہ تو گیا' لیکن بعد میں اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا' چنانچہ شاہی سفیروں سے اس کی معذرت میں کہا کہ سلطان کی توبیخ سے مجھ کو تکلیف پہنچی تھی۔ اس کے اثر سے غم و غصہ کی حالت میں یہ باتیں زبان سے نکل گئیں' تم کو اختیار ہے' جیسا مناسب سمجھو جا کر سلطان سے کہہ دو' یہ سفرا نظام الملک کے احسان مند تھے اس لئے رفع شر کے خیال سے واپس جا کر ملک شاہ سے اصل جواب بیان کرنے کے بجائے نظام الملک کی جانب سے معذرت کر کے وفاداری اور اطاعت شعاری کا اظہار کیا' لیکن ایک سفیر بیرو نے اصل واقعہ بیان کر دیا۔ [1]

ابن اثیر نے اس سلسلہ میں معزولی کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے' بلکہ صرف یہ لکھا ہے کہ اس کے چند دنوں کے بعد نظام الملک کے قتل کا واقعہ پیش آیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نظام الملک کی معزولی کے اسباب کے سلسلہ کا یہ آخری واقعہ ہے۔ ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف و تضاد نہیں ہے' بلکہ یہ سب واقعات یکے بعد دیگرے پیش آتے رہے' جس کا نتیجہ معزولی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ معزولی کے چند ہی مہینوں بعد رمضان ۴۸۵ھ میں ایک اسماعیلی باطنی کے ہاتھ سے نظام الملک کے قتل کا واقعہ پیش آیا۔ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

باطنی تحریک

باطنی تحریک کے ابتدائی حالات اوپر گزر چکے ہیں۔ مقتدی کے زمانہ میں عجم میں اس تحریک نے اتنی قوت حاصل کر لی تھی کہ باطنی حکومت کے مقابلہ میں آ گئے۔

اسماعیلی یا باطنی فرقہ شیعی فرقہ کی ایک شاخ اور امام جعفر صادق کے صاحبزادے امام اسماعیل کی طرف منسوب ہے۔ امام جعفر صادق تک اثنا عشری اور اسماعیلی دونوں متحد ہیں۔ ان کے بعد دونوں شاخیں الگ ہو جاتی ہیں۔ امام جعفر صادق کے دو صاحبزادے تھے۔ بڑے اسماعیل اور چھوٹے موسیٰ کاظم۔ اسماعیل باپ کے جانشین تھے' لیکن ان کا انتقال جعفر صادق کی زندگی میں ہو گیا تھا۔ شیعوں کے نزدیک چونکہ امامت منجانب اللہ ہے۔ اس لئے اسماعیلی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی امام کی نامزدگی کے بعد پھر اس کا اخراج نہیں کر سکتا ہے۔ اس لئے وہ اسماعیل ہی کو امام مانتے ہیں' لیکن اثنا عشری کے نزدیک متوفی امام نہیں ہو سکتا اور وہ بداء کے قائل ہیں۔ اس لئے وہ جعفر صادق کے بعد موسیٰ کاظم کو مانتے ہیں۔ بعض اسماعیلی یہ بھی کہتے ہیں کہ امام اسماعیل نے وفات نہیں پائی' بلکہ روپوش ہو گئے تھے۔ ان کے

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۷۰۔

نزدیک ائمہ کی دو قسمیں ہیں۔ظاہر اور مستور اور ان میں سے ہر ایک کا سات سات کا دور ہوتا ہے۔اس لحاظ سے اسماعیل ساتویں امام ہیں۔(علی' حسن' حسین' زین العابدین' باقر' صادق' اسماعیل رضی اللہ عنہم) اس لئے ان پر ائمہ ظاہر کا دور ختم کر دیتے ہیں اور ان کے لڑکے محمد سے ائمہ مستور کا دور شروع ہوتا ہے۔یہ ائمہ گو خود مخفی رہتے ہیں' لیکن ان کے دعاۃ علانیہ ان کی دعوت دیتے ہیں۔عبیداللہ المهدی مغربی بانی دولت فاطمیہ سے پھر ائمہ ظاہر کا دور شروع ہو جاتا ہے۔اس فرقہ کے نزدیک ہر ظاہر کا ایک باطن ہے' اس لئے اس کو باطنی کہتے ہیں۔ [1]

فاطمی خلفا نہ صرف حکومت سلطنت بلکہ خاندان اور دعوائے خلافت میں بھی وہ بنی عباس کے حریف مقابل تھے' لیکن دینی مرکزیت خلافت بغداد ہی کو حاصل رہی اور دنیائے اسلام انہی کو خلیفہ مانتی تھی۔ان کی اس مرکزیت کو توڑنے کے لئے فاطمیہ کی کوششیں عرصہ سے جاری تھیں' لیکن ان کا اثر زیادہ تر مغرب کے علاقوں تک محدود رہا اور مشرقی ممالک میں عباسی خلافت ہی مانی جاتی تھی۔اس لئے مستنصر علوی کے زمانہ میں باطنیوں نے مشرقی ملکوں میں فاطمی دعوت کا نظام قائم کیا' لیکن سلجوقیوں کے ابتدائی دور تک خلافت بغداد کا نظام جاسوسی بہت مکمل تھا۔اس لئے باطنی دعوت کو فروغ نہ ہو سکا۔الپ ارسلان نے اپنے دور میں اس نظام کو توڑ دیا۔اس سے باطنیوں کو اپنی دعوت کی تبلیغ و اشاعت کا پورا موقع مل گیا۔ [2] اس دعوت کی تبلیغ و اشاعت کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے۔مختصر واقعات یہ ہیں کہ مقتدی کے زمانہ میں عجم میں یہ دعوت کافی پھیل گئی اور باطنیوں نے اتنی قوت حاصل کر لی کہ اصفہان کے ایک قلعہ پر قبضہ کر کے اپنا مستقل مرکز قائم کر لیا اور مسلمانوں پر دست درازی شروع کر دی۔

اتفاق سے مستنصر علوی کو حسن بن صباح جیسا عالی دماغ شخص مل گیا' جس نے سارے مشرق میں اس دعوت کو پھیلا دیا۔یہ رے کا باشندہ تھا۔امام موفق کے حلقہ درس میں تعلیم حاصل کی تھی۔ہندسہ' حساب' نجوم وغیرہ علوم ریاضیہ میں مہارت رکھتا تھا۔وہ ایک فاطمی داعی احمد بن عطاش کے اثر سے فاطمی تحریک میں شامل ہوا اور اس کے یہاں فاطمی دعاۃ کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔نظام الملک کے خسر ابو مسلم نے جورے کے رئیس تھے' اس کی گرفت کی۔حسن بن صباح اس کے خوف سے بھاگ گیا اور پھرتا پھراتا ہوا مصر پہنچا۔مستنصر علوی نے اسے اپنے گوں کا آدمی دیکھ کر اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور مشرق میں فاطمی دعوت کی تبلیغ پر مامور کر دیا۔اس نے شام' جزیرہ' دیار بکر' خراسان' کاشغر اور ماوراءالنہر کا دورہ کر کے پوری مستعدی سے اس فرض کو انجام دیا۔قزوین کے قریب دیالمہ کا بنایا ہوا ایک سنگین قلعہ الموت

[1] کتاب الملل والنحل شہرستانی ج ۲' ص ۲۷' ۲۹۔

[2] دولت آل سلجوق ص ۶۲۔

حسن بن صباح کے مقصد کے لئے نہایت موزوں ومناسب تھا۔ یہ ایک علوی کی ملکیت میں تھا۔ ابن صباح نے یہاں قیام کیا اور اپنے ظاہری زہد و ورع سے چند دنوں میں اس نواح میں کافی اثر پیدا کر لیا اور ایک جماعت اس کی دعوت میں شامل ہوگئی۔ الموت کا مالک علوی بھی اس کے ظاہری زہد سے متاثر ہوا۔ جب حسن بن صباح کی قوت مضبوط ہوگئی تو اس نے علوی کو نکال کر الموت پر قبضہ کر لیا۔ [1]

اس وقت تک حسن بن صباح کا کاروبار مخفی تھا۔ قلعہ پر قبضہ کرنے کے بعد وہ کھل کر میدان میں آ گیا اور دلیرانہ قتل و غارت گری شروع کر دی۔ اس کے داعیوں کے لئے کسی کی جان لے لینا اور اپنی جان دے دینا معمولی بات تھی۔ جس کو قتل کرنا مقصود ہوتا اس کو مار کر خود قتل ہو جاتے۔ بڑے بڑے لوگ دن دہاڑے قتل کئے جانے لگے اور ان کے ہاتھوں بادشاہ تک کی جان محفوظ نہ تھی۔ [2]

نظام الملک کا قتل

جب باطنیوں کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو ملک شاہ کو ان کی جانب توجہ کرنی پڑی۔ نظام الملک نے پہلے حسن بن صباح کے پاس سفارت بھیج کر افہام و تفہیم کے ذریعہ سے اسے روکنے کی کوشش کی، لیکن جب وہ باز نہ آیا تو پھر الموت پر فوج کشی کر کے اس کا نہایت سخت محاصرہ کرایا۔ سلجوقی فوجوں کا مقابلہ اس کے بس سے باہر تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کے لئے مفر کی کوئی صورت باقی نہیں ہے تو ایک فدائی کو بھیج کر نظام الملک کو قتل کرا دیا۔

اس حادثہ کی تفصیل یہ ہے کہ رمضان ۴۸۵ھ میں سلطان نے بغداد کا سفر کیا۔ اس سفر میں نظام الملک بھی ہمرکاب تھا۔ نہاوند کے قریب منزل ہوئی۔ نظام الملک افطار کے بعد سواری پر اپنے حرم کے خیمہ میں جا رہا تھا کہ راستے میں ایک باطنی نوجوان فریادی کی صورت میں اس کے پاس آیا۔ نظام الملک نے اس کی درخواست سننے کے لئے قریب بلایا۔ باطنی نے آگے بڑھ کر خنجر سے ایسا کاری وار کیا کہ ایک ہی وار میں نظام الملک کا کام تمام ہو گیا۔ اس کی فوج اور خدم و حشم ہمرکاب تھے۔ ان میں بڑی بے چینی پیدا ہوگئی۔ سلطان نے فوراً جا کر سکون پیدا کیا۔ قتل کے وقت نظام الملک کی عمر ۷۷ سال تھی، مدت وزارت تیس سال۔

اتنا مسلم ہے کہ یہ قتل ایک باطنی کے ہاتھوں ہوا، لیکن خود باطنی نے کیوں قتل کیا؟ اس بارہ میں بیانات مختلف ہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ حسن بن صباح نے اپنی راہ میں نظام الملک کو حائل دیکھ کر قتل کرا دیا۔ راوندی کا بیان ہے کہ ایک سلجوقی امیر تاج الملک کی تحریک سے قتل ہوا۔ بعض روایتوں سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ خود سلطان کا اشارہ شامل تھا۔ [3] لیکن اس قیاس کے علاوہ اس روایت کی اور کوئی سند

[1] ابن اثیر ج ۱۰، ص ۱۱۰۔ [2] تاریخ دولت آل سلجوق ص ۶۳۔ [3] راحۃ الصدور ص ۱۳۵۔

نہیں ہے کہ سلطان نظام الملک کے استبداد سے تنگ تھا' لیکن معزولی کے بعد استبداد سے نجات مل گئی تھی۔ اس کے بعد قتل کی ضرورت باقی نہ رہ گئی تھی۔ درحقیقت اس شبہ کا سبب یہ ہے کہ معزولی اور قتل کے درمیان اتنا کم وقفہ تھا کہ بعض مؤرخین کو معزولی کا بھی پتہ نہ چل سکا' چنانچہ ابن اثیر نے اس کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے اور قتل کا واقعہ ایسا اہم تھا کہ ہر مؤرخ کی نگاہ میں آیا اور جن کو معزولی کا علم نہ تھا انہوں نے اس کو ملک شاہ کے عتاب کا نتیجہ قرار دیا۔ دوسری روایت البتہ قرین قیاس ہے۔ اس لئے کہ تاج الملک ترکان خاتون کا وزیر اور ملک شاہی دور کا بڑا ممتاز امیر تھا۔ شہزادوں کی وزارت خزانہ اور محلات سلطانی کی داروغگی' دیوان طغروانشا کی افسری جیسے جلیل القدر عہدے اس سے متعلق تھے اور سلطان کے مزاج میں اس کو بڑا درخور حاصل تھا۔ [1] نظام الملک کی وزارت ہی کے زمانہ سے ترکان خاتون تاج الملک کو اس کا منصب دلوانے کی فکر میں تھی۔ [2] لیکن اس کے سامنے تاج الملک کا چراغ جلنا مشکل تھا۔ اس لئے وہ اسی زمانہ سے اس کے خلاف ہو گیا تھا اور امیر مجد الملک مستوفی اور امیر ابوالمعالی سدید الملک وغیرہ کو ساتھ ملا کر نظام الملک کے خلاف سازش کرتا تھا اور اس کو سلطان کی نگاہ سے گرانے کی کوشش میں تھا۔ [3] ترکان خاتون کی کوشش سے تاج الملک کی آرزو پوری ہوئی اور نظام الملک کی معزولی کے بعد سلطان نے اسے وزیر بنا لیا' ممکن ہے تاج الملک اس کے بعد بھی نظام الملک کو اپنے لئے خطرہ سمجھتا رہا ہو اور اس کی جانب سے پورا اطمینان حاصل کرنے کے لئے اس کی زندگی ہی کا خاتمہ کرا دیا ہو۔

نظام الملک کے مختصر حالات اور کارنامے

نظام الملک جس پایہ کا وزیر تھا تاریخ اسلام میں برامکہ کے علاوہ اس کی دوسری مثال نہیں ملتی۔ اس کے اوصاف و کمالات' فضائل و مناقب اور کارنامے اتنے گوناگوں ہیں کہ ان کی تفصیل کے لئے مستقل کتاب چاہیے۔ اس نے تیس سال تک اس شان و شکوہ کی وزارت کی اور ایسے ایسے کارنامے انجام دیئے کہ اس کے سامنے برامکہ کی داستانیں ماند پڑ گئیں۔ ملک شاہی دور کی ساری درخشانی جو سلجوقیوں کا دور زریں شمار کیا جاتا ہے' نظام الملک ہی کی ضوپاشیوں کا نتیجہ تھی۔

نظام الملک کا پورا نام و لقب ابوعلی حسن بن علی الملقب بہ اتابک نظام الملک رضی امیر المومنین ہے۔ اس کا باپ علی طوس کا معمولی زمیندار تھا۔ ۴۰۸ھ میں نظام الملک کی ولادت ہوئی۔ وہ بچپن ہی

[1] تاریخ دولت آل سلجوق ص ۵۸' ۵۹۔

[2] راحۃ الصدور ص ۱۳۳' و دولت آل سلجوق ص ۵۹۔

[3] طبقات الشافعیہ ج ۳' ص ۱۳۲' و ابن خلکان ج ۱' ص ۱۴۳۔

سے نہایت ذکی وذہین تھا۔ سات برس کی عمر میں کلام مجید حفظ کیا اور نوعمری ہی میں فقہ' حدیث' ریاضی جملہ مروجہ علوم میں کامل ہو گیا۔ ❶

ابتدا میں مختلف چھوٹی چھوٹی خدمتیں انجام دیں' پھر ابوعلی بن شاذان والی بلخ کے زمرہ ملازمت میں داخل ہو گیا۔ ابوعلی کا طرز عمل پسندیدہ نہ تھا۔ اس لئے نظام الملک برداشتہ خاطر ہو کر الپ ارسلان کے والد جعری بک داؤد کے پاس مرو چلا گیا۔ اس کو نظام الملک کی گفتگو اور اس کے اطوار بہت پسند آئے۔ اس کی سفارش سے الپ ارسلان نے اس کو اپنا کاتب بنا لیا۔ ❷

نظام الملک جوہر قابل تھا ہی' ترقی کا میدان پا کر جوہر چمکنے لگے اور اپنی کارگزاری اور حسن خدمات سے الپ ارسلان کے دل میں اتنی وقعت اور اس کے مزاج میں اتنا رسوخ واعتماد حاصل کر لیا کہ تخت نشینی کے بعد اس نے قلمدان وزارت اس کے سپرد کیا۔ اس وقت سے اس کے عروج کا آغاز ہوا اور الپ ارسلان کی وفات تک برابر اس منصب پر رہا اور اپنے زمانہ وزارت میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے جن کا مختصر تذکرہ ابھی آتا ہے۔

الپ ارسلان کی وفات کے بعد جب اس کے بھانجے قاروت بک نے ملک شاہ کی بادشاہت ماننے سے انکار کیا اور اس کے مقابلہ میں کھڑا ہوا' اس وقت نظام الملک ہی کی تدبیروں سے اس کو شکست ہوئی اور ملک شاہ کو تخت وتاج ملا۔ اس صلہ میں اس نے نظام الملک کو نہ صرف منصب وزارت عطا کیا بلکہ سلطنت کا مختار کل بنا دیا۔ اس کے زمانہ میں نظام الملک کا آفتاب اقبال نصف النہار پر پہنچ گیا اور اپنے درخشاں کارناموں سے ملک شاہی عہد کو سلجوقی حکومت کا دور زریں بنا دیا۔

خلافت بغداد سے بھی اس کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے اور وہ خلفا کا دل سے احترام کرتا تھا۔ مقتدی بھی اس کی بڑی عزت کرتا تھا۔ مقتدی کی شادی کے جلوس میں تمام امرائے دولت کو جلوس کے ہمراہ پیادہ پا چلنے کا حکم تھا۔ صرف نظام الملک کو سواری پر چلنے کی اجازت ملی تھی۔ قصر خلافت میں سب سے نمایاں اور ممتاز جگہ اس کی تھی۔ دوسرے تمام امرا اس کے چپ وراست بیٹھے تھے۔ شادی کی تقریب میں نظام الملک کو مقتدی کی جانب سے جو خلعت ملا تھا' اس پر "وزیر عالم عادل نظام الملک امیر المؤمنین" کا طغرا کڑھا ہوا تھا۔ یہ وہ اعزاز تھا جو اس کے سوا کسی وزیر کو نصیب نہ ہوا تھا۔ ❸

نظام الملک اپنے دور کا بڑا فاضل تھا۔ دینی اور دنیاوی دونوں علوم پر پوری دستگاہ حاصل تھی۔ سبکی

---

❶ ابن خلکان ج ۱' ص ۱۴۳۔

❷ طبقات الشافعیہ جلد ۳' تذکرہ نظام الملک وابن خلکان جلد اول ص ۱۴۳' ۱۴۴۔

❸ ابن اثیر ج ۱۰' ص ۷۱۔

نے شافعی علما کے زمرہ میں اس کے حالات لکھے ہیں۔ [1] عربی و فارسی دونوں زبانوں کا انشا پرداز تھا' شاعر بھی تھا۔اس نے سیاسیات اور قانون مملکت پر جو کتاب سیاست نامہ کے نام سے لکھی ہے وہ نہ صرف اس دور کی بہترین سیاسی کتابوں میں ہے' بلکہ آج بھی اس سے ملکی انتظام میں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔اس کا ترجمہ یورپ کی بہت سی زبانوں میں ہو چکا ہے۔ ذاتی فضل و کمال کے ساتھ وہ بڑا علم پرور اور علما نواز تھا۔اس کا دربار علما و مشائخ کا مرجع تھا۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ نظام الملک کی مجلس فقہا و ائمہ اور اصحاب خیر و صلاح سے معمور رہتی تھی۔ [2]

ان میں امام الحرمین' شیخ ابواسحاق شیرازی' ابوالقاسم قشیری اور ابوعلی فارمدی جیسے جلیل القدر علما اور ائمہ تھے۔ نظام الملک ان کی بڑی عزت و تکریم کرتا تھا اور ان کی خیر و برکت سے مستفید ہوتا تھا۔ امام الحرمین اور ابوالقاسم قشیری کے لئے اپنی مسند خالی کر دیتا تھا۔ [3] ابوعلی فارمدی کے سامنے دوزانوں بیٹھتا تھا اور کہتا تھا جو علما آتے ہیں وہ میرے سامنے میری جھوٹی تعریفیں کرتے ہیں جن سے میرا عجب غرور بڑھتا ہے اور شیخ ابوعلی فارمدی عیوب اور مظالم گناتے ہیں' جس سے مجھ میں فروتنی پیدا ہوتی ہے اور میں اپنی اصلاح کی کوشش کرتا ہوں۔ [4]

اپنے زمانہ میں اس نے علم و فن کی بڑی خدمت کی اور تعلیم کی اشاعت کی بڑی کوشش کی۔ بلخ' نیشاپور' ہرات' اصفہان' بصرہ' مرو' موصل' آمل اور عراق کے تمام شہروں میں مدرسے قائم کئے۔ [5] عمادالدین اصفہانی کا بیان ہے کہ جس بستی میں کوئی بڑا عالم موجود تھا' وہاں نظام الملک نے ایک مدرسہ اور ایک کتب خانہ قائم کیا۔ [6] ان میں سب سے بڑا مدرسہ نظامیہ بغداد تھا۔ اسے بڑے اہتمام سے تعمیر کرایا تھا۔اس کی تعمیر پر دو لاکھ دینار یعنی تقریباً دس لاکھ روپے صرف ہوئے۔ دو سال میں اس کی عمارت تعمیر ہوئی۔ ذیقعدہ ۴۵۹ھ میں بڑے اہتمام سے اس کا افتتاح ہوا۔ کئی لاکھ روپے سالانہ اس کا خرچ تھا۔ اس کے متعلق دارالاقامہ بھی تھا۔ تمام طلبہ کو وظائف ملتے تھے۔ اس دور کے منتخب علما درس کے لئے فراہم کئے تھے۔ امام ابواسحاق شیرازی' ابونصر صباغ' ابن الخطیب شارح حماسہ' ابوالحسن فصیحی' قطب الدین شافعی اور امام غزالی جیسے یگانہ عصر علما مختلف اوقات میں اس مدرسہ کی تعلیم و تدریس کی مسند پر بیٹھے مدرسہ نظامیہ کے تفصیلی حالات آئندہ کی جلد میں آئیں گے۔ ان مدارس کے اخراجات کا معتدبہ حصہ نظام الملک اپنی جیب خاص سے دیتا تھا اور حکومت کی جانب سے بھی امداد

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے طبقات الشافعیہ ج ۳' ص ۳۵' ومابعد۔
[2] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۷۲۔
[3] ابن خلکان ج ۱' ص ۱۴۳۔
[4] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۷۲۔
[5] طبقات الشافعیہ ج ۳' ص ۱۳۷۔
[6] دولت آل سلجوق ص ۵۴۔

مقرر تھی۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ نظام الملک نے ممالک محروسہ کے سارے شہروں میں مدارس قائم کیے تھے اور ان کے مصارف کے لئے بڑی بڑی رقمیں مقرر کیں۔ [1] قزوینی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ نظام الملک اپنی آمدنی کا جو کروڑوں روپے سالانہ تھی' دسواں حصہ مدارس کے لئے نکالتا تھا اور چھ لاکھ دینار سالانہ یعنی تقریباً تیس لاکھ روپے حکومت کی جانب سے ملتے تھے۔ [2]

نظام الملک کی اس توجہ اور دلچسپی کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں میں مدارس قائم کرنے کا عام ذوق پیدا ہو گیا اور جگہ جگہ مدرسے قائم ہونے لگے۔ [3]

مذہبی خدمات

مدارس کے قیام کے ساتھ اس نے ملک بھر میں بکثرت مسجدیں بنوائیں۔ [4] حجاج کے قافلوں کا راستہ درست کرایا اور جابجا ان کی سہولت کے لئے منزل گاہوں پر عمارتیں تعمیر کرائیں۔ پانی کے ذخیرے کے لئے حوض اور تالاب بنوائے۔ [5] لاوارث حاجیوں کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا۔ [6] خالص رفاہ عام کے جو کام انجام دیئے ان کا ذکر ملک شاہ کے کارناموں میں آئے گا۔

قیام عدل

قیام عدل میں بڑا اہتمام تھا۔ اس کی معدلت گستری پر مؤرخین کا اتفاق ہے۔ سبکی کا بیان ہے کہ اس کا دور تمام تر فضل و عدل کا دور تھا۔ اس کی عدل پروری سے مخلوق آرام کی نیند سوتی تھی۔ کسی کے لئے کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ اس کے پاس ہر شخص ہر وقت آسانی کے ساتھ پہنچ سکتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک عورت استغاثہ لے کر آئی۔ نظام الملک اس وقت دستر خوان پر تھا۔ حاجیوں نے روک دیا۔ نظام الملک کو خبر ہو گئی۔ اس نے حاجیوں کو تنبیہ کی اور کہا کہ میں نے تم کو غریب فریادیوں ہی کی خدمت کے لئے رکھا ہے۔ معززین تو خود پہنچ جاتے ہیں۔ [7]

دستور الوزراء میں اس نے عدل و انصاف پر بڑا زور دیا ہے۔ اس سلسلہ میں لکھتا ہے کہ وزیر کو بلا ناغہ صبح سے شام تک لوگوں کے معاملات و مقدمات میں مختلف قسم کے احکام صادر کرنا پڑتے ہیں۔ اس بارہ میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ لوگوں کے درمیان عدل سے فیصلہ کرو۔ اس لئے اگر ایک فیصلہ بھی احکام باری تعالیٰ کے خلاف ہو جائے تو سو برس کی حکومت سے بھی اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ [8] اس

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۲۷۔ [2] آثار البلاد قزوینی ذکر طوس۔ [3] ابن خلکان ج ۱' ص ۱۴۴۔
[4] ابن خلکان ج ۱' ص ۱۴۴۔ [5] طبقات الشافعیہ ج ۳' ص ۱۴۰' وابوالفداء ج ۲' ص ۲۰۳۔
[6] طبقات الشافعیہ ج ۳' ص ۱۴۰۔ [7] طبقات الشافعیہ ج ۳' ص ۱۴۰۔ [8] سیاست نامہ۔

عدل گستری کی وجہ سے اس کے دور میں اتنا امن وامان تھا کہ کسی کو جان و مال کا کوئی کھٹکا نہ رہتا تھا اور ہر شخص آرام کی نیند سوتا تھا۔ [1]

غربا پروری

غربا پروری اس کا خاص وصف تھا۔ غریبوں کو بہت دوست رکھتا تھا۔ ان سے لطف و مدارات کے ساتھ پیش آتا تھا۔ انہیں روزانہ اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھا کر کھلاتا تھا۔ [2] تاریخوں میں اس کی غربا پروری کے بہت سے واقعات مذکور ہیں۔

دینداری

دنیاوی وجاہت اور جلالت شان کے باوجود بڑا دیندار اور عابد و زاہد تھا۔ سبکی کا بیان ہے کہ وہ ہر وقت باوضو رہتا تھا۔ ہر وضو کے بعد نفل پڑھتا تھا اور قرآن مجید کی تلاوت کرتا تھا۔ کلام مجید ہر وقت ساتھ رکھتا تھا۔ اذان سنتے ہی سارے کام بند کر دیتا تھا۔ جمعہ پنج شنبہ اور دوشنبہ کو پابندی کے ساتھ روزہ رکھتا تھا۔ [3]

ابن اثیر کا بیان ہے کہ اذان سنتے ہی سارا کام بند کر دیتا تھا اور پھر نماز ادا کرنے سے پہلے کوئی کام شروع نہیں کرتا تھا۔ اگر نماز کا وقت آ جاتا اور مؤذن کی آواز سنائی نہ دیتی تو خود اذان دینے کا حکم دیتا اور یہ عبادت گزاروں کے لئے حفظ اوقات اور پابندی کی ایک بڑی مثال ہے۔ [4] آخر زمانہ میں وہ کہا کرتا تھا کہ میری آرزو ہے کہ مجھے شکم پری کے لئے روٹی کا ایک ٹکڑا اور ایک مسجد مل جاتی جس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا۔ [5] نظام الملک کے فضائل بے شمار ہیں، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

ملک شاہ کا آخری سفر بغداد اور وفات

مقتدی نے اپنے بڑے لڑکے مستظہر کو ولی عہد بنایا تھا اور ملک شاہ اپنے صغیر السن نواسہ جعفر بن مقتدی کو ولی عہد بنوانا چاہتا تھا۔ اس کے لئے مقتدی آمادہ نہ ہوتا تھا اور اس مسئلہ میں عرصہ سے دونوں میں کشمکش جاری تھی، لیکن ملک شاہ نے یہ طے کر لیا کہ اگر مقتدی جعفر کی ولی عہدی پر راضی نہ ہوا تو وہ اس کی زندگی میں جعفر کو اصفہان میں تخت نشین کر دے گا۔ [6] اس مسئلہ کو طے کرنے کے لئے رمضان

---

[1] طبقات الشافعیہ ج ۳، ص ۱۳۳۔　[2] ابن اثیر ج ۳، ص ۷۲۔　[3] طبقات ج ۳، ص ۱۳۳۔

[4] ابن اثیر ج ۱۰، ص ۷۲۔　[5] ابن اثیر ج ۱۰، ص ۷۲۔

[6] راحۃ الصدور ص ۱۴۰، راوندی نے جعفر کو ملک شاہ کا بھانجا لکھا ہے، جو صحیح نہیں ہے۔ مقتدی کے ساتھ ملک شاہ کی بہن نہیں بلکہ لڑکی کی شادی ہوئی تھی، جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

۴۸۵ھ میں اس نے بغداد کا سفر کیا۔ اور مقتدی پر زور ڈالا کہ وہ مستظہر کو ولی عہدی سے خارج کر کے جعفر کو ولی عہد بنا دے۔ اس کے لئے وہ مطلق آمادہ نہ تھا' لیکن ملک شاہ کی قوت کے سامنے انکار بھی مشکل تھا' اس نے اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے دس دن کی مہلت مانگی۔ ملک شاہ اجازت دے کر شکار کے لئے بغداد کے باہر چلا گیا اور مقتدی کی خوش قسمتی سے دوران شکار ہی میں بیمار پڑ گیا اور بغداد واپس آ کر ۶ شوال ۴۸۵ھ کو انتقال کر گیا۔ [1] انتقال کے وقت کل ۳۸ سال کی عمر تھی' مدت حکومت ۲۰ سال۔

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ سلطان کی بیوی ترکان خاتون اپنے صغیر السن لڑکے محمود کو ملک شاہ کا ولی عہد بنانا چاہتی تھی۔ سلطان کا انتقال غیر متوقع طور پر پایہ تخت سے دور بغداد میں ہوا۔ اس کا ولی عہد برکیارق اصفہان میں موجود تھا۔ ترکان خاتون کو خطرہ پیدا ہوا کہ اگر سلطان کی موت کی خبر مشہور ہو گئی تو برکیارق دارالسلطنت پر قبضہ کر لے گا۔ اس لئے اس نے شوہر کی موت کو بالکل مخفی رکھا اور جو امرا سلطان کے ہمرکاب تھے' انہیں بڑی بڑی رقمیں دے کر اور آئندہ کے لئے وعدہ کر کے اپنا حامی بنا لیا اور امیر قوام الدولہ کو ملک شاہ کی انگوٹھی دے کر اصفہان بھیج دیا کہ وہ اسے قلعدار کو دکھا کر قلعہ پر قبضہ کر لے۔ شاہی انگشتری فرمان کا حکم رکھتی تھی۔ اس لئے قلعدار نے قلعہ قوام الدولہ کے حوالہ کر دیا۔ [2] اور برکیارق گرفتار کر لیا گیا۔ [3]

ترکان خاتون نے بغداد سے روانگی سے پہلے مقتدی سے درخواست کی کہ وہ محمود ملک کو ملک شاہ کا ولی عہد مان کر اس کے نام کے خطبہ کی اجازت دے دے۔ محمود کی عمر کل چار سال تھی۔ اس لئے مقتدی کو تامل تھا' لیکن ترکان خاتون نے بے دریغ روپیہ صرف کیا اور آخر میں اپنے نواسہ اور مقتدی کے لڑکے جعفر کو اس کے پاس سفارشی بنا کر بھیجا۔

مقتدی کو ملک شاہ کے استبداد کا پورا تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لئے سیاسی نقطہ نظر سے اس کو محمود کی جانشینی میں امن نظر آیا۔ اولاً وہ چار سالہ بچہ تھا' پھر اس کا سالا تھا۔ اس کی بادشاہت میں اس کو ترکان خاتون کے شر سے بھی نجات مل جاتی تھی۔ اس لئے اس نے محمود کو ولی عہد تسلیم کر کے خطبہ کی اجازت دے دی اور تاج الدولہ کو مشیر سلطنت اور محاصل حکومت اور عمال کے عزل و نصب کا انتظام اور امیر انز کو فوج اور پایہ تخت کا نگران مقرر کیا۔ [4] ان انتظامات سے فراغت کے بعد ترکان خاتون شوہر کی لاش لے کر اصفہان پہنچی اور ایک مدرسہ کی عمارت میں سپرد خاک کیا۔

---

[1] ابن خلکان ج ۲' ص ۱۲۵۔ [2] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۷۳۔

[3] ابن اثیر ج ۲ ص ۷۴۔ [4] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۷۴' وراحۃ الصدور ص ۱۴۰۔

اوصاف وکمالات

ملک شاہ اپنے اوصاف وخصوصیات اور ملک گیری و ملک داری میں نہ صرف سلجوقی سلاطین بلکہ دنیا کے ممتاز ترین حکمرانوں میں تھا۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ وہ اپنی سیرت کے لحاظ سے دنیا کے بہترین سلاطین میں تھا اور ''سلطان عادل'' کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ 1 عماد الدین اصفہانی لکھتا ہے کہ ملک شاہ عادل' شجاع' حوصلہ مند' نڈر' صاحب الرائے باتدبیر اور تاج وتخت کا حقیقی مستحق فرمانروا تھا۔ سلجوقی سلاطین میں اس کا زمانہ ہار کے درمیانی بڑے موتی کی طرح ممتاز ونمایاں تھا۔ اس کے آغاز اور انجام دونوں میں ایک تناسب تھا۔ جس اقلیم کا رخ کیا' اس کو تسخیر کیا اور جس دشمن کا قصد کیا اسے زیر کیا۔ وہ شام اور انطاکیہ سے لے کر قسطنطنیہ کی سرحد تک پہنچ گیا اور رومی ملکوں سے ایک ہزار دینار سرخ وصول کیے اور یہاں پچاس اسلامی منبر نصب کیے۔ 2

اس نے اتنے ملک زیر نگیں کیے اور سلجوقی حکومت کا رقبہ اتنا وسیع کر دیا کہ خلفائے متقدمین کے سوا بعد کے کسی دور میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس کی سلطنت کا رقبہ طول میں چین سے بیت المقدس تک اور عرض میں قسطنطنیہ سے بلاد خزر تک تھا۔ 3

سلطنت کی توسیع کے ساتھ اس کو علمی وتمدنی حیثیت سے بھی ذروہ کمال تک پہنچا دیا۔ راوندی کا بیان ہے کہ ملک شاہ کے اسلاف نے جہانگیری کی اور اس نے جہانداری' انہوں نے حکومت کا پودا نصب کیا' اس نے پھل کھایا۔ انہوں نے تخت سلطنت بچھایا' اس کے زمانہ میں برگ وبار لایا۔ اس کا دور سلجوقی سلطنت کے شباب' ملک کی بہار اور لباس شاہی کی زیب وزینت کا زمانہ تھا۔ اس نے جس سمت رخ کیا اس کو زیر نگیں کر کے چھوڑا۔ 4

وہ عادل تھا اور اس کا زمانہ عہد معدلت تھا' چنانچہ اس کا لقب ہی الملک العادل ہو گیا۔ راوندی لکھتا ہے کہ قیام عدل میں اس کو اتنا اہتمام تھا کہ اس زمانے میں ظلم مفقود ہو گیا تھا' اگر شاذ ونادر کسی پر ظلم ہو جاتا تو مظلوم براہ راست شاہ سے فریاد کر سکتا تھا۔ 5 اس کی عدل پروری کی بہت سی مثالیں تاریخوں میں مذکور ہیں۔ 6 سب سے زیادہ ظلم وزیادتی عموماً فوج اور اس کے افسروں کی جانب سے ہوتی ہے' لیکن ملک شاہ کے خوف سے سلجوقی فوجیوں کو بھی اس کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ عوام بے خوف و

---

1 ابن خلکان ج ا' ص ۱۲۳۔ 2 دولت آل سلجوق ص ۵۲۔ 3 ابن خلکان ج ۲' ص ۱۲۳۔
4 راحۃ الصدور ص ۱۲۶۔ 5 راحۃ الصدور ص ۱۳۱۔
6 تفصیل کے لئے دیکھو ابن اثیر ج ۱۰' ص ۷۳۔

خطر اس کی فوج میں گھومتے پھرتے تھے اور کسی فوجی کو ان پر زیادتی کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ ❶

رعایا کی آسائش و سہولت اور رفاہ عام کے بہت سے کام انجام دیئے۔ اپنے حدود سلطنت میں ہر قسم کے تجارتی ٹیکس موقوف کر دیئے۔ سارے ممالک محروسہ میں سڑکیں نکلوائیں' گزرگاہوں پر سرائیں اور دریاؤں پر پل تعمیر کرائے۔ مکہ مکرمہ کے راستہ میں جابجا پانی کے ذخیرے کے لئے حوض و تالاب بنوائے۔ ❷ بدوؤں اور حرم کے خدام کے وظائف و عطایا مقرر کئے۔ اس زمانہ میں شیخ الحرم کی جانب سے ہر حاجی سے سات دینار سرخ ٹیکس لیا جاتا تھا۔ ملک شاہ نے اس کے معاوضہ میں جاگیر مقرر کر کے ٹیکس بند کرا دیا۔ ❸

اس کے دور کی علمی ترقیوں کا حال اوپر نظام الملک کے حالات میں گزر چکا ہے۔ ملک شاہ خود بھی صاحب علم اور اس سے زیادہ علم و فن اور اہل علم و ارباب کمال کا قدردان تھا۔ اس نے سلجوقی حکومت کے جغرافیہ پر خود ایک رسالہ لکھا تھا۔ ❹ اس کے دور کی علمی خدمات کے سلسلہ میں سب سے اہم اور قابل ذکر زیچ ملک شاہی ہے جسے اس کے نام پر حکیم عمر خیام نے ترتیب دیا تھا۔ یہ زیچ چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ عمارتوں کا بڑا شائق تھا۔ اپنے دارالسلطنت اصفہان میں شہر اور بیرون شہر بکثرت عمارتیں بنوائیں اور باغات لگوائے۔ ❺

نغمہ و سرود سے بھی ذوق رکھتا تھا۔ اس سلسلہ میں ایک سبق آموز واقعہ قابل ذکر ہے۔ ایک مرتبہ ایک حسین اور خوش گلو مغنیہ کا گانا سن رہا تھا۔ اس کی آواز اور صورت بہت بھائی' سلطان کی نیت میں فتور پیدا ہوا۔ یہ دیکھ کر مغنیہ نے کہا شاہا! یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ یہ حسین و جمیل چہرہ آتش دوزخ کا ایندھن بنے۔ حلال و حرام کے درمیان صرف ایک بول کا فاصلہ ہے۔ سلطان کے دل میں یہ بات اثر کر گئی۔ اس نے کہا تم سچ کہتی ہو اور اسی وقت قاضی کو بلا کر اس سے نکاح کر لیا۔ ❻

سیر و شکار کا بڑا شائق بلکہ فریفتہ تھا۔ اس کے اوقات کا بڑا حصہ اس شغل میں صرف ہوتا تھا۔ تیر انداز ایسا تھا کہ ایک دن میں ستر ہرن شکار کئے۔ ہر شکار کے کفارہ میں ایک دینار خیرات کرتا تھا۔

اس کے شکاروں کی مجموعی تعداد دس ہزار جانوروں تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کا مستقل شکار نامہ لکھا جاتا تھا' جو کتابی شکل میں بعد میں بھی موجود تھا۔ عرب' عراق' خراسان' ماوراء النہر' خوزستان اور اصفہان وغیرہ میں جہاں بڑی بڑی شکارگاہیں تھیں' وہاں اس نے شکار کی یادیں قائم کی تھیں۔ ❼

---

❶ ابن اثیر ج ۱۰' ص ۴۷۔ ❷ ابن اثیر ج ۱۰' ص ۴۷۔

❸ راحۃ الصدور ص ۱۳۱۔ ❹ کشف الظنون ج ۱۔ ❺ راحۃ الصدور ص ۱۳۲۔

❻ ابن خلکان ج ۲' ص ۱۲۴۔ ❼ راحۃ الصدور ص ۱۳۲' اور ابن اثیر ج ۱۰' ص ۴۷۔

محمود بن ملک شاہ

ملک شاہ کے بڑے لڑکے برکیارق کو جس طرح ترکان خاتون نے اس کے حق سے محروم کر کے اپنے صغیر السن بچہ محمود کو ملک شاہ کا جانشین بنانے کی کوشش کی تھی' اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ ترکان خاتون نے گو سلجوقی امرا کو اپنی دولت کے زور سے حامی بنا لیا تھا' لیکن نظامی ممالیک [1] جن کی تعداد ہزاروں پر مشتمل تھی' برکیارق کے ساتھ تھے اور ترکان خاتون کے اہتمام کے باوجود ملک شاہ کی خبر وفات مخفی نہ رہ سکی اور جیسے ہی اصفہان پہنچی' نظامی غلاموں نے برکیارق کو قید سے چھڑا کر تخت نشین کرا دیا۔ [2] اس دوران میں ترکان خاتون اصفہان کے قریب پہنچ گئی۔ چونکہ سلجوقی امرا اس کے ساتھ تھے اور پایہ تخت میں ان کا مقابلہ مشکل تھا اس لئے نظامی غلاموں نے برکیارق کو رے لے جا کر اس کی تخت نشینی کے مراسم ادا کئے۔ [3] یہاں دس ہزار آدمی اور برکیارق کے ساتھ ہو گئے۔

اصفہان پہنچنے کے بعد ترکان خاتون نے برکیارق کے مقابلے کے لئے فوجیں روانہ کیں۔ اس کی فوج کے بعض افسر برکیارق سے مل گئے۔ اس لئے اصفہانی فوج کو شکست ہوئی اور برکیارق نے اصفہان پر فوج کشی کر کے اس کا محاصرہ کر لیا۔

ابھی یہ مہم جاری تھی کہ برکیارق اور ترکان خاتون کا اختلاف دیکھ کر ملک شاہ کے بھائی تتش ارسلان والی دمشق کو اس کے تاج و تخت پر قبضہ کرنے کی طمع دامن گیر ہوئی اور اس نے برکیارق پر فوج کشی کر دی۔ اس سے فراغت ملی تو برکیارق کا سوتیلا بھائی سلطان محمد اٹھ کھڑا ہوا اور برسوں دونوں میں جنگ جاری رہی اور ایک دن کے لئے بھی برکیارق کو اطمینان و سکون کے ساتھ حکومت کا موقع نہ مل سکا۔ اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

مقتدی کی وفات

۱۵ محرم ۴۸۷ھ کو کھانا کھانے کے بعد دفعۃً مقتدی کی طبیعت بگڑ گئی اور چند لمحوں میں انتقال ہو گیا۔ عمائد سلطنت نے اسی وقت مستظہر باللہ کی بیعت لی۔ اس سے فراغت کے بعد تجہیز و تکفین عمل میں آئی۔ وفات کے وقت کل ۳۹ سال کی عمر تھی۔ مدت خلافت ۱۹ سال آٹھ مہینے۔

اوصاف

---

[1] نظام الملک کے غلاموں کا دستہ۔ [2] راحۃ الصدور ص ۱۴۰' ۱۴۲۔

[3] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۹۷ و راحۃ الصدور ص ۱۴۰' ۱۴۲۔

مقتدی جامع اوصاف فرمانروا تھا۔ اس میں دین و سیاست دونوں جمع تھے۔ گو اس زمانہ میں سلجوقیوں کی قوت بہت بڑھ گئی تھی اور ملک شاہ نے خلافت بغداد پر حاوی ہونے کی بہت کوشش کی اور کسی حد تک اس میں کامیاب بھی ہوا' لیکن مقتدی نے حتی الامکان خلافت کے وقار کو قائم رکھا اور اس دور زوال میں ہر اعتبار سے مقتدی کا زمانہ ممتاز تھا۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ مقتدی قوی دل اور عالی ہمت خلیفہ تھا۔ اس کا عہد بڑی خیر و برکت کا زمانہ تھا۔ خیر کی کثرت اور رزق میں کشادگی و وسعت تھی۔ خلافت کا وقار پہلے سے زیادہ قائم ہوا۔ بغداد کی آبادی میں اضافہ ہوا۔ بصلیہ' قطیعیہ' حلبہ' مقتدیہ' اجمہ' درب القیار' خربہ ابن جردہ' خرابہ ابن ہراس' خاتونیتین بہت سے نئے محلے آباد ہوئے۔ [1] سیوطی کا بیان ہے کہ وہ نجبائے بنی عباس میں تھا۔ اس کے زمانہ میں قوانین خلافت کا نفاذ ہوا اور ان کی حرمت قائم ہوئی۔ [2]

اس سیاسی قوت کے ساتھ اس نے دین و مذہب کا بھی احترام کیا اور بہت سی دینی و اخلاقی اصلاحیں کیں۔ گانے ناچنے والی بداخلاق عورتوں کو بغداد سے نکال دیا۔ بغیر ازار کے حمام میں جانے اور ملاحوں کو کشتیوں پر ایک ساتھ عورتوں اور مردوں کو لے جانے کی ممانعت کر دی۔ کبوتر بازی کے برجوں اور چھتریوں کو' جن سے گھروں کی بے پردگی ہوتی تھی' اکھڑوا دیا۔ [3]
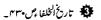
 ابن اثیر جلد ۱۰' ص ۷۹-۸۰۔ تاریخ الخلفاء ص ۴۳۰۔ تاریخ الخلفاء ص ۴۳۰۔

ابوالعباس احمد بن مقتدی الملقب بہ مستظہر باللہ

(۴۸۷ھ تا ۵۱۵ھ مطابق ۱۰۹۴ء تا ۱۱۱۸ء)

مقتدی کی وفات کے بعد محرم ۴۸۷ھ میں اس کا لڑکا ابوالعباس احمد الملقب بہ مستظہر باللہ تخت نشین ہوا۔ اس وقت برکیارق بغداد میں موجود تھا۔ اس نے اور تمام سلجوقی امرا نے مستظہر کی بیعت کی۔ اس وقت اس کا سولھواں سال تھا۔ اس کے زمانہ میں سلجوقیوں کی خانہ جنگی کے سوا خاص خلافت بغداد کے حالات بہت کم ہیں۔

آذربائیجان پر تتش ارسلان کی فوج کشی اور ناکامی

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ملک شاہ کی وفات کے بعد اس کا بھائی تاج الدولہ تتش ارسلان والی دمشق اس کے تاج و تخت پر قبضہ کرنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ملک شاہ کے اصل وارث خانہ جنگی میں مبتلا تھے اور ملک شاہ کی جانشینی کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تھا۔ اس لئے امیر اقسنقر والی حلب اور امیر بوزان والی رہا وغیرہ تتش ارسلان کے ساتھ ہو گئے۔ ان کی مدد سے اس نے ۴۸۶ھ میں بنی مروان کے علاقہ موصل اور دیار بکر وغیرہ پر قبضہ کر لیا تھا اور آذربائیجان پر فوج کشی کی۔ اس وقت برکیارق اس کے مقابلہ میں نکلا۔ اسے دیکھ کر امیر اقسنقر اور بوزان تتش کا ساتھ چھوڑ کر اس کے ساتھ ہو گئے اور تتش کو ناکام دمشق واپس جانا پڑا۔ ❶

امیر اسماعیل کی مخالفت اور اس کا قتل

اس دوران میں ترکان خاتون نے اپنے اور ملک شاہ کے چچیرے بھائی امیر اسماعیل کو جو برکیارق کا حقیقی ماموں تھا' اپنے ساتھ شادی کی طمع دلا کر ملا لیا۔ اس نے برکیارق پر فوج کشی کر دی' لیکن شکست کھائی۔ ترکان خاتون کا کارپرداز سلطنت امیر انز امیر اسماعیل کے خلاف تھا۔ اس لئے وہ بددل ہو کر برکیارق کے قتل کے منصوبے سے رے چلا گیا' لیکن راز فاش ہو گیا اور وہ خود قتل کر دیا گیا۔ اس کے چند دنوں کے بعد ترکان خاتون کا بھی انتقال ہو گیا۔ ❷

برکیارق کی شکست اور بغداد میں تتش کا خطبہ

تتش ارسلان کو اقسنقر کی وجہ سے آذربائیجان میں ناکامی ہوئی تھی۔ اس لئے شام واپس

❶ ابن اثیر ج ۱۰' ص ۲۴۷۔ ❷ ابن اثیر ج ۱۰' ص ۸۷۔

جانے کے بعد خود اس کے علاقہ حلب پر فوج کشی کر دی اور اقسنقر کو شکست دے کر قتل کر دیا۔ اس کے دوسرے ساتھی بوزان نے حلب کو بچانے کی کوشش کی' مگر وہ بھی مارا گیا اور تتش ارسلان پھر آذربائیجان پہنچا اور برکیارق کو شکست دے کر بغداد میں اپنے نام کا خطبہ جاری کرا دیا۔ [1]

سلطان محمود کی موت اور برکیارق کی تخت نشینی

گوترکان خاتون کا انتقال ہو چکا تھا' لیکن امیر انز اور دوسرے سلجوقی امرا سلطان محمود کے ساتھ تھے اور برکیارق کے لئے بیک وقت ان کا اور تتش کا مقابلہ مشکل تھا۔ اس لئے اس نے اصفہان جا کر محمود سے صلح کر لی۔ اس صلح کے چند ہی دنوں کے بعد چیچک میں محمود کا انتقال ہو گیا۔ اس کی موت کے بعد سلجوقی امرا نے برکیارق کو تخت نشین کر دیا اور عراق و خراسان کے تمام امرا اس کے ساتھ ہو گئے۔ [2]

تخت نشینی کے بعد ہی برکیارق بھی چیچک میں مبتلا ہو گیا تھا۔ تتش اس وقت ہمدان میں موجود تھا۔ اس نے سلجوقی امرا کو ملانے کی کوشش کی' برکیارق کی حالت امید و بیم کی تھی۔ اس لئے امرا نے تتش کو امید افزا جواب دیا' لیکن برکیارق خلاف امید شفایاب ہو گیا اور تتش کو شکست دے کر قتل کر دیا۔ [3]

خراسان پر ارسلان ارغون کا قبضہ اور اس کا قتل

ان لڑائیوں کے دوران برکیارق کے دوسرے چچا ارسلان ارغون نے خراسان پر قبضہ کر لیا تھا۔ تتش سے فراغت کے بعد برکیارق نے اپنے تیسرے چچا بوربرس کو ارسلان ارغون کے مقابلے کے لئے بھیجا' لیکن ارسلان نے اسے قتل کرا دیا۔ اس کے قتل کے بعد برکیارق نے اپنے سوتیلے بھائی سنجر کو اس مہم پر مامور کیا۔ ابھی یہ راستہ میں تھا کہ ارسلان کو اس کے غلاموں نے قتل کر دیا۔ اس کے امرا نے اس کے ۷ سالہ بچے کو جانشین بنایا' لیکن سنجر کے خراسان پہنچنے کے بعد بچہ کو اس کے حوالہ کر دیا۔ سنجر نے اس نے موروثی جائیداد' جو ملک شاہ نے ارسلان کو دی تھی' اس کے اخراجات کے لئے رہنے دی اور برکیارق کی ماں نے اس بچہ کو اپنے پاس بلا کر پرورش کیا۔ ارسلان کے قتل کے بعد برکیارق خود خراسان گیا اور ماوراء النہر وغیرہ میں بھی اس کے نام کا خطبہ جاری ہو گیا اور اس نے سنجر کو خراسان کا والی بنا دیا۔ [4] دوسری طرف سلطان برکیارق کی عدم موجودگی میں اس کے سابق وزیر موید الملک نے

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۸۱۔
[2] راحۃ الصدور ص ۱۴۳۔
[3] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۸۵۔
[4] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۹۰' ۹۱۔

جس نے اس کو معزول کر دیا تھا' اس کی مخالفت میں امیر انز کو جسے سلطان غیر حاضری میں اپنا نائب بنا گیا تھا' اس کے خلاف کھڑا کر دیا' لیکن اس کو ایک باطنی نے قتل کر دیا اور اس کا فتنہ بڑھنے نہ پایا۔

سلطان محمد کی مخالفت اور ملک کی تقسیم
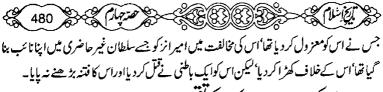
اس تدبیر میں ناکامی کے بعد موید الملک نے برکیارق کے دوسرے سوتیلے بھائی سلطان محمد کو جو تمام بھائیوں میں بڑا شجاع اور حوصلہ مند تھا' برکیارق کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا۔ اس کی مخالفت کی خبر پا کر برکیارق فوراً خراسان سے واپس آیا۔

بغداد میں محمد کا خطبہ

لیکن اس کے پہنچتے پہنچتے سلطان محمد نے رے پر قبضہ کر لیا اور اس کے وزیر موید الملک نے برکیارق کی ماں زبیدہ خاتون کو جو رے میں تھی گرفتار کر کے مروا ڈالا اور بغداد کے شحنہ سعد الدولہ گوہر آئین نے کوشش کر کے ۴۹۲ھ میں بغداد میں سلطان محمد کا خطبہ جاری کرا دیا اور مستظہر نے اسے غیاث الدنیا والدین کا معزز لقب عطا کیا۔ [1]

سلطان محمد اور برکیارق میں ۴۹۲ھ سے لے کر ۴۹۷ھ تک پانچ لڑائیاں ہوئیں' جو فریق غالب ہوتا تھا وہ بغداد میں اپنے نام کا خطبہ جاری کرا دیتا تھا۔ اس مسلسل جنگ و خونریزی سے ملک میں بڑی ابتری پھیل گئی۔ امن و امان مفقود اور ملک ویران ہو گیا۔ دوسری حکومتیں سلجوقیوں کے مقابلے میں دلیر ہو گئیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر برکیارق نے قاضی ابوالمظفر جرجانی حنفی اور ابوالفرج احمد بن عبدالغفار ہمدانی کے ذریعہ محمد کے پاس صلح کا پیغام بھیجا۔ ملک کی ویرانی اس کی نگاہ میں بھی تھی۔ اس لئے ربیع الاول ۴۹۷ھ میں دونوں میں صلح ہو گئی۔ اس صلح کی رو سے نہر سپید سے لے کر باب الابواب تک کا علاقہ موصل' جزیرہ' دیار بکر اور شام و عراق کا فراتی علاقہ سلطان محمد کے حصہ میں آیا اور باقی ملک برکیارق کے قبضہ میں رہا اور طے پایا کہ دونوں اپنے اپنے ملک کے خود مختار فرمانروا ہوں گے۔ ہر ایک کے ملک میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جائے گا۔ سلطان محمد شاہی نوبت بجانے کا مجاز ہو گا۔

اس مصالحت کے بعد سلطان محمد نے برکیارق کے پایہ تخت کو جس پر اس نے کا قبضہ کر لیا تھا' برکیارق کے حوالہ کر دیا۔ سلطان محمد کی بیوی اور بچے اصفہان میں تھے۔ برکیارق نے انہیں ہدایا و تحائف کے ساتھ اپنی فوج کی حفاظت میں محمد کے پاس بھجوا دیا اور مسلسل کئی سال بدامنی اور خونریزی کے بعد

[1] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۱۰۰۔

ملک میں امن وامان قائم ہوا اور مستظہر نے بغداد میں برکیارق کے نام کا خطبہ جاری کر کے اس کو اور اس کے وزیر کو خلعت سے نوازا۔ [1]
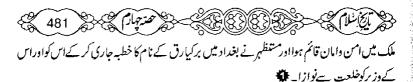
اس صلح کے بعد جب برکیارق کو اطمینان وسکون حاصل ہوا تو خود اس کا وقت آخر ہو گیا۔ اس کو عرصہ سے سل اور بواسیر کی شکایت تھی۔ شراب کی کثرت نے اس کی صحت اور برباد کر دی۔ ربیع الاول ۴۹۸ھ میں اس نے بغداد کا سفر کیا۔ راستہ میں طبیعت زیادہ بگڑ گئی اور امید زیست باقی نہ رہی' امرا ہمرکاب تھے۔ اسی وقت اپنے صغیر السن بچے ملک شاہ کو ولی عہد بنا کر امیر ایاز کو اس کا اتابک مقرر کیا اور ۲ ربیع الاول ۴۹۸ھ میں انتقال کر گیا۔ لاش اصفہان لے جا کر سپرد خاک کی گئی۔ انتقال کے وقت ۲۵ سال کی عمر تھی' مدت حکومت ۱۲ سال۔ برکیارق عاقل و دانشمند فرمانروا تھا۔ حلم وعفو اور ضبط وتحمل اس کے امتیازی اوصاف تھے۔ عموماً عفو و درگزر سے کام لیتا تھا۔

تخت نشینی سے لے کر وفات سے کچھ دنوں پہلے تک وہ مسلسل مخالف حالات میں مبتلا رہا اور اس کو ایسی ایسی مشکلات اور ہمت شکن واقعات کا سامنا رہا کہ کسی دوسرے فرمانروا کے لئے ان کا مقابلہ مشکل تھا۔ اس نے محض اپنی ہمت و استقلال سے ان کا مقابلہ کیا اور گو اس کی سلطنت تقسیم ہو گئی' لیکن اس کی حکومت قائم رہی۔

ملک شاہ ثانی بن برکیارق

برکیارق کی موت کے بعد ربیع الثانی ۴۹۸ھ میں اس کا صغیر السن بچہ ملک شاہ ثانی تخت نشین ہوا۔ مستظہر نے اس کی حکومت کی تصدیق کر کے بغداد میں اس کا خطبہ جاری کر دیا اور ملک شاہ اول کے تمام خطابات اس کو عطا کئے۔ [2] اس کی تخت نشینی کے بعد ہی اس کے اتابک امیر ایاز نے سلطان محمد کی مخالفت شروع کر دی۔ [3]

سلطان محمد الپ ارسلان اور ملک شاہ کے اوصاف وکمالات کا وارث تھا۔ اس لئے بعض اکابر امرا برکیارق ہی کے زمانہ سے اس کی حمایت میں تھے' چنانچہ امیر سیف الدولہ صدقہ بن منصور والی حلہ شروع سے اس کا معاون و مددگار تھا۔ اس نے سلطان محمد کو بغداد بلا بھیجا ملک شاہ 5 سالہ بچہ تھا۔ اصل حکومت امیر ایاز کے ہاتھوں میں تھی' اس لئے سلطان محمد یوسف الدولہ کی دعوت پر بغداد پہنچا۔ سلطان محمد کا مقابلہ ایاز کے لئے دشوار تھا۔ اس نے اپنے امرا سے مشورہ کیا۔ سب نے مقابلہ کی رائے دی' لیکن ایک تجربہ کار امیر ابوالمحاسن نے کہا کہ ان سب امرا کا مشورہ خودغرضی پر مبنی ہے۔ وہ اپنے ذاتی فائدے کے

[1] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۱۲۹۔ [2] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۱۲۹۔ [3] راحۃ الصدور ص ۱۵۳۔

لئے جنگ چاہتے ہیں۔ میری رائے میں سلطان محمد کی اطاعت زیادہ مفید ہے۔ اس صورت میں وہ ہمارے حقوق کا زیادہ لحاظ رکھے گا۔ ایاز نے بھی اس رائے کو پسند کیا اور سلطان محمد سے ملک شاہ اور اس کے تمام امرائے دولت کی جان و مال کی حفاظت کا وعدہ لے کر جمادی الاول ۴۹۸ھ میں حکومت اس کے حوالے کر دی' لیکن سلطان کو ایاز کی جانب سے اطمینان نہ تھا۔ بعض واقعات بھی ایسے پیش آئے' جس سے اس کی بدگمانی اور بڑھ گئی اور اس نے ایاز کو بہانہ سے بلا کر قتل کرا دیا۔ وہ ملک شاہ سلجوقی کے لائق ترین غلاموں میں تھا۔ [1] راوندی اور حمد اللہ مستوفی کا بیان اس سے مختلف ہے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں یہ افسانہ لکھا ہے کہ ایاز نے سلطان محمد کا مقابلہ کیا' لیکن میدان جنگ میں ایاز کی فوج کو سلطان محمد کی فوج کی سمت فضائے آسمانی پر ایسی خوفناک شکلیں نظر آئیں کہ ان کی ہیبت سے ہتھیار ڈال دیئے اور ایاز زندہ گرفتار ہوا' سلطان نے اسے قتل کرا دیا۔ [2]

سلطان محمد بن ملک شاہ

ایاز کے قتل کے بعد سلطان محمد مستظہر کے حضور میں حاضر ہوا۔ وہ بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ پیش آیا اور غیاث الدین محمد قسیم امیر المومنین کا لقب عطا کیا اور اس کی حکومت مسلم ہوگئی۔

سلطان محمد اپنے نامور اسلاف کی خصوصیات کا حامل اور ان کا صحیح جانشین تھا۔ اپنے زمانہ میں اس نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے اور سلجوقی حکومت کو پھر ایک طاقتور سلطنت بنا دیا۔ اس کی بادشاہت مسلم ہونے کے ایک ہی سال بعد ۴۹۹ھ میں اس کے چچیرے بھائی امیر منکبرس نے علم بغاوت بلند کر کے نہاوند پر مخالفانہ قبضہ کر لیا۔ اسی زمانہ میں بنی برسق پر عتاب سلطانی نازل ہوا تھا۔ ان کی جاگیر ضبط ہوگئی تھی اور زنگی بن برسق قید کر دیا گیا تھا۔ منکبرس نے زنگی کے بھائیوں کو ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ زنگی کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے بھائیوں سے کہلا بھیجا کہ اگر تم نے منکبرس کا ساتھ دیا تو میری خیر نہیں۔ اگر مجھے بچانا چاہتے ہو تو منکبرس کو گرفتار کر کے سلطان کے حوالہ کر دو' چنانچہ ان لوگوں نے مدد کے بہانہ سے اس کو بلا کر سلطان کے پاس بھجوا دیا۔ سلطان نے اس خدمت کے صلہ میں زنگی کو رہا کر کے بنی برسق کی جاگیر واگزار کر دی۔ [3]

صدقہ بن وبیس کا قتل

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۱۳۴۔ [2] راحۃ الصدور ص ۱۵۴' و تاریخ گزیدہ ج ۱' ص ۴۵۴۔

[3] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۱۳۹۔

۵۰۱ھ میں سلطان محمد نے اپنے پرانے وفادار امیر سیف الدولہ صدقہ بن منصور اسدی والی حلہ کو قتل کرا دیا۔ وہ سلطان کی وفاداری پر اب تک قائم تھا' لیکن اس کے تقرب اور اس کی شوکت و عظمت کی وجہ سے اس کے حاسدوں نے سلطان کو اس کے خلاف بہت بھڑکایا۔ سیف الدولہ میں ایک وصف یہ تھا کہ وہ ہر طاقتور کے مقابلہ میں کمزوروں کی پشت پناہی کرتا تھا اور اس بارہ میں سلطان محمد کی بھی پرواہ نہ کرتا تھا۔ اتفاق سے ابودلف سرخاب بن کیخسرو والی سادہ پر عتاب سلطانی نازل ہوا' صدقہ نے اسے بھی پناہ دی۔

سلطان نے اس کے پاس کہلا بھیجا کہ وہ سرخاب کو اس کے حوالہ کر دے۔ اس نے انکار کیا اور سلطان کے مقابلہ میں اس کی پوری امداد و حمایت کے لئے آمادہ ہو گیا۔ اس قسم کے بعض واقعات اور پیش آئے۔ اس لئے سلطان نے اس پر فوج کشی کر دی۔ سیف الدولہ نے اس کا مقابلہ کیا اور بہادری کے ساتھ لڑ کر جان دے دی۔ [1]

والی موصل کی سرکشی اور موصل پر سلطانی قبضہ

موصل کے والی جاؤلی سقاؤ کا رویہ سلطان کے ساتھ باغیانہ تھا۔ اس نے خراج دینا بند کر دیا تھا اور سیف الدولہ اور سلطان کی جنگ میں اس نے سیف الدولہ کی حمایت کی تھی۔ اس لئے اس سے فراغت کے بعد سلطان نے جاولی کے مقابلہ میں فوجیں بھیجیں۔ وہ مقابلہ کے انتظام کے لئے موصل سے باہر چلا گیا اور سلطانی فوجوں نے موصل کا محاصرہ کر لیا۔ جاؤلی کے بیوی بچے اور کچھ فوج موصل کے قلعہ میں تھی۔ ان لوگوں نے اہل موصل پر زیادتی کی۔ اس لئے وہ سب اس کے خلاف ہو گئے اور سلطانی فوجوں نے آسانی کے ساتھ شہر پر قبضہ کر لیا۔ جاؤلی کی بیوی امیر مودود کی اجازت سے اپنا مال و متاع لے کر اپنے بھائی امیر برسق بن برسق کے پاس چلی گئی اور موصل کا علاقہ سلطانی قبضہ میں آ گیا۔

باطنیوں کی مصیبت

سرزمین عجم میں باطنیوں کی تبلیغ و اشاعت کا مختصر حال ملک شاہ کے زمانہ میں گزر چکا ہے۔ ملک شاہ کی وفات کے بعد اس کے جانشینوں کی خانہ جنگی کے زمانہ میں باطنیوں کی قوت بہت بڑھ گئی اور انہوں نے عجم کے بہت سے قلعوں اور قہستان کے پورے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ [2]

ملک شاہ کے زمانہ ہی میں ان کی تاخت و تاراج اور قتل و غارت کی وارداتیں شروع ہو گئی

[1] ابوالفدا ء ج ۲' ص ۲۲۲۔ [2] ابن اثیر نے ان قلعوں کی پوری تفصیل لکھی ہے' دیکھو ج ۱۰' ص ۱۱۰۔

تھیں۔ قلعوں پر قبضہ کے بعد ان کی جسارت اور بڑھ گئی اور انہوں نے بے دریغ خونریزی شروع کر دی اور چند دنوں کے اندر ہزاروں مسلمانوں کو جن میں بہت سے اکابر علما و فضلا اور امرا تھے' قتل کر ڈالا۔ قتل کی وارداتیں اتنی عام ہو گئی تھیں اور لوگوں پر اتنا خوف و ہراس طاری ہو گیا تھا کہ کوئی شخص تنہا گھر سے نکلنے کی ہمت نہ کرتا تھا' اگر باہر جانے والے مقررہ وقت پر گھر واپس نہ آ جاتے تو گھر والوں کو ان کی موت کا یقین ہو جاتا۔ اور وہ عزاداری کے مراسم ادا کرنا شروع کر دیتے۔ [1]

خاص اصفہان کا علاقہ بھی محفوظ نہ تھا۔ ایک باطنی رئیس احمد بن عطاش نے اصفہان کے قریب ایک قلعہ سیاہ در پر قبضہ کر لیا تھا۔ [2] شہر اصفہان تک میں ان کا ایک مخفی مرکز قائم تھا۔ روزانہ قتل کی وارداتیں ہوتی تھیں اور پتہ نہ چلتا تھا۔ باطنی مختلف بھیسوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ اصفہان میں ایک اندھا باطنی روزانہ ایک تاریک اور پر پیچ گلی کے سرے پر کھڑا ہو جاتا اور جو راہ گیر نکلتا اس سے کہتا بابا اللہ بھلا کرے' اندھے کو اس کے گھر تک پہنچا دو۔ لوگ رحم کھا کر ساتھ ہو جاتے اور جیسے ہی باطنیوں کی کمین گاہ تک پہنچتے' باطنی ان کو پکڑ لے جاتے۔ اس طریقہ سے چار پانچ مہینوں کے اندر سینکڑوں آدمی لا پتہ ہو گئے اور ان کی گمشدگی کا کوئی سراغ نہ ملتا تھا۔ اتفاق سے ایک دن ایک بھکارن مانگتے مانگتے کمین گاہ کے دروازہ پر پہنچ گئی اور اندر سے نالہ و فریاد کی آواز سن کر بھاگ نکلی اور لوگوں سے بیان کیا کہ فلاں گھر میں میں نے نالہ و فریاد کی آوازیں سنی ہیں۔ قتل کی وارداتوں سے لوگوں کو جستجو تھی ہی' اتنا سراغ پا کر ہزاروں آدمی اس گھر میں گھس گئے۔ وہاں پورا مقتل نظر آیا۔ زمین دوز تہ خانوں میں کئی سو آدمی سزا بھگت رہے تھے۔ بہت سے مر چکے تھے' کچھ نیم جان تھے' بعض دیواروں میں میخوں سے ٹھکے ہوئے تھے۔ اس انکشاف سے شہر میں ایک شور بپا ہو گیا اور اصفہان ماتم کدہ بن گیا۔ [3]

خود سلطانی فوج میں سپاہی کے بھیس میں ہزاروں باطنی تبلیغ و اشاعت کر رہے تھے۔ جو شخص ان کی مخالفت کرتا اس کو قتل کی دھمکی دیتے۔ جان کے خوف سے کوئی شخص بھی مخالفت کی جرأت نہ کرتا تھا۔ بڑے بڑے امرا پوری احتیاط کرتے تھے۔ اتفاق سے سلطان برکیارق اور سلطان محمد کی جنگ کے زمانہ میں باطنیوں کے ہاتھ سے جو امیر مارے گئے تھے' وہ سب سلطان محمد کی جماعت کے تھے۔ اس لئے سلطان محمد کے مخالفین نے خود اسے باطنیت سے متہم کر دیا تھا۔ اس لئے برکیارق کو ان کے استیصال کی طرف توجہ کرنی پڑی اور اس نے سب سے اول اپنی فوج کے باطنیوں کو تلاش کر کر کے قتل کرایا۔ اس سلسلہ میں بہت سے امرا بھی مارے گئے۔ [4] فوج کے علاوہ جہاں جہاں ان کے جتھے مل سکے' ان کا استیصال

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۱۰۹۔ [2] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۱۱۰۔
[3] راحۃ الصدور ص ۱۵۷' ۱۵۸۔ [4] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۱۱۲۔

کیا گیا۔ اس سلسلہ میں بھی بہت سے امرا جن پر باطنیت کا شبہ تھا' قتل ہوئے۔ مدرسہ نظامیہ کے ایک مدرس کیا ہراسی باطنیت کے الزام میں پکڑے گئے اور مستظہر کی شہادت پر انہیں رہائی ملی۔ [1]

باطنیت کا الزام ایسا سنگین تھا کہ اس کا داغ صرف تلوار دھو سکتی تھی۔ اس لئے اس عام دار و گیر میں بہت سے ناکردہ گناہ بھی مارے گئے۔ مختلف امرا اور بااثر اشخاص نے اپنی اپنی جگہ پر علیحدہ ان کا استیصال کیا' چنانچہ جاؤلی سقاؤ والی موصل' تیران شاہ والی کرمان شاہ اور ابوالقاسم مسعود بن محمد خجندی نے ہزاروں باطنیوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ [2]

اس سختی سے اس کا زور کسی قدر گھٹا' لیکن سلجوقیوں کی خانہ جنگی کی وجہ سے پھر انہیں طاقت پکڑنے کا موقع مل گیا' اور ۴۹۸ھ میں انہوں نے بیہق کے نواح میں قتل و غارت شروع کر دی' رے کے قریب حاجیوں کے ایک بڑے قافلہ کو جس میں خراسان ماوراء النہر اور ہندوستان تک کے حجاج تھے' تہ تیغ کر ڈالا اور اس کا کل سامان لوٹ لیا۔ [3]

اصفہان کے نواح میں بھی قلعہ سیاہ دراب تک احمد بن عطاش کے قبضہ میں تھا۔ وہ بے شمار مسلمانوں کو قتل کر چکا تھا اور زمینداروں اور سلطانی عمال تک سے ٹیکس وصول کرتا اور سب جان کے خوف سے ادا کرتے تھے۔ [4]

اس لئے سلطان محمد کو بھی اس کی طرف توجہ کرنا پڑی اور اس نے سیاہ در پر فوج کشی کر کے اس کا محاصرہ کیا۔ احمد بن عطاش نے چند دنوں تک مدافعت کی کوشش کی' لیکن پھر اس کا سامان رسد ختم ہو گیا۔ اس نے سلطان محمد کے وزیر سعد الملک اوجی کے پاس جو در پردہ باطنی تھا' کہلا بھیجا کہ اگر تم نے سامان رسد بھیجنے کا کوئی انتظام نہیں کیا تو میں قلعہ حوالہ کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔ سعد الملک نے جواب میں کہلایا کہ چند دن اور توقف کرو میں اس کتے (سلطان محمد) ہی کا کام تمام کرائے دیتا ہوں۔

سلطان محرور المزاج تھا' ہر مہینہ فصد لیا کرتا تھا۔ سعد الملک نے شاہی فصاد کو رشوت دے کر زہر آلود نشتر سے فصد دینے پر آمادہ کر لیا۔ سلطان کو اس کی خبر ہو گئی اور فصاد کو بھی اس کا اقرار کرنا پڑا۔ سلطان نے زہر آلود نشتر سے سعد الملک کو فصد دلوائی اور وہ ختم ہو گیا۔ سعد الملک کی موت کے بعد احمد بن عطاش قلعہ حوالہ کرنے پر مجبور ہو گیا۔ سلطان نے اسے گرفتار کر لیا اور نہایت ذلت کے ساتھ اس کی تشہیر کر کے قتل کیا اور اس کا قلعہ مسمار کرا دیا۔ [5]

۵۰۳ھ میں سلطان نے اپنے وزیر نظام الملک بن احمد بن نظام الملک کو باطنیوں کے اصل

---

[1] ابن خلدون ج ۵ ص ۲۶' ۲۷۔ [2] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۰۹ و ۱۱۱۔ [3] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۳۴۔

[4] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۵۱۔ [5] راحۃ الصدور ص ۱۵۸ تا ۱۶۱ ملخصاً و تاریخ گزیدہ ج ۱ ص ۴۵۴' ۴۵۵۔

مرکز قلعہ الموت کی تسخیر پر مامور کیا۔ اس نے فوج کشی کر کے اس کا محاصرہ کر لیا' لیکن چند دنوں کے بعد گرمی کی شدت کی وجہ سے اس کو لوٹ آنا پڑا۔ اس کی واپسی کے بعد ایک باطنی نے حملہ کر کے اس کو زخمی کر دیا۔ زخم اوچھا لگا تھا' چند دنوں میں شفایاب ہو گیا۔ اس کے دو سال بعد یہ مہم امیر انوشتگین شیر گیر کے متعلق ہوئی اور متعدد امرا اس کی مدد پر مامور ہوئے۔ انہوں نے قلعہ کلام اور قلعہ بیرہ باطنیوں کے کئی قلعے فتح کیے۔ امیر انوشتگین نے بڑے اہتمام سے قلعہ الموت کا محاصرہ کر لیا اور یہاں مکانات بنوا کر مستقل قیام کر دیا۔ سلطان برابر سامان رسد اور فوجیں بھیجتا رہا۔ حسن بن صباح نو دس سال تک مدافعت کرتا رہا۔ آخر میں جب اس کا سامان رسد ختم ہو گیا اور محصورین کی جان پر آ بنی تو حسن بن صباح اس شرط پر قلعہ حوالہ کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا کہ اسے بیوی بچوں سمیت نکل جانے دیا جائے' لیکن انوشتگین نے اسے منظور نہ کیا اور اہل قلعہ کی جانکنی کی نوبت پہنچ گئی۔ عین اس وقت سلطان محمد کی موت کی خبر آ گئی' اس لئے انوشتگین محاصرہ اٹھا کر لوٹ گیا۔ [1]

پہلی صلیبی جنگ

مستظہر کے دور کا سب سے اہم واقعہ صلیبی جنگ کا آغاز ہے' اگرچہ اس کو براہ راست خلافت بغداد سے کوئی تعلق نہیں ہے' لیکن صلیبی جنگ نہ صرف دنیائے اسلام بلکہ اس زمانہ کا مشرق و مغرب کا نہایت اہم واقعہ ہے' جس کا سلسلہ دو صدیوں تک قائم رہا۔ ساری دنیائے اسلام اس سے متاثر ہوئی اور اس کا آغاز سلجوقیوں کی مخالفت سے ہوا اور اس کے دفاع میں ان کا بڑا حصہ رہا ہے۔ اس لئے اس کے مختصر حالات لکھے جاتے ہیں۔

قدیم یورپین مؤرخین نے ان لڑائیوں کو خالص مذہبی رنگ دے دیا ہے' لیکن درحقیقت اس کے اسباب مذہبی سے زیادہ سیاسی تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ پانچویں صدی ہجری میں جنوبی یورپ میں مسلمانوں کی قوت کمزور پڑ گئی تھی۔ سسلی کا جزیرہ ان کے ہاتھوں سے نکل گیا تھا۔ اسپین میں بھی ان کا شیرازہ منتشر ہو رہا تھا۔ ان کی متحدہ قوت چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گئی تھی جو نہ صرف آپس میں دست و گریباں رہتی تھیں' بلکہ ایک دوسرے کی رقابت میں عیسائیوں کے ساتھ مل جانے میں بھی دریغ نہ کرتی تھیں' جس سے اندلس میں مسلمانوں کی قوت روز بروز کمزور پڑتی جاتی تھی اور عیسائیوں کی قوت بڑھتی جاتی تھی۔ ان کی متعدد حکومتیں قائم ہو گئی تھیں۔ مشرقی اسپین کی عیسائی حکومت اتنی طاقتور ہو گئی تھی کہ اس کا فرمانروا الفانسو دوم اسلامی حکومتوں سے خراج وصول کرتا تھا اور عیسائی دنیا کو یقین ہو گیا تھا کہ

[1] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۱۸۵' ۱۸۶۔

اسپین سے مسلمانوں کے خاتمہ کا وقت قریب آ گیا۔
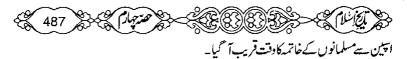
عین اسی زمانہ میں شمالی افریقہ میں مرابطین کی نئی اور تازہ دم قوت ابھر رہی تھی۔ اندلس کے مسلمان عیسائیوں کے مقابلے میں اپنی بے بسی دیکھ کر مرابطی حکومت کے گل سر سبد یوسف بن تاشقین سے مدد کے طالب ہوئے۔ وہ ۴۷۹ھ میں ایک لشکر جرار لے کر اندلس پہنچا اور زلاقہ کے معرکہ میں عیسائیوں کی متحدہ قوت کو نہایت فاش شکست دی۔ الفانسو دوم اس جنگ میں سخت زخمی ہوا اور اس کی قوت برباد ہو گئی۔ اسپین سے یوسف بن تاشقین کی واپسی کے بعد پھر یہاں کی زوال پذیر اسلامی حکومتوں میں جنگ وجدال کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جس کا لازمی نتیجہ ان کی تباہی تھی۔ اس لئے یوسف نے دوبارہ فوج کشی کر کے سرقسطہ کی ہودی حکومت کے سوا جس نے عیسائیوں کے دامن میں پناہ لی تھی' باقی تمام اسلامی حکومتوں کو ختم کر کے متحدہ حکومت قائم کر دی۔ یوسف کی قوت اتنی مضبوط تھی کہ اندلس پر عیسائیوں کے قبضہ کا خواب پریشان ہو گیا جس سے ساری عیسائی دنیا متاثر ہوئی۔

دوسری سمت مشرقی یورپ کی سرحد پر بھی مسلمانوں کی قوت روز افزوں ترقی پر تھی۔ سلجوقیوں نے قیصر ارمانوس کو شکست دے کر خراج وصول کیا تھا اور خاص یونانی علاقے اور ایشیائے کوچک کو فتح کر کے یہاں مستقل حکومت قائم کر لی تھی [1] جس سے قسطنطنیہ کی حکومت کو دائمی خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔

آلیور تھیچر اور فرڈیننڈ کا بیان ہے کہ طغرل بیگ کے جانشین مغرب میں برابر اپنی فتوحات بڑھاتے گئے۔ یہاں تک کہ تمام ایشیائے کوچک کو انہوں نے شہنشاہ الیکزیس کے ہاتھ سے نکال لیا اور خود قسطنطنیہ ان کی وجہ سے خطرہ میں پڑ گیا۔ [2]

> اے جے گرانٹ لکھتا ہے: ''ترکان آل سلجوق نے بغداد پر قبضہ کر کے اسلام میں ایک نئی روح پھونک دی اور شام و فلسطین پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا تھا۔ [3] یروشلم کے مسیحی زائرین کو ان سے تکلیفیں پہنچنے لگیں اور تمام یورپ ان کی داستان مصیبت سے گونج اٹھا۔ (اس کی حقیقت آئندہ ظاہر ہو گی) ترک اس کے بعد ایشیائے کوچک میں گھس گئے اور ۱۰۷۱ء میں سیکرت میں انہوں نے ایک شہنشاہی فوج کو شکست دی اور شہنشاہ کو

---

[1] اس حکومت کا بانی قتلمش بن اسرائیل تھا۔ ۴۵۶ھ میں یہ حکومت قائم ہوئی اور ۷۱۸ھ میں ترکان عثمانی نے اس کا خاتمہ کیا۔ ان میں سترہ حکمران ہوئے۔

[2] تاریخ یورپ آلیور تھیچر' ج ۱' ص ۲۸۱ ترجمہ اردو دار الترجمہ حیدر آباد دکن۔

[3] فلسطین و شام میں بھی سلجوقی حکومت قائم ہو گئی تھی' جو دولت بوریہ کے نام سے موسوم تھی۔ اس کا بانی تاج الدولہ تتش ارسلان تھا۔ ۴۷۱ھ میں یہ حکومت قائم ہوئی اور ۵۴۹ھ میں نور الدین محمود زنگی اتابکی کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا۔

گرفتار کر لیا (قیصر ارمانوس مراد ہے‘ جس کی گرفتاری کا حال اوپر گزر چکا ہے۔)

مسلمانوں کی طرف سے یورپ کو آٹھویں صدی کے بعد سے کوئی ایسا خطرہ نہیں پیش آیا تھا‘ کیونکہ مشرق کے علاوہ مغرب میں بھی ان کی فتوحات کا سلسلہ جاری تھا۔ ہسپانیہ میں جو چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں‘ وہ کچھ سنبھلنے لگی تھیں‘ مگر یہاں بھی مسلمانوں کا اقبال زور پر تھا اور ۱۰۸۶ء میں زلاقہ کی عظیم الشان جنگ میں مسیحیوں کو شکست ہوئی۔ (الفانسو دوم اور یوسف بن تاشقین کی جنگ کی طرف اشارہ ہے) اس طرح آٹھویں صدی کی طرح پھر یورپ کے دونوں محاذوں پر خطرہ موجود تھا اور سخت ضرورت تھی کہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹا دیا جائے‘‘۔ [1]

سب سے زیادہ خطرہ مشرقی یورپ میں تھا‘ جہاں سلجوقی قسطنطنیہ کے قریب پہنچ گئے تھے‘ چنانچہ قیصر الیکز یس نے ان کو روکنے کے لئے یورپ کی حکومتوں سے مدد طلب کی۔ [2] اور اس کے حصول کے لئے قسطنطنیہ کا مشرقی کلیسا روم کے مغربی کلیسا کے سامنے جھکنے کو تیار ہو گیا۔ [3]

اتفاق سے اسی زمانہ میں بعض ایسے اسباب پیدا ہو گئے جن سے پوپ اور اربن دوم کو ایک مذہبی بہانہ ہاتھ آ گیا۔ شام و فلسطین کی سلجوقی حکومت نے بیت المقدس کے مسیحی زائروں کی بے عنوانیوں کی وجہ سے ان پر کچھ پابندیاں عائد کر دیں۔ لیبان کا بیان ہے:

> ’’قسطنطین کے وقت سے اور علی الخصوص اس زمانہ سے جب ہارون الرشید اور شارلیمین کے مابین پیام وسلام ہوا‘ عیسائیوں کی زیارت فلسطین جاری رہی اور روز بروز بڑھتی گئی۔ ان زائرین کے بعض گروہ تو فی الواقع ایک فوج کی حیثیت رکھتے تھے۔ ایک قسیس رچرڈ اپنے ساتھ سات سو آدمی لے گیا‘ جو وہاں تک نہ پہنچ سکے اور سائپرس واپس آ گئے۔ ۱۰۲۴ء میں شیر فراے میانس کا بطریق اور چار بطریق اور اپنے سات ہزار زائرین کا گروہ لے گئے۔ ان میں بہت سے سردار اور امرا تھے‘ جو بدویوں اور ترکمانوں سے لڑتے بھی تھے‘ بیت المقدس کی زیارت اس قدر مشکل اور پر خطر ہو گئی کہ پادریوں نے مجرموں کے لئے اسے سزا قرار دیا تھا۔ اس زمانہ میں بڑے بڑے مجرم بہت ہی کثرت سے تھے اور چونکہ دوزخ کی آگ کا خوف شدت سے تھا‘ اس لئے زائرین کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی‘ بہ استثنا چند راسخ الاعتقاد اشخاص

---

[1] تاریخ یورپ اے جے گرانٹ ص ۴۵۳‘ ۴۵۴ ترجمہ اردو۔

[2] تاریخ یورپ اے جے گرانٹ ص ۴۵۳‘ ۴۵۴ ترجمہ اردو‘ وتاریخ یورپ الیور تھیچر ج ۱‘ ص ۳۵۰۔

[3] خطط الشام کرد علی ج ۱‘ ص ۲۷۶۔

> کہ بیت المقدس کے اکثر زائرین اس قسم کے بدمعاش ہوتے تھے، جن کی فطرت میں ہر قسم کی شرارت بھری ہوتی تھی اور جنہیں محض دوزخ کی آگ میں جلنے کا خوف اتنی دور لے جاتا تھا۔
>
> ان زائروں کی تعداد روز بروز اس درجہ بڑھتی گئی اور ان کے اطوار بتدریج اس قدر بگڑتے گئے کہ ترکمانوں نے جو اس وقت شام کے حاکم تھے اور عربوں کے جیسے متحمل اور رواداری نہ تھے انہیں روکا اور اصرار کیا کہ بلا اجازت کے وہ ایک اسلامی ملک میں زیارت کے لئے نہ آئیں۔ بعوض اس کے کہ وہ بیت المقدس میں نہایت شان سے باجے بجاتے ہوئے اور مشعلیں روشن کئے ہوئے (جیسا کہ عربوں کے زمانہ میں دستور تھا) داخل ہوں، ترکمانوں نے انہیں مجبور کیا کہ وہ نہایت فروتنی کے ساتھ آئیں، بلکہ ان پر انواع واقسام کے تشدد بھی کئے"۔ [1]

اتفاق سے اسی زمانہ میں فرانس کا پیٹر نامی ایک راہب بیت المقدس کی زیارت کو گیا۔ لیبان نے مخبوط الحواس اور متعصب کے لقب سے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ [2] وہ بیت المقدس کو مسلمانوں کے ہاتھ میں دیکھ کر بہت متاثر ہوا۔ یہاں کے بطریق سمعان نے مدفن مسیح پر مسلمانوں کے قبضہ اور عیسائیوں پر ان کے مظالم کی فرضی داستان سنا کر اس کے جذبات کو اور زیادہ بھڑکایا اور وہ بیت المقدس کو مسلمانوں کے ہاتھ سے چھڑانے پر آمادہ ہو گیا۔ [3] یہاں سے واپسی پر وہ سیدھا روم پہنچا اور پاپائے روم اربن دوم سے مل کر ساری داستان سنائی۔ مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کے سیاسی اسباب جن کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے، پہلے سے موجود تھے۔ پیٹر کی فریاد سے پوپ کو ایک مذہبی بہانہ ہاتھ آ گیا اور وہ اس مقدس کام میں مدد دینے کے لئے آمادہ ہو گیا اور پیٹر کو یورپ کی حکومتوں کے نام سفارشی خطوط دے کر عیسائی دنیا میں مقدس جہاد کی منادی پر مامور کیا۔ [4] وہ پوپ کا اجازت نامہ لے کر سارے فرانس و اٹلی میں روتا پیٹتا پھرا اور زائرین بیت المقدس پر مسلمانوں کے مظالم بیان کر کے ان کے خلاف سارے یورپ میں جوش پیدا کر دیا۔ [5]

اس کے بعد پوپ اربن دوم نے ۱۰۹۵ء میں فرانس کے شہر کلرمون میں عیسائی دنیا کی ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی۔ اس میں مختلف ملکوں کے اتنے نمائندے شریک ہوئے کہ کسی ایک مکان میں ان کی جگہ نہ نکل سکی اور چند فروعی امور کے تصفیہ کے بعد پوپ نے مجمع کو مخاطب کیا اور

---

[1] تمدن عرب ص ۲۹۳ ترجمہ اردو۔
[2] تمدن عرب ص ۲۹۴ ترجمہ اردو۔
[3] الاخبار السنیہ فی الحروب الصلیبیہ ص ۴۔
[4] الاخبار السنیہ ص ۴ و تمدن عرب ص ۲۹۴۔
[5] تاریخ یورپ اے جے گرانٹ ص ۳۵۵

مسلمانوں پر حملہ آور ہونے پر ترغیب دی اور اس مقصد کے لئے اس نے انجیل کی ایک آیت کے معنی غلط بیان کئے۔ اس قسم کی معنی آفرینیاں قرون وسطیٰ میں آئے دن ہوتی رہتی تھیں۔ پوپ نے اس آیت کا مطلب یہ بیان کیا کہ اس وقت جو شخص اپنی صلیب کو نہ اٹھائے گا اور میرے ساتھ نہ چلے گا' وہ میرا پیرو نہیں ہے۔ ❶

بقول اے جے گرانٹ ''اس زمانہ میں دیوانہ پن کی ایک وبا یورپ میں پھیلی ہوئی تھی۔ پوپ گویا کلیسا کی زبان تھا اور جو احکام اس کی زبان سے نکلتے تھے۔ ان پر تمام یورپ امنا و صدقنا کہتا تھا۔ ❷

اس لئے پوپ کی تقریر سے حاضرین میں ایک مجنونانہ جوش پیدا ہو گیا اور سب چلا اٹھے کہ اللہ کی یہی مرضی ہے' اللہ کی یہی مرضی ہے اور سرخ کپڑے کی صلیبیں اپنے سینوں پر لگا کر اس عظیم الشان مہم کے لئے تیار ہو گئے اور مردوں' عورتوں اور بچوں کا ایک انبوہ کثیر پیٹر زاہد کی قیادت میں روانگی کے لئے آمادہ ہو گیا۔ ❸

لیبان کے بیان کے مطابق ان مقدس مجاہدین کا یہ حال تھا کہ

> ''جنت ملنے کے علاوہ ہر شخص کو اس میں حصول مال کا بھی ایک ذریعہ نظر آتا تھا۔ کاشتکار جو زمین کے غلام اور آزادی پر جان دیتے تھے۔ خاندانوں کی اولاد اصغر جو قانون وراثت کی رو سے محروم الارث تھی۔ امرا جنہیں آبائی جائیداد کا حصہ کم ملتا تھا اور جنہیں دولت کی خواہش تھی راہب جو خانقاہی زندگی کی سختیوں سے عاجز آ گئے تھے' غرض کل مفلوک الحال اور ممنوع الارث اشخاص جن کی تعداد بہت تھی' اس میں شریک تھے۔ ❹
>
> ''ان کی اخلاقی حالت یہ تھی کہ اس خالص جذبہ مذہبی میں حرص و ہوا' خودغرضی' ظلم و ستم' انتقام و منافرت اور جنگ و خونریزی کے عناصر شامل ہو گئے۔ انہیں صرف مسلمانوں ہی سے نفرت نہ تھی بلکہ غریب یہودی بھی جو مغرب میں آباد تھے' گرفتار مصیبت ہو گئے۔ مالی نقصان کے علاوہ انہیں سخت جسمانی تکلیفیں پہنچائی گئیں اور طرفہ تماشا یہ تھا کہ ان کی بدکرداریوں کے بانی وہ لوگ تھے جو اس سرزمین کو آزاد کرانے جا رہے تھے جہاں مسیح نے تمام بنی آدم کے لئے اپنی جان دی تھی''۔ ❺

❶ تاریخ یورپ اے جے گرانٹ ص ۳۵۵۔ ❷ تاریخ اے جے گرانٹ ص ۳۵۱۔
❸ تاریخ یورپ اے جے گرانٹ ص ۳۵۵۔ ❹ تمدن عرب ص ۲۹۵۔
❺ تاریخ یورپ اے جے گرانٹ ص ۳۵۵۔

غرض صلیبی مجاہدین کا یہ بے نظام انبوہ جس کی تعداد تیرہ لاکھ تھی پیٹر راہب اور ایک مفلس سردار گوتیر کی قیادت میں قسطنطنیہ روانہ ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا' گویا سارا یورپ ایشیا پر چڑھ دوڑا ہے۔ راستہ میں جا بجا ان مجاہدین کی آؤ بھگت ہوئی' لیکن بلغاریہ والوں نے مفت سامان رسد دینے سے انکار کر دیا۔ ان کے انکار پر ان حامیان دین نے دیہاتوں کو لوٹنا اور اس کے باشندوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ بلغاریوں نے بھی' جو اس کے عادی نہ تھے' ان سے پورا بدلہ لیا۔ ہزاروں کو مارا اور دریا میں غرق کر دیا۔ باقی بھاگ کر کسی طرح قسطنطنیہ پہنچے۔ یہاں مختلف ملکوں کے مجاہدین کے گروہ پہنچ چکے تھے۔ ان سب نے مل کر قتل و غارت اور انواع و اقسام کے مظالم شروع کر دیئے۔ قیصر الیکز لیس نے عاجز آ کر باسفورس پار ایشیائے کوچک کی طرف ہانک دیا۔ یہاں ان کی وحشت و درندگی اور زیادہ بڑھ گئی اور انہوں نے بلا امتیاز مسلمان و عیسائی دونوں کے ساتھ وحشیانہ افعال شروع کر دیئے۔ ان کا محبوب شغل یہ تھا کہ جو بچہ ان کے سامنے آ جاتا اس کی تکا بوٹی کر کے آگ میں جلا دیتے۔

قلیج ارسلان سلجوقی والی قونیہ نے ان کی وحشت کا ان سے پورا انتقام لیا اور جانوروں کی طرح ان کا قتل عام کیا اور قریب قریب پوری فوج برباد ہو گئی۔ [1]

اس درمیان میں یورپ کی حکومتوں کی فوجیں بھی تیار ہو گئیں اور یورپ کے فرمانرواؤں نے اپنے اعزہ اور امرا کی قیادت میں ان کو روانہ کیا۔ شمالی فرانس کی فوجیں فلپ اول کے بھائی ہیگو آف ورمینڈو استفن کی قیادت میں تھیں۔ جنوبی فرانس کی ریمنڈ کاؤنٹ ٹولوز کی نارمنوں کی شاہ انگلینڈ کے بھائی رابرٹ کی' رائن کے جرمنوں اور فرانسیسیوں کی کاڈفری رئیس بویلون کی' جنوبی اٹلی و سسلی کی بوئمنڈ اور ٹنکرڈ کی قیادت میں روانہ ہوئیں۔ ان کے علاوہ یورپ کے اور بہت سے امرا بھی شریک تھے۔

ان فوجوں کی تعداد دس لاکھ تھی۔ اس میں جس قسم کے عناصر شامل تھے اور ان کے پیش نظر جو مقاصد تھے' ان کے متعلق آلیور تھیچر کا بیان ہے کہ

نصرانیوں کا یہ لشکر مختلف و متبائن عناصر سے مرکب تھا۔ پاپا کا ارشاد ہو چکا تھا کہ جو لوگ اس راہ میں شہید ہوں گے' ان کے سب گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ بہتوں نے اس ارشاد کے اعتماد پر خالص مذہبی جوش سے اس میں شرکت کی تھی۔ بہت سے ایسے لوگ اس میں شریک ہو گئے تھے جو ادائی قرض سے بچنا چاہتے تھے' یا اپنے خاندانوں سے بھاگ آئے تھے۔ بہت سے مجرم تک اس میں شریک تھے اور جرائم کی سزا سے جان بچانا چاہتے تھے۔ بہت سے نیم غلام اپنے آقاؤں کی سخت گیری سے تنگ

---

[1] تمدن عرب ص ۲۹۶۔

آ کر اس میں آ ملے تھے۔ بہت سے منچلے اس لئے داخل ہو گئے تھے کہ سیر و سیاحت و معرکہ آرائی کا لطف آئے گا۔ یہ عام سپاہیوں کا حال تھا۔ سرداران فوج تمام تر اس غرض سے شریک ہوئے تھے کہ ان کے اقتدار میں اضافہ ہو اور مشرقیوں اور یونانیوں سے حاصل کئے ہوئے علاقوں پر مشرق میں اپنی آزاد حکومت قائم کریں۔ پوپ کا مقصد بے شک مقامات مقدسہ کا آزاد کرانا تھا' مگر اس کے ساتھ ہی یہ غرض بھی پیش نظر تھی کہ مشرق میں ان کا مذہبی اقتدار قائم ہو جائے (مشرق کی عیسائی دنیا قسطنطنیہ کے مشرقی کلیسا کے ماتحت تھی' جس کو روم کے کلیسا کے ساتھ ہمیشہ چشمک رہتی تھی) اٹلی کے جو شہر اس پہلے محاربے میں شریک ہوئے' ان کی اصل غرض یہ تھی کہ اپنی تجارت کو پھیلائیں اور مشرقی سواحل پر اپنے خاص حقوق قائم کریں۔ [1]

اے جے گرانٹ لکھتا ہے کہ جب کلیسا کے حکم سے زرخیز مشرقی ممالک میں لڑنے اور فتوحات حاصل کرنے کا موقع ہاتھ لگا تو امرائے جاگیری نے اسے نہایت زریں موقع خیال کیا اور جنگ کے لئے فوراً تیار ہو گئے۔ [2]

خود یورپین مؤرخین کے ان بیانات سے ظاہر ہے کہ اس مقدس جہاد کے اصل مقاصد کیا تھے۔ بہرحال صلیبی فوجیں بحری اور بری دونوں راستوں سے علی الترتیب ہیگو آف ورمنڈ اور گاڈ فری کی قیادت میں قسطنطنیہ روانہ ہوئیں۔ الیکز یس ان کے اصل مقاصد سے غافل نہ تھا۔ اس لئے صلیبیوں کے قسطنطنیہ پہنچنے کے قبل ہی ان میں اور الیکز یس میں اختلاف شروع ہو گیا۔ الیکز یس کا کہنا تھا کہ اس کے پرانے مقبوضات واپس لینے کے بعد اسے ملنے چاہئیں اور صلیبی ان کو آپس میں تقسیم کرنا چاہتے تھے۔ [3]

یہ اختلاف اتنا بڑھا کہ ہیگو آف ورمنڈ رومی سلطنت کے ساحل پر اترتے ہی الیکز یس کے حکم سے گرفتار کر لیا گیا۔ گاڈ فری کو جو بری راستہ سے آ رہا تھا اور رومی حدود سلطنت میں داخل ہو چکا تھا' اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے الیکز یس کے ملک میں قتل و غارت شروع کر دی۔ اس سے الیکز یس کو بڑی تشویش پیدا ہو گئی اور اس نے ہیگو کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ آئندہ اس کے احکام کی پوری پابندی کرے گا اور اس کے منشا کے خلاف کوئی کام نہ کرے گا۔ صلیبی اس شرط پر بگڑ کر الیکز یس سے لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس نے ان کو دبانے کے لئے اپنی رعایا کو ان کے ہاتھ خرید و فروخت کرنے سے روک دیا۔ اس کے جواب میں صلیبیوں نے دیہاتوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ اس لئے الیکز یس کو ممانعت اٹھا لینی پڑی۔

---

[1] تاریخ یورپ الیور تھیچر ج ۱ ص ۲۸۳۔ [2] تاریخ یورپ اے جے گرانٹ ص ۳۵۲۔

[3] تاریخ اے۔ جے گرانٹ ص ۳۵۶۔

ایک دوسرے سردار بوہمینڈ آف تارنت نے خاص قسطنطنیہ پر قبضہ کر لینے کا ارادہ کیا۔ اس وقت الیکزیس کو مجبور ہو کر گاڈفری سے جو صلیبی فوج کا سپہ سالار اعظم تھا' صلح کرنی پڑی' اور دونوں میں مفاہمت ہو گئی صلیبیوں نے حلف لے کر وعدہ کیا کہ وہ اس کے مقبوضات اسے واپس کر دیں گے' اس مفاہمت کے بعد الیکزیس نے صلیبیوں کو ہر ممکن مدد پہنچانے کا وعدہ کیا اور اپنے ممالک محروسہ میں اعلان کر دیا کہ صلیبی فوجیں جہاں جہاں سے گزریں وہاں کے باشندے ان کو سامان رسد اور دوسری سہولتیں بہم پہنچائیں۔ [1]

اس مصالحت کے بعد ۱۰۹۷ء میں صلیبی فوجیں گاڈفری کی قیادت میں باسفورس کو عبور کر کے ایشیائے کوچک میں اتریں اور سلجوقیوں کے پایہ تخت قونیہ کا محاصرہ کیا۔ قلج ارسلان سلجوقی نے بڑی شجاعت سے مدافعت کی' لیکن دونوں کی قوت میں کوئی تناسب نہ تھا۔ اس لئے آخر میں قلج ارسلان کو شکست ہوئی۔ [2] الیور تھیچر کا بیان ہے کہ دوران محاصرہ میں خود قیصر الیکزیس نے قلج ارسلان کو مطیع بنا لیا۔ صلیبیوں میں اس سے بڑی برہمی پیدا ہوئی کہ انہیں لوٹنے کا موقع نہ مل سکا۔ [3] قونیہ کے بعد صلیبی فوجیں شام کی طرف بڑھیں اور انطاکیہ کا محاصرہ کیا۔ یہاں کے سلجوقی والی باغیسیان نے پوری مدافعت کی۔ جب محاصرہ زیادہ طول کھینچا تو صلیبیوں نے رشوت دے کر شہر پناہ کے ایک محافظ کو ملا لیا۔ اس نے ایک دروازہ کھول دیا اور صلیبی فوجیں شہر میں داخل ہو گئیں اور اس کی پوری مسلمان آبادی کو تہ تیغ کر دیا اور ان کے مکانات مسمار کر دیئے۔ [4]

انطاکیہ پر صلیبیوں کے قبضہ اور مسلمانوں کے قتل عام کی خبر سن کر امیر قوام الدولہ کربوغا والی موصل آس پاس کے مسلمان حکمرانوں کو ساتھ لے کر انطاکیہ کے مسلمانوں کی مدد کے لئے پہنچا۔ اس وقت سامان رسد کی قلت کی وجہ سے صلیبیوں کی حالت بہت نازک ہو رہی تھی اور ان میں تازہ دم اسلامی فوجوں کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ انہوں نے کربوغا کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر ان کو راستہ دے دیا جائے تو وہ انطاکیہ چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ کربوغا نے جواب دیا کہ تم کو تلوار ہی نکالے گی۔ اس جواب سے صلیبیوں میں بڑی مایوسی پھیل گئی۔ ایک ہوشیار راہب نے ان کی ہمت بندھانے کے لئے ایک خاص مقام پر ایک نیزہ دفن کر کے یہ مشہور کر دیا کہ اس کو خواب میں بشارت ہوئی ہے کہ فلاں مقام پر حضرت مسیح علیہ السلام کا ایک نیزہ دفن ہے' اگر وہ مل جائے تو ہماری فتح یقینی ہے' چنانچہ اس مقام کو کھودا گیا تو

---

[1] الاخبار السنیہ ص۱۰ تا ۱۲ ملخصاً۔ [2] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۹۵۔

[3] تاریخ یورپ جلد ۱' ص ۲۸۴۔ [4] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۹۵۔

اس سے نیزہ برآمد ہو گیا۔ اس سے صلیبیوں کے دل بڑھ گئے اور وہ متفرق طور سے مقابلہ کے لئے انطاکیہ سے باہر نکلنے لگے۔ مسلمانوں نے کربوغا سے کہا اس وقت حملہ کا بہترین موقع ہے۔ اس نے سب پر ایک ساتھ حملہ کے خیال سے اجازت نہ دی اور کل صلیبی باہر نکل کر مقابلہ کے لئے صف آرا ہو گئے۔

کربوغا کی بد دماغی اور اس کے ناپسندیدہ طرز عمل سے دوسرے امرا سخت بددل ہو رہے تھے۔ اس لئے انہوں نے عین موقع پر ساتھ چھوڑ دیا اور مسلمانوں کو بڑی فاش شکست ہوئی۔ ان کا کل ساز و سامان صلیبیوں کے قبضے میں آ گیا۔ [1]

اس کامیابی کا جشن منانے کے بعد صلیبی فوجیں شمالی شام کی طرف بڑھیں اور معرۃ النعمان کو فتح کر کے تین دن تک قتل عام کرتی رہیں اور ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان قتل اور اسی قدر زندہ گرفتار کئے گئے۔ معرۃ النعمان کے بعد عرقہ کا محاصرہ کیا' لیکن اس کو فتح نہ کر سکے۔ ان کی سفا کی دیکھ کر امیر منقذ والی شیزر نے صلح کر لی اور صلیبی حمص پہنچے۔ یہاں کے حاکم جناح الدولہ نے بھی صلح کر لی۔ اس کے بعد صلیبیوں نے عکہ فتح کرنے کی کوشش کی' لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی [2] اور انہوں نے اصل منزل مقصود بیت المقدس کا رخ کیا۔ جنگ صلیبی کے آغاز میں بیت المقدس سلجوقیوں کے قبضہ میں تھا' لیکن انطاکیہ پر قبضہ کے بعد جب ان کی قوت کمزور پڑی تو فاطمیہ مصر نے اس پر قبضہ کر لیا تھا اور صلیبیوں کے حملہ کے وقت وہ ان ہی کے قبضہ میں تھا۔

رجب ۴۹۲ھ مطابق جون ۱۰۹۹ء میں صلیبی مجاہدین نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ ان کے سیلاب کو روکنے کی مسلمانوں میں طاقت نہ تھی۔ اس لئے بیالیس دن کے محاصرہ کے بعد شعبان ۴۹۲ھ مطابق جولائی ۱۰۹۹ھ میں بیت المقدس پر صلیبیوں کا قبضہ ہو گیا اور وہ کئی ہفتوں تک اس مقدس شہر میں قتل عام کرتے رہے۔ صرف مسجد اقصیٰ میں ستر ہزار مسلمان قتل کئے گئے۔ جن میں بڑی تعداد مختلف ملکوں کے ان تارک دنیا علما و مشائخ کی تھی' جو ہجرت کر کے اس مقدس مسجد میں مشغول عبادت تھے۔ مسجد اقصیٰ کا تمام طلائی و نقرئی بیش قیمت سامان لوٹ لیا۔ [3]

بیت المقدس کی فتح میں صلیبی مجاہدین نے جس وحشت و درندگی کا ثبوت دیا اس پر خود منصف مزاج یورپین مورخین تک نے ملامت کی ہے۔ فرانسیسی مورخ میشو لکھتا ہے:

> ''بیت المقدس کی فتح میں صلیبیوں نے ایسے اندھے تعصب کا ثبوت دیا' جس کی مثال گزشتہ تاریخ میں نہیں ملتی۔ عربوں کو زبردستی اونچے برجوں اور بلند مکانوں کی

---

[1] ابن اثیر ج ۱' ص ۹۶' و تاریخ یورپ ج ۱' ص ۲۸۵۔

[2] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۹۶۔ [3] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۹۸۔

چھت سے گرا دیتے تھے‘ آگ میں زندہ جلا دیتے تھے‘ گھروں سے نکال کر میدانوں میں جانوروں کی طرح گھسیٹتے تھے‘ مقتول مسلمانوں کی لاشوں پر لے جا کر مسلمانوں کو قتل کرتے تھے۔ کئی ہفتوں تک قتل عام کرتے رہے۔ مشرق و مغرب کے بیان کے مطابق انہوں نے ستر ہزار مسلمانوں سے زیادہ تہہ تیغ کئے۔ (یہ تعداد صرف مسجد اقصیٰ کے مقتول مسلمانوں کی ہے) بہت سے یہودیوں نے مقدس مذبح میں پناہ لی۔ صلیبیوں نے آگ لگا کر مع مذبح کے ان کو جلا دیا‘‘۔ [1]

لیبان نے صلیبی جنگ کے مشہور مجاہد اور عینی شاہد رابرٹ کے حوالے سے لکھا ہے:

’’ہمارے لوگ صلیبی راستوں پر مکانوں کی چھت پر دوڑ رہے تھے اور مثل اس شیرنی کے جس کے بچے چھین لئے گئے ہوں‘ قتل عام کے مزے لے رہے تھے‘ یہ بچوں کے ٹکڑے کر رہے تھے اور جوان و پیر فرتوت دونوں کو برابر قتل کر رہے تھے۔ یہ کسی متنفس کو کبھی نہ چھوڑتے اور جلد فراغت حاصل کرنے کی غرض سے ایک ہی رسی میں کئی کئی آدمیوں کو لٹکا دیتے تھے۔ ہمارے لوگ جو پاتے لے لیتے اور مردوں کے پیٹ چیر کر ان سے روپے اور اشرفیاں نکالتے۔ افسوس اے طمع زر! شہر کے راستوں میں خون کے دریا بہتے تھے اور چاروں طرف لاشیں پھیلی ہوئی تھیں۔ او اندھو! تم سب کو ایک دن مرنا ہے۔ ان میں ایک فرد بشر ایسا نہ تھا‘ جو مذہب عیسوی قبول کرتا۔ بالآخر بوہمینڈ نے ان سب کو جنہیں اس نے قصر کے صحن میں جمع کیا تھا‘ سامنے بلایا اور بلا امتیاز بوڑھے‘ عورت اور مرد اور معذور و بے کار اشخاص سب کو قتل کیا اور جو جوان اور مضبوط تھے‘ انہیں فروخت کرنے کے لئے انطاکیہ بھجوا دیا‘‘۔

ایک دوسرے عینی شاہد ریمانڈ واژیل پوئی کے قسیس کا بیان نقل کرتا ہے:

’’جس وقت ہمارے آدمی دیوار اور برجوں پر قابض ہو گئے‘ تو مسلمانوں میں عجیب واقعات نظر آنے لگے۔ کسی کا سر کٹا ہوا تھا‘ کسی کے چہرے مجروح تھے‘ اور وہ مجبوری اپنے کو دیواروں سے نیچے گرا رہے تھے‘ بعض دیر تک مجروح پڑے رہنے کے بعد جلا دیئے گئے۔ بیت المقدس کے راستوں اور ہر جگہ پر سروں‘ ہاتھوں اور پاؤں کے انبار لگے ہوئے تھے اور لاشوں پر سے چلنا پڑتا تھا‘ مگر یہ بہت کم ہے بمقابل اس کے جو

[1] خطط الشام کرد علی ج ۱‘ ص ۲۸۲ بحوالہ میشو۔

وقوع میں آیا۔ ہیکل سلیمانی میں اس قدر خون بہا تھا کہ اس کے صحن میں لاشیں تیرتی پھرتی تھیں۔ کسی کا ہاتھ' کسی کا پیر' کسی کا دھڑ سب بے جوڑ اس طرح سے ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے کہ انہیں پہچاننا مشکل تھا۔ صلیبیوں نے اس قتل عام کو ناکافی سمجھ کر ایک مجلس منعقد کی جس میں یہ امر قرار پایا کہ کل باشندگان بیت المقدس' مسلمان' یہودی اور غیر مقلد' عیسائی سب تہہ تیغ کر دیے جائیں۔ ان کی تعداد تقریباً ساٹھ ستر ہزار تھی۔ یہ قتل عام کا بازار باوجود حامیان دین عیسوی کی مستعدی کے آٹھ روز تک گرم رہا۔ عورتیں' بچے' بوڑھے سب مارے گئے' کوئی متنفس جانبر نہ ہوا''۔

یہ دردانگیز واقعات نقل کرنے کے بعد لیبان لکھتا ہے کہ

''ہم خیال کر سکتے ہیں کہ اقوام مشرقی جو اس وقت اس قدر مہذب تھے' ایسے غنیم کی بابت کیا خیال کرتی تھیں۔ ان کی تاریخیں بھی نفرت سے بھری ہوئی ہیں اور سعدی شیرازی نے ان ہی کی نسبت کہا ہے کہ انہیں آدمی کہنا انسانیت کی عار ہے۔ ان کا برتاؤ اس مقدس شہر کے باشندوں کے ساتھ اس سے بالکل مختلف تھا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کئی صدی بیشتر عیسائیوں کے ساتھ کیا تھا''۔ [1]

صلیبی مجاہدوں نے بیت المقدس کی فتح کے بعد پوپ کو ان الفاظ میں یہ مژدہ لکھا تھا

''اللہ ہمارے عجز وانکسار سے رام ہو گیا اور ہمارے عجز والحاح کے آٹھویں روز اس نے شہر کو دشمنوں سمیت ہمارے حوالہ کیا۔ اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہیں کہ جو دشمن وہاں موجود تھے' ان کے ساتھ ہم نے کیا سلوک کیا تو اس قدر لکھ دینا کافی ہے کہ جب ہمارے سپاہی حضرت سلیمان علیہ السلام کے معبد میں داخل ہوئے تو ان کے گھٹنوں تک مسلمانوں کا خون تھا''۔ [2]

بیت المقدس پر قبضہ کے بعد صلیبیوں نے اس کے آس پاس کے تمام شہروں صور' عکہ اور رملہ اور یافا وغیرہ پر قبضہ کر لیا اور گاڈفری کے سامنے بیت المقدس کا تاج و تخت پیش کیا۔ اس نے تاج اور بادشاہ کا لقب قبول کرنے سے انکار کیا کہ ''جس سرزمین پر مسیح علیہ السلام کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھا گیا ہو' وہاں وہ سونے کا تاج پہن کر بادشاہ کہلانا پسند نہیں کرتا''

اور صرف محافظ مسیح کی حیثیت سے فلسطین کی حکومت قبول کی۔ انطاکیہ کا علاقہ بوہمینڈ کو ملا۔ رہا بوڈوین کے حصہ میں آیا اور طرابلس الشام ریمنڈ کے حصہ میں پڑا۔ اس طرح شام میں چار عیسائی

---

[1] تمدن عرب ص ۲۹۸' ۲۹۹۔ [2] تاریخ یورپ اے جے گرانٹ ص ۳۵۷۔

حکومتیں قائم ہو گئیں۔

بیت المقدس پر عیسائیوں کے قبضہ اور مسلمانوں کے وحشیانہ قتل عام سے ساری دنیائے اسلام میں اضطراب پیدا ہو گیا۔ ان کی مرکزی حکومت خلافت بغداد میں کوئی دم باقی نہ تھا۔ اس کے منتظم سلجوقی خانہ جنگی میں مبتلا تھے۔ اس لئے وہاں سے کوئی مدد نہ پہنچ سکی۔ شام' مصر' دیار بکر' دیار ربیعہ' موصل وغیرہ کے مسلمان فرمانرواؤں سے جہاں تک ہو سکا فرنگیوں کے مقابلہ کی کوشش کی اور صلیبی لڑائیوں کا غیر مختتم سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان لڑائیوں میں وقتاً فوقتاً مسلمان حکمران بھی کامیاب ہوتے رہے' لیکن ان میں باہم اتحاد نہ تھا اور صلیبیوں کو یورپ کی حکومتوں کی پشت پناہی حاصل تھی اور وہاں سے امداد کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ اس لئے چند برسوں کے اندر انہوں نے قریب قریب پورے شام و فلسطین پر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں کے پاس صرف حمص' حماۃ' دمشق' حلب اور چند چھوٹے چھوٹے مقامات رہ گئے۔

بیت المقدس کی فتح میں صلیبی جس وحشت و درندگی کا ثبوت دے چکے تھے' اس کو شام کی کل فتوحات میں دہراتے تھے۔ جس شہر کو فتح کرتے اس کی پوری آبادی تہہ تیغ کر دیتے۔ مکانوں کو مسمار کر ڈالتے' مال و متاع اور کتب خانوں کو نذر آتش کر دیتے' ان کی اس وحشت و سفاکی سے سارا شام ویران ہو گیا [1]

صلیبی جنگ کا تعلق زیادہ تر شام و مصر کی حکومتوں سے ہے جو ہمارے موضوع سے خارج ہیں اور اس کی تفصیل بڑی طویل ہے۔ اس لئے ہم اس سلسلہ کو صرف اہم اور خصوصاً ان واقعات کے تذکرے پر اکتفا کریں گے' جن کا تعلق خلافت بغداد یا اس کے متولی ایران کے سلجوقیوں سے ہو گا۔ بیت المقدس پر عیسائیوں کے قبضے کے بعد کئی سال تک خلافت بغداد سے شامی مسلمانوں کو کوئی مدد نہ مل سکی اور شام' مصر' موصل اور جزیرہ کے مسلمان حکمرانوں کی مدافعت کے باوجود انہوں نے شام کے بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ حصن اثارب پر ۵۰۵ھ میں عیسائیوں کے قبضہ کے بعد مسلمانوں کی قوت اتنی کمزور پڑ گئی اور ان پر اتنا خوف و ہراس طاری ہو گیا کہ جو مقامات ان کے قبضہ میں باقی رہ گئے تھے' ان کے نکل جانے کا بھی خطرہ پیدا ہو گیا۔ مسلمان حکمرانوں نے ان کو بچانے کے لئے صلیبیوں سے صلح کرنے کی کوشش کی۔ ان کی قوت اتنی بڑھ گئی تھی کہ وہ بڑی مشکلوں سے روپیہ لے کر عارضی صلح پر رضامند ہوئے۔

یہ صورت حال دیکھ کر اہل حلب کا ایک وفد فریاد لے کر بغداد پہنچا۔ یہاں کے مسلمانوں اور علما

[1] خطط الشام کرد علی ج ا' ص ۲۸۳۔

نے ان کا پورا ساتھ دیا اور جامع سلطان میں جا کر فریاد کی۔ نمازیوں کو مسجد میں جانے سے روک دیا' مسجد کا منبر توڑ ڈالا' یہ جوش وخروش دیکھ کر سلطان محمد سلجوقی نے امدادی فوجیں بھیجنے کا وعدہ کیا' لیکن اس کے ایفائے عہد کی کوئی امید نہ تھی۔ اس لئے دوسرے جمعہ کو مسلمانوں نے قصر خلافت کی مسجد پر ہجوم کیا۔ حاجبوں نے روکنے کی کوشش کی۔ مجمع نے زبردستی گھس کر مقصورہ کی کھڑکی اور منبر کو توڑ ڈالا۔ یہ صورت حال دیکھ کر مستظہر نے سلطان محمد کو شامی مسلمانوں کی مدد کے لئے فوجی انتظام کرنے کا حکم دیا۔ اس حکم پر سلطان نے خلافت بغداد کے زیر اثر تمام امراو فرمانرواؤں کو اپنی اپنی فوجیں لے کر شام جانے کا حکم دیا اور ۵۰۵ھ میں سلطان محمد کا لڑکا مسعود، امیر مودود والی موصل، امیر سکمان قطبی والی تبریز' امیر ابلکیی اور امیر زنگی والی ہمدان' امیر احمد یل والی مراغہ' امیر ایلغاری والی ماردین کا لڑکا ایاز' فوجیں لے کر شام پہنچے اور صلیبیوں کے مقبوضہ کئی علاقے فتح کئے' لیکن پھر ان امرا میں باہم پھوٹ پڑ گئی۔ شام کے بعض مسلمان فرمانرواؤں نے بھی ان سے تعاون نہیں کیا۔ اس وجہ سے یہ فوجیں بے نتیجہ لوٹ گئیں۔

۵۰۶ھ میں فلسطین کے فرمانروا بوڈوین نے جو گاڈفری کے بعد اس کا جانشین ہوا تھا' دمشق پر مسلسل یورش شروع کر دی۔ امیر طغتکین والی دمشق نے امیر مودود سے مدد طلب کی۔ وہ اپنی فوج لے کر پہنچا۔ امیر تمیرک والی سنجار اور امیر ایلغاری والی ماردین کا لڑکا ایاز بھی پہنچ گئے اور سب نے مل کر بوڈوین کو بڑی فاش شکست دی' وہ خود گرفتار ہو گیا' لیکن مسلمان اسے پہچانتے نہ تھے' اس لئے چھوڑ دیا۔ اس دوران میں طرابلس اور انطاکیہ کے فرنگی فرمانروا تازہ دم فوجیں لے کر پہنچ گئے' لیکن دور ہی دور سے جھڑپ کر کے لوٹ گئے۔ ان کی واپسی کے بعد مسلمانوں نے عکہ سے قدس تک کا صلیبی علاقہ ویران کر ڈالا اور امیر مودود فوجوں کو آرام دینے کے لئے دمشق لوٹ گیا۔ ربیع الاول ۵۰۷ھ میں جمعہ کی نماز کے لئے جامع مسجد گیا۔ ایک باطنی نے حملہ کر کے زخمی کر دیا۔ زخم کاری تھا' مودود روزے سے تھا۔ لوگوں نے افطار کرانے کی کوشش کی۔ اس نے کہا میں اللہ سے روزے کی حالت میں ملوں گا' اور شام ہوتے ہوتے انتقال کر گیا۔ [1]

سلطان محمد کو امیر مودود کی شہادت کا بڑا قلق ہوا۔ اس نے اس کی جگہ امیر اقسنقر کو موصل کا والی مقرر کیا اور اپنے لڑکے مسعود کو اس کے ہمراہ شام روانہ کیا۔ دوسرے تمام امرا کو ان کے ساتھ جانے کا حکم دیا۔ ان لوگوں نے رہا کا محاصرہ کیا' لیکن پھر سامان رسد کی قلت کی وجہ سے دو مہینے کے بعد محاصرہ اٹھا کر لوٹ گئے۔

سلطان محمد کا انتقال

[1] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۱۷۴' ۱۷۵۔

ذی الحجہ ۵۱۱ھ میں سلطان محمد نے ۳۷ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اس کی مستقل حکومت برکیارق کے بعد ۴۹۸ھ سے شروع ہوئی تھی۔ اس حساب سے اس کی مدت حکومت ۱۳ سال تھی۔ سلطان اپنے اوصاف و خصوصیات میں اپنے نامور اسلاف کا صحیح جانشین اور شجاعت و شہامت، عدل و انصاف، حسن خلق تمام اوصاف سے آراستہ تھا۔

ابن اثیر کا بیان ہے کہ ساری عمر میں [1] اس سے کوئی برا کام صادر نہیں ہوا۔ اس کے عدل سے بڑے بڑے امرا کو کسی شخص پر ظلم و زیادتی کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اس کی عدل پروری کے متعدد واقعات ابن اثیر نے نقل کیے ہیں۔ رعایا کی سہولت اور تجارت کی ترقی کے لئے ہر قسم کے ٹیکس موقوف کر دیئے تھے۔ [2] عماد الدین اصفہانی کا بیان ہے کہ سلطان محمد کو تائید ایزدی حاصل تھی۔ وہ مبارک فال تھا۔ شباب میں بھی وہ پاکباز رہا۔ حوصلہ مندی اور سیاست ملکی میں اپنے دادا الپ ارسلان کے نقش قدم پر تھا۔ باوقار، پر ہیبت اور دانشمند تھا۔ جب اس کے ہاتھ میں زمام حکومت آئی۔ اس وقت اس کے بھائی کی حکومت کے اثر سے سارا نظام درہم برہم ہو رہا تھا۔ سلطان نے اس کی تنظیم و شیرازہ بندی کر کے سلطنت کو مضبوط و مستحکم کیا۔ [3] راوندی لکھتا ہے کہ سلطان دینداری، عدل و انصاف، عفت و پاکدامنی، اصابت رائے اور پابندی عہد کے اوصاف سے متصف تھا۔ [4]

اس کے اوصاف و کمالات کے شاہد خود اس کے واقعات زندگی ہیں۔ ملک شاہ کی وفات کے بعد اس کے تاج و تخت کے بہت سے دعویدار پیدا ہو گئے تھے۔ ان کی اور برکیارق کی خانہ جنگی سے سلطنت کا شیرازہ منتشر ہو رہا تھا۔ برکیارق کے بعد سلطان محمد نے اس بکھرے ہوئے شیرازہ کو مجتمع کر کے پھر سلجوقی حکومت کو زندہ کیا۔ جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ اس کا ایک بڑا کارنامہ باطنیوں کا استیصال ہے۔ اگر اس نے ان کے استیصال میں ہمت و مستعدی سے کام نہ لیا ہوتا تو مشرق کے سارے اسلامی ممالک میں قیامت بپا ہو جاتی۔ راوندی لکھتا ہے کہ سلطان نے دین کے اعزاز اور ملحدوں کے استیصال اور ان کے قلع قمع کرنے میں بڑا جہاد کیا اور اسلام کی عزت و ناموس کی حفاظت میں بڑا کارنامہ دکھایا۔ اپنی قوت و قہر کے تیشہ سے کفر و بدعت کے خس و خاشاک کو پاک کر دیا۔ اس نے اصفہان کے باطنیوں کے قلعہ کی تسخیر میں بڑی زحمت اٹھائی۔ سات برس تک مسلسل خواب و خور حرام کر لیا تھا، اگر اس کو باطنیوں کے مقابلہ میں یہ فتح مبین نہ حاصل ہوئی ہوتی تو دین و مذہب کا خاتمہ ہو جاتا۔ [5]

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۰، ص ۱۸۵۔ [2] ابن اثیر جلد ۱۰، ص ۱۸۵۔ [3] تاریخ آل سلجوق ص ۸۱۔
[4] راحۃ الصدور ص ۱۵۳۔ [5] راحۃ الصدور ص ۱۵۳۔

سلطان محمود

سلطان مرض الموت میں اپنے لڑکے محمود کو جانشین بنا گیا تھا۔ چنانچہ اس کی وفات کے بعد ذی الحجہ ۵۱۱ھ میں وہ تخت نشین ہوا۔ مستظہر نے بھی اس کی حکومت کی تصدیق کر دی اور بغداد میں اس کے نام کا خطبہ جاری ہو گیا۔ سلطان محمود کی عمر اس وقت ۱۴ سال تھی۔ اس کا وزیر ابو منصور فرائض حکومت انجام دیتا تھا۔

مستظہر کی وفات

سلطان محمد کی وفات کے چھ مہینے بعد ربیع الثانی ۵۱۲ھ میں مستظہر نے انتقال کیا۔ اس کی عمر اس وقت ۴۲ سال سے زیادہ نہ تھی۔ مدت خلافت ۲۴ سال۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ مسلسل تین خلفا اور تین سلجوقی سلاطین کا انتقال قریب قریب زمانہ میں ہوا۔ الپ ارسلان کی موت کے بعد ہی قائم نے انتقال کیا۔ مقتدی نے ملک شاہ کا ساتھ دیا۔ مستظہر نے سلطان محمد کی مشایعت کی۔

اوصاف

مستظہر بھی جامع اوصاف خلیفہ تھا۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ وہ نرم خو پسندیدہ خصال تھا۔ لوگوں کے ساتھ احسان وسلوک اور نیکی اور ثواب کے کاموں میں بڑا مستعد اور تیز دست تھا۔ کسی عزت و شرف کے سوال کو رد نہیں کرتا تھا۔ اپنے عمال پر کامل اعتماد رکھتا تھا۔ ان کے بارہ میں کسی کی چغلی اور شکایت پر کان نہ دھرتا تھا۔ خود غرض لوگوں کی باتوں سے اس کے عزم میں فرق نہ آتا تھا اور وہ اپنی رائے نہ بدلتا تھا۔ [1]

علمی اعتبار سے بھی فاضل تھا۔ [2] خط نہایت پاکیزہ تھا۔ ادب و انشا کا بلند مذاق رکھتا تھا۔ اس مختصر توقیعات اس کے ذوق ادب کا نمونہ ہیں۔ [3] علما و مشائخ کو دوست رکھتا تھا۔ [4]
حسن انتظام اور رعایا کے سکون و راحت و فارغ البالی کے لحاظ سے بھی اس کا دور ممتاز تھا۔ گو اس کے زمانہ میں خانہ جنگی، باطنیوں کی یورش اور صلیبی جنگ کی وجہ سے بڑے بڑے انقلابات ہوئے لیکن خلافت بغداد کے حسن انتظام سے خاص بغداد پر اس کا بہت کم اثر پڑا اور یہاں پورا سکون قائم

[1] ابن اثیر ج ۱۰، ص ۱۸۹۔ [2] دول الاسلام ذہبی ج ۲، ص ۲۷۔
[3] ابن اثیر ج ۱۰، ص ۱۸۹۔ [4] تاریخ الخلفاء ص ۴۳۶۔

رہا۔اس اعتبار سے اس کا دور عہد سرور تھا۔ابن اثیر کا بیان ہے کہ اس کا زمانہ رعایا کے لئے سرود و شادمانی کا دور اور اپنی گوناگوں خوبیوں کے اعتبار سے گویا ہر روز' روز عید تھا۔ 1 اس کے ہاتھ سے کسی کو تکلیف وایذا نہ پہنچتی تھی۔اس بارہ میں وہ سلجوقی سلاطین اور ان کے نائبوں کے احکام کی بھی پرواہ نہ کرتا تھا۔ 2

---

1 ابن اثیر ج ۱ ص ۱۸۹۔　　2 ابن اثیر ج ۱ ص ۱۸۹۔

ابو منصور فضل بن مستظہر الملقب بہ مسترشد باللہ

(۵۱۲ھ تا ۵۲۹ھ مطابق ۱۱۱۸ء تا ۱۱۳۴ء)
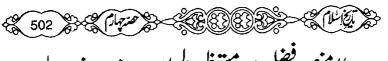
مستظہر اپنی زندگی میں اپنے لڑکے ابو منصور فضل کو اپنا جانشین نامزد کر گیا تھا۔ مستظہر کی وفات کے بعد قاضی ابوالحسن دامغانی نے اس کی بیعت لی اور ربیع الاول ۵۱۲ھ میں وہ تخت نشین ہوا اور مسترشد باللہ لقب اختیار کیا۔ اس وقت اس کا ستائیسواں سال تھا۔

امیر ابوالحسن عباسی کا فرار اور اس کی بیعت

عباسی خاندان کے تمام ارکان نے مسترشد باللہ کی بیعت کر لی تھی' لیکن اس کا بھائی ابوالحسن جس کو مسترشد سے کچھ اختلاف تھا' حلہ کے فتنہ انگیز والی دبیس بن صدقہ کے پاس بھاگ گیا تھا۔ دبیس بھی مسترشد کے خلاف تھا۔ اس نے ابوالحسن کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اعزاز و اکرام کے ساتھ ٹھہرایا۔ اس سے مسترشد کو تشویش پیدا ہوگئی۔ اس نے نقیب النقباء شرف الدین علی بن طراز زینبی کو دبیس کے پاس ابوالحسن کو لانے کے لئے بھیجا۔ دبیس نے کہا میں خلیفہ کا خادم اور بندۂ فرمان ہوں' لیکن جس شخص نے میرے گھر میں پناہ لی ہے' اس کو میں اس کی مرضی کے خلاف حوالہ نہیں کر سکتا۔ یہ جواب سن کر نقیب النقباء نے ابوالحسن سے گفتگو کی اور اس کو اطمینان دلایا کہ میرے ساتھ واپس چلو۔ تم کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچنے پائے گا اور تمہارے جو مطالبات ہوں گے' وہ سب پورے کئے جائیں گے۔ ابوالحسن نے جواب دیا کہ میں کسی شر اور بدنیتی سے نہیں بلکہ بھائی کے خوف سے بھاگ آیا تھا' اگر ان کی جانب سے اطمینان ہو جائے تو مجھے واپس جانے میں تامل نہیں ہے۔ نقیب النقباء نے واپس جا کر مسترشد سے یہ گفتگو بیان کی۔ وہ ہر طریقہ سے اطمینان دلانے کے لئے تیار ہو گیا' لیکن پھر کچھ ایسے اسباب پیش آئے کہ ابوالحسن واپس نہ گیا اور چند دنوں کے بعد حلہ سے واسط چلا گیا تھا' یہاں ایک جماعت اس کے ساتھ ہوگئی۔ ابوالحسن نے اس کی مدد سے جا کر واسط پر قبضہ کر لیا۔ مسترشد نے دبیس کو لکھا کہ ابوالحسن نے اب ملک پر ہاتھ بڑھانا شروع کر دیا ہے۔ اس کا تدارک ضروری ہے۔ اس وقت ابوالحسن اس کے یہاں سے جا چکا تھا۔ اس لئے ابوالحسن کی گرفتاری کے لئے فوج روانہ کر دی۔ اس میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اس نے واسط چھوڑ دیا۔ اس دوران میں دبیس کی فوجیں پہنچ گئیں۔ انہیں دیکھ کر ابوالحسن کے ساتھی اس سے الگ ہو گئے۔ ابوالحسن نے بھاگ کر نکل جانا چاہا' لیکن پکڑا گیا۔ دبیس نے

اس کو مسترشد کے پاس بھجوادیا۔ ابوالحسن اسے دیکھ کر اس کے قدموں پر گر پڑا۔ مسترشد نے درگزر سے کام لیا اور ابوالحسن کو گلے لگا کر خلعت سے سرفراز کیا۔ ❶
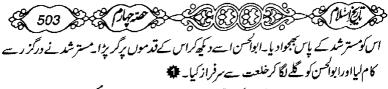
سلطان سنجر کے ساتھ محمود کی مخالفت اور اس کے نتائج

سلطان ملک شاہ کی وفات کے بعد اس کا نامور فرزند سلطان سنجر والی خراسان' جس کا ذکر برکیارق کے حالات میں گزر چکا ہے' سلجوقی خاندان کی عظمت وناموس کا محافظ تھا اور سارا خاندان اس کو اپنا سرپرست و مربی جانتا تھا۔ اس کی حکومت خراسان' غزنہ' خوارزم اور ماوراء النہر تک پھیلی ہوئی تھی۔ ❷ اور اران' آرمینیہ' آذربائیجان' موصل' دیار ربیعہ' دیار بکر اور حرمین تک میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا اور ''سلطان عظیم'' کے لقب سے ملقب تھا۔ ❸

سلطان سنجر اور سلطان محمود کا باپ محمد حقیقی بھائی تھے۔ دونوں میں بڑی الفت و محبت تھی۔ سلطان محمد کی موت کا سنجر کو اتنا شدید قلق ہوا تھا کہ وہ کئی دن تک خاک پر بیٹھا رہا اور سات دن تک حکومت کے سارے کاروبار بند کر دیئے تھے۔ اس محبت و اعتماد کی بنا پر سلطان محمد محمود کو سنجر کی اطاعت و فرمانبرداری اور اس کی عزت و تکریم کی وصیت کرتا گیا۔ سلطان سنجر کی لڑکی بھی سلطان محمود سے منسوب تھی۔ اس لئے چچا کے رشتہ کے علاوہ سلطان اس کا خسر بھی تھا۔ ❹

لیکن ان گوناگوں تعلقات کے باوجود محمود کے بدخواہ مشیروں خصوصاً اس کے ناعاقبت اندیش وزیر وحاجب نے اس کو سلطان سنجر کی سلطنت کی طمع دلا کر اس کی مخالفت پر آمادہ کر دیا۔ ❺ محمود کم سن اور ناتجربہ کار تھا۔ بھڑ کانے میں آ گیا اور خان سمرقند کو لکھ بھیجا کہ ایک طرف سے میں بڑھتا ہوں اور دوسری طرف سے تم فوج کشی کرو۔ دونوں مل کر خراسان پر قبضہ کر لیں۔ ❻ اسی زمانہ میں سلطان محمود نے شرف الدین انوشروان کو سنجر کے پاس بھیج کر اس سے دو لاکھ سالانہ پر ماژندران کا علاقہ مانگا تھا، سلطان کو معلوم تھا کہ یہ سب اس کے مشیروں کی فتنہ انگیزی ہے۔ اس لئے اس نے یہ درخواست رد کر دی۔ محمود کی ناتجربہ کاری کی وجہ سے اور بھی بہت سی بے عنوانیاں اس سے سرزد ہوئیں۔ عماد الدین اصفہانی نے اس کی پوری تفصیل لکھی ہے ❼ اس لئے سلطان سنجر نے محض اس کی تادیب و اصلاح کے لئے اس پر فوج کشی کرنے کا عزم کر لیا، سلطان محمود کے قاصد شرف الدین انوشرواں نے اس کو روکنے کی

❶ ابن اثیر ج ۱۰' ص ۱۹۰۔ ❷ تاریخ دولت آل سلجوق ص ۱۱۰۔ ❸ ابن خلکان ج ۱' ص ۲۱۷۔
❹ ابن اثیر ج ۱۰' ص ۱۹۳۔ ❺ راحۃ الصدور ص ۱۶۹۔
❻ دولت آل سلجوق ص ۱۱۱۔ ❼ دولت آل سلجوق ص ۱۱۱ تا ۱۱۳۔

کوشش کی، سنجر نے کہا محمود ابھی کم سن و نا تجربہ کار ہے اور اپنے وزیر و حاجب کے ہاتھوں میں کھلونا بنا ہوا ہے اور فوج کشی کر کے محمود کی سلطنت چھین لی اور بغداد میں محمود کے بجائے سنجر کے نام کا خطبہ جاری ہو گیا۔ سنجر کی ماں یعنی محمود کی دادی زندہ تھی۔ اس کو قدرۃ اس سے تکلیف پہنچی۔ اس نے سنجر کو بلا کر اس سے کہا، تم اتنی بڑی سلطنت کے مالک ہو تم نے غیروں کو حکومت دی ہے۔ کیا محمود کا حق ان کے برابر بھی نہیں ہے۔ محمود کے امرا نے بھی اس کی جانب سے معذرت کی۔ ماں کے حکم کی تعمیل میں سلطان سنجر نے رے کے علاوہ باقی کل سلطنت محمود کو واپس کر کے اس کی حیثیت اپنے نائب کی کر دی۔ محمود نے جا کر چند دنوں تک سنجر کے پاس قیام کیا۔ سنجر کے اولاد نرینہ نہ تھی۔ محمود بھتیجا بھی تھا اور داماد بھی، اس لئے سنجر اس سے بڑی محبت رکھتا تھا۔ چند دنوں کے بعد اس کو اپنا ولی عہد بنا کر تمام ممالک محروسہ میں اپنے نام کے خطبہ میں اس کا نام داخل کرنے کا حکم دیا اور بہت سے قیمتی ہدایا و تحائف دے کر شفقت و محبت کے ساتھ اس کو ہمدان واپس کیا۔ [1]

محمود اور مسعود کی جنگ

۵۱۴ھ میں دبیس نے ایک نئی فتنہ انگیزی کی، سلطان محمود کے بھائی مسعود والی آذربائیجان کے اتابک جیوش بک کے ساتھ مل کر مسعود کو سلطان محمود کے خلاف کھڑا کر دیا، لیکن محمود نے اسے فاش شکست دی۔ مسعود روپوش ہو گیا، لیکن پھر چند دنوں کے بعد جان بخشی کرا کے محمود کے پاس چلا آیا۔ اس نے درگزر سے کام لیا۔ اپنی فوج اس کی پیشوائی کے لئے بھیجی اور مسعود کو گلے لگا کر احسان و سلوک سے پیش آیا۔ اس نے اتابک جیوش کے ساتھ بھی جو اس فتنہ کے بانیوں میں تھا۔ احسانات کئے، لیکن اصل بانی فساد دبیس بھاگ گیا اور عراق میں لوٹ مار شروع کر دی۔ مسترشد اور سلطان محمود دونوں نے اس کو روکنے کی کوشش کی، لیکن وہ باز نہ آیا اور مسترشد کو نہایت گستاخانہ جواب دیا اس لئے خود محمود کو فوج کشی کرنا پڑی۔ دبیس میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ بڑی زحمتوں کے بعد آخر میں اس نے اپنے بھائی منصور کو سلطان کے پاس بطور ضمانت بھیج کر اطاعت قبول کر لی، لیکن مسترشد نے اسے قبول نہ کیا۔ [2]

اسلامی حدود پر کرج کی یورش

اسی سنہ میں کرج، قفچاق اور خزر کے علاقہ کی دوسری قوموں نے اسلامی سرحد پر یورش

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۹۵، وراحۃ الصدور ص ۱۷۰۔ [2] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۰۰۔

کی۔امیر ایلغاری' طغرل بن محمد اور امیر کنتغدی وغیرہ نے بڑھ کر ان کو روکنے کی کوشش کی' لیکن ان کی غلطی سے ان کو شکست ہوئی اور خزر نے ان کا تعاقب کر کے کئی ہزار مسلمان قتل و گرفتار کر لئے۔ ایلغاری وغیرہ امرا کسی طرح بچ کر نکل گئے اور کرج نے تفلیس کا محاصرہ کر لیا۔ اہل تفلیس نے چند دنوں تک مدافعت کی' لیکن پھر محاصرہ کی سختیوں سے مجبور ہو کر تفلیس کے قاضی اور خطیب کو خزر کے پاس حصول امان کے لئے بھیجا۔ انہوں نے ان کو زندہ آگ میں جلا دیا اور تفلیس کو فتح کر کے ویران کر ڈالا اور مسلمانوں پر سخت مظالم ڈھائے۔ ان لوگوں نے بغداد اور ہمدان جا کر مسترشد اور سلطان محمد سے فریاد کی۔ [1]

ان کے مصائب سن کر سلطان خود آذر بائیجان گیا اور خزر کے مقابلہ کے انتظامات کر کے لوٹ آیا' لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور خزر کی یورش اور بڑھ گئی۔ دوبارہ شروان اور دربند کے مسلمانوں کا وفد سلطان کے پاس پہنچا اور کرج کے مقابلہ میں اپنی بے بسی بیان کی۔ اس لئے سلطان نے ۵۱۷ھ میں دوبارہ فوج کشی کی۔ کرج کی قوت اتنی بڑھی کہ فوج کی ہمت چھوٹ گئی' لیکن حسن اتفاق سے خود کرج اور قفچاقیوں میں تلوار چل گئی اور وہ لوٹ گئے اور جنگ کی نوبت نہیں آئی اور سلطان چند روز شروان میں ٹھہر کر ہمدان واپس ہوا۔ [2]

دبیس کی بغاوت اور ناکامی

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ مسترشد نے دبیس کے پیام اطاعت کو قبول نہیں کیا تھا اور سلطان کے پاس کہلا بھیجا تھا کہ دبیس اپنے باپ کے خون کا کینہ نکالنا چاہتا ہے۔ [3] اس کو عراق کی حدود سے باہر نکالنا ضروری ہے اور امیر اقسنقر برسقی والی موصل کو اس مہم پر مامور کیا تھا۔ دبیس نے اسے شکست دی اور مسترشد کو پھر رضامند کرنے کی کوشش کی اور اس کے پاس کہلا بھیجا کہ میں امیر المؤمنین کا تابع فرمان ہوں اور خالصہ شاہی کے محاصل کی تحصیل کے لئے ناظر کو بلا بھیجا۔ اس مرتبہ مسترشد رضامند ہو گیا۔

لیکن اس کی یہ اطاعت کیشی بھی اس غرض سے تھی کہ وہ اپنے سوتیلے بھائی ابوعلی کو' جو مسترشد کا وزیر تھا' گرفتار کرانا چاہتا تھا' چنانچہ مسترشد نے اس کے ایما سے ابوعلی کو قید کرا دیا۔ اس کی گرفتاری سلطان کے مزاج کے خلاف ہوئی۔ اس نے دبیس کے دوسرے بھائی منصور کو جس کو اس نے اپنی ضمانت میں سلطان کے پاس بھیجا تھا' قید کر دیا۔ اس کے انتقام میں دبیس نے واسط پر فوج کشی کر دی'

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۲۰۰' ۲۰۱۔ [2] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۲۲۹۔

[3] سلطان محمد کے حکم سے صدقہ پر فوج کشی ہوئی تھی۔ اس میں وہ قتل ہوا تھا۔

لیکن اہل واسط نے اسے نکال دیا۔ اس سے دبیس کا غصہ اور تیز ہو گیا۔ اس دوران میں اس کو معلوم ہوا کہ سلطان نے منصور کو اندھا کرا دیا۔ یہ سن کر وہ آپے سے باہر ہو گیا اور عراق میں عام تاخت وتاراج شروع کر دی۔ نہر الملک کے خالصہ شاہی کو لوٹ لیا۔ یہاں کے باشندے گھر بار چھوڑ کر بغداد بھاگ گئے۔ دبیس نے مسترشد کے پاس کہلا بھیجا کہ تم نے اقسنقر برسقی کو میرے مقابلہ پر مامور کیا ہے اور سلطان نے میرے بھائی کو اندھا کر دیا ہے۔ اس کے انتقام میں بغداد کو لوٹ کر ویران کر ڈالوں گا۔

اس کے اس گستاخانہ پیام پر مسترشد نے خود اس کے مقابلہ میں جانے کا عزم کیا اور تمام ممالک محروسہ کے امرا کو بغداد طلب کیا۔ اس حکم پر بغداد میں فوجوں کا سیلاب امنڈ آیا۔ دبیس کو اس کی خبر ملی تو اس نے مسترشد کو راضی کرنے کی کوشش کی' مگر اس نے اس کی معذرت قبول نہ کی اور ذوالحجہ ۵۱۶ھ میں اس کے مقابلہ کے لئے روانہ ہو گیا۔

بارکہ میں مقابلہ ہوا۔ مسترشد خود عام سپاہیوں کے دوش بدوش لڑا اور ایک خونریز جنگ کے بعد دبیس کو شکست ہوئی۔ اس کی فوج کا بڑا حصہ برباد ہو گیا اور ایک بڑی تعداد زندہ گرفتار ہوئی۔ اس میں دبیس کی بیویاں اور لونڈیاں بھی تھیں۔ مسترشد نے عورتوں کے علاوہ باقی تمام قیدیوں کو قتل کرا دیا اور محرم ۵۱۷ھ میں بغداد واپس گیا۔ [1]

اس شکست کے بعد دبیس چند دنوں تک روپوش رہا۔ پھر قبیلہ منتفق کو ساتھ ملا کر بصرہ پر قبضہ کر لیا اور یہاں کے فوجی افسروں کو قتل کر کے شہر کو لوٹ کر ویران کر ڈالا۔ مسترشد نے امیر اقسنقر برسقی کو لکھا کہ بصرہ پر دبیس کا قبضہ محض تمہاری ڈھیل کا نتیجہ ہے۔ اس تحریر پر اقسنقر نے دبیس کے مقابلہ کی تیاریاں کیں۔ اس کو خبر ہوئی تو وہ بصرہ چھوڑ کر شام چلا گیا اور مسترشد اور سلطان محمود کی مخالفت میں صلیبیوں سے مل کر ان کو حلب پر قبضہ کے لئے آمادہ کیا اور خود ان کے ساتھ حلب کے محاصرہ میں شریک ہوا' لیکن اس میں بھی ناکام رہا۔ [2]

شام میں ناکامی کے بعد سلطان محمود کے بھائی طغرل والی سادہ کے پاس جو سلطان کے خلاف تھا' پہنچا اور اسے ورغلا کر ۵۱۹ھ میں عراق پر فوج کشی کرا دی۔ اس لئے مسترشد پھر مقابلہ کے لئے نکلا۔ دبیس نے لڑنے کے بجائے اس کی کوشش کی کہ نہروان کا پل توڑ کر مسترشد کو آگے بڑھنے سے روک دے اور طغرل اس کے عقب سے جا کر بغداد پر قبضہ کر لے' لیکن اتفاق سے طغرل بیمار ہو گیا اور اسی دوران میں سخت طوفانی بارش شروع ہو گئی اس لئے دبیس کی یہ تدبیر کامیاب نہ ہو سکی۔ بغداد میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ دبیس حملہ کے لئے

[1] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۲۱۶۔ [2] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۲۱۶۔

آ رہا ہے۔ دوسری طرف مسترشد کی فوج میں یہ خبر اڑ گئی کہ دبیس نے بغداد پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس لئے وہ بدحواسی میں ساز و سامان چھوڑ کر بغداد لوٹ گئی۔ راستہ میں دبیس کا سامنا ہو گیا۔ اس کو فوج کی حالت کا علم نہ تھا' اس لئے گھبرا کر مسترشد کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور اپنی خطاؤں کی معافی چاہی۔ مسترشد اس کی معذرت قبول کرنے پر تیار ہو گیا' لیکن اس کے وزیر نے سخت مخالفت کی اور دبیس مایوس ہو کر طغرل کے پاس ساوہ چلا گیا' پھر اس کے ساتھ سلطان سنجر کے پاس خراسان پہنچا اور مسترشد واپس ہو گیا۔

سلطان و مسترشد میں جنگ و مصالحت

مسترشد عالی دماغ اور حوصلہ و ہمت کا خلیفہ تھا۔ خود لڑائیوں میں نکلتا تھا۔ ملکی معاملات میں ذاتی رائے رکھتا تھا۔ نظام مملکت میں دخل دیتا تھا۔ سلجوقی حکام و امرا کو ان کی حدود سے بڑھنے نہ دیتا تھا۔ اس لئے عراق میں سلجوقیوں کی مطلق العنانی اور ان کا اقتدار بہت گھٹ گیا تھا۔ ۵۲۰ھ میں بغداد کے سلجوقی شحنہ برنقش زکوی اور عباسی عمال میں کچھ اختلاف ہو گیا۔ مسترشد نے برنقش کو سخت تنبیہ کی وہ اس کے خوف سے بغداد چھوڑ کر سلطان محمود کے پاس پہنچا اور اس سے کہا کہ مسترشد خود فوجوں کی قیادت کرتا ہے اور لڑائیوں میں شریک ہوتا ہے' اگر آپ نے بغداد جا کر اس کا تدارک نہ کیا تو اس کی قوت بہت بڑھ جائے گی' پھر اس پر قابو پانا دشوار ہو جائے گا اور آپ کو عراق کی حکومت سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

مسترشد کے تدبر' حوصلہ مندی اور شجاعت سے محمود بھی اس کی جانب سے مطمئن نہ تھا۔ اس لئے اس خطرہ کے انسداد کے لئے بغداد جانے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ مسترشد کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے کہلا بھیجا کہ دبیس کی شورش اور فتنہ انگیزی کی وجہ سے عراق کی حالت بہت ابتر ہو رہی ہے، کاشتکار اجڑ گئے ہیں' غلہ کی کمی سے گرانی بہت بڑھ گئی ہے۔ تمہاری فوجوں کی آمد سے اخراجات کا بار اور بڑھ جائے گا اس لئے اس وقت ارادہ ملتوی کر دو' حالات سدھرنے کے بعد بغداد کا قصد کرنا۔ اس ممانعت سے سلطان کا شک یقین کے درجہ تک پہنچ گیا اور اس نے ارادہ ملتوی نہ کیا۔

مسترشد کو اس کی یہ عدول حکمی سخت ناگوار ہوئی۔ اس نے طے کر لیا کہ اگر محمود نے اپنا ارادہ نہ بدلا تو وہ بغداد چھوڑ دے گا اور قصر خلافت چھوڑ کر بغداد کے مغربی حصے میں چلا گیا۔ اس سے اہل بغداد میں بڑی بے چینی پیدا ہو گئی۔ محمود بھی اس کا عزم سن کر گھبرایا اور قاصد بھیج کر اس کو راضی کرنے کی کوشش کی۔ مسترشد نے کہلا بھیجا کہ اگر سلطان چاہتا ہے کہ میں بغداد نہ چھوڑوں تو اس کو اپنا ارادہ فسخ کرنا پڑے گا۔ لوگ گرانی کی شدت سے ہلاک ہو رہے ہیں۔ ملک ویران ہو رہا ہے۔ میرا مذہب اس کی اجازت نہیں دیتا کہ ان کی مصیبت بڑھتی جائے اور میں اپنی آنکھوں سے تماشہ دیکھتا رہوں' اگر سلطان

واپس نہ گیا تو میں قطعی طور پر عراق چھوڑ دوں گا تاکہ کم سے کم اپنی آنکھوں سے اہل عراق کے مصائب نہ دیکھوں۔ یہ جواب سن کر سلطان کا غصہ اور بڑھ گیا اور وہ اپنا ارادہ ملتوی کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔

سلطان کی ضد اور اس کے اصرار کو دیکھ کر مسترشد نے اس کے حکام کو روکنے کے لئے عفیف خادم کو واسط بھیجا۔ سلطان نے امیر اقسنقر برسقی والی موصل کے لڑکے عمادالدین زنگی کو اس کے مقابلے پر مامور کیا۔ اس نے عفیف خادم کو شکست دے کر عراق کو انقلاب سے بچالیا۔

عفیف خادم کی شکست کے بعد ذی الحجہ ۵۲۰ھ میں سلطان بغداد پہنچ گیا اور مسترشد کو قصر خلافت واپس لے جانے کی کوشش کی' لیکن وہ آمادہ نہ ہوا۔ اس لئے سلطانی فوج نے قصر خلافت پر حملہ کر دیا۔ اس سے اہل بغداد میں بڑا جوش پیدا ہو گیا۔ انہوں نے بھی اعلان جنگ کر دیا' مسترشد بھی جنگ کے لئے آمادہ ہو گیا اور سلطانی فوج کے مقابلہ کے لئے بغداد کے مشرقی حصہ میں چلا گیا۔ اور حفاظت کے لئے خندق کھدوائی۔ اس دوران میں شہر پناہ کے پھاٹک پر جھڑپ ہوتی رہی جس سے بغداد میں بڑی بدامنی پیدا ہو گئی۔ بہت سے آدمی قتل و گرفتار ہوئے۔ عباسی فوج نے سلطانی فوج پر شبخون مارنے کا ارادہ کیا' مگر اس درمیان میں امیر ابوالہیجا کردی والی اربل مسترشد کا ساتھ چھوڑ کر سلطان سے مل گیا' اس لئے یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا۔

اس درمیان میں عمادالدین زنگی جسے سلطان نے بغداد بلا بھیجا تھا بصرہ اور واسط وغیرہ کی حفاظت کا انتظام کر کے بہت بڑی بری و بحری فوج لے کر پہنچ گیا اور دجلہ کو جنگی کشتیوں سے پاٹ دیا۔ یہ صورت دیکھ کر بغدادی فوج کی ہمت پست ہو گئی۔ امیر ابوالہیجا کردی ساتھ چھوڑ چکا تھا اور مسترشد کی قوت کمزور ہو گئی تھی۔ اس لئے اس نے مجبور ہو کر سلطان کے پیام مصالحت کو قبول کر لیا۔ سلطان اپنی جسارت پر معافی کا خواستگار ہوا۔ مسترشد نے درگزر سے کام لیا اور بغداد ایک بڑے انقلاب سے بچ گیا۔ سلطان کے بعض بدنفس مشیروں نے اس کو مشورہ دیا کہ مسترشد کو زیر کرنے کا یہی موقع ہے۔ بغداد کو جلا کر ویران کر دیجئے۔ اس نے انکار کیا اور کہا کہ کل دنیا بغداد کے برابر نہیں ہو سکتی۔ [1]

عراق میں سلجوقیوں کی حکومت کا دارومدار بڑی حد تک بغداد کے سلجوقی شحنہ پر تھا۔ مسترشد کی عالی دماغی اور قوت سے اس کے زمانہ میں یہ مسئلہ بہت اہم ہو گیا تھا اور کوئی امیر اس کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوتا تھا۔ عراق پر فوج کشی اور اس کی حفاظت میں عمادالدین زنگی نے غیر معمولی کارگزاری دکھائی تھی۔ اس لئے سلطان نے تمام امرا کے اتفاق رائے سے اس کو اس جلیل القدر منصب پر مقرر کیا اور ربیع الثانی ۵۲۱ھ میں ہمدان واپس گیا۔ [2]

[1] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۲۲۷۔ [2] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۲۲۹۔

دبیس کی فتنہ انگیزی
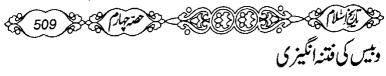
یاد ہوگا ۵۱۹ھ میں دبیس بن صدقہ طغرل کے ہمراہ سلطان سنجر کے پاس خراسان چلا گیا تھا۔ وہاں بھی وہ خاموش نہ بیٹھا اور سنجر کو بھڑکایا کہ مسترشد اور محمود آپ کے خلاف متحد ہو گئے ہیں۔ سلطان کو اس کے ماننے میں تامل ہوا' لیکن دبیس نے اس وثوق اور اصرار سے کہا کہ اسے بھی شبہ پیدا ہو گیا اور اس کی تصدیق کے لئے رے جا کر سلطان محمود کو بلا بھیجا۔ دبیس کے بیان کی کوئی اصلیت نہ تھی' محمود بلا تامل سلطان سنجر کے پاس چلا گیا۔ اس لئے سنجر کا شک جاتا رہا اور وہ بڑے لطف و مدارات کے ساتھ محمود سے پیش آیا۔ اسے اپنے ساتھ تخت شاہی پر بٹھایا' لیکن سلطان خود بڑا عالی ظرف تھا اور اس کی لڑکی یعنی سلطان محمود کی بیوی دبیس کو بہت مانتی تھی۔ اس لئے سنجر نے دبیس کو یہ کہہ کر محمود کے سپرد کر دیا کہ اس کے ساتھ بدسلوکی نہ ہونے پائے اور خلیفہ سے سفارش کر کے اس کا ملک اسے واپس کرا دو۔

اس کی ہدایت کے مطابق سلطان محمود ۵۲۳ھ میں دبیس کو لے کر بغداد گیا۔ مسترشد کو اس کی عہد شکنی کا بارہا تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ اسے ملک کا کوئی حصہ دینے پر آمادہ نہ ہوا اور حلہ کی حکومت امیر بہروز کو دے دی اور سلطان محمود نے امیر احمد یلی اور امیر قزل کی ضمانت پر دبیس کو آزاد کر دیا۔

دبیس کی بدقسمتی سے اسی زمانہ میں محمود کی بیوی کا جو آڑے وقتوں میں دبیس کے کام آتی تھی' انتقال ہو گیا اس سے اس کا بڑا سہارا جاتا رہا۔ اس کی موت کے چند ہی دنوں کے بعد سلطان محمود سخت بیمار ہو گیا۔ اس کی بیماری سے دبیس کو پھر فتنہ انگیزی کا موقع مل گیا اور وہ سلطان کے صغیر السن بچے کو لے کر عراق چلا گیا۔ بہروز حلہ چھوڑ کر بھاگ گیا اور دبیس نے حلہ پر قبضہ کر لیا۔ مسترشد کو اطلاع ہوئی تو اس نے مقابلے کا حکم دیا۔ اس دوران میں سلطان محمود کی حالت بھی سنبھل گئی۔ اس نے دبیس کے ضامن امیر احمد یلی اور امیر قزل کو بلا کر دبیس کو روکنے کے لئے عراق بھیجا۔ سلطان اور مسترشد دونوں کی برہمی دیکھ کر اس نے مسترشد سے معافی چاہی اور وعدہ کیا کہ آئندہ ہمیشہ اس کا بندہ فرمان رہے گا اور ایک رقم سالانہ پیش کرنے کا وعدہ کیا۔ سلطان کی خدمت میں بھی ہدایا بھیجے' لیکن سلطان نے اس کی درخواست رد کر دی۔ وہ مایوس ہو کر بصرہ چلا گیا اور مسترشد کے محاصل پر قبضہ کر لیا۔ سلطان نے فوراً بصرہ فوجیں روانہ کیں۔ اس لئے دبیس نے بصرہ چھوڑ دیا اور چند دنوں کے بعد پھر شام چلا گیا۔ [1]

سلطان محمود کی وفات

شوال ۵۲۵ھ میں سلطان محمود کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت کل ستائیس سال کی عمر تھی۔ وہ بیدار

[1] ابن اثیر ج ۱۰، ص ۲۳۳۔

مغز اور باخبر حکمران تھا۔ حکومت کے تمام شعبہ جات کی خود دیکھ بھال کرتا تھا۔ دفاتر اور امرا کی جاگیروں کے حالات معلوم کرتا اور وزیر اور مستوفی کے کاغذات کی جانچ پڑتال کرتا تھا۔ کوئی چیز اس کی نگاہ سے مخفی نہ رہنے پاتی تھی۔ [1]

ذاتی حیثیت سے وہ شریف النفس اور متحمل مزاج تھا۔ خلاف طبع باتوں میں چشم پوشی سے کام لیتا تھا۔ خود بھی رعایا کے مال کے بارہ میں بڑی حد تک محتاط اور پاک دامن تھا اور امرا اور وابستگان دولت کو بھی دست درازی سے روکتا تھا۔ [2]

راوندی کا بیان ہے کہ وہ نیک سیرت، خندہ جبیں، ہنس مکھ، خوش مزاج، شیریں زبان، بذلہ سنج اور عفیف و پاک دامن تھا۔ [3] لیکن کم عمری اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے یہ بڑی کمزوری تھی کہ امرا اور وزراء اس پر حاوی تھے جس سے اس کی حکومت کے وقار کو صدمہ پہنچا۔

سلطان داؤد

سلطان محمود کی وفات کے بعد اس کے وزیر ابوالقاسم اور اتابک اقسنقر نے شوال ۵۲۵ھ میں اس کے صغیر السن بچہ داؤد کو تخت نشین کیا۔ یہ بہت کمسن تھا اور اس کے کئی چچا طغرل، مسعود اور سلجوق شاہ موجود تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی داؤد کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا۔ داؤد کے نانا سنجر نے بھی اتنے صغیر السن بچے کی جانشینی کو مناسب نہ سمجھا اور داؤد کے بجائے اپنے بھتیجے طغرل کو نامزد کیا، چنانچہ فارسی مؤرخین نے محمود کے بعد طغرل ہی کو بادشاہ لکھا ہے، لیکن محمود کے خود غرض امرا نے سنجر کے فیصلہ کو نہ مانا۔ اس لئے داؤد کے تینوں چچا طغرل، مسعود اور سلجوق شاہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب سے اول مسعود نے پایہ تخت ہمدان پر فوج کشی کی اور مسترشد سے بغداد میں اپنے خطبہ کی درخواست کی۔ داؤد کی درخواست بھی پہنچ چکی تھی۔ مسترشد نے اس کا فیصلہ سنجر پر چھوڑ دیا اور اس کو لکھ بھیجا کہ سب سے زیادہ تم خود خطبہ کے مستحق ہو۔ ان دونوں میں سے کسی کو اجازت نہ دینا۔ [4]

ابھی مسعود اور داؤد کی کشمکش کا فیصلہ نہ ہوا تھا کہ سلجوق شاہ اتابک قراجہ ساقی کے ہمراہ فوجیں لے کر بغداد پہنچ گیا۔ مسترشد بڑی عزت و توقیر کے ساتھ پیش آیا اور اس کے باپ کے محل میں ٹھہرایا اور اس سے اپنی امداد و حمایت کا وعدہ لے لیا۔ مسعود کو اس کی اطلاع ہوگئی۔ اس نے مسترشد کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر بغداد میں اس کے نام کا خطبہ جاری نہ کیا گیا تو وہ قوت کے زور سے پڑھوائے

---

[1] راحۃ الصدور ص ۲۰۵۔ [2] ابن اثیر ج ۱۰، ص ۲۳۹۔
[3] راحۃ الصدور ص ۲۰۳۔ [4] ابن اثیر ج ۱۰، ص ۲۴۱۔

گا۔مسترشد نے اس دھمکی کی پرواہ نہ کی۔اس لئے مسعود نے عمادالدین زنگی کے ساتھ بغداد پر فوج کشی کر دی۔عمادالدین آگے تھا۔مسترشد اور قراجہ ساقی نے بغداد سے نکل کر اس کو فاش شکست دی۔اس کے بعد مسعود جو پیچھے سے آ رہا تھا' بغداد پہنچا۔اسے عمادالدین کی شکست کی خبر نہ تھی۔دو دن تک اس میں اور مسعود میں جھڑپ ہوتی رہی۔اس کے بعد اسے عمادالدین کی شکست کی اطلاع ملی۔اس لئے وہ لوٹ گیا۔
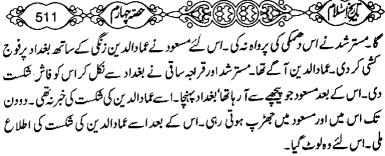
اس دوران میں سلطان سنجر طغرل کو تاج وتخت دلانے کے لئے ہمدان روانہ ہو گیا تھا۔اس کا مقابلہ مسعود اور سلجوق شاہ دونوں کے بس سے باہر تھا۔مسترشد بھی سنجر کی زیادہ مداخلت پسند نہ کرتا تھا۔اس لئے سنجر کے مقابلے کے لئے تینوں اس شرط پر متحد ہو گئے کہ عراق مسترشد کے وکیل کے ماتحت رہے گا اور ایران میں وہ مسعود کی حکومت تسلیم کر لے گا اور سلجوق شاہ اس کا ولی عہد ہو گا۔

اس معاہدہ کے بعد مسترشد نے مسعود' سلجوق شاہ اور قراجہ ساقی کو سنجر کے مقابلہ کے لئے آگے بھیج دیا اور خود ان کے عقب سے روانہ ہوا۔خانقین پہنچ کر اسے اطلاع ملی کہ سلطان سنجر کے حکم سے عمادالدین زنگی اور دبیس بن صدقہ دوسری سمت سے بغداد روانہ ہو گئے ہیں۔اس لئے مسترشد بغداد کی حفاظت کے لئے لوٹ گیا اور ان کے مقابلے کے لئے انتظامات کئے۔اس دوران میں عمادالدین اور دبیس قریب پہنچ گئے۔مسترشد نے آگے بڑھ کر حصن برآ مکہ میں انہیں فاش شکست دی۔دوسری جانب دینور کے قریب مسعود' سلجوق شاہ اور سلطان سنجر میں معرکہ آرائی ہوئی۔قراجہ ساقی نے بڑی شجاعت سے مقابلہ کیا لیکن آخر میں زخمی ہو کر گرفتار ہوا اور مسعود کو شکست ہوئی۔قراجہ ساقی سلطان سنجر کے سامنے پیش کیا گیا۔اس نے اس سے سوال کیا میرے مقابلہ میں آنے سے تیرا کیا مقصد تھا؟ قراجہ نے کہا تم کو قتل کر کے ایسے شخص کو بادشاہ بنانا چاہتا تھا جس پر حکومت کر سکوں۔سنجر نے اسے قتل کر دیا۔

طغرل بن محمد

سلطان سنجر اپنے سب بھتیجوں سے محبت کرتا تھا' چنانچہ مسعود کو شکست دینے کے بعد اسے واپس بلا کر تنبیہ کر کے گنجہ کی حکومت پر بحال کر دیا اور ۵۲۶ھ میں طغرل کو ہمدان میں تخت نشین کر کے ابوالقاسم انسابادی کو اس کا وزیر بنایا اور داؤد کو آذربائیجان کا علاقہ دے کر خراسان واپس گیا۔ [1]

طغرل اور اس کے بھائیوں کی کشمکش

[1] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۲۴۱' ۲۴۲۔

سلطان سنجر کی واپسی کے بعد سلطان داؤد نے امرا کے مشورے سے طغرل پر فوج کشی کر دی' لیکن ان کی نااتفاقی کی وجہ سے ناکامی ہوئی اور داؤد ذی الحجہ ۵۲۶ھ میں بغداد چلا گیا۔ مسترشد نے اسے بھی عزت و احترام کے ساتھ ٹھہرایا۔ مسعود کو داؤد کی شکست کی خبر ہوئی تو وہ طغرل کے مقابلے میں اس کو ملانے کے لئے بغداد پہنچا۔ مسترشد نے اسے بھی ٹھہرایا اور چچا بھتیجوں کو خلعت دے کر بغداد میں دونوں کا خطبہ جاری کر دیا اور تینوں سلطان سنجر کے خلاف متحد ہو گئے اور مسترشد کی مدد سے مسعود اور داؤد نے پہلے آذربائیجان پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد مسعود نے طغرل کو ہمدان سے نکالا۔

اس دوران میں داؤد نے آذربائیجان میں مسعود کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ اس لئے مسعود کو آذربائیجان لوٹ جانا پڑا۔ اس کی واپسی کے بعد طغرل نے ہمدان واپس لے لیا اور مسعود کے فوجی افسروں کو ملا کر اسے آذربائیجان سے بھی نکال دیا اور وہ بغداد لوٹ گیا۔ اس کا دوسرا بھائی سلجوق شاہ بھی بغداد پہنچ گیا۔ مسترشد نے حسب معمول دونوں کو عزت و احترام کے ساتھ ٹھہرایا اور ان کی راحت و آسائش کے جملہ سامان مہیا کر دیئے۔ [1]

موصل پر مسترشد کی فوج کشی اور واپسی

سلجوقی امرا اس زمانہ میں سب سے زیادہ شجاع و نامور عمادالدین زنگی تھا۔ وہ سلجوقی حکومت کا رکن رکین تھا۔ اس لئے مسترشد اسے پسند نہ کرتا تھا۔ طغرل اور اس کے بھائیوں کی خانہ جنگی کے زمانہ میں بہت سے سلجوقی امرا بغداد جا کر مسترشد سے متوسل ہو گئے تھے۔ ان کی مخالفت سے فائدہ اٹھا کر مسترشد نے عمادالدین زنگی کو دبانے کی کوشش کی' چنانچہ بغداد کے واعظ شیخ بہاؤالدین اسفرائینی کے ہاتھ اس کے پاس ایک سخت تحریر بھیجی۔ انہوں نے عمادالدین سے بڑی تلخ گفتگو کی۔ اس نے بہاؤالدین کو گرفتار کر کے ان کی تذلیل و تحقیر کی۔ اس سے مسترشد کا غصہ اور تیز ہو گیا۔ اس نے موصل پر فوج کشی کر کے اس کا محاصرہ کر لیا۔ عمادالدین اپنے نائب نصیرالدین کو شہر کی حفاظت کے لئے چھوڑ کر خود نکل گیا اور عباسی فوجوں پر شبخون مار کر اور سامان رسد کی بندش کر کے اسے پریشان کر ڈالا اور چند مہینوں کے بعد مسترشد کو ناکام لوٹ جانا پڑا۔ [2]

سلطان طغرل کا انتقال

سلطان مسعود اور سلجوق شاہ دونوں ایک سال سے زیادہ بغداد میں مقیم رہے۔ مسترشد ہر چند

---

[1] ابن اثیر ج ۱۱' ص ۴۔ [2] ابن اثیر ج ۱۱' ص ۲۔

ان کو طغرل پر فوج کشی کے لئے ابھارتا رہا' لیکن ان کی ہمت نہ پڑی اور وہ برابر ٹالتے رہے۔ تا آنکہ محرم ۵۲۹ھ میں طغرل کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت کل پچیس سال کی عمر تھی۔ اس کی مدت حکومت کل تین سال تھی۔

طغرل صالح اور نیک سیرت فرماں روا تھا۔ راوندی کا بیان ہے کہ عدل و سیاست' حیا و حمیت' کرم و شجاعت تمام اوصاف سے متصف تھا۔ فواحش اور رذائل سے اس کا دامن پاک تھا۔ [1]

ابن اثیر لکھتا ہے کہ وہ سراپا خیر و خوبی اور عادل و رعایا پرور تھا۔ ایک مرتبہ جب وہ مسعود کے مقابلہ میں جا رہا تھا۔ لوگوں نے اس کی کامیابی کے لئے دعا کی۔ طغرل نے ان سے کہا میرے لئے دعا کرنے کے بجائے یہ دعا کرو کہ ہم میں سے مسلمانوں کے لئے جو بہتر ہو اللہ تعالیٰ اس کو کامیاب کرے۔ [2]

علم و تعلیم سے دلچسپی تھی۔ ہمدان میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا اور اس کے اخراجات کے لئے ایک بڑی جائیداد وقف کی تھی۔ [3]

سلطان مسعود

طغرل کی وفات کے وقت مسعود بغداد میں تھا۔ طغرل کے سب بھائیوں میں حکومت کی سب سے زیادہ اہلیت مسعود ہی میں تھی۔ اس لئے سلجوقی امرا نے اسے بغداد سے بلا کر تاج و تخت اس کے حوالہ کر دیا۔ بعض امرا نے داؤد کو بھی دعوت دی تھی' لیکن وہ دیر میں پہنچا' سلطان مسعود نے اس سے اپنی لڑکی بیاہ کر اسے اپنا ولی عہد بنا دیا۔ [4] سلطان مسعود کی تخت نشینی کے بعد ہی مسترشد نے اس پر فوج کشی کر دی۔ جس کا نتیجہ اس کی گرفتاری اور قتل کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس کی تفصیل سے پہلے اس دور کے ایک قابل ذکر واقعہ دولت اتابکیہ موصل کے حالات سن لینے چاہئیں۔

دولت اتابکیہ موصل کا قیام

یہ نامور حکومت ۵۲۱ھ میں قائم ہوئی۔ صلیبی جنگ میں اس کے غیر معمولی کارناموں کی وجہ سے تاریخ اسلام میں اس کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ ابتدائی صلیبی لڑائیوں میں اس کے فرمانروا عماد الدین زنگی اور نور الدین زنگی نے وہی کارنامے انجام دیئے جو آخری لڑائیوں میں صلاح الدین

[1] راحۃ الصدور ص ۲۰۸۔ [2] ابن اثیر ج ۱۱' ص ۷۔
[3] راحۃ الصدور ص ۲۰۹۔ [4] راحۃ الصدور ص ۲۰۹۔

ایوبی سے ظاہر ہوئے۔

اس حکومت کا بانی امیر عماد الدین زنگی ہے۔ اس کا باپ امیر قسیم الدولہ آقسنقر ترکی ملک شاہ سلجوقی کا بچپن کا ساتھی اور اس کا معتمد علیہ امیر تھا۔ ملک شاہی دور میں اس کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ سلطان نے اس کو قسیم الدولہ کے معزز لقب سے ممتاز کیا۔ سلطان کے مزاج میں اس کو اتنا رسوخ حاصل تھا کہ وزیر نظام الملک تک اس سے ڈرتا تھا۔ ملک شاہ کے زمانہ میں وہ بڑے بڑے متعدد ذمہ دار عہدوں پر ممتاز رہا اور بڑے کارنامے انجام دیئے۔ سلطان نے اس کو حلب، حماۃ، منبج وغیرہ شام کے سلجوقی مقبوضات کا حاکم بنایا تھا۔ اس نے شام میں سلجوقی حکومت استوار کی تھی۔

ملک شاہ کی وفات کے بعد جب برکیارق اور اس کے بھائیوں اور چچا میں خانہ جنگی شروع ہوئی تو قسیم الدولہ نے شامی مقبوضات کو بچانے کے لئے ملک شاہ کے بھائی تاج الدولہ تتش ارسلان کی اطاعت قبول کر لی۔ موصل کے عرب فرمانروا ناصر الدولہ ابراہیم بن حمدان نے اس کو اپنا ماتحت بنانے کی کوشش کی، لیکن قسیم الدولہ نے اسے شکست دے کر موصل اور دیار بکر وغیرہ پر قبضہ کر لیا، پھر جب برکیارق تاج الدولہ کے مقابلہ میں اٹھا تو قسیم الدولہ اپنے آقازادے کے ساتھ ہو گیا اور تاج الدولہ کو ناکام ہونا پڑا۔ اس کے انتقام میں تاج الدولہ نے حلب پر فوج کشی کر دی تھی۔ اس معرکہ میں قسیم الدولہ شکست کھا کر گرفتار ہوا اور تاج الدولہ نے اسے قتل کرا دیا۔ قسیم الدولہ بڑا مدبر، عالی دماغ، بہادر، عادل اور رعایا پرور امیر تھا۔ اس کے دور امارت میں اس کے رقبہ حکومت میں اتنا امن و امان تھا کہ کوئی شخص کسی کے مال کی جانب آنکھ اٹھانے کی جرأت نہ کرتا تھا۔ قافلوں کی گزرگاہیں اتنی محفوظ تھیں کہ جن مقاموں سے وہ گزرتے تھے، خود وہاں کے باشندے قافلہ کی حفاظت و نگرانی کرتے تھے۔

قسیم الدولہ نے اپنی یادگار ایک صغیر السن لڑکا عماد الدین چھوڑا۔ اس کی عمر کل دس برس تھی۔ قسیم الدولہ کے وفادار امرا لیتے قوام الدولہ کربوغا، موسیٰ ترکمانی، جگرمش اور جاؤلی سقاؤ وغیرہ یکے بعد دیگرے اس بچہ کو اپنی تربیت میں لیتے رہے اور اس کے خدم و حشم کے مصارف کے لئے جاگیر مقرر کی اور ان امرا کی دامن تربیت میں اس کی نشوونما ہوئی۔ عماد الدین جوہر قابل تھا۔ سن شعور کو پہنچ کر اس کے جوہر چمکنے لگے اور وہ سلجوقی امرا کے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہونے لگا شجاعت و شہامت خداداد تھی نوجوانی ہی میں اس کی شجاعت و شہامت کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا۔ صلیبی لڑائیوں میں اس نے بڑے کارنامے انجام دیئے۔ سلطان محمود نے بڑی بڑی مہمیں اس کے سپرد کیں، جنہیں اس نے کامیابی کے ساتھ انجام دیا۔ چند دنوں میں وہ سلجوقی حکومت کا بڑا معتمد علیہ امیر اور اس کا رکن رکین بن گیا۔ ۵۲۱ھ

میں سلطان محمود نے اس کو بغداد کی شحنگی کے جلیل القدر منصب پر مامور کیا۔

امیر قسیم الدولہ کی وفات کے بعد موصل کا علاقہ مختلف امرا سے متعلق رہا۔ سلطان محمود کے زمانہ میں وہ قسیم الدولہ کے ایک ہم نام امیر اقسنقر برسقی سے متعلق تھا۔ یہ بھی بڑا شجاع و بہادر تھا۔ اس نے نہ صرف موصل اور جزیرہ کو صلیبیوں سے بچائے رکھا بلکہ جب تک زندہ رہا ان کے مقابلہ میں سینہ سپر رہا اور سرزمین شام میں بڑے نمایاں کارنامے انجام دیئے۔ اس کے بعد اس کے جانشینوں میں یہ صلاحیت نہ تھی۔ امیر برسقی کی وفات کے بعد اس کا لڑکا عزالدین مسعود اس کا جانشین ہوا۔ یہ چند ہی دنوں میں مر گیا۔ اس کے بعد امرا نے اس کے صغیر السن بھائی کو جانشین بنانا چاہا۔ اس زمانہ میں صلیبی سارے شام اور جزیرہ پر چھا گئے تھے اور کردستان کا علاقہ بھی خطرہ میں پڑ گیا تھا۔ اس لئے بعض عاقبت اندیش لوگوں نے اقسنقر برسقی کے صغیر السن لڑکے کی حکومت کی مخالفت کی اور رائے دی کہ موصل کا والی کسی ایسے شخص کو بنانا چاہیے جو صلیبیوں کی مدافعت کر سکے۔ امیر عمادالدین زنگی ان کے مقابلے میں نام پیدا کر چکا تھا۔ اس لئے ۵۲۱ھ میں سلطان نے اس کو موصل اور اس کے متعلقہ علاقوں کا والی بنا دیا۔ اس طرح اتابکی حکومت کی بنیاد پڑی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب نہ صرف شام بلکہ جزیرہ کی سرحد تک صلیبیوں کا زور بڑھ گیا تھا اور وہ مسلمانوں پر بڑے مظالم ڈھا رہے تھے۔ مسلمانوں کے پاس صرف حلب' حمص' حماۃ و دمشق رہ گئے تھے اور ماردین سے لے کر مصر کی سرحد تک صلیبی قابض تھے اور آس پاس کے چھوٹے چھوٹے مسلمان حکمرانوں سے خراج وصول کرتے تھے۔ کوئی ان کو روکنے والا نہ تھا۔

عمادالدین زنگی نے سب سے پہلے موصل کا بگڑا ہوا نظام درست کیا۔ اس وقت شام، جزیرہ اور کردستان میں متعدد چھوٹے چھوٹے مسلمان حکمران تھے۔ ان کی آپس کی جنگ و کشمکش سے مسلمانوں کو بڑا نقصان پہنچ رہا تھا۔ ان کو ختم کئے بغیر صلیبیوں کا پورا مقابلہ ممکن نہ تھا۔ اس لئے موصل کے انتظام سے فراغت کے بعد عمادالدین نے ان کی طرف توجہ کی اور بوازیج' نصیبین' سنجار' خابور اور حران وغیرہ کو ان کے ہاتھوں سے چھڑا کر شام کا راستہ صاف کیا اور ۵۲۳ھ میں فرات کو عبور کر کے سرزمین شام کی طرف بڑھا۔ یہاں بھی چھوٹی چھوٹی حکومتیں تھیں۔ عمادالدین نے سب سے اول منبج' حصن بزاعہ' حلب' حماۃ' حمص وغیرہ کو ان کے ہاتھوں سے چھڑا کر راستہ صاف کیا۔

شام کے مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان قلعہ اثارب کے عیسائیوں سے پہنچ رہا تھا۔ اس لئے عمادالدین نے سب سے پہلے ۵۲۴ھ میں اسی پر فوج کشی کی۔ صلیبیوں نے پوری قوت کے ساتھ

مقابلہ کیا' لیکن عمادالدین نے انہیں بڑی فاش شکست دی۔ بے شمار عیسائی مارے گئے اور حصن اثارب پر قبضہ کر کے اسے مسمار کر دیا۔ حصن اثارب کے بعد حصن حارم کا محاصرہ کیا۔ اثارب کی شکست کے بعد عیسائیوں میں مدافعت کا دم باقی نہ رہ گیا تھا۔ اس لئے انہوں نے حارم کی نصف آمدنی دے کر صلح کر لی۔ عمادالدین تھکی ہوئی فوجوں کو آرام دینا چاہتا تھا۔ اس لئے ان کی پیشکش قبول کر لی۔ حصن اثارب کی شکست کے بعد حلب کے نواح میں صلیبیوں کی قوت ٹوٹ گئی اور یہاں کے مسلمانوں کو ان کے مظالم سے نجات مل گئی۔ اس فتح سے ساری دنیائے اسلام کو مسرت ہوئی اور عمادالدین زنگی فوجوں کو آرام دینے کے لئے موصل لوٹ گیا۔ واپسی میں سرجی' دارا وغیرہ کو مسلمان امراء کے قبضہ سے نکالا۔

اس کی واپسی کے بعد ہی سلطان محمود کا انتقال ہو گیا اور اس کے بھائیوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی جس کا سلسلہ کئی سال تک قائم رہا۔ اس لئے عمادالدین زنگی کو مسترشد کے دور میں دوبارہ صلیبیوں کے مقابلہ میں نکلنے کا موقع نہ مل سکا اور اس درمیان میں وہ کردستان کو صاف کرتا رہا۔ چنانچہ ۵۲۸ھ میں اس نے کردوں کے بہت سے قلعوں پر قبضہ کیا۔ ۵۲۹ھ میں دمشق پر فوج کشی کی' لیکن عین موقع پر مسترشد کا حکم صلح کے لئے آ گیا۔ اس لئے عمادالدین نے محاصرہ اٹھا لیا۔ [1]

دولت موحدیہ مغرب کا قیام

مسترشد کے دور کا دوسرا قابل ذکر واقعہ مہدی مغربی کا ظہور اور مراکش کی دولت موحدیہ کا قیام ہے۔ مہدی مغربی کا نام ابوعبداللہ محمد بن تومرت ہے۔ ان کے نسب کے بارہ میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ بعض مؤرخین ان کو حسنی سادات میں شمار کرتے ہیں اور بعض مغرب کے قبیلہ مصامدہ سے بتاتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ وہ اصل میں اسی قبیلہ سے تھے' لیکن مہدی کے ظہور کی پیش گوئیاں چونکہ اہل بیت سے تھیں' اس لئے دعویٰ مہدویت کے بعد ابن تومرت نے اپنا نسب نامہ اہل بیت نبوی سے ملا دیا۔

باختلاف روایت وہ ۴۷۱ھ تا ۴۸۶ھ میں سوس کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم قرطبہ میں حاصل کی اور مہدیہ میں امام مازری سے اور اسکندریہ میں امام ابوبکر طرطوسی سے مستفید ہوئے۔ [2] اسکندریہ سے عراق گئے اور امام غزالی اور کیا ہراسی کے حلقہ درس میں شریک ہوئے اور مکہ میں حدیث و اصول فقہ وغیرہ دینی علوم کی تکمیل کی۔

---

[1] عمادالدین زنگی کے تمام حالات تاریخ دولت اتابکیہ موصل اور کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین ابوشامہ سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔ [2] تاریخ الدولتین الموحدیہ والحفصیہ زرکشی ص ۲۔

ان کی زندگی ابتدا سے زاہدانہ تھی۔ ایک عصا اور پانی پینے کے پیالہ کے سوا اور کوئی سامان نہ رکھتے تھے۔ شب و روز عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔ اتباع شریعت میں بڑے سخت تھے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر زندگی کا مقصد بنالیا تھا۔ خلاف شرع باتوں کی مخالفت میں کسی کی رعایت و پرواہ نہ کرتے تھے۔ اس راہ میں انہوں نے بڑی سختیاں جھیلیں۔ مکہ چھوڑنا پڑا۔ یہاں سے مصر گئے۔ وہاں بھی ان کی شہرت کی بدولت مصر کی حکومت نے اپنے کو یہاں سے نکال دیا اور ابن تومرت بحری راستہ سے اسکندریہ ہوتے ہوئے مغرب روانہ ہو گئے۔ جہاز پر بھی تعلیم و ارشاد کا کام برابر جاری رہا۔ ۵۰۵ھ میں افریقہ کے شہر مہدیہ میں اترے اور ایک مسجد میں قیام کیا۔ شارع عام پر راہروؤں کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ جسے خلاف شرع لہو ولعب کے آلات یا شراب کے برتن وغیرہ لے جاتے ہوئے دیکھتے توڑ ڈالتے۔ چند دنوں میں یہاں بھی ان کی شہرت ہوگئی اور لوگ دینی علوم کی تحصیل کے لئے ان کے پاس آنے لگے۔ مہدیہ کے والی یحییٰ بن تمیم کو ان کا حال معلوم ہوا تو انہیں بلا کر ان سے ملا اور بڑی عزت و تکریم سے پیش آیا۔ دعا کا طالب ہوا۔ انہوں نے دعا کی ''اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری رعایا کے لئے بہتر بنائے''۔ پھر چند دنوں کے بعد مہدیہ سے بجایہ چلے گئے۔ [1] یہاں بھی ان کا مشن جاری رہا۔ بجایہ کے ایک گاؤں ملاء میں ان کی ملاقات عبدالمؤمن نامی ایک شخص سے ہوئی۔ انہیں اپنے کام کے لئے موزوں نظر آیا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ ابن تومرت نے رمل اور جفر کے ذریعے اس کے مستقبل کا پتہ چلایا۔ بہرحال عبدالمؤمن کو اپنے مقصد کے لئے موزوں پا کر اسے اپنا شریک کار بنالیا۔ عبدالمؤمن کے علاوہ ایک شخص اور عبدالواحد بھی ان کا معاون تھا۔ چند دنوں کے بعد یہ تینوں بجایہ سے تلمسان پہنچے اور شہر کے باہر ایک مسجد میں قیام کیا۔ ابن تومرت کی شخصیت میں ایک خاص رعب واثر تھا جس سے ہر شخص متاثر ہوتا تھا۔ چند دنوں میں تلمسان کے چھوٹے سے لے کر بڑے طبقات تک سب ان کے گرویدہ ہو گئے۔

چند دنوں تلمسان میں قیام کرنے کے بعد فاس پہنچے۔ یہاں بھی تعلیم و تبلیغ کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ وہ اپنے عقیدت مندوں کو اشعری عقائد کی تعلیم دیتے تھے۔ اہل مغرب عموماً اشعری مسلک کے خلاف بلکہ اس کے دشمن تھے۔ اس لئے فاس کے والی کو خبر ہوئی تو اس نے اپنے یہاں کے علما سے ان کا مناظرہ کرایا' لیکن وہ ان کے مقابلہ میں نہ ٹک سکے اور انہوں نے والی شہر سے یہ کہہ کر کہ اس شخص کے خیالات سے لوگوں کے عقائد میں فتور پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے اس کو شہر بدر کر دینا چاہیے' ابن تومرت کو فاس سے نکلوا دیا۔

---

[1] ابن خلکان ج ۲' ص ۳۷' ۳۸۔

فاس سے نکل کر وہ مراکش پہنچے۔ یہاں کا فرمانروا علی بن یوسف مرابطی کو پہلے سے ان کے حالات کی اطلاع مل چکی تھی۔ اس نے بھی یہاں کے علما سے مناظرہ کرایا' لیکن وہ ابن تومرت کے خیالات اور تقریر تک کو نہ سمجھ سکے۔ صرف ایک شخص مالک ابن وہیب اندلسی ان کی ذہانت وزکاوت اور وسعت علم کا اندازہ کر سکا۔ اس نے انہیں حکومت کے لئے خطرہ سمجھ کر علی بن یوسف سے کہا کہ یہ شخص فسادی ہے اس کے مکروفریب سے خطرہ ہے کہ لوگ اس کی باتوں کو سن کر اس کے گرویدہ ہو جائیں گے۔ مصامدہ کے قبائل میں ایسے شخص کا رہنا ہمارے لئے سخت خطرناک ہے۔ اس کو قتل کر دینا چاہیے' لیکن علی بن یوسف خود دیندار آدمی تھا۔ اس لئے قتل پر آمادہ نہ ہوا اور صرف شہر بدر کر دینے پر اکتفا کیا۔ [1]

مراکش سے نکل کر ابن تومرت سوس پہنچے اور چند دنوں قیام کر کے پہاڑی علاقے کے باشندوں کی درخواست پر تیملل منتقل ہو گئے۔ ان کی آمد کی خبر سن کر مصامدہ کے سرداران کے پاس جمع ہو گئے اور ابن تومرت کے وعظ و تبلیغ سے ان کے عقیدت مند بن گئے۔ ابن تومرت نے ان میں سے چند معتمد علیہ اشخاص کو تبلیغ و اشاعت اور قبائل کے رؤسا کو مائل کرنے پر مامور کیا۔ جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ مہدی موعود کی حدیثیں بیان کر کے لوگوں کو مہدی کے عقیدہ سے روشناس کرتے تھے۔ جب ان کے دلوں میں یہ عقیدہ راسخ ہو گیا اور مہدی موعود کی عظمت قائم ہو گئی۔ اس وقت ابن تومرت نے مہدویت کا دعویٰ کیا۔ زمین پہلے سے تیار ہو چکی تھی۔ ان کے عقیدت مندوں نے بلا تامل اس دعویٰ کو مان لیا اور ابن تومرت نے ان الفاظ میں ان سے بیعت لی کہ میں اس چیز پر بیعت لیتا ہوں جس پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔

اور ایک خاص نصاب کے مطابق ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا اور خدمت و عقیدت کے اعتبار سے ان کو مختلف درجوں میں تقسیم کر کے ان کا لقب ''مؤمن'' رکھا اور ان کے دلوں میں یہ بات راسخ کر دی کہ روئے زمین پر ان مؤمنین کی جیسی سچی اور ایمان دار جماعت دوسری نہیں ہے۔ یہی جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی مصداق ہے کہ سرزمین مغرب میں حق کی حمایت میں ایک جماعت برابر ظاہر ہوتی رہے گی۔ اسے کوئی شخص جو اس جماعت سے نکل جائے نقصان نہیں پہنچا

---

[1] یہ حالات المعجب فی تلخیص اخبار المغرب عبدالواحد مراکشی سے ماخوذ ہیں۔ ص ۱۳۴ تا ۱۳۵' اس میں اور ابن خلکان کے بیانات میں جزوی اختلاف بھی ہے)

سکتا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا کام پورا ہو کر رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اس جماعت کے ذریعے فارس وروم کو فتح کر کے دجال کو قتل کرائے گا اور اسی جماعت میں وہ امیر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نماز ادا کرتا ہے اور قیامت تک یہ امیر اسی جماعت میں رہے گا۔ [1]

مہدویت کے دعویٰ کے چند دنوں بعد تک ابن تومرت کی تعلیم وتلقین اور تبلیغ واشاعت پر امن اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تک محدود رہی اور مغرب کے بڑے بڑے قبائل ہرغہ اور نہاتہ وغیرہ میں انہوں نے فدویت وجان نثاری کی ایسی روح پھونک دی کہ وہ ان کے حکم پر باپ بیٹے اور بھائی کو بے تامل قتل کر دیتے تھے۔ اس وقت انہوں نے اپنے متبعین کو تعلیم دی کہ آج کل کی تمام حکومتیں باطل کی پیرو ہیں۔ ان سے قتال واجب ہے۔ [2]

ابن اثیر کا بیان ہے کہ ان کے دعویٰ مہدویت کی خبر سن کر علی بن یوسف نے اس تحریک کو دبانے کے لئے فوج بھیجی۔ مہدی نے اپنے پیرووں سے کہا کہ یہ فوج صرف میری تلاش میں آئی ہے۔ میری وجہ سے تم کو بھی نقصان پہنچ جائے گا۔ اس لئے مجھے کہیں نکل جانے دو۔ (یہ انہوں نے امتحاناً کہا تھا) یہ سن کر قبیلہ ہرغہ کے شیخ ابن تفیان نے کہا کیا آپ کو آسمانی قوت کی جانب سے کوئی خوف ہے۔ مہدی نے کہا نہیں' آسمان سے تو ہماری مدد ہوگی۔ ابن تفیان بولا تو پھر مجھے ساری روئے زمین کی طاقت سے بھی خوف نہیں۔ اس کی جان نثاری دیکھ کر مہدی نے کہا میں تم کو بشارت دیتا ہوں کہ تم کامیاب ہو گے اور تھوڑے ہی دنوں میں اس حکومت کو مٹا کر اس کے وارث بنو گے۔ اس دوران میں مرابطی فوجیں پہنچ گئیں اور مہدی کے پیرووں نے ان کا مقابلہ کر کے شکست دی۔ [3]

اس کامیابی سے لوگوں کو مہدی کی صداقت کا اور زیادہ یقین ہو گیا اور مغرب کے قبائل جوق در جوق ان کی بیعت میں داخل ہونے لگے'

لیکن عبدالواحد مراکشی کا بیان ہے کہ سب سے اول خود مہدی نے ۵۱۷ھ میں عبدالمؤمن کی ماتحتی میں ایک فوج مرابطین کے مقابلہ کے لئے بھیجی اور یہ ہدایت کر دی کہ پہلے ان کو منکرات وبدعات کے ازالہ اور معروف کے احیا اور امام مہدی معصوم کے اقرار کی دعوت دینا۔ اگر وہ اس کو مان لیں تو تمہارے بھائی ہیں اور انکار کریں تو جنگ کرنا۔ مراکش کے قریب مقام بحیرہ میں مرابطین کا سامنا ہوا۔ موحدین نے مہدی کی ہدایت کے مطابق ان کو دعوت دی اور علی بن یوسف کے پاس بھی تحریری دعوت بھیجی۔ اس نے اس کے جواب میں عبدالمؤمن کو فتنہ انگیزی اور مسلمانوں میں تفریق واختلاف پیدا

---

[1] المعجب ص ۱۳۴' ۱۳۵۔ [2] المعجب ص ۱۳۷' وابن اثیر ج ۱۰' ص ۲۰۲۔ [3] ابن اثیر ج ۱۰' ص ۲۰۲۔

کرنے اوران کی خونریزی کے انجام سے ڈرایا۔عبدالمؤمن نے اس جواب کوعلی بن یوسف کی کمزوری پرمحمول کرکے جنگ شروع کردی۔اس جنگ میں موحدین کو بڑی فاش شکست ہوئی اوران کی بڑی تعداد قتل ہوئی۔عبدالمؤمن چند آدمیوں کے ساتھ جان بچا کر نکل گیا۔ابن تومرت کو اس شکست اور عبدالمؤمن کے بچنے کی خبر ملی تو انہوں نے کہا اگر عبدالمؤمن محفوظ ہے تو پھر گویا ہمارا کوئی آدمی ضائع نہیں ہوا اور شکست خوردہ مصامدہ کی تشفی ودلدہی کی کہ ''تمہارے آدمی اللہ کے دین کی حمایت ومدافعت اور احیائے سنت میں کام آئے اوردرجہ شہادت پرفائز ہوئے۔ان کا غم نہ کرنا چاہیے''۔اس سے ان کے دل مضبوط ہو گئے اور مخالفین کے مقابلہ کا جذبہ اور بڑھ گیا اور انہوں نے نواح مراکش میں عام تاخت و تاراج شروع کردی۔ ❶

اس کا سلسلہ کئی سال تک جاری رہا اور مہدی کے پیروؤں کی تعداد اوران کی قوت روز بروز بڑھتی گئی اوران کے مقابلہ میں مرابطین کی حالت زوال پذیر ہوتی گئی۔ان دونوں کی کشمکش کا سلسلہ جاری تھا کہ رمضان ۵۲۴ھ میں مہدی کا انتقال ہوگیا۔وہ اپنے گھر کے قریب ایک مسجد میں دفن کیے گئے۔ ❷ مہدی بڑے عابد وزاہد تھے۔دنیاوی ساز وسامان سے بے نیاز' اپنے افعال واعمال میں سلف صالحین کا نمونہ تھے۔حدود کے اجرا میں بڑے سخت تھے۔ ❸ عورتوں سے ہمیشہ مجتنب رہے' پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے۔زرکشی کا بیان ہے کہ زہد وتقشّف اور عبادت وریاضت میں ان کا پایہ بہت اونچا تھا۔امام معصوم کے عقیدہ کے علاوہ ان میں بدعت کا اور کوئی شائبہ نہ تھا۔ ❹

عبدالمؤمن

مہدی نے اپنی زندگی میں عبدالمؤمن کو جانشین نامزد کردیا تھا'

چنانچہ ان کی وفات کے بعد موحدین نے ان کو جانشین بنایا۔پورا نام ابومحمد عبدالمؤمن بن علی ہے۔نسبی تعلق قبیلہ بنی مجیر سے تھا' لیکن وہ خود اپنے کو عرب قبیلہ قیس عیلان سے بتاتے تھے۔۴۸۷ھ میں تلمسان کے علاقہ تاجرا میں پیدا ہوئے۔ ❺

ابن ابی دینار کا بیان ہے کہ ان کا باپ علی بڑھئی تھا' لیکن عبدالمؤمن میں بچپن ہی سے تحصیل علم کا شوق تھا اوران کا زیادہ وقت مساجد میں گزرتا تھا۔ ❻

مہدی سے ان کی ملاقات بھی اس وقت ہوئی تھی جب وہ تحصیل علم کے لئے مشرق جا رہے

❶ المعجب ص ۱۳۷' ۱۳۸۔ ❷ المعجب ص ۱۳۹' وتاریخ الدولتین زرکشی ص ۵۔ ❸ المعجب ص ۳۸۔
❹ تاریخ الدولتین ص ۵۔ ❺ المعجب ص ۱۴۷۔ ❻ کتاب المونس ص ۱۱۰۔

تھے۔ [1] مہدی کی طرح عبدالمؤمن کی شخصیت میں بھی بڑی کشش و تاثیر تھی۔ صورتاً بھی حسین و جمیل تھے۔ آواز نہایت بلند' گفتگو پرزور اور فصیح ہوتی تھی۔ انہیں دیکھ کر اور ان کی گفتگو سن کر لوگ ان کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ [2]

عبدالمؤمن کے زمانہ میں ان میں اور مرابطین میں بڑے بڑے معرکے ہوئے اور انہوں نے مغرب سے ان کا خاتمہ کر کے اپنی حکومت قائم کر لی۔ [3]

مسترشد اور مسعود کی جنگ اور مسترشد کی شکست و گرفتاری

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ سلطان مسعود کی تخت نشینی کے بعد ہی مسترشد نے اس پر فوج کشی کر دی تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ طغرل کی موت اور مسعود کی تخت نشینی کے بعد چند سلجوقی امرا جنہوں نے طغرل کی حمایت میں مسعود کی زیادہ مخالفت کی تھی اس کے خوف سے ہمدان چھوڑ کر بغداد چلے گئے تھے۔ مسترشد سلجوقی سلاطین کو دبانے کے لئے ایسے مواقع کا منتظر ہی رہا کرتا تھا۔ اس نے ان امرا کی بڑی پذیرائی کی۔ انہیں خلعتیں عطا کیں اور مسعود کا خطبہ بند کر کے رجب ۵۲۹ھ میں اس پر فوج کشی کر دی۔ سلطان مسعود بھی مقابلہ کے لئے نکلا۔ یمراح میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ عین موقع پر مسترشد کی فوج کا میسرہ سلطان مسعود سے مل گیا' میمنہ نے مقابلہ کیا' لیکن اسے شکست ہوئی۔ مسترشد خود میدان جنگ میں موجود تھا۔ سلجوقی فوجوں نے اسے گھیر کر گرفتار کر لیا۔ اس کے ساتھ قاضی القضاۃ بغداد اور بہت سے علما و فقہا اور عباسی امرا اور عمائد گرفتار ہوئے۔ سلطان نے ان سب کو سرجہاں کے قلعہ میں بھجوا دیا اور مسترشد کو ایک خاص خیمہ میں ٹھہرا کر پہرہ مقرر کر دیا اور اس کی راحت و آرائش کے جملہ سامان فراہم کر دیئے' پھر چند دنوں کے بعد اسے اپنے ہمراہ ہمدان لے گیا۔

مسترشد کی گرفتاری کے بعد مسعود نے امیر آخر بک محمودی کو بغداد کا شحنہ مقرر کیا تھا۔ اس کے غلاموں نے مسترشد کی کل املاک پر قبضہ کر لیا۔ اس سے اہل بغداد میں بڑی برہمی پیدا ہو گئی۔ انہوں نے جامع سلطان کا منبر توڑ ڈالا اور امام کو خطبہ سے روک دیا۔ عوام کے جم غفیر نے خاک بہ سر فریاد و فغاں کرتے ہوئے بازاروں کا گشت لگایا۔ عورتیں سروپا برہنہ منہ پیٹتی ہوئی گھروں سے باہر نکل آئیں۔ آخر بک کے آدمیوں اور اہل بغداد میں تصادم ہو گیا۔ فریقین کے بہت سے آدمی مارے گئے اور بغداد میں ایک عام ہنگامہ بپا ہو گیا۔ [4]

---

[1] ابن خلکان ج ۲' ص ۳۸۔ [2] المعجب ص ۱۴۲۔ [3] یہ حکومت ۵۲۴ھ میں قائم ہوئی اور ۶۶۸ھ میں بنی مرین کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا۔ اس میں گیارہ فرمانروا ہوئے۔ [4] ابن اثیر ج ۱۱' ص ۹'۱۰۔

رہائی اور قتل

مسترشد اور مسعود کی جنگ کے زمانہ میں سلطان مسعود کے بھتیجے اور داماد سلطان داؤد نے اس کے خلاف آذربائیجان میں علم بغاوت بلند کر دیا تھا۔ اس لئے ہمدان کی واپسی کے بعد ہی مسعود کو آذربائیجان جانا پڑا۔ مسترشد ساتھ ساتھ تھا اور دونوں میں مصالحت کی گفتگو جاری تھی۔ سلطان کا مقصد صرف اس کی قوت اور اس کی فوجی سرگرمی کا انسداد تھا۔ اس لئے حسب ذیل شرائط پر صلح ہو گئی:

① مسترشد سلطان کو سالانہ ایک مقررہ رقم ادا کرے گا۔

② فوجیں نہ جمع کرے گا۔

③ قصر خلافت سے باہر قدم نہ نکالے گا۔

گویا یہ شرطیں مسترشد جیسے خلیفہ کے لئے بڑی توہین آمیز تھیں، لیکن بدرجہ مجبوری اسے ماننا پڑا۔ [1]

ایک بیان یہ ہے کہ سلطان سنجر نے مسعود کو حکم دیا کہ وہ مسترشد کو پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ بغداد واپس پہنچا دے اور اس کا جس قدر ساز و سامان لوٹا گیا ہے سب واپس کیا جائے اور پہلے سے زیادہ خیمہ و خرگاہ، خدم و حشم، جملہ لوازم شاہی اس کے لئے مہیا کئے جائیں۔ مسعود کے لئے اس کا حکم ٹالنا ممکن نہ تھا۔ اس لئے اس کی پوری تعمیل کی۔ [2]

لیکن مسترشد کی بدقسمتی سے عین موقع پر جبکہ اس کی روانگی کے جملہ سامان مکمل ہو چکے تھے پہرہ داروں کی غفلت سے باطنیوں کی ایک جماعت اس کے خیمہ میں گھس گئی اور ذیقعدہ ۵۲۹ھ میں اس کو قتل کر دیا۔ یہ واقعہ مراغہ میں پیش آیا۔

واقعہ قتل کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ ایک جو اوپر مذکور ہوئی۔ دوسرا بیان یہ ہے کہ اس قتل میں در پردہ سلطان مسعود کا ہاتھ تھا۔ اس کو مسترشد کی جانب سے اطمینان نہ تھا۔ اس کی قوت کو وہ خوف و خطر کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اس لئے ظاہر میں تو بدنامی سے بچنے کے لئے رہا کر دیا، لیکن در پردہ باطنیوں کے ذریعہ قتل کرا دیا۔ [3]

قتل کے وقت مسترشد کی عمر ۴۳ سال تھی، مدت خلافت سترہ برس چھ مہینے۔

اس حادثہ کی خبر بغداد پہنچی تو وہاں صف ماتم بچھ گئی۔ مرد گریبان چاک پا برہنہ اور عورتیں سر پیٹتی ہوئی گھروں سے باہر نکل آئیں۔ خود سلطان مسعود نے بڑا غم و الم ظاہر کیا۔

---

[1] ابن اثیر ج ۱۱، ص ۱۰۔ [2] الفخری ص ۱۷۱۔ [3] الفخری ص ۱۷۱۔

اوصاف وکمالات

مسترشد شجاعت وشہامت' تدبیر وسیاست' فضل وکمال' زہد وورع ہر وصف میں کامل تھا۔ اس نے اپنے شجاعانہ کارناموں سے اپنے نامور اسلاف کی یاد تازہ کر دی اور عباسی خلافت کی مردہ رگوں میں خون زندگی دوڑایا۔

سیوطی کا بیان ہے کہ وہ ایک عالی ہمت' بہادر' جری، صائب الرائے اور ہیبت وجبروت کا خلیفہ تھا۔ اس نے خلافت کے پراگندہ نظام کو از سر نو مرتب ومنظم اور اس کا نشان زندہ کیا۔ اس کی بوسیدہ ہڈیوں میں جان ڈالی، ارکان شریعت کو استوار کیا' لڑائیوں میں بہ نفس نفیس نکلتا تھا۔ ❶

ابن اثیر لکھتا ہے کہ وہ شجاع' بہادر' جری' آگے بڑھنے والا اور عالی ہمت خلیفہ تھا۔ ❷ سبکی کا بیان ہے کہ اس کی شجاعت وشہامت' ہیبت واقدام آفتاب سے زیادہ روشن اور بدر کامل سے زیادہ نمایاں ہے۔ ❸

حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ اس نے بنی عباس کے وقار عظمت کو زندہ اور امور مملکت کو منظم کیا۔ وہ خود لڑائیوں میں نکلتا تھا۔ ❹

اس کے پیشرو مدتوں سے محض تخت کی زینت تھے' تلوار ہاتھ میں لینا بھول گئے تھے۔ مسترشد خود میدان جنگ میں نکلتا تھا۔ فوجوں کی قیادت کرتا تھا اور عام سپاہیوں کے دوش بدوش لڑتا تھا۔ اپنی شجاعت سے اس نے عباسی خلافت کو سلجوقیوں کے پنجہ استبداد سے آزاد کرایا اور عراق میں ان کا اثر واقتدار ختم کر دیا۔

علمی حیثیت سے وہ نہ صرف اپنے بہت سے پیشرو خلفا بلکہ علما کی جماعت میں امتیازی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کی علمی سند کے لئے یہ کافی ہے کہ سبکی نے طبقات الشافعیہ میں علما کے زمرہ میں اس کا کوشامل کیا ہے۔ ابوالقاسم بن بیان اور عبدالوہاب بن ہبۃ اللہ سے سماع حدیث کیا تھا۔ خود اس سے متعدد اہل علم سے حدیث روایت کی ہے۔ ❺ ابن اثیر کا بیان ہے کہ وہ فصیح وبلیغ تھا۔ خط نہایت پاکیزہ تھا۔ میں نے اس کی تحریر دیکھی ہے۔ خط کی پاکیزگی اور فصاحت دونوں حیثیتوں سے بہترین تھی۔ ❻ فصاحت و بلاغت کے ساتھ وہ زبان آور خطیب بھی تھا۔ سیوطی نے اس کی ایک مختصر تحریر نقل کی ہے جو ادب وانشا اور بلاغت کا بہت اچھا نمونہ ہے۔ ❼ شاعری کا نہایت ستھرا مذاق رکھتا تھا۔ خود بھی شاعر تھا۔ اس کی شاعری میں اس کی شجاعت کے اثرات نمایاں ہیں۔

---

❶ تاریخ الخلفاء ص ۴۴۲۔ ❷ ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۱۔ ❸ طبقات الشافعیہ ج ۴ ص ۲۹۲۔
❹ دول الاسلام ج ۲ ص ۵۰۔ ❺ تاریخ الخلفاء ص ۴۴۲۔ ❻ ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۱۔
❼ تاریخ الخلفاء ص ۴۴۴۔

نمونہ کلام یہ ہے:

انا الا شقر المدعو لی فی الملاحم
ومن یملک الدنیا بغیر مزاحم
ستبلغ ارض الروم خیلی وتنقصی
باقصیٰ بلادالصین بیض صوارمی

اس کی گرفتاری کے وقت خود اس کے حسب ذیل اشعار اس کی زبان پر تھے:

ولا عجبا للاسدان ظفرت بها
کلاب الا عادی من فصیح واعجم
فحرب وحشی سقت حمزۃ الددی
ومدت علیٰ من حسام ابن ملجم

اس کی علم نوازی کی بنا پر علما نے اس کے نام پر کتابیں تصنیف کیں' چنانچہ امام ابوبکر شاشی نے کتاب العمدۃ اسی کے نام پر لکھی تھی۔ اس کا لقب ''عمدۃ الدنیا والدین'' تھا۔ [1]

علم کے ساتھ وہ باعمل بھی تھا۔ ایوان عیش میں بھی اس کی زندگی زاہدانہ تھی۔ صوف کے لباس میں گوشہ عزلت وعبادت وریاضت میں مشغول رہتا تھا۔

اس کے اوقات کا بڑا حصہ عبادت وتلاوت قرآن میں بسر ہوتا تھا۔ جس دن شہید ہوا اس دن بھی روزے سے تھا اور تلاوت قرآن میں مشغول تھا۔ [2]

ملک کا خیر خواہ اور رعایا کے لئے شفیق تھا۔ ظلم وجور کے انسداد میں اتنا اہتمام تھا کہ تخت خلافت پر قدم رکھنے کے ساتھ ہی ۵۱۲ھ میں اپنی خاص جاگیر کے علاقوں میں یک قلم ظلم وزیادتی کو موقوف کر دیا اور عام حکم جاری کر دیا کہ کسی کاشتکار واجارہ دار سے مقررہ محاصل کے علاوہ کوئی چیز نہ لی جائے۔ ممزج' سقلاطون اور دوسری قیمتی کپڑوں کے بنانے والوں اور زربافوں سے ٹیکس وصول کرنے میں سرکاری محصل بڑی زیادتیاں کرتے تھے۔ مسترشد نے یہ ٹیکس ہی سرے سے موقوف کر دیئے۔ [3]

بغداد کی شہر پناہ انقلابات وحوادث سے بہت بوسیدہ ہوگئی تھی۔ مسترشد نے ۵۱۸ھ میں از سر نو

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۴۴۴۔

[2] طبقات الشافعیہ ج ۴' ص ۲۹۱' ۲۹۲۔

[3] ابن اثیر ج ۱۶' ص ۱۹۲' سقلاطون اور ممزج' اعلیٰ قسم کے کپڑے تھے' اس کی صنعت بغداد میں بڑے فروغ پر تھی۔

اس کی تعمیر شروع کر دی اور اس کے مصارف کا بار تمام اہل بغداد پر ڈالا۔ یہ ان پر گراں گزرا۔ مسترشد کو معلوم ہوا تو اس نے کل وصول شدہ رقم واپس کر دی اور عوام کے بجائے عمائد سلطنت سے یہ رقم وصول کی گئی۔ مسترشد کے وزیر احمد بن نظام الملک نے پندرہ ہزار دینار دیئے۔ اس سے اہل بغداد کو بڑی مسرت ہوئی۔ [1]

[1] تاریخ الخلفاء ص۔۴۴۴۔

ابوجعفر منصور بن مسترشد الملقب بہ راشد باللہ

(۵۲۹ ھ تا ۵۳۰ ھ مطابق ۱۱۳۴ء تا ۱۱۳۵ء)

مسترشد اپنی زندگی میں اپنے لڑکے ابوجعفر منصور الملقب بہ راشد کی ولی عہدی کی بیعت لے چکا تھا۔ اس کے قتل کے بعد راشد کی بیعت خلافت ہوئی۔ اکیس خلفا زادوں نے بیعت کی اور رمضان ۵۲۹ھ میں وہ تخت خلافت پر بیٹھا۔ اس وقت اس کا بیسواں سال تھا۔

دبیس کا قتل

دبیس کی فتنہ انگیزی سے گزشتہ خلفا اور سلجوقی سلاطین سب تنگ تھے۔ گو اس میں اور سلطان مسعود میں صلح ہوگئی تھی، لیکن سلطان کو اس پر اعتماد نہ تھا' چنانچہ ایک مرتبہ جب وہ سلطان سے ملنے گیا، سلطان نے موقع پا کر اس کو قتل کرا دیا۔ [1] دبیس کے قتل کے بعد اس کی فوج اس کے لڑکے صدقہ کے پاس جمع ہوگئی۔ سلطان نے اس پر فوج کشی کرنے کا ارادہ کیا' مگر پھر دونوں میں صلح ہوگئی۔

سلجوقی شحنہ اور اہل بغداد میں جنگ

راشد کی تخت نشینی کے بعد ہی اس میں اور سلطان مسعود میں مخالفت شروع ہوگئی۔ اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ مسعود اور مسترشد کے شرائط صلح کی رو سے خلافت بغداد کے ذمہ جو سالانہ مقررہ رقم واجب الادا تھی، ۵۳۰ھ میں سلطان مسعود نے اس کی وصولی کے لئے برنقش زکوی کو بغداد بھیجا۔ مسترشد کی گرفتاری کے وقت خزانہ لٹ چکا تھا' لیکن برنقش کو اس کا یقین نہ تھا۔ اس نے تلاشی لینے کا ارادہ کیا۔ راشد اس میں مزاحم ہوا۔ برنقش اور بغداد کے سلجوقی شحنہ بک آبہ نے مل کر قیصر خلافت پر حملہ کر دیا' لیکن عباسی فوجوں نے انہیں پسپا کر دیا۔ وہ مقابلہ کی طاقت نہ پا کر لوٹ گئے۔ ان کی واپسی کے بعد بغداد کے عوام نے قصر سلطانی کو لوٹ لیا۔ [2]

مسترشد اور سلطان کے درمیان جو واقعات پیش آئے تھے، اسی کے اثر سے راشد سلطان سے کشیدہ تھا۔ قصر خلافت پر حملہ نے اس کو اور زیادہ برہم کر دیا اور وہ مسعود سے مسترشد کا انتقام لینے کے لئے آمادہ ہوگیا۔

سلطان مسعود اور سلجوقی امرا میں مخالفت

[1] تاریخ آل سلجوق ص ۱۶۳۔ [2] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۳، ۱۴۔

اتفاق سے اسی زمانہ میں چند سلجوقی امرا سلطان مسعود کو چھوڑ کر راشد سے مل گئے۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ امیر برنقش بازدار سلطان پر بہت حاوی تھا۔ اس کے سامنے اور کسی امیر کا چراغ نہ جلتا تھا۔ اس کے اقتدار کو دیکھ کر ایک اور ممتاز امیر قراسنقر نے سلطان کی بیوی کو ہدایا و تحائف دے کر اپنا ہمدرد بنانے کی کوشش کی۔ ملکہ سلطان کے مزاج میں بہت دخیل تھی۔ اس لئے برنقش زکوی کو سلطان کی جانب سے خطرہ پیدا ہو گیا۔ طغرل کے دور میں متعدد امرا برسقی' قزل' امیر آخر' سنقر اور حیدر وغیرہ جو سلطان مسعود سے خوفزدہ تھے' برنقش کے ساتھ ہو گئے اور وہ انہیں لے کر سلطان سے الگ ہو گیا۔ سلطان نے ان پر فوج کشی کر کے شکست دی اور طغرل کے بہت سے امرا کو گرفتار کر لیا۔ ❶ اس شکست سے برنقش بازدار کی مخالفت اور بڑھ گئی اور وہ راشد کے پاس بغداد چلا گیا اور عمادالدین زنگی' برنقش کبیر والی اصفہان' صدقہ بن وبیس' ابن برسق اور ابن احمد یلی وغیرہ نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ مسعود کا داماد اور بھتیجا داؤد والی آذربائیجان بھی بغداد پہنچ گیا۔ ❷ راشد کے دل میں پہلے سے سلطان سے انتقام لینے کے جذبات پرورش پا رہے تھے۔ ان امرا نے اس کو اور زیادہ آمادہ کر دیا۔ ❸

سلطان مسعود اور راشد کی مخالفت

ان امرا میں عمادالدین زنگی اور داؤد کی شخصیت زیادہ اہم تھی۔ داؤد سلطان محمود کا لڑکا اور سلجوقی تخت کا اصل وارث تھا اور عمادالدین اپنی شجاعت و ناموری کی بنا پر امرا میں امتیازی درجہ رکھتا تھا۔ راشد نے ان دونوں سے وفاداری کا عہد و پیمان لے کر بغداد میں سلطان مسعود کا خطبہ بند کر کے داؤد کا خطبہ جاری کر دیا اور عمادالدین کو دو لاکھ دینار فوجی انتظامات کے لئے عطا کئے۔ اس نے خراسان جا کر ضروری انتظامات کئے۔ بغداد میں خود راشد نے تیاریاں کیں۔ مسعود کو اس کا علم ہوا' تو اس نے قاصد بھیج کر راشد کو راضی کرنے کی کوشش کی۔ اس نے امرا سے مشورہ کیا۔ ان سب نے مخالفت کی اور مسعود کا قاصد ناکام واپس گیا۔ ❹

بغداد پر سلطان کی فوج کشی

اس کوشش میں ناکامی کے بعد مسعود نے بغداد پر فوج کشی کر کے اس کا محاصرہ کر لیا' لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی اور دو مہینے کے بعد لوٹ گیا۔ چند دنوں کے بعد امیر طرنطائے والی واسط کی مدد سے دوبارہ فوج کشی کی۔ راشد بھی مقابلہ کے لئے نکلا۔ اس مرتبہ اس کے مددگار امرا میں پھوٹ پڑ گئی اور انہوں نے اپنا اپنا راستہ لیا۔ صرف عمادالدین زنگی ساتھ رہ گیا۔ راشد اس کے ساتھ موصل چلا گیا

❶ تاریخ آل سلجوق ص ۱۶۰۔ ❷ ابن اثیر ج ۱۱' ص ۱۴۔
❸ دول الاسلام ذہبی ج ۲' ص ۲۶۔ ❹ ابن اثیر ج ۱۱' ص ۱۴۔

اور ذیقعدہ ۵۲۰ھ میں بغداد پر سلطان کا قبضہ ہو گیا۔

بغداد میں داخلہ کے بعد اس نے یہاں کے علما وفقہا اور قضاۃ وشہود کو جمع کر کے ان کے سامنے راشد کا ایک تحریری حلف نامہ' جو اس کے اور راشد کے درمیان ہوا تھا' پیش کیا۔ جس میں اس نے اقرار کیا تھا کہ اگر میں کسی وقت بھی فوجی اجتماع کروں یا بغداد سے باہر نکلوں یا وابستگان سلطانی پر تلوار اٹھاؤں تو معزول سمجھا جاؤں۔ یہ حلف نامہ دیکھ کر فقہا نے معزولی کا فتویٰ دے دیا۔ [1]

راشد کی معزولی

دوسری روایت یہ ہے کہ مسعود نے راشد کے مظالم' غصب اموال' خونریزی اور شراب نوشی کا ثبوت فراہم کر کے علما سے استفسار کیا کہ جس شخص میں یہ عیوب پائے جاتے ہوں' کیا اس کی امامت جائز ہے؟ اور فسق کے ثبوت کے بعد سلطان وقت کو اس کا حق حاصل ہے کہ وہ ایسے شخص کو معزول کر کے کسی دوسرے شخص کو خلیفہ بنائے؟ اور قاضی بغداد ابو طاہر بن کرخی کے سامنے راشد کے فسق کی شہادتیں پیش کر کے ان سے اس کی معزولی کا فتویٰ حاصل کیا اور ذیقعدہ ۵۳۰ھ میں اس کو معزول کر دیا۔ اس کی مدت خلافت گیارہ مہینے تھی۔

راشد کو مسترشد کے اوصاف سے کوئی مناسبت نہ تھی' لیکن وہ ان سے یکسر محروم بھی نہ تھا۔ سیوطی کا بیان ہے کہ راشد فصیح و بلیغ تھا۔ ادیب و شاعر تھا۔ شجاع و بہادر تھا۔ فیاض و سیر چشم تھا' نیک سیرت تھا' برائیوں کو ناپسند کرتا تھا۔ [2]

سلطان مسعود کے محضر اور اس کی پیش کردہ شہادتوں سے راشد کی جو تصویر ذہن میں آتی ہے' وہ صحیح نہیں ہے۔ مسعود اور راشد کی مخالفت' راشد کی شجاعت و حوصلہ مندی کا ثبوت ہے۔ کوئی معمولی حوصلہ و ہمت کا خلیفہ سلطان کی مخالفت کی جرأت نہ کر سکتا تھا' اور نہ سلطان کو کسی بے ضرر خلیفہ کو معزول کرنے کی ضرورت پیش آتی' پھر سلاطین کو خلفا کی دینی و اخلاقی حیثیت سے بحث ہی نہ تھی۔ وہ صرف اپنے مصالح کی بنا پر ان کے سیاسی حالات پر نگاہ رکھتے تھے اور خلافت کی اہلیت و نا اہلیت کے بارے میں ان کا معیار سیاست تھا نہ کہ مذہب۔ مسترشد کے ساتھ جو مسلمہ طور پر بڑا دیندار اور عابد و زاہد تھا' سلطان مسعود نے جو کچھ کیا اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ باقی سلطان مسعود جیسے بادشاہ کے لئے راشد کے خلاف شہادتیں فراہم کر لینا کوئی دشوار کام نہیں تھا۔ یہ بھی قابل غور ہے کہ راشد کو کل دس گیارہ مہینے حکومت کا موقع ملا۔ اس قلیل مدت میں وہ عقلاً بھی اتنی بے عنوانیاں نہیں کر سکتا تھا۔

---

[1] ابن اثیر ج ۱۱' ص ۱۴۔ [2] تاریخ الخلفاء ص ۴۴۶۔

ابوعبداللہ محمد بن مستظہر الملقب بہ مقتفی لامر اللہ

(۵۳۰ھ تا ۵۵۵ھ مطابق ۱۱۳۵ء تا ۱۱۶۰ء)

راشد کی معزولی کا واقعہ بالکل غیر متوقع پیش آیا تھا۔ اس وقت تک اس نے کسی کو ولی عہد نہیں بنایا تھا۔ سلطان مسعود نے اس کی معزولی کے بعد امرا کے مشورہ سے اس کے چچا ابوعبداللہ محمد بن مستظہر کو جو خاندان میں سب سے ممتاز تھا عہد و پیمان لے کر خلیفہ بنایا اور ایک دوسرے کے حقوق کے فرائض کی بھی تعیین کر دی۔ [1] سلطان کو مسترشد اور راشد کی آزادی کا تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لئے آئندہ اس قسم کے خطرات سے بچنے کے لئے یہ شرط بھی کر لی کہ ابوعبداللہ دارالخلافہ میں سفر اور نقل و حرکت کا کوئی سامان نہ رکھے گا۔ [2] ذوالحجہ ۵۳۰ھ میں ابوعبداللہ تخت خلافت پر بیٹھا اور مقتفی لامر اللہ لقب اختیار کیا۔ اس وقت چالیس سال کی عمر تھی۔

سیوطی کا بیان ہے کہ مسعود نے دارالخلافہ کے تمام جانوروں' اثاث البیت' طلائی و نقرئی سامانوں' خیمہ و خرگاہ' سراپردہ شاہی وغیرہ پر قبضہ کر لیا اور چار گھوڑوں' آٹھ خچروں اور مقتفی کے خالصہ کے علاوہ کوئی چیز اس کے پاس نہ رہنے دی۔ پھر چند دنوں کے بعد اس سے ایک لاکھ دینار کا مطالبہ کیا۔ مقتفی نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ تمہارا یہ مطالبہ کس قدر حیرت انگیز ہے۔ تم کو معلوم ہے کہ مسترشد تمہارے مقابلہ میں جاتے وقت کل خزانہ لیتا گیا تھا۔ اس کے ساتھ جو پیش آیا وہ معلوم ہے۔ اس سے جو بچ رہا تھا وہ راشد ساتھ لے گیا تھا۔ اس کا حشر بھی نگاہوں کے سامنے ہے۔ اس کے بعد دارالخلافہ میں صرف ساز و سامان باقی رہ گیا تھا۔ اس پر تم نے قبضہ کر لیا۔ ٹکسال' تبرکات اور جوالی کی آمدنی تک تم نے لے لی۔ اب میرے پاس کیا ہے' جو تمہاری فرمائش پوری کی جائے۔ صرف یہی ایک صورت باقی رہ گئی ہے کہ دارالخلافہ تمہارے حوالہ کر کے کہیں چلا جاؤں۔ یہ میں نے عہد کر لیا ہے کہ مسلمانوں سے ایک حبہ بھی ظلم و جور سے نہ لوں گا۔ یہ جواب سن کر سلطان نے اسے چھوڑ دیا اور اس کی بجائے بغداد کے صاحب جائداد امرا اور تاجروں سے روپیہ وصول کیا۔ [3]

لیکن مقتفی نہایت دلیر' عالی دماغ اور باجبروت خلیفہ تھا۔ یہ پابندیاں اس راہ میں حائل نہ ہو سکیں اور رفتہ رفتہ اس نے اپنے تدبر سے خلافت بغداد میں سلجوقیوں کی مداخلت بالکل ختم کر دی اور اس کی تخت نشینی کے چند ہی دنوں بعد سلطان مسعود کو خلافت کا نظام اور تبرکات کی آمدنی اس کے حوالہ کر دینی

---

[1] ابن اثیر ج ۱۱' ص ۱۷۔ [2] دول الاسلام ذہبی ج ۲' ص ۳۷۔

[3] تاریخ الخلفاء' ص ۴۴۸۔

پڑی۔ 1 اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

راشد کی واپسی کی کوشش اور اس کا قتل

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ راشد عماد الدین زنگی کے ساتھ موصل چلا گیا تھا۔ ۵۳۲ھ میں وہاں سے سلطان داؤد کے پاس مراغہ چلا گیا۔ مراغہ جانے کے بعد امیر منکبرس والی فارس اس کا نائب بوزابہ سلطان مسعود کا حاجب عبدالرحمٰن طغایرک وغیرہ بہت سے امرا جو سلطان کے خلاف تھے مراغہ پہنچے اور سلطان کے مقابلہ میں راشد کی مدد کے لئے تیار ہو گئے۔ لیکن سلطان نے ان کو شکست دے کر منکبرس کو قتل کر دیا مسعود کی فوجیں لوٹ میں مشغول ہو گئیں۔ امیر بوزابہ اور عبدالرحمٰن نے پلٹ کر حملہ کر دیا۔ سلجوقی فوجیں منتشر تھیں اس لئے مسعود شکست کھا گیا اور بوزابہ نے اس کے بہت سے امرا کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ 2

سلطان مسعود کی شکست کے بعد بوزابہ فارس چلا گیا اور راشد و داؤد اتسز بن محمد خوارزم شاہ کو ساتھ لے کر ہمدان ہوتے ہوئے عراق کی طرف بڑھے۔ سلطان مسعود انہیں روکنے کے لئے پہنچا۔ اسے دیکھ کر اتسز خوارزم چلا گیا اور داؤد نے فارس کی راہ لی۔ راشد مایوس ہو کر اصفہان چلا گیا اور چند دنوں کے بعد رمضان ۵۳۲ھ میں خود اس کے خراسانی غلاموں نے اس کو قتل کر دیا اور وہ اصفہان میں سپرد خاک کیا گیا 3

خوارزمی حکومت کا قیام

آئندہ جابجا خوارزمی حکومت اور اس کے فرمانرواؤں کے حوالے آئیں گے۔ اس لئے اس کے قیام کے مختصر حالات سن لینے چاہئیں۔ یہ حکومت صوبہ خوارزم میں قائم ہوئی اور اس کی ابتدائی داغ بیل مستظہر کے عہد میں پڑ چکی تھی، لیکن حکومت کی شکل اس نے مقتفی کے زمانہ میں اختیار کی۔ اس کا بانی اتسز بن محمد الملقب بہ خوارزم شاہ ہے اس کا دادا انوشتگین غراجہ ملک شاہی امیر بلکاتگین کا غلام تھا۔ انوشتگین عاقل و فہیم تھا۔ اس لئے بلکاتگین کی موت کے بعد ملک شاہ نے اس کو خوارزم کا شحنہ بنایا تھا۔ انوشتگین کے بعد سلطان برکیارق نے سلطان سنجر کے مشورہ سے ۴۹۱ھ میں اس کے ہونہار اور لائق فرزند محمد کو اس منصب پر مامور کیا اور خوارزم شاہ لقب دیا۔ اس نے تیس سال تک بڑی وفاداری اور دلسوزی سے اپنے فرائض انجام دیئے اور سلجوقی سلاطین کا وفادار رہا۔ 4

---

1 تاریخ الخلفاء ص ۴۴۸۔
2 تاریخ دولت آل سلجوق ص ۱۶۸، وابن اثیر ج ۱۱، ص ۲۳۔
3 ابن اثیر ج ۱۱، ص ۲۴۔
4 تاریخ گزیدہ ج ۱، ص ۴۸۶، ۴۸۷۔

اس زمانہ میں خراسان میں سلطان سنجر کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ محمد نے اپنی کارگزاری اور حسن خدمت سے سلطان سنجر کے مزاج میں بڑا رسوخ اور اعتماد حاصل کر لیا تھا۔ [1] ۵۲۱ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔

اتسز بن محمد خوارزم شاہ

امیر محمد کی وفاداری اور حسن خدمات کی بنا پر سلطان سنجر اس کے لڑکے اتسز کو بھی بہت مانتا تھا' چنانچہ محمد کی موت کے بعد اتسز کو خوارزم کی حکومت عطا کی۔ اسے بھی شروع میں سلطان کے مزاج میں بڑا رسوخ حاصل رہا۔ اس کے دربار میں کسی امیر کو اتنا اعزاز حاصل نہ تھا۔ اس سے دوسرے امرا کو رشک پیدا ہوا۔ انہوں نے سلطان اور اتسز کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا کر بدگمان کر دیا اور ۵۳۳ھ میں اتسز نے سلطان کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ [2]

ابن اثیر کا بیان ہے کہ وہ اپنی حکومت کے قائم کرنے کے منصوبے ہی میں تھا کہ سلطان کو اطلاع ہو گئی۔ اس نے فوج کشی کر کے اس کو خوارزم سے نکال دیا اور اپنے بھتیجے سلیمان شاہ کو وہاں کا حاکم بنایا۔ اس میں حکومت سنبھالنے کی اہلیت نہ تھی۔ اس لئے اتسز نے دو ہی سال بعد ۵۳۵ھ میں پھر خوارزم پر قبضہ کر لیا۔ [3]

اتسز اور سلطان سنجر کی جنگ میں اتسز کا ایک لڑکا مارا گیا تھا۔ اس کے انتقام میں اس نے ترکستان کے غیر مسلم خطائیوں کو سلطان سنجر کے خلاف کھڑا کر دیا اور ۵۳۶ھ میں کئی لاکھ وحشی خطائی ماوراء النہر کے علاقہ پر ٹوٹ پڑے۔ سلطان کو بڑی فاش شکست ہوئی اور اس کے بے شمار آدمی قتل و گرفتار ہوئے جن میں بہت سے علما و فقہا تھے۔ خود سلطان کی حرم اسیر ہوئی اور اس کا کل خزانہ برباد ہو گیا اور ماوراء النہر کا علاقہ اس کے ہاتھوں سے نکل گیا۔

دوسری طرف سلطان کی شکست کے بعد خود اتسز خراسان پہنچا اور وحشیانہ قتل و غارت سے اس کو ویران کر ڈالا اور وہاں کے بڑے بڑے علما اور ارباب کمال کو خوارزم لے گیا۔ البتہ نیشاپور یہاں کے علما و مشائخ کی سفارش سے قتل و غارت کی مصیبت سے بچ گیا' لیکن اتسز نے سلجوقی حکومت کے تمام متعلقین کی املاک پر قبضہ کر لیا اور سلطان سنجر کا خطبہ بند کر کے اپنے نام کا خطبہ جاری کیا۔

مگر پھر چند دنوں کے بعد اہل نیشاپور کی مخالفت سے ڈر کر سلطان سنجر کا خطبہ جاری کر دیا۔ [4]

گو اس وقت سلطان سنجر کی شکست سے اتسز کو آزادی مل گئی تھی' لیکن خراسان میں اس کا مستقل

---

[1] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۹۳۔ [2] تاریخ گزیدہ ج ۱ ص ۴۸۷۔

[3] تاریخ گزیدہ ص ۴۸۷' و ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۶۔

[4] ابن اثیر اور تاریخ گزیدہ وغیرہ نے اس کی بڑی تفصیلات لکھی ہیں۔ ہم نے صرف خلاصہ نقل کیا ہے۔

قیام ممکن نہ تھا۔اس لئے سنجر کی واپسی کے بعد اس نے خراسان چھوڑ دیا اور سلطان سے تعلق منقطع کر کے خوارزم میں مستقل حکومت قائم کر لی۔سلطان اپنی شکست کے اثرات سے دو سال تک اتسز کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکا۔۵۳۸ھ میں اس نے خوارزم پر فوج کشی کی اتسز قلعہ بند ہو گیا شہر بہت سنگین اور مدافعت کا سامان بہت مکمل تھا' اس لئے سلطان کو کامیابی نہ ہوئی اور وہ لوٹنے کا قصد کر رہا تھا کہ خود اتسز نے آئندہ فوج کشی کے خطرہ سے بچنے کے لئے اطاعت قبول کر لی۔سلطان نے بھی درگزر سے کام لیا۔ [1]

لیکن چند دنوں کے بعد پھر باغی ہو گیا۔اس لئے ۵۴۲ھ میں پھر سلطان نے فوج کشی کی۔اتسز میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔اس نے خوارزم کے علما اور مشائخ کو درمیان میں ڈالا۔سلطان ہر چند اس کی بار بار کی بغاوت سے تنگ آ چکا تھا' لیکن علما و مشائخ کی سفارش کو رد نہ کر سکا اور آئندہ خطرہ کے انسداد کے لئے تیس ہزار سالانہ فوجی اخراجات کے لئے مقرر کر کے لوٹ گیا۔اس کے بعد پھر اتسز کی جانب سے بغاوت کا ظہور نہ ہوا۔ [2]

اس کے چند برسوں کے بعد ۵۴۸ھ خراسان پر غزوں کا ایسا حملہ ہوا کہ خراسان بالکل زیر و زبر ہو گیا اور اتسز کو اپنی حکومت مضبوط کرنے کا موقع مل گیا اور ۵۵۱ھ میں تین سال کی حکومت کے بعد اتسز کا انتقال ہو گیا۔

ایل ارسلان خوارزم شاہ

اتسز کے انتقال کے بعد ۵۵۱ھ میں اس کا لڑکا ایل ارسلان جانشین ہوا۔اس کے زمانہ میں سلطان سنجر کا انتقال ہو گیا اور خراسان کا انتظام درہم برہم ہو گیا۔اس لئے ایل ارسلان نے مستقل حکومت قائم کر لی۔ [3] جو ساتویں ہجری کے وسط تک قائم رہی اور تاتاریوں کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا۔

سلطان مسعود کے خلاف امرا کی بغاوت و اطاعت

سلطان محمود کے خلاف امیر بوزابہ اور عبدالرحمٰن بن طغایرک حاجب کی بغاوت کا حال اوپر گزر چکا ہے۔ایک اور امیر عباس والی رے بھی ان کے ساتھ ہو گیا اور انہوں نے سلطان کے بھائی سلیمان اور اس کے بھتیجوں ملک محمد اور ملک شاہ کو ملا کر ۵۴۱ھ میں ہمدان پر فوج کشی کر دی۔سلطان اس وقت بغداد میں تھا۔اطلاع پاتے ہی فوراً واپس آیا اور امیر جاؤلی والی آذربائیجان کو ساتھ لے کر

[1] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۳۷۔ [2] تاریخ گزیدہ ص ۱۸۹۔

[3] تاریخ گزیدہ ص ۱۹۰' اس میں چھ فرمانروا ہوئے۔اتسز بن محمد' ایل ارسلان بن اتسز' محمود بن ایل ارسلان' علاؤالدین تکش، ایل ارسلان' علاؤالدین تکش، و جلال الدین بن علاؤالدین۔

مقابلے کے لئے نکلا۔ جاؤلی نے حسن تدبیر سے سلیمان شاہ کو الگ کر دیا۔ اس کے علیحدہ ہو جانے کے بعد بوزابہ نے ہمدان چھوڑ دیا اور عبدالرحمٰن و عباس نے سلطان کی اطاعت قبول کر لی۔

اس خدمت کے صلہ میں سلطان نے امیر جاؤلی کی بڑی عزت افزائی کی۔ اس کے مراتب بڑھائے اور باغی امرا کو بھی مخالفت سے روکنے کے لئے ان کی تالیف قلب کی۔ چنانچہ امیر عبدالرحمٰن کے لڑکے کو اتابک کا منصب گنجہ اور اران کی حکومت عطا کی اور بوزابہ کی خطا بھی معاف کر دی' وہ ملک محمد کو ساتھ لے کر سلطان کے پاس چلا آیا۔ راحۃ الصدور کا بیان ہے کہ سلطان نے اپنی بیوہ لڑکی گوہر خاتون کا عقد محمد کے ساتھ کر کے اس کو اپنا ولی عہد بنا دیا' اور بوزابہ کو اس کا اتابک مقرر کیا۔ [1]

ان کا قتل

اس کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد امیر جاؤلی کا انتقال ہو گیا۔ اس کی موت کے بعد امیر عبدالرحمٰن نے آذربائیجان اور ایران کی حکومت حاصل کر لی۔ سلطان کو امیر جاؤلی سے بڑی تقویت حاصل تھی۔ اس کی موت سے اس کا بازو ٹوٹ گیا اور عبدالرحمٰن' عباس اور بوزابہ سلجوقی حکومت پر حاوی ہو گئے اور اس کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ سلطان ان کی مخالفت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے چاروناچار اسے ماننا پڑا۔ انہوں نے سلطان کے وزیر جمال الدین کو معزول کر کے تاج الدین کو جو ان کے اغراض کے لئے زیادہ مفید تھا' وزیر بنایا۔ [2]

گو عبدالرحمٰن' عباس اور بوزابہ بظاہر سلطان کے مطیع ہو گئے تھے' لیکن دل میں سب اس کے خلاف تھے۔ سلطان اس سے خوب واقف تھا' لیکن بے بسی نے خاموش کر رکھا تھا' امیر عبدالرحمٰن آذربائیجان جاتے وقت سلطان کے ایک معتمد علیہ غلام خاص بک کو جس کی جانب سے مخالفت کا خطرہ تھا' اپنے ساتھ لیتا گیا تھا' سلطان نے اس کو خفیہ ہدایت کر دی تھی کہ وہ موقع پاتے ہی عبدالرحمٰن کا کام تمام کر دے' چنانچہ اس نے ایک دن جبکہ عبدالرحمٰن کسی مہم کی تیاری کے سلسلے میں فوجوں کا معائنہ کر رہا تھا' اسے قتل کر دیا۔ [3]

سلطان مسعود اس زمانہ میں بغداد میں تھا' امیر عباس اس کے ساتھ تھا' عبدالرحمٰن کے قتل کی اطلاع پا کر سلطان نے عباس کو بھی قتل کرا دیا' اور ان کے تیسرے حلیف امیر بوزابہ کے پاس کہلا بھیجا کہ تم کو اپنے حلیفوں کے انجام سے عبرت حاصل کرنی چاہیے' اس نے جوش انتقام میں ملک محمد کو

---

[1] راوندی نے اس کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ ہم نے خلاصہ نقل کیا ہے۔ دیکھو ص ۲۳۳ تا ۲۳۶۔

[2] تاریخ دولت آل سلجوق ص ۱۹۵۔ [3] تاریخ دولت آل سلجوق ص ۱۹۷۔

اصفہان لے جا کر تخت نشین کر دیا' اور ہمدان کی طرف بڑھا' سلطان کو خبر ہوئی تو وہ بغداد سے واپس آیا' اس دوران میں امیر خاص بک بھی سلطان کی مدد کے لئے پہنچ گیا' بوزابہ نے بڑی شجاعت سے مقابلہ کیا' لیکن عین میدان جنگ میں گھوڑے سے گر پڑا' اور گرفتار کر کے سلطان کے سامنے پیش کیا گیا' اس نے قتل کرا دیا' اور تین بڑے دشمنوں سے اس کو نجات مل گئی' اس خدمت کے صلہ میں سلطان کی توجہ خاص بک کی جانب بہت بڑھ گئی اور اس کو امیر الامرا بنایا۔ [1]

بغداد پر سلجوقی امرا کا حملہ

امیر خاص بک کی ترقی اور اس کا اعزاز ایک نئے فتنہ کا سامان بن گیا۔ دوسرے سلجوقی امرا سلطان کے خلاف ہو گئے' چنانچہ امیر شمس الدین ایلدکز والی گنجہ، امیر قیصر' امیر برنقش' تاتار حاجب وغیرہ سلطان کو چھوڑ کر ۵۴۳ھ میں بغداد چلے گئے۔ ان کی آمد سے عراق میں بڑا اضطراب پیدا ہو گیا۔ مقتفی نے انہیں روکنے کی کوشش کی' لیکن وہ باز نہ آئے اور بغداد پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ اہل بغداد نے عباسی فوجوں کے ساتھ مل کر مدافعت کی۔ سلجوقی امرا انہیں دھوکہ دینے کے لئے ایک دن پیچھے ہٹ گئے۔ بغدادی ان کے تعاقب میں دور نکل گئے۔ اس وقت سلجوقیوں نے پلٹ کر حملہ کر دیا۔ بغدادی اس حملہ کو نہ سنبھال سکے اور سلجوقیوں نے انہیں بے دریغ قتل و گرفتار کیا۔ ہزاروں بغدادی مارے گئے اور سلجوقیوں نے بغداد میں گھس کر دولتمندوں سے زبردستی روپیہ وصول کیا' عورتوں کو قید کیا اور دجیل کو لوٹ لیا۔

ابن اثیر کا بیان ہے کہ قتل و غارت کرنے کے بعد مقتفی سے معذرت کر کے لوٹ گئے۔ [2] عماد الدین اصفہانی لکھتا ہے کہ مقتفی کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر انہیں تیس ہزار اشرفیاں دے دی جائیں تو وہ لوٹ جائیں گے۔ مقتفی نے ارکان دولت کے مشورہ سے انہیں روپیہ دینے کے بجائے ایک نئی فوج تیار کر کے' بزور شمشیر ان کو بغداد سے نکالا۔ [3] سلطان مسعود کے چچا سنجر کو ان واقعات کا علم ہوا تو اس نے خاص بک کو سر چڑھانے پر مسعود کو بڑی ملامت کی اور اس کی تادیب کے لئے خود رے گیا۔ مسعود نے اس موقع پر دانشمندی سے کام لیا اور سلطان کی خدمت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ خاص بک نے علیحدہ سلطان سنجر کے لئے قیمتی ہدایا اور لوازم میزبانی بھیجے۔ سلطان سنجر مسعود کی اس سعادت مندی سے بہت خوش ہوا اور اس کی سفارش سے خاص بک سے راضی ہو گیا اور اٹھارہ دن رے میں قیام کر کے خراسان واپس گیا۔

[1] راحۃ الصدور ص ۲۴۱' ۲۴۲۔ [2] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۵۰۔ [3] تاریخ دولت آل سلجوق ص ۲۰۳۔

مسعود کی وفات

ایک مختصر علالت کے بعد رجب ۵۴۷ھ میں سلطان مسعود نے وفات پائی۔ اس وقت کل ۴۵ سال کی عمر تھی' مدت حکومت اٹھارہ سال۔

گو سلطان مسعود کا قریب قریب پورا زمانہ شورش و انقلاب میں گزرا' لیکن وہ سلجوقی روایات کا آخری پاسبان و محافظ تھا۔ اس کے بعد اس جلیل القدر خاندان کی عظمت و شان ختم ہوگئی۔ راوندی کا بیان ہے کہ وہ بڑا قوی ہیکل اور توانا تھا۔ اس قد و قامت اور جسمانی قوت کا کوئی فرمانروا سلجوقی خاندان میں نہ گزرا تھا۔ وہ تخت سلطنت اور میدان جنگ دونوں میں مبارک قدم تھا۔ طبعاً خوش مزاج' خوش باش اور ظریف الطبع تھا۔ اس کے زمانہ میں نعمتوں کی فراوانی اور خلق آسودہ حال تھی۔ رعایا کو راحت و امن حاصل تھا۔ وہ علم دوست' درویش نواز' عدل پرور' ظلم و جور سے دور اور جہل و نادانی کی باتوں سے نفور تھا۔ اس کی زندگی سادہ اور سپاہیانہ تھی۔ عیش و تنعم کے سامانوں سے ہمیشہ مجتنب رہا' سیر و شکار سے زیادہ دلچسپی تھی۔ شیر کے شکار میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔ میدان جنگ میں خود دست بدست لڑتا تھا۔ فیاض و سیر چشم ایسا تھا کہ ہمیشہ خزانہ خالی رہا۔ ❶

ابن اثیر کا بیان ہے کہ سلطان خوش خلق' ظریف الطبع' رعایا پرور اور اس کے مال کے بارہ میں محتاط تھا۔ اپنی سیرت' نرمی اور خوش اخلاقی کے لحاظ سے صالح ترین حکمرانوں میں تھا۔ اس کے مناقب بہت ہیں۔ ❷

عماد الدین اصفہانی لکھتا ہے کہ اس کو اپنی اقبال مندی پر بڑا اعتماد تھا۔ سیاسی چال بازیوں کی طرف کم توجہ کرتا تھا۔ برائیوں میں بھی چشم پوشی سے کام لیتا تھا۔ کسی جانب سے کینہ نہیں رکھتا تھا۔ اپنے خواص اور معتمد علیہ اشخاص کے بارہ میں کسی کی شکایت کی جانب کان نہیں دھرتا تھا' لیکن ان اوصاف کے ساتھ سفلہ پرور تھا۔ ❸

سلطان ملک شاہ بن محمود

سلطان مسعود کے بعد سلجوقی امرا نے رجب ۵۴۷ھ میں اس کے بھتیجے ملک شاہ بن محمود کو تخت نشین کیا۔ یہ بڑا عیش پرست اور غافل فرمانروا تھا۔ شراب و کباب میں مست رہتا تھا۔ جمال نام کی ایک عورت پر فریفتہ تھا۔ اسی کے اشاروں پر چلتا تھا۔ اس لئے اس کی حکومت زیادہ دنوں قائم نہ رہ سکی۔

سلطان مسعود کی وفات کی خبر سن کر بغداد کا سلجوقی شحنہ مسعود بلال مقتفی کے خوف سے تکریت

❶ راحۃ الصدور ص ۲۲۵، ۲۲۶۔ ❷ ابن اثیر ج ۱۱ ص ۶۰۔ ❸ تاریخ دولت آل سلجوق ص ۲۰۷۔

بھاگ گیا تھا۔ مقتفی نے بغداد کے تمام سلجوقی امرا کے گھروں کی تلاشی لے کر مال و متاع پر قبضہ کر لیا اور ان کو شراب سے پاک وصاف کیا۔

مسعود نے تکریت جانے کے بعد حلہ پر قبضہ کر لیا۔ مقتفی نے عون الدین بن ہبیرہ کو اس کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ اس نے مسعود کو حلہ سے نکالا اور کوفہ اور واسط پر قبضہ کیا۔ اس درمیان میں سلجوقی فوجیں عباسی فوجوں کے مقابلے کے لئے پہنچ گئیں۔ ان کے آنے کے بعد عباسی فوجوں نے واسط چھوڑ دیا۔ مقتفی کو خبر ہوئی تو وہ خود سلجوقیوں کے مقابلہ کے لئے نکلا۔ اسے دیکھ کر وہ لوٹ گئے اور مقتفی حلہ ہوتے ہوئے بغداد واپس گیا۔ [1]

ملک شاہ کی گرفتاری اور معزولی

ملک شاہ بدستور اپنی رنگ رلیوں میں منہمک تھا۔ امرا کو بھی باریابی کا کم موقع ملتا تھا۔ حکومت پر خاص بک حاوی ہو گیا تھا۔ اس کے استبداد سے سلجوقی امرا سخت نالاں تھے۔ ملک شاہ بھی اس سے خوش نہ تھا اور اس کو گرفتار کرنے کی فکر میں تھا۔ اس لئے خاص بک نے اس کی نااہلی کی وجہ سے امرا کو اس کی معزولی پر آمادہ کر لیا اور اس کو دعوت کے بہانہ سے ایک امیر جاندار کے گھر بلا کر مع اس کی محبوبہ جمال کے گرفتار کر لیا اور مرج ہمدان میں قید کر دیا۔ اس کی مدت حکومت کل سات مہینے تھی۔ [2]

سلطان محمد بن محمود

اس کو معزول کرنے کے بعد امیر خاص بک کی نیت میں فتور آ گیا۔ اس نے خود تاج و تخت پر قبضہ کرنا چاہا' مگر اس راہ میں ملک شاہ کا بھائی سلطان محمد کی جانب سے جو خوزستان میں موجود تھا' مخالفت کا خطرہ تھا' اس کو تخت نشین کرنے کے بہانہ سے بلا بھیجا' مگر امیر جمال الدین نے جس کو لانے کے لئے بھیجا گیا تھا' سلطان محمد کو خاص بک کی نیت سے آگاہ کر کے تاکید کر دی کہ اگر وہ ہمدان پہنچنے کے ساتھ ہی خاص بک کو گرفتار نہ کرے گا تو اس کا بھی وہی حشر ہو گا جو اس کے بھائی ملک شاہ کا ہو چکا ہے' چنانچہ ہمدان پہنچنے کے دوسرے ہی دن جب امرا سلطان محمد کے سامنے باریاب ہو رہے تھے' خاص بک اور امیر جاندار' جس کے گھر میں سلطان ملک شاہ کو گرفتار کیا گیا تھا' دونوں پکڑ کر قتل کر دیئے گئے۔ [3]

خاص بک ترکی غلام تھا۔ سلطان مسعود کی نظر توجہ نے اسے امیر الامرائی کے درجہ تک پہنچا

---

[1] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۶۱۔ [2] راحۃ الصدور ص ۲۵۴' ۲۵۵' و تاریخ دولت آل سلجوق ص ۲۰۸۔

[3] راحۃ الصدور ص ۲۵۹' ۲۶۰۔

دیا۔ سلطان محمد کے زمانہ میں حکومت کا مختار کل بن گیا۔ اس نے بے اندازہ دولت اور مختلف قسم کے ساز و سامان جمع کیے تھے۔ اس کے بعد اس کے توشہ خانہ میں ایک ہزار معمولی اور سات سو اطلس کی پوشاکیں نکلی تھیں، لیکن قتل کے وقت کفن تک میسر نہ آیا۔

خراسان پر غزوں کی یورش اور اس کی تباہی

سلطان محمد کی تخت نشینی کے بعد ہی ۵۴۸ھ میں وحشی غزوں کے ہاتھوں سلطان سنجر کی شکست و گرفتاری اور خراسان کی تباہی کا واقعہ پیش آیا۔ غز ترکستان کے نومسلم وحشی قبائل تھے۔ خطائیوں نے ماوراء النہر پر قبضہ کے بعد ان کو وہاں سے نکال دیا تھا اور وہ بلخ میں سلطان سنجر کے زیر سایہ آباد ہو گئے تھے اور اس کے معاوضہ میں شاہی مطبخ کے لئے چار ہزار بکریاں سالانہ بطور خراج دیتے تھے۔ سلطانی تحصیلدار سے رشوت لینے کے لئے انہیں بہت ستاتے تھے اور ان کی بڑی تذلیل و تحقیر کرتے تھے۔ انہوں نے تنگ آ کر ایک تحصیلدار کو مار ڈالا۔

بلخ کے سلجوقی حاکم امیر اسفہسلار قماج نے سلطان سے شکایت کی کہ غزوں کی قوت بہت بڑھ گئی ہے، اگر ان کا انتظام میرے متعلق کر دیا جائے تو میں ان کی قوت توڑ کر ان سے چار ہزار بکریوں کے بجائے تیس ہزار وصول کیا کروں۔ قماج کی خواہش پر سلطان نے غزوں کا انتظام اس کے متعلق کر دیا۔ اس نے غزوں سے مقتول تحصیلدار کا خون بہا طلب کیا۔ انہوں نے جواب دیا ہم براہ راست سلطان کی رعایا ہیں۔ اس کے علاوہ اور کسی کی حکومت قبول نہیں کر سکتے اور قماج کو ذلت کے ساتھ واپس کر دیا۔ اس کی سزا میں قماج نے ان پر حملہ کر دیا۔ غزوں نے اسے شکست دی اور قماج اور اس کا لڑکا دونوں قتل ہوئے۔ [1]

ابن اثیر کا بیان ہے کہ قماج کو شکست ہوئی، لیکن وہ خود زندہ بچ گیا اور غزوں نے بلخ کی آبادی کو بے دریغ قتل و گرفتار کیا اور لوٹ کر اس کو ویران کر ڈالا۔ بہت سے علماء و فقہا قتل کیے اور مدرسے ویران ہو گئے۔ [2]

غزوں کی اس وحشت و درندگی پر خود سلطان ان کی تنبیہ کے لئے نکلا۔ اس وقت غزوں کو ندامت ہوئی اور انہوں نے سلطان کو راضی کرنے کی کوشش کی اور اسے اپنی بے گناہی کا یقین دلایا کہ وہ قماج کی زیادتیوں سے تنگ آ کر اپنی حفاظت کے لئے جنگ پر مجبور ہو گئے تھے، ورنہ وہ بدستور سلطان کی اطاعت پر قائم ہیں۔ ان کی تاخت و تاراج سے جو نقصان پہنچا تھا، اس کے تاوان میں بڑی مقدار میں چاندی پیش کرنے کا وعدہ کیا۔ سلطان ان کی معذرت قبول کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا، لیکن

[1] راحۃ الصدور ص ۱۷۷، ۱۷۸۔ [2] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۶۶۔

اس کے امرا نے اس کو مجبور کیا اور کہا کہ ان کی پوری تنبیہ نہ کی گئی تو ان کی خیرہ سری بڑھ جائے گی۔ ان کے اصرار پر سلطان نے غزوں کی اطاعت قبول نہ کی۔ دونوں میں بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ سلطان نے بڑی فاش شکست کھائی اور مع امرا کے گرفتار ہوا۔ غزوں نے امرا کو اسی وقت قتل کر دیا اور سلطان کو نام کے لئے تخت پر قائم رکھا' لیکن اختیارات تمام اپنے ہاتھوں میں لے لئے اور سلطان کی حیثیت ایک معزز قیدی کی ہو گئی۔

سلطان کو شکست دینے کے بعد غزوں کا ٹڈی دل خراسان پر ٹوٹ پڑا اور مرو طوس' نیشاپور وغیرہ تمام بڑے بڑے شہروں کو لوٹ کر ویران کر ڈالا اور ان کی ساری دولت پر قبضہ کر لیا۔ اصحاب ثروت کو طرح طرح کی اذیتیں دے کر ان سے دولت وصول کرتے تھے' بلا امتیاز مرد عورت' بچے' علما' مشائخ اور آبادی کو بے دریغ قتل کرتے تھے' عوام کے علاوہ ہزاروں علما و مشائخ مارے گئے۔ مدرسے اور کتب خانے تباہ ہو گئے اور سارے خراسان میں خاک اڑنے لگی۔ مؤرخین نے اس کی بڑی طویل تفصیلات لکھی ہیں۔ [1]

سلطان سنجر غزوں کے ہاتھوں میں اسیر تھا۔ خراسان کے سلجوقیوں کا کوئی مرکز نہ رہ گیا تھا۔ اس لئے بقیۃ السیف سلجوقی امرا نے غزوں کے مقابلہ کے لئے سلطان کے بھتیجے سلیمان شاہ کو بادشاہ بنایا۔ اس میں کوئی اہلیت نہ تھی' اس لئے غزوں کا طوفان نہ رکا۔ سلیمان شاہ کا سہارا تمام تر اس کے وزیر ابو علی بن طاہر تھا' اس کا انتقال ہو گیا۔ اس لئے سلیمان شاہ خراسان چھوڑ کر جرجان چلا گیا۔

سلیمان شاہ کے بعد سلجوقیوں نے محمود بن محمد بن بغرا خان فرمانروائے ترکستان کو جو سلطان سنجر کا حقیقی بھانجا تھا' بادشاہ بنایا۔ سلطان سنجر کے ایک بہادر غلام المؤید نے غزوں کا نہایت پرزور مقابلہ کیا اور انہیں شکست دے کر نیشاپور' طوس' ابیورد اور شہرستان وغیرہ سے نکال دیا اور ۵۵۰ھ میں وہ صلح کرنے پر مجبور ہو گئے اور المؤید نے خراسان کا بگڑا ہوا انتظام از سر نو قائم کیا اور چند دنوں میں اپنے عدل وانصاف اور شریفانہ سلوک سے اہل خراسان کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ انہوں نے اس کی اطاعت قبول کر لی۔ اس وقت المؤید نے خراسان محمود کو حوالہ کر دینا چاہا' لیکن اس نے خراج مقرر کر کے اسی کے ہاتھوں میں انتظام رہنے دیا۔ [2]

۵۵۱ھ میں سلطان سنجر غزوں کی قید سے چھوٹ کر مرو پہنچ گیا' لیکن چند ہی دنوں کے بعد ربیع الاول ۵۵۲ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت ۷۲ سال کی عمر تھی۔

سلطان سنجر اپنے نامور اسلاف کی روایات کا حامل اور جہانگیری و جہانداری میں الپ ارسلان

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راحۃ الصدور ص ۱۸۰٬۱۸۱' وابن اثیر ج ۱۱' ص ۶۷' ۶۸۔ [2] ابن اثیر ج ۱۱' ص ۸۹۔

اور ملک شاہ اول کا صحیح وارث و جانشین تھا۔ سلجوقی خاندان کی عظمت اسی کے دم سے قائم تھی۔ اپنے قوت بازو سے اس نے خراسان کی حکومت کو جو سلجوقیہ ایران کی ایک چھوٹی سی شاخ تھی نہایت طاقتور حکومت بنا دیا۔ اس کے نام کا خطبہ کاشغر سے لے کر عرب تک جاری تھا۔ وہ جب تک زندہ رہا سلجوقی خاندان کے ناموس کا محافظ رہا اور اس کا شیرازہ نہ بکھرنے دیا۔ اس کے بعد اس خاندان عالی پر زوال آ گیا۔

راوندی کا بیان ہے کہ اس میں خسروان عجم اور سلاطین کیانی کی ہیبت و عظمت تھی۔ وہ آئین جہانداری، قوانین شہر یاری، قواعد بادشاہی اور ناموس ملک داری کا ماہر تھا۔ اس کو شہرت و ناموری، مال و دولت، فتح و فیروزمندی، ساری نعمتیں حاصل تھیں، گو معمولی باتوں میں سادہ دل تھا، لیکن جنگی امور میں صائب الرائے اور مستقل مزاج تھا۔ عدل و تقویٰ اور پاک دامنی سے آراستہ تھا۔ چالیس سال میں ۱۹ فتوحات حاصل کیں۔ کسی مہم میں ناکام نہ ہوا۔ اس نے غزنویوں کے پایہ تخت کو فتح کر لیا، جس کی ہمت کسی سلجوقی حکمران نے نہ کی تھی۔ اس کا خطبہ کاشغر سے لے کر یمن، طائف، مکہ، عمان اور آذربائیجان تک جاری تھا۔ وہ مبارک سایہ اور مہربان تھا۔ اس کے زمانہ میں خراسان مرجع انام اور علم و ہنر کا مرکز و مخزن بن گیا۔ علما کا احترام کرتا تھا، زہاد اور مشائخ سے عقیدت رکھتا تھا اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہوتا تھا۔ [1] اس کے زمانہ میں خراسان کا علاقہ دارالعلم بن گیا تھا۔ اس کے بڑے بڑے شہر مدارس و کتب خانوں اور علما و ارباب کمال سے معمور تھے۔ یہ سارے مدارس غزوں کی یورش سے ویران ہو گئے۔ [2]

سلطان سنجر کے بعد اس کا بھانجا سلطان محمود بن محمد باقاعدہ اس کا جانشین تسلیم کر لیا گیا، لیکن اس کی حکومت برائے نام تھی۔ اصل حکمران المویدتھا۔ چند دنوں کے بعد المویدنے پھر غزوں کو چھیڑ دیا اور دونوں میں معرکہ آرائی شروع ہو گئی، جس کا سلسلہ عرصہ تک جاری رہا۔ اس کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

تکریت پر مقتفی کی فوج کشی

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ۵۴۷ھ میں مقتفی نے مسعود بلال کو تکریت سے نکال دیا تھا۔ اس کی واپسی کے بعد مسعود پھر تکریت پہنچ گیا تھا اور دونوں میں کئی سال تک کشمکش جاری رہی۔ مقتفی نے کئی مرتبہ فوجیں بھیجیں، لیکن مستقل قبضہ نہ ہو سکا۔ اس لئے ۵۴۹ھ میں وہ خود بہ نفس نفیس نکلا۔ بکمزا میں بڑا زبردست معرکہ ہوا۔ مقتفی نے خود دست بدست جنگ کی۔ اٹھارہ دن کی خونریز جنگ کے بعد مسعود

---

[1] راحۃ الصدور ص ۱۶۸ و ۱۷۱۔ [2] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۶۶، ۶۷۔

بلال کو شکست ہوئی اور اس کا کل سامان مقتفی کے قبضہ میں آیا۔ اس کی واپسی کے بعد مسعود نے واسط کو لوٹ لیا۔ اس مرتبہ مقتفی نے وزیر عون الدین ابن ہبیرہ کو بھیجا۔ اس نے بھی مسعود کو بڑی فاش شکست دی اور عجمیوں کی قوت بالکل ٹوٹ گئی۔ اس کے بعد پھر مسعود نے سر اٹھانے کی ہمت نہ کی۔ مقتفی نے اس خدمت کے صلہ میں ابن ہبیرہ کو ''سلطان العراق وملک الجیوش'' کے معزز لقب سے ملقب کیا۔ [1]

ہمدان پر سلیمان شاہ کا قبضہ اور اس کا فرار

سلطان مسعود نے اپنے بھائی سلیمان شاہ کو قید کر دیا تھا۔ اس کی موت کے بعد وہ چھوٹ کر آذربائیجان پہنچا اور آس پاس کے امرا اور اس کا سالہ خوارزم شاہ اس کی مدد کے لئے آمادہ ہو گئے' ان کی مدد سے سلیمان شاہ نے ہمدان پر فوج کشی کر دی' سلطان محمد میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی' اس لئے ہمدان چھوڑ دیا' اور سلیمان نے بغیر کشت وخون کے تاج وتخت پر قبضہ کر لیا' اور مخزالدین کاشی کو وزیر اور خوارزم شاہ کو امیر حاجب بنایا دوسرے امرا نے اس کو پسند نہ کیا اور سلیمان شاہ کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے' خوارزم شاہ نے اپنی بہن کے ذریعے سلیمان شاہ کو خبر کر دی کہ امرا اس کو گرفتار کر کے پھر سلطان محمد کو لانا چاہتے ہیں' سلیمان شاہ میں خود کوئی قوت نہ تھی امرا ہی کے سہارے پر وہ تھا ان کی مخالفت دیکھ کر اس نے راتوں رات ہمدان چھوڑ دیا' اور سلطان محمد پھر واپس آ گیا۔ [2]

ہمدان پر دوبارہ سلیمان شاہ کی فوج کشی اور ناکامی

مقتفی نے سلطان محمد کی پیہم درخواستوں کے باوجود اب تک بغداد میں اس کے نام کا خطبہ جاری نہ کیا تھا۔ [3] سلیمان شاہ ہمدان سے نکلنے کے بعد پھرتا پھراتا ۵۵۱ھ میں بغداد پہنچا۔ مقتفی کو ایک مہرہ ہاتھ آیا۔ اس نے اس کی بڑی پذیرائی کی اور ایران کی حکومت دے کر سلطان محمد کے خلاف کھڑا کر دیا۔ سلیمان شاہ نے آذربائیجان کے امرا کو ساتھ لے کر پھر ہمدان پر فوج کشی کی' لیکن اس مرتبہ سلطان محمد نے اسے فاش شکست دی اور وہ شکست کھا کر موصل چلا گیا۔ یہاں عمادالدین زنگی کے نائب نے اس کو قید کر دیا۔ [4]

سلیمان شاہ کی جانب سے اطمینان حاصل ہونے کے بعد سلطان محمد نے بغداد کا محاصرہ کیا۔ ابھی اس کا سلسلہ جاری تھا کہ سلطان محمد کا دوسرا بھائی ملک شاہ ہمدان پہنچ گیا۔ اس لئے اس کو لوٹ جانا پڑا' لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے ہی ملک شاہ نے ہمدان چھوڑ دیا۔ [5]

---

[1] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۴۷۔ [2] راحۃ الصدور ص ۲۵۲ تا ۲۶۵ ملخصاً۔ [3] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۸۰۔
[4] راحۃ الصدور ص ۲۶۶۔ [5] راحۃ الصدور ص ۲۶۷ تا ۲۶۹۔

سلطان محمد کی وفات

بغداد سے واپسی کے بعد ہی سلطان محمد سل میں مبتلا ہو گیا اور ڈیڑھ سال کی علالت کے بعد ذی الحجہ ۵۵۴ھ میں انتقال کر گیا۔ اس کے صرف ایک صغیر السن بچہ تھا۔ اس کو وہ مرتے وقت امیر اقسنقر احمد یلی کے سپرد کر گیا تھا۔ سلطان کی وفات کے بعد امیر اقسنقر اس کو ساتھ لے کر مراغہ چلا گیا۔ سلطان محمد کی عمر کل ۳۲ سال کی تھی۔ مدت حکومت آٹھ سال۔ گو سلطان ناکام فرمانروا تھا' لیکن اس میں ذاتی اوصاف و محامد موجود تھے۔ راوندی لکھتا ہے کہ سلطان محمد خوش جمال' زیبا شمائل' صائب الرائے' نیک سیرت' پابند عہد' دیندار' علم دوست' علما نواز' شیریں زبان' دقیق النظر اور معانی شناس فرمانروا تھا۔ [1]

عماد الدین زنگی کے صلیبی محاربات

سلیمان شاہ کی تخت نشینی کے بعد ہی مقتفی کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اسی دور میں دوسری صلیبی جنگ ہوئی اور عماد الدین زنگی نے صلیبیوں کے مقابلہ میں بڑے کارنامے انجام دیئے' اس کا مختصر حال یہ ہے۔

مسترشد کے زمانہ میں معلوم ہو چکا ہے کہ عماد الدین زنگی نے ۵۲۴ھ میں قلعہ اثارب پر قبضہ کر کے نواح حلب میں عیسائیوں کی قوت کمزور کر دی تھی۔ اس کے بعد سلجوقیوں کی خانہ جنگی اور موصل کے حالات کی وجہ سے اس کو آٹھ دس سال تک شام کی طرف توجہ کرنے کا موقع نہ مل سکا اور اس درمیان میں وہ کردستان کو مسلمان امرا کے اثر سے صاف کرتا رہا۔ اس سے فراغت کے بعد ۵۳۱ھ میں پھر وہ شام کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کی راہ میں سب سے زیادہ حائل دمشق کی بوری حکومت تھی۔ اس کے کمزور فرمانروا اپنی زوال پذیر حکومت کو عماد الدین سے بچانے کے لئے فرنگیوں سے ملے ہوئے تھے۔ وہ بھی ایک بڑے حریف کے مقابلے میں اس مہرہ کو غنیمت سمجھتے تھے۔ اس لئے ۵۳۱ھ میں عماد الدین نے حکومت دمشق کے علاقے حمص پر فوج کشی کی' لیکن فرنگی اس کی مدد پر تھے۔ [2] اس لئے عماد الدین کو کامیابی نہ ہوئی اور وہ چند دنوں کے محاصرہ کے بعد وہ لوٹ گیا۔ [3] فرنگیوں کو حکومت دمشق کی مدد سے الگ کرنے کے لئے حصن بارین پر جو ان کا بڑا مستحکم قلعہ اور اہم مرکز تھا' فوج کشی کی۔ شام کے تمام فرنگی فرمانرواؤں نے مل کر مقابلہ کیا۔ عماد الدین نے انہیں فاش شکست دی اور وہ قلعہ میں پناہ گزیں ہو گئے' عماد الدین نے اس کا محاصرہ کر لیا' چند دنوں کے بعد فرنگی محاصرہ کی سختی سے گھبرا کر اس شرط پر قلعہ حوالہ کرنے پر آمادہ ہو گئے کہ انہیں جان بچا کر نکل جانے دیا جائے۔ عماد الدین نے انکار کر دیا۔ اسی دوران میں عماد الدین کو اطلاع ملی کہ فرنگیوں کی تازہ دم فوجیں بارین کے محصورین کی مدد کے لئے آ رہی

---

[1] راحۃ الصدور ص ۲۷۵۔ [2] صلاح الدین لین پول ترجمہ اردو ص ۴۷۔

[3] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۹۔

ہیں۔ بارین کے فرنگیوں کو اس کا علم نہ تھا۔ انہوں نے پھر درخواست کی۔ اس مرتبہ عماد الدین نے منظور کر لی اور فرنگی بارین چھوڑ کر نکل گئے۔ راستہ میں ان کو امدادی فوجیں ملیں۔ اب قلعہ ہاتھوں سے نکل چکا تھا۔ بارین کے فرنگیوں سے مسلمانوں کو بڑا نقصان پہنچ رہا تھا۔ انہوں نے حماۃ اور حلب کا علاقہ ویران کر ڈالا تھا اور تمام راستے بند ہو گئے تھے۔ بارین پر قبضہ کے بعد امن وامان قائم ہو گیا۔

لین پول لکھتا ہے کہ بارین پر قبضہ کے بعد عماد الدین نے اس کے فرمانروا فلک کے ساتھ بڑا شریفانہ برتاؤ کیا اور اسے شاہی خلعت عطا کیا۔ [1] بارین فرنگیوں کا اہم مرکز تھا' اس کو بچانے کے لئے اس کے محاصرہ کے دوران ہی میں شام کے راہبوں کی ایک جماعت قسطنطنیہ پہنچ گئی تھی اور قیصر کمنی نس کو یقین دلایا تھا کہ اگر بارین عیسائیوں کے ہاتھ سے نکل گیا تو مسلمان پورے شام پر قابض ہو جائیں گے۔ [2] چنانچہ قیصر ایک لشکر جرار لے کر شام پہنچا۔ حسب معمول دمشق کی حکومت نے اس کا ساتھ دیا۔ عماد الدین زنگی اس وقت موصل واپس جا چکا تھا۔ قیصر نے اس کو چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور اس کے پاس دوستانہ پیام اور عقاب اور شکاری چیتے ہدیہ بھیج کر اس سے وعدہ کیا کہ وہ زنگی حکومت کے علاقہ حلب سے کوئی تعرض نہ کرے گا۔ [3] اور شام کے فرنگیوں کی مدد سے بزعہ اور کفرتاب پر قبضہ کر کے اس کی پوری مضافی آبادی کو قتل اور عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے شیزر کا محاصرہ کر لیا۔ اس کے فرمانروا علی بن منقذ نے عماد الدین سے مدد طلب کی۔ وہ فوراً آیا اور بزعہ کے قریب حماۃ میں ٹھہرا۔ قیصر کی فوجیں پہاڑ کی آڑ میں تھیں۔ عماد الدین نے اس سے کہلا بھیجا کہ کھل کر میدان میں آؤ تو ہمارا تمہارا فیصلہ ہو جائے' لیکن عماد الدین کے خوف سے اس کو سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ عماد الدین نے اس کو ہٹانے کے لئے ایک طرف شام کے فرنگی فرمانرواؤں کو یقین دلایا کہ اگر قیصر ایک قلعہ پر بھی قابض ہو گیا تو پھر شام کا کوئی حصہ ان کے قبضہ میں نہ رہنے دے گا۔ دوسری طرف قیصر کو بدگمان کر دیا کہ شام کے فرنگی اس سے ملے ہوئے ہیں۔ اس تدبیر سے دونوں میں بدگمانی پیدا ہو گئی اور قیصر ۲۴ دن کے بعد اپنے تمام قلعہ شکن آلات واسلحہ چھوڑ کر لوٹ گیا۔ [4]

لین پول لکھتا ہے کہ عماد الدین کی چند سیاسی چالوں اور معتدبہ رقم نے قیصر کی نیت بدل دی۔ لاطینی شہزادوں کی بے پرواہی اور لہو ولعب سے بھی اسے نفرت ہو چلی تھی۔ اس لئے ۲۴ دن کے بعد بھاگ کھڑا ہوا اور منجنیقیں اور دیگر قلعہ شکن آلات چھوڑتا گیا' جو عماد الدین کے قبضہ میں آئے اور یورپ کی یہ لشکر کشی بے کار ثابت ہوئی۔ [5]

---

[1] صلاح الدین ص ۴۷۔ [2] ابن اثیر ج ۱۱' ص ۲۰۔ [3] صلاح الدین ص ۴۷۔

[4] دولت اتابکیہ ص ۹۸ تا ۱۰۰۔ [5] صلاح الدین ص ۴۸۔

قیصر کی واپسی کے بعد ۵۳۴ھ میں عماد الدین نے دمشق کا محاصرہ کیا اور یہاں کے قبیلہ زناطہ اور احداث کو ملا کر انہیں شہر حوالہ کرنے پر آمادہ کر لیا' لیکن پھر بعض دشواریوں کی بنا پر دمشق چھوڑ کر بعلبک جو مجیرالدین آبق والی دمشق کے کارپرداز سلطنت معین الدین انز کی جاگیر میں تھا پہنچا اور اس کو شکست دے کر بزور شمشیر بعلبک پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد دمشق کی واپسی کا ارادہ کر رہا تھا کہ مجیرالدین آبق نے اس کی اطاعت قبول کر لی۔ ❶

لین پول لکھتا ہے کہ بعلبک پر قبضہ اور یہاں کی فوج کے قتل عام سے معین الدین عماد الدین سے اتنا برہم ہو گیا کہ اس نے عیسائیوں سے معاہدہ کر لیا کہ وہ یروشلم کی حکومت کو ۲۰ ہزار اشرفی سالانہ ادا کرے گا اور بانیاس پر اس کا قبضہ کرا دے گا۔ اس کے معاوضے میں عیسائیوں نے عماد الدین کو شام سے نکال دینے کا وعدہ کیا۔ ❷

بعلبک پر قبضہ کے بعد عماد الدین زنگی موصل لوٹ گیا اور کئی سال تک وہاں کے اندرونی معاملات میں مشغول رہا' پھر ۵۳۹ھ میں شام کا رخ کیا۔

شام میں یروشلم اور انطاکیہ کے بعد عیسائیوں کا سب سے بڑا مرکز رہا کی حکومت تھی۔ اس کے حدود دیار بکر تک وسیع تھے۔ اس کا فرمانروا کورنتی جوسلن نہایت متعصب عیسائی اور مسلمانوں کا بڑا دشمن تھا۔ اس کی تاخت و تاراج سے کردستان اور دیار بکر کے سارے مسلمان نالاں تھے۔ ❸ لین پول کا بیان ہے کہ جب تک اتابک زنگی کا پرانا دشمن کورنتی جوسلن رہا پر جو اسقف کا مستقر تھا' قابض و متصرف رہا' زنگی اس کے قریب تک نہ آ سکا' لیکن جوسلن ایک بے قرار اور بے چین آدمی تھا۔ دیار بکر اور شام میں وہ ہمیشہ قہر کی صورت بنا رہا۔ عیسائیوں کی ریاست رہا سب سے مضبوط و مستحکم مقام تھا' لیکن جوسلن اب مر چکا تھا' اس کا جانشین جوسلن ثانی گو باپ ہی کی طرح بہادر تھا' لیکن بہادری کا دورہ کبھی کبھی اٹھتا تھا' ویسے وہ کاہل، سست اور عیش پسند تھا۔ ❹

اس لئے عماد الدین نے رہا پر فوج کشی کا ارادہ کیا' لیکن اس کا یقین تھا کہ اگر اس نے علانیہ رہا کا ارادہ تو شام کی کل عیسائی حکومتیں مقابلہ میں اٹھ کھڑی ہوں گی۔ اس لئے جوسلن کو غافل کرنے کے لئے وہ دیار بکر کے مسلمان امراء سے جنگ میں مشغول ہو گیا' جوسلن اسے مشغول دیکھ کر شامی مقبوضات کے معائنہ کے لئے چلا گیا۔ ❺ لین پول کا بیان ہے کہ رہا کی حفاظت کالدی اور ارمنی تاجروں کے سپرد کر کے اپنی جاگیر تل باشر چلا گیا۔ عماد الدین کے جاسوسوں نے اس کو اطلاع دی۔ وہ

❶ دولت اتابکیہ موصل ص ۱۰۴' ۱۰۵۔ ❷ صلاح الدین ص ۴۹۔ ❸ دولت اتابکیہ موصل ص ۱۱۸' ۱۱۹۔
❹ صلاح الدین ص ۵۰۔ ❺ اتابکیہ موصل ص ۱۱۹۔

اطلاع پاتے ہی رہا پہنچ گیا اور شہر کے باشندوں سے کہلا بھیجا کہ اگر وہ اطاعت قبول کر کے شہر حوالہ کر دیں تو ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا' لیکن انہوں نے انکار کیا۔ ان کے انکار پر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ رہا بڑا مضبوط و مستحکم شہر تھا۔ چاروں طرف سنگین شہر پناہ تھی۔ اتابک زنگی نے قلعہ شکن آلات کے ذریعہ اس کو توڑ دیا۔ شہر کی آبادی زنگی فوجوں کے روکنے میں ناکام رہی اور وہ جمادی الثانی ۵۳۹ھ میں رہا میں داخل ہو گئیں۔ [1]

لین پول لکھتا ہے کہ عیسائیوں نے رہا پر قبضہ کے زمانہ میں مسلمانوں پر جو مظالم و تشدد کئے تھے اور جس طرح بالڈون کے شہسوار اور جوسلن ان کے لئے قہر باری تعالیٰ بنے ہوئے تھے، اس کے انتقام کا وقت آ گیا تھا' چنانچہ رہا پر قبضہ کے بعد اتابکی فوجوں نے عیسائی آبادی کو بے دریغ قتل و گرفتار کیا۔ ہزاروں عیسائیوں کو لونڈی' غلام بنا ڈالا، صلیبیں توڑ دیں' راہبوں کو قتل کیا اور شہر کی ساری دولت پر قبضہ کر لیا۔

لیکن اس کے بعد جب خود عماد الدین شہر میں داخل ہوا اور اس کی شان و عظمت اور خوش نما عمارتوں کو دیکھا تو ایسے خوبصورت شہر کو برباد کرنا مناسب معلوم نہ ہوا اور اپنی سپاہ کو غارت گری سے روک دیا اور عام حکم دیا کہ تمام قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔ جتنے عیسائی غلام اور لونڈی بنائے گئے ہیں اور جس قدر زر و مال لوٹا گیا ہے' سب واپس کر دیا جائے اور جو لوگ زندہ بچ گئے تھے' انہیں ان کے گھروں میں آباد کیا تاکہ شہر کی رونق اور مرفہ الحالی میں کمی نہ ہو اور شروع میں جو غارت گری ہوئی تھی، اس کی تلافی میں کوئی دقیقہ محنت اور توجہ کا فروگزاشت نہ کیا۔ [2]

رہا فرنگیوں کا نہایت اہم مرکز تھا۔ اس کے نکل جانے سے ساری عیسائی دنیا میں اضطراب پیدا ہو گیا۔ [3] سینٹ برنارڈ نے ایک نئی جنگ صلیبی کے لئے وعظ کہنا شروع کیا۔ لوئی ہفتم اور شہنشاہ کونرڈ نے اس کا بیڑا اٹھایا' مگر اس کی کوشش بے کار ثابت ہوئی۔ [4] رہا پر قبضہ کے بعد امیر زنگی نے جوسلن کے ایک قلعہ حصن بیرہ کا محاصرہ کیا' لیکن اسی دوران میں اس کے نائب نصیر الدین جغر کے قتل کی خبر آ گئی' اس لئے وہ موصل لوٹ گیا۔ [5]

امیر زنگی کا واقعہ قتل

---

[1] اتابکیہ موصل ص ۱۲۲۔ [2] صلاح الدین ص ۵۲' و دولت اتابکیہ ص ۱۲۳۔

[3] تاریخ یورپ ایورتھیچرا' ص ۲۸۸۔ [4] تاریخ یورپ اے جے گرانٹ ص ۳۵۹۔

[5] تاریخ اتابکیہ موصل ص ۱۲۶۔

ربیع الاول ۵۴۱ھ میں امیر زنگی کے قتل کا اندوہناک واقعہ پیش آیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ زنگی حکومت کے عین وسط میں جعبر کے قلعہ پر بنی مروان قابض تھے۔ ۵۴۱ھ میں امیر زنگی نے اس کا محاصرہ کیا۔

ارمنی، رومی اور ترک غلاموں کے بارہ میں امیر سخت گیر واقع ہوا تھا۔ اس کی سخت گیری کی وجہ سے بعض غلام اس کے دشمن بن گئے تھے۔ [1] چنانچہ جعبر کے محاصرہ کے درمیان ایک شب کو جب کہ امیر سویا ہوا تھا، ان غلاموں نے موقع پا کر قتل کر دیا۔ قتل کے وقت ساٹھ سال سے اوپر عمر تھی۔ مدت حکومت بیس سال۔ تاریخ اسلام کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ جب کسی اسلامی حکومت پر سیاسی زوال طاری ہوا یا مسلمانوں پر کوئی نازک وقت آیا تو کوئی نہ کوئی شخصیت ایسی پیدا ہو گئی جس نے مسلمانوں کی گرتی ہوئی عمارت سنبھال لی۔ ایک زمانہ تک مسلمانوں میں نئی نئی قوتوں کے ابھرنے کا سلسلہ ایسا قائم رہا کہ ایک خاندان کے زوال کے بعد ہی فوراً دوسرا خاندان اس کی جگہ لے لیتا تھا، چنانچہ سلجوقیوں کے زوال کے بعد اتابکی خاندان پیدا ہو گیا، جس نے شام و جزیرہ اور کردستان کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو ختم کر کے ایک متحدہ حکومت قائم کر دی اور شام میں صلیبیوں کی بڑھتی ہوئی قوت کو روک دیا۔

صلیبی لڑائیوں کا سلسلہ اتابکی خاندان کے وجود میں آنے سے بہت پہلے چھڑ چکا تھا اور شام، مصر اور جزیرہ وغیرہ کے مسلمان فرمانرواؤں نے تابمقدور بھر صلیبیوں کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن ان میں سے کسی میں تنہا مقابلہ کی قوت نہ تھی اور آپس میں ایسا اختلاف تھا اور ان کے اغراض ایک دوسرے سے اتنے مختلف تھے کہ وہ مل کر مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ شام میں صلیبیوں کا زور بڑھتا جاتا تھا۔ صرف چند چھوٹے چھوٹے مقامات مسلمانوں کے پاس رہ گئے تھے اور وہ صلیبیوں کے زیر اثر ہوتے جاتے تھے۔ عین ان حالات میں عمادالدین کا ظہور ہوا۔ سب سے اول اسی نے صلیبیوں کی قوت پر موثر ضرب لگائی اور آئندہ آنے والوں کے لئے راستہ صاف کر گیا۔ ایوبی خاندان اسی کا ساختہ پرداختہ تھا جس نے بیت المقدس کو ان کے ہاتھوں سے چھڑایا۔ اس طرح اس مقدس جہاد کا پہلا ہیرو اور اس قافلہ کا پہلا قافلہ سالار عمادالدین ہی تھا۔

اس پہلو سے قطع نظر وہ ذاتی اوصاف و محامد اور جہانبانی اور حکمرانی کے نقطۂ نظر سے بھی ایک بہترین فرمانروا تھا۔ شجاعت و شہامت، تدبیر و سیاست، عدل و انصاف اور دینداری تمام اوصاف میں کامل تھا۔ موصل کی ایک معمولی ریاست کو بیس برس کے عرصہ میں ایک طاقتور حکومت بنا دیا۔ اس کا

[1] دولت آل سلجوق ص ۱۸۹۔

دفتری نظام نہایت وسیع تھا۔ اتابکی حکومت کے دفاتر عظمت و شان اور مصارف کی کثرت میں سلجوقیہ عظمٰی کے دفاتر کی ہمسری کرتے تھے اور ان میں کاموں کی اتنی کثرت اور اتنا تنوع تھا کہ کوئی صاحب کمال موصل آنے کے بعد بیکار نہ رہنے پاتا تھا اور کسی نہ کسی شعبہ میں لگ جاتا تھا۔ جاسوسی اور خبر رسانی کا محکمہ اتنا وسیع تھا کہ ملک کی چھوٹی چھوٹی خبر اور وابستگان دولت کی پرائیویٹ صحبتوں کے حالات تک سے عماد الدین باخبر رہتا تھا۔ آس پاس کی تمام حکومتوں میں اس کے جاسوس مقرر تھے' جو وہاں خبریں پہنچاتے رہتے تھے۔ امیر زنگی مہمات امور سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے معاملات تک کی خود نگرانی کرتا تھا۔ اس کا قول تھا کہ اگر چھوٹی باتوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو وہی بڑھ کر بڑی بن جائیں گی۔

عدل وانصاف کے قیام میں اور ظلم وجور کے انسداد میں اس کو بڑا اہتمام تھا۔ ملک میں کوئی قوی کسی کمزور پر زیادتی کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ بلا امتیاز مسلم وغیر مسلم سب کے ساتھ انصاف ہوتا تھا۔ شخصی حکومتوں میں رعایا پر ظلم وزیادتی کا ایک بڑا سبب امرا وعمائد سلطنت کی حرص دولت رہا ہے۔ امیر زنگی نے انہیں قانوناً زمین واملاک حاصل کرنے کی ممانعت کر دی تھی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ جب تک حکومت ہمارے ہاتھوں میں ہے' اس وقت تک امرا کو املاک حاصل کرنے کی ضرورت ہی نہیں اور جب حکومت جاتی رہے گی تو اس کے ساتھ املاک بھی نکل جائے گی اور جب ملک کی املاک سلطانی امرا کے ہاتھوں میں چلی جائے گی تو وہ لازمی طور پر رعایا پر زیادتی کریں گے اور ان کا ملک غصب کریں گے۔

ملک کی آبادی وسرسبزی وشادابی کی جانب خاص توجہ تھی۔ موصل کا علاقہ بالکل بنجر اور ایسا ویران تھا کہ ایک مقام سے دوسرے مقام کا سفر دشوار تھا۔ آبادی اور عمارتیں بہت کم اور باغات اور میووں کا نام ونشان نہ تھا۔ عماد الدین نے بکثرت عمارتیں بنوائیں' باغات لگوائے اور آبادیاں قائم کیں۔ موصل کے امن وامان اور عدل وانصاف کو دیکھ کر دوسرے مقامات کے لوگ بکثرت یہاں آ کر متوطن ہو گئے اور چند دنوں میں موصل کا پورا علاقہ نہایت آباد اور سبز وشاداب ہو گیا۔

امرائے دولت کی پوری نگرانی رکھتا تھا۔ کسی کو اس کے درجے سے آگے نہ بڑھنے دیتا تھا اور نہ بلا وجہ کسی کو گراتا تھا۔ ان پر اعتماد بھی رکھتا تھا' لیکن ان کو حد سے آگے بھی نہ بڑھنے دیتا تھا۔ اس سے اس کی حکومت میں ہمیشہ توازن قائم رہا۔ مؤرخین نے اس کے بہت سے اوصاف وکمالات لکھے ہیں' جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ [1]

[1] یہ تمام واقعات دولت اتابکیہ سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔ ص۔ ۱۳۶ تا ۱۵۰۔

نورالدین محمود زنگی

امیر زنگی کے کئی لڑکے تھے۔ سیف الدین غازی سب میں بڑا تھا۔ عمادالدین کی وفات کے بعد اس کے نائب زین الدین علی کوچک نے سیف الدین غازی کو تخت نشین کیا۔ دوسرا لڑکا نورالدین جعبر کے محاصرہ میں باپ کے ساتھ تھا۔ اس نے امیر کی وفات کے بعد حلب پر قبضہ کر کے اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس طرح اتابکی حکومت کی دو شاخیں ہو گئیں۔ موصل اور حلب۔ گو اصل حکومت موصل کی تھی' لیکن نورالدین نے اپنے کارناموں سے حلب کی حکومت کو مرکزی حکومت بنا دیا اور صلیبی جہاد میں بھی اس نے عمادالدین کی نیابت کی اور ہمارا تعلق صرف مجاہدات صلیبی کی حد تک اتابکی حکومت سے ہے۔ اس لئے آئندہ سطور میں صرف نورالدین کے حالات پیش جائیں گے۔ نورالدین کی ساری زندگی میدان جنگ میں گزری اور امیر کی وفات کے بعد ۵۴۱ھ سے لے کر اپنی موت ۵۶۹ھ تک برابر صلیبی مجاہدات میں مشغول رہا۔ اس مدت میں سینکڑوں معرکے پیش آئے۔ ان سب کی تفصیل بہت طویل ہے' اس لئے صرف اہم واقعات کو مختصراً لکھنے پر اکتفا کیا جائے گا۔

رہا پر جوسلن کی فوج کشی اور ناکامی

رہا جوسلن کی قوت کا مرکز تھا۔ اس لئے وہ آسانی کے ساتھ اس کو چھوڑنے والا نہ تھا' لیکن عمادالدین کی زندگی میں اس کی ہمت نہ ہوئی۔ اس کی وفات کے بعد جوسلن نے رہا کی آبادی سے جو زیادہ تر عیسائی ارمنوں پر مشتمل تھی' ساز باز کر کے فوج کشی کر دی اور ارمنوں نے شہر اس کے حوالہ کر دیا۔ قلعہ کے محافظ مسلمانوں نے روکنے کی کوشش کی۔ اس دوران میں نورالدین فوجیں لے کر پہنچ گیا۔ جوسلن اس کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکا اور نورالدین نے دوبارہ رہا پر قبضہ کر لیا اور ارمنوں کی بغاوت کے انتقام میں اس کو بالکل ویران کر ڈالا۔

رہا پر قبضہ کے بعد نورالدین کا بھائی سیف الدین غازی شام آیا۔ نورالدین کو خوف کی وجہ سے اس سے ملنے میں تامل ہوا۔ سیف الدین نے اسے بلا بھیجا' وہ ڈرتے ڈرتے گیا۔ سیف الدین نے اسے گلے لگا کر اطمینان دلایا کہ میرے دل میں تمہارے لئے کبھی کوئی برا خیال نہیں پیدا ہوا۔ تم مجھے سب سے زیادہ عزیز ہو۔ تمہارے ساتھ برائی کر کے مجھے زندگی میں کیا لطف حاصل ہو گا اور اسے پوری طرح مطمئن کر کے یہ کہہ کر حلب واپس کر دیا کہ میں نے صرف اس لئے تم کو بلایا تھا کہ فرنگیوں اور دوسرے فرمانرواؤں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہم دونوں میں پورا اتحاد و اتفاق ہے' اگر کوئی ایک کے

ساتھ برائی کرنے کا ارادہ کرے گا تو دوسرا اس کا پورا معاون و مددگار رہے گا۔ 1

رہا کی پہلی فتح کے بعد ہی سے یورپ میں دوسری صلیبی جنگ کے لئے کوشش جاری تھی' لیکن حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے دو سال تک اس میں کامیابی نہ ہو سکی تھی۔ بالآخر سینٹ برناڈ، لوئی ہفتم بادشاہ فرانس اور کونریڈ سوم بادشاہ جرمنی کی پیہم کوششوں سے ۵۴۳ھ مطابق ۱۱۴۸ء میں لوئی ہفتم کی قیادت میں کئی لاکھ فرانسیسی اور جرمن فوجیں ایشیائے کوچک ہوتی ہوئی شام پہنچیں۔ عمادالدین کی وفات کے بعد اتابکی حکومت کے ساتھ دمشق کی حکومت کی مخاصمت ختم ہو گئی تھی اور اس کو فرنگیوں کی ضرورت باقی نہ رہ گئی تھی۔ اس لئے اس مرتبہ معین الدین انز نے صلیبیوں کا ساتھ نہ دیا اور ان کو پاس تک نہ پھٹکنے دیا۔ 2 اس لئے صلیبیوں نے سب سے پہلے اسی کو زیر کرنے کی کوشش کی۔ معین الدین انز نے پامردی سے مدافعت کی' لیکن متحدہ جرمن اور فرانسیسی فوجوں کا مقابلہ تنہا اس کے بس سے باہر تھا۔ سیف الدین غازی سے مدد کا طالب ہوا اور وہ دونوں بھائی فوجیں لے کر پہنچے۔ معین الدین انز نے یورپ کے صلیبیوں کے پاس کہلا بھیجا کہ شہنشاہ مشرق پہنچ گیا ہے۔ اگر تم لوگ واپس نہ گئے تو میں دمشق اس کے حوالہ کر دوں گا۔ اس وقت تم اس سے بچ کر نہ جا سکو گے اور شام کے فرنگیوں کے پاس پیام کہلا بھیجا کہ تم لوگ بھی ان پردیسیوں کی مدد کر کے کیسی حماقت کر رہے ہو۔ یاد رکھو کہ اگر انہوں نے دمشق پر قبضہ کر لیا تو پھر تمہارے شامی مقبوضات کی خیر نہیں۔ وہ ان کو تم سے چھین لیں گے اور اگر میں نے دمشق سیف الدین کے حوالہ کر دیا تو پھر کوئی قوت بیت المقدس کو اس کے قبضہ سے نہیں بچا سکتی۔ اس لئے تم ان کو واپس کر دو۔ میں اس کے صلہ میں بانیاس کا قلعہ تم کو دے دوں گا۔ ان لوگوں میں خود باہم اعتماد نہ تھا۔ اس لئے شام کے فرنگی اس پر رضامند ہو گئے اور ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ ان کی علیحدگی کے بعد جرمن اور فرانسیسی فوجیں محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گئیں اور بقول لین پول ۱۱۴۹ء میں یورپ کے یہ بہادر سورما جو دوسری صلیبی جنگ لڑنے آئے تھے اپنے اپنے وطن واپس جاتے نظر آئے۔ 3

اس سلسلہ میں یہ سبق آموز واقعہ قابل ذکر ہے کہ اس جنگ میں دمشق کے ایک ممتاز ضعیف العمر عالم اور شیخ وقت حجۃ الدین یوسف مغربی بھی شریک تھے۔ معین الدین انز نے ہر چند ان سے درخواست کی کہ آپ ضعف پیری کی وجہ سے معذور ہیں۔ آپ میں جنگ کی قوت باقی نہیں ہے۔ ہم لوگ اس فرض کی ادائیگی کے لئے کافی ہیں' لیکن شیخ نے کلام مجید کی اس آیت ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ﴾ [۹/التوبۃ:۱۱۱] کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں اللہ کے ہاتھ

1 دولت اتابکیہ ص ۱۵۸۔ 2 صلاح الدین ص ۵۹۔

3 دولت اتابکیہ موصل ص ۱۶۰' ۱۶۱' صلاح الدین ص ۶۰۔

جان و مال بیچ چکا ہوں اور میدان میں لڑ کر شہادت حاصل کی۔ 1 اور نور الدین اور سیف الدین اپنے اپنے مقاموں پر لوٹ گئے۔

سیف الدین غازی کا انتقال

دمشق سے واپسی میں نور الدین نے طرابلس الشام کے قلعہ عریمہ پر قبضہ کیا۔ جمادی الثانی ۵۴۴ھ میں سیف الدین غازی کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا تیسرا بھائی قطب الدین مودود زنگی تخت نشین ہوا۔

اسی سنہ میں نور الدین نے قلعہ انب پر فوج کشی کی۔ رمینڈ وی پوائٹرس فرمانروائے انطاکیہ مقابلہ کے لئے آیا اور شکست کھا کر قتل ہوا۔ اس کے قتل کے بعد اسکا صغیر السن بچہ بوہمینڈ جانشین ہوا۔

۵۴۶ھ میں نور الدین نے شمالی حلب کے فرنگی علاقے تل باشر' عین تاب اور عزاز پر فوج کشی کی۔ جوسلن نے اس کو شکست دے کر اس کے سلاح دار کو گرفتار کر کے نور الدین کے خسر مسعود بن قلج ارسلان سلجوقی والی قونیہ کے پاس بھجوا دیا اور یہ پیام کہلا بھیجا کہ تمہارے پاس تمہارے داماد کے سلاحدار کو بھیجتا ہوں۔ اس کے بعد اس سے بڑا تحفہ (نور الدین) پہنچے گا۔ نور الدین پر یہ سخت شاق گزرا۔ وہ جوسلن کی گرفتاری کے درپے ہو گیا اور اعلان عام کر دیا کہ جو شخص اس کو زندہ یا مردہ لے آئے گا' اس کو نقد اور جاگیر انعام دی جائے گی۔ اس اعلان پر بہت سے ترکمانی سردار اس کی تاک میں لگ گئے۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں جوسلن شکار کے لئے نکلا۔ ترکمانوں کو خبر ہو گئی' انہوں نے حملہ کر کے گرفتار کر لیا۔ جوسلن نے ایک بڑی رقم دے کر رہائی کی کوشش کی' لیکن رقم کے آنے میں دیر ہوئی اور نور الدین کو اطلاع ہو گئی۔ اس نے اسی وقت فوجیں بھیج کر جوسلن کو چھنوا لیا اور حلب کے قید خانہ میں قید کر دیا اور تھوڑے عرصے کے بعد وہ قید ہی میں مر گیا۔

جوسلن کی گرفتاری کے بعد نور الدین نے اس کی حکومت کے بڑے حصے پر قبضہ کر لیا اور اس کے تمام قلعوں میں دس سال کی جنگ کے بقدر فوجوں' اسلحہ اور سامان رسد کا پورا انتظام کر لیا۔ 2

جوسلن شام کے فرنگیوں کا راہنما اور مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کا پشت پناہ تھا۔ اس کی گرفتاری کا ان کو بڑا قلق ہوا۔ چنانچہ ابھی نور الدین جوسلن کے علاقہ میں تھا کہ شام کے سارے فرنگی مل کر اس کے انتقام کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ دلوک میں بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ نور الدین نے انہیں بڑی فاش شکست دی۔ 3

---

1 دولت اتابکیہ موصل ص ۱۶۰۔ 2 اتابکیہ موصل ص ۱۸۳' ۱۸۴۔ 3 اتابکیہ موصل ص ۱۸۵۔

دمشق پر نورالدین کا قبضہ اور دولت بوریہ کا خاتمہ

حکومت دمشق کی حالت روز بروز ابتر ہوتی جاتی تھی۔ اس کے اصل کارپرداز معین الدین انز کا انتقال ہو چکا تھا اور دمشق کے تخت پر مجیر الدین آبق تھا۔ اس میں کوئی قوت نہ تھی اور ۵۴۸ھ میں عسقلان پر جو فاطمیہ مصر کا علاقہ تھا' صلیبیوں کے قبضے کے بعد سے مجیر الدین آبق کی حکومت برائے نام رہ گئی تھی۔ فرنگی اہل دمشق سے ٹیکس وصول کرتے تھے۔ ان کو بے محابا قتل و گرفتار کرتے تھے۔ دمشق میں جس قدر عیسائی لونڈی غلام تھے' ان کو اختیار دے دیا گیا تھا کہ ان میں سے جس کا دل چاہے اپنے وطن واپس جا سکتا ہے۔ مجیر الدین آبق کو دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ وہ دمشق کے قلعہ میں نظر بند تھا' اگر فرنگی چاہتے تو آسانی کے ساتھ اس پر قابض ہو جاتے' لیکن انہوں نے نورالدین کے حملہ سے حفاظت کے لئے عمداً اس کو درمیان میں بفراسٹیٹ کی طرح قائم رکھا تھا۔

نورالدین عسقلان پر صلیبیوں کے حملہ کے زمانہ ہی سے یہاں کے مسلمانوں کی مدد کے لئے پہنچنا چاہتا تھا' لیکن درمیان میں دمشق کا علاقہ حائل تھا۔ نورالدین کی فوج کشی کی صورت میں مجیر الدین کا صلیبیوں سے مل جانا یقینی تھا۔ اسی تذبذب میں عسقلان پر صلیبیوں کا قبضہ بھی ہو گیا اور نورالدین وہاں نہ پہنچ سکا۔

اس لئے نورالدین نے دمشق کو تلوار سے فتح کرنے کے بجائے اس کو تدبیر سے زیر کرنے کے لئے مجیر الدین کی بدگمانی دور کر کے اس سے دوستانہ تعلقات پیدا کئے۔ جب اس کو پورا اعتماد ہو گیا' تو نورالدین نے حسن تدبیر سے رفتہ رفتہ ان تمام امرا کو جن کی جانب سے مخالفت کا خطرہ ہو سکتا تھا' دمشق سے الگ کرا دیا اور اتابکی امیر نجم الدین ایوبی کے ذریعہ سے جو دمشق کی حکومت سے متوسل ہو گیا تھا، اہل دمشق کو جو فرنگیوں کے مظالم سے تنگ آ چکے تھے' دمشق حوالہ کرنے پر آمادہ کر کے ۵۴۹ھ میں فوج کشی کر دی۔ مجیر الدین فرنگیوں کو بعلبک کا قلعہ دے کر ان سے مدد کا طالب ہوا' لیکن نورالدین نے موقع نہ دیا اور فرنگیوں کی مدد آنے سے پہلے دمشق پہنچ گیا' یہاں کے باشندے اس سے مل چکے تھے۔ اس لئے آسانی کے ساتھ دمشق پر اس کا قبضہ ہو گیا' لیکن مجیر الدین دمشق کے قلعہ میں قلعہ بند ہو گیا۔ نورالدین نے اس کا محاصرہ کیا۔ مجیر الدین میں کوئی دم باقی نہ تھا۔ نورالدین نے اسے حمص کا علاقہ دے کر راضی کر لیا اور وہ دمشق چھوڑ کر حمص منتقل ہو گیا اور شام سے بوری حکومت ختم ہو گئی۔

حمص جانے کے بعد مجیر الدین نے اہل دمشق سے ساز باز شروع کیا۔ نورالدین کو خبر ہو گئی۔ اس نے فرنگیوں کی سازش کے خطرہ سے اس کو حماۃ منتقل کر دینا چاہا مگر اس پر وہ آمادہ نہ ہوا اور حمص

سے بغداد چلا گیا اور وہیں اس کا انتقال ہوا۔ [1]

دمشق پر قبضہ کے بعد شام میں نورالدین کی قوت بہت بڑھ گئی اور صلیبیوں کے مقابلے کے لئے میدان صاف ہو گیا۔ اس سے ان میں بڑا اضطراب پیدا ہو گیا۔

حلب کے مغربی سمت حکومت انطاکیہ کا قلعہ حارم مسلمانوں کے لئے بڑا خطرناک تھا۔ اس لئے ۵۵۱ھ میں نورالدین نے اس پر فوج کشی کی۔ فرنگی مقابلہ نہ کر سکے اور علاقہ حارم کا نصف حصہ دے کر صلح کر لی اور نورالدین حلب لوٹ گیا۔ اس کی واپسی کے بعد ہی فرنگیوں کی مدد کے لئے یورپ کی تازہ دم فوجیں پہنچ گئیں۔ ان کا سہارا پا کر انہوں نے حمص وحماۃ وغیرہ مختلف علاقوں میں تاخت وتاراج شروع کر دی۔ بانیاس کا فرمانروا ہمفری بہت پیش پیش تھا۔ نورالدین نے ان کے مقابلہ کے لئے فوجیں روانہ کیں اور ہمفری کے مقابلہ کے لئے خود نکلا اور بانیاس کا محاصرہ کر لیا۔ ۵۵۲ھ میں اس کو بزور شمشیر فتح کیا۔ بانیاس میں اس کو بے شمار مال غنیمت حاصل ہوا۔ اور فرنگیوں کی قوت کو بڑا صدمہ پہنچا۔ اس کی یہ فتح اہم فتوحات میں شمار کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بعض لڑائیاں ہوئیں۔ خصوصاً اس کے امرا اور صلیبیوں میں بہت سے معرکے ہوئے۔ [2]

مقتفی کا انتقال

ربیع الاول ۵۵۵ھ میں مقتفی کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت ۶۶ سال کی عمر تھی۔ مدت خلافت چوبیس سال تین مہینے۔

مقتفی جامع کمالات خلیفہ تھا۔ اس میں تدبیر وسیاست' شجاعت وشہامت' جرأت وحوصلہ مندی' علم وعمل' فضل وکمال' زہد وتقویٰ' حسن خلق وشرافت نفس' تمام دینی ودنیاوی محاسن واوصاف جمع تھے۔ اس کے پیشروؤں نے جس مہم کا آغاز کیا تھا' مقتفی نے اس کو انجام تک پہنچایا اور عراق سے سلجوقیوں کا اقتدار ختم کر کے خلافت بغداد کو ان کے اثر سے بالکل آزاد کر دیا۔

اس کو زمانہ بھی ایسا ملا تھا' جب سلجوقیوں کی قوت ختم ہو چکی تھی' گو سلطان مسعود کے زمانہ میں سلجوقی حکومت کا ظاہری ٹھاٹھ باٹھ قائم تھا' لیکن خانہ جنگی نے ان کی قوت ختم کر دی تھی۔ سلجوقی حکومت کا نظام بگڑ گیا تھا۔ خصوصاً غزوں کے ہاتھوں میں سلطان سنجر کی شکست اور خراسان کی تباہی سے سلجوقی خاندان کی عظمت وشان ختم ہو گئی تھی۔

اس نے شروع ہی سے سلطان مسعود کو اس کی حد سے آگے نہ بڑھنے دیا' چنانچہ ۵۴۱ھ میں

[1] دولت اتابکیہ موصل ص ۴۸۹ تا ۴۹۱۔

[2] تفصیل کے لئے دیکھو کتاب الروضتین ج ۱' حالات ۵۵۲ھ تا ۵۵۵ھ۔

سلطان نے بغداد میں ٹکسال قائم کی۔ مقتفی نے اس کے منتظم کو جس نے ٹکسال قائم کرنے کا مشورہ دیا تھا، گرفتار کرلیا۔ سلطان نے اس کے جواب میں مقتفی کے حاجب کو گرفتار کرلیا۔ اس نے سخت برہمی ظاہر کی اور تین دن تک مسجدیں بند کر دیں۔ اس لئے یہ برہمی دیکھ کر سلطان مسعود کو مجبوراً حاجب کو رہا کرنا پڑا۔ [1]

وہ بہ نفس نفیس لڑائیوں میں نکلتا تھا اور عام سپاہیوں کے دوش بدوش لڑتا تھا۔ اس نے اپنے تمام مخالفین پر فوج کشی کر کے انہیں مغلوب کرلیا۔ [2]

اس کی اس شجاعت وحوصلہ مندی کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت بغداد سلجوقیوں کے پنجہ سے بالکل آزاد ہوگئی۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ دیالمہ کی تولیت خلافت کے بعد مقتفی پہلا خلیفہ تھا جس نے عراق کو سلاطین کے اثر سے چھڑا کر آزاد حکومت قائم کی اور معتضد کی ایک مستثنیٰ مثال کے سوا مستنصر کے بعد وہ پہلا فرمانروا ہے جس کو خلافت بغداد پر اختیار واقتدار حاصل ہوا اور فوج اور عمال ان حکومت پر اس کی حکومت قائم ہوئی۔ وہ شجاع وجری تھا۔ خود لڑائیوں میں نکلتا تھا۔ خبر رسانی کے شعبے پر بے دریغ خرچ کرتا تھا۔ ملک کے کسی گوشہ کی خبر اس سے پوشیدہ نہ رہتی تھی۔ [3]

ابن جوزی کا بیان ہے کہ مقتفی سے پہلے خلافت بغداد سلاطین کے زیر اقتدار تھی۔ خلفا کا صرف نام تھا، مقتفی کے زمانہ سے عراق وبغداد کی حکومت خلفا کے ہاتھوں میں آئی اور ان کا کوئی حریف باقی نہ رہا۔

ابن سمعانی لکھتا ہے کہ مقتفی پسندیدہ سیرت اور حکومت میں کامیاب تھا۔ اس میں عقل ودانش، علم وفضل، تدبیر وسیاست تمام باتیں جمع تھیں۔ اس نے معالم امامت کو زندہ اور رسوم خلافت کو مرتب ومنظم کیا۔

حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ وہ علم وفضل، حلم وشجاعت اور حسن اخلاق سے آراستہ تھا۔ اس میں سرداری کی فطری شان تھی۔ وہ اپنے اوصاف کے اعتبار سے امامت کے منصب کا اہل تھا۔ خلفا میں اس کی نظیریں کم تھیں۔ کوئی چھوٹے سے چھوٹا حکم بغیر اس کے دستخط کے جاری نہ ہوتا تھا۔

علم دوست اور علما نواز بھی تھا۔ حدیث نبوی ﷺ سے خاص ذوق رکھتا تھا۔ علم کے ساتھ وہ باعمل اور زاہد ومتورع تھا۔ خلافت سے پہلے اس کا سارا وقت عبادت وریاضت، تلاوت قرآن اور علمی مشاغل میں گزرتا تھا۔ [4]

طبعاً بڑا نرم مزاج، حلیم الطبع اور نیک سیرت تھا۔ [5] اس کا دور عدل وانصاف اور نیکیوں سے سرسبز وشاداب تھا۔ [6]

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۴۴۹۔ [2] تاریخ الخلفاء ص ۴۵۴۔ [3] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۹۶۔

[4] تاریخ الخلفاء ص ۴۵۱۔ [5] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۹۶۔ [6] تاریخ الخلفاء ص ۴۵۱۔

ابوالمظفر یوسف بن مقتفی الملقب بہ مستنجد باللہ

(۵۵۵ھ تا ۵۶۶ھ مطابق ۱۱۶۰ء تا ۱۱۷۰ء)

مقتفی نے اپنی زندگی میں اپنے لڑکے یوسف کو ولی عہد نامزد کر دیا تھا' لیکن مقتفی کی ایک لونڈی یوسف کو محروم کر کے اپنے لڑکے ابوعلی کو تخت نشین کرنا چاہتی تھی' چنانچہ مقتفی کے مرض الموت میں اس نے امرا اور عمائد سلطنت کو رشوتیں دے کر ملا لیا اور یوسف کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ اس کو باپ کے آخری دیدار کے بہانہ سے بلا بھیجا۔ جیسے ہی وہ قصر خلافت میں داخل ہوا' مسلح لونڈیوں نے جو پہلے سے متعین تھیں' اس پر خنجروں سے حملہ کر دیا' لیکن یوسف کی آواز پر داروغہ محل اور فراش پہنچ گئے۔ انہیں دیکھ کر لونڈیاں بھاگ گئیں اور یوسف بال بال بچ گیا۔ ابوعلی اور اس کی ماں گرفتار کر کے قید اور حملہ آور لونڈیاں قتل کر دی گئیں۔ مقتفی کی وفات کے بعد شاہی خاندان کے تمام ارکان نے یوسف کے ہاتھوں پر بیعت کی اور ربیع الاول ۵۵۵ھ میں وہ تخت خلافت پر بیٹھا اور مستنجد باللہ لقب اختیار کیا۔ اس وقت ۴۵ سال کی عمر تھی۔

مقتفی نے خلافت بغداد سے سلجوقیوں کی مداخلت بالکل ختم کر دی تھی۔ خود ان کی قوت بھی زوال پذیر تھی اور ان کو اپنے معاملات سنبھالنے سے فرصت نہ تھی۔ اس لیے مستنجد ان کی جانب سے مطمئن رہا۔ صرف بعض معمولی واقعات پیش آئے' جن کا بروقت تدارک ہو گیا۔

قبیلہ خفاجہ کی بغاوت اور اس کا استیصال

عرب قبیلہ خفاجہ کو جو عراق میں آباد تھا خلافت عباسیہ کی جانب سے اس کو بطور رسوم کچھ غذا اور کھجور ملا کرتی تھی۔ اس کے ملنے میں کچھ تعویق ہو گئی۔ اس لیے وہ ۵۵۶ھ میں اس کے مطالبہ کے لیے حلہ اور کوفہ میں جمع ہوئے۔ امیر ارغش والی کوفہ نے دینے سے انکار کیا۔ حلہ کے شحنہ امیر قیصر نے بھی اس کی تائید کی۔ ان کے انکار پر خفاجہ نے علاقہ سواد کو لوٹ لیا۔ امیر قیصر اور ارغش نے ان پر فوج کشی کر کے رحبہ تک تعاقب کیا۔ خفاجہ نے صلح کرنا چاہی' لیکن ارغش نے منظور نہ کیا۔ اس درمیان میں اور عرب قبائل خفاجہ کی مدد کو پہنچ گئے اور سب نے مل کر امیر ارغش کو بڑی سخت شکست دی وہ خود زخمی ہوا اور امیر قیصر مارا گیا اور بغدادی فوج کا بڑا حصہ تلف ہو گیا۔ امیر ارغش نے رحبہ میں پناہ لی۔ یہاں کے شحنہ نے اس کو اپنی حفاظت میں بغداد بھجوا دیا۔ اس شکست سے بغدادی فوج کو بڑا نقصان پہنچا تھا۔ اس لیے وزیر ابن ہبیرہ خود خفاجہ سے انتقام لینے کے لیے نکلا' لیکن وہ صحرائی علاقہ میں نکل گئے اور ابن

ہبیرہ کو ناکام واپس جانا پڑا۔ اس کی واپسی کے بعد خفاجہ نے مستنجد کے پاس کہلا بھیجا کہ ہمارا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ ہم نے جنگ سے بچنے کے لیے اپنا گھر بار تک چھوڑ دیا تھا۔ ہم پر فوج کشی کر کے ہم کو لڑنے پر مجبور کیا گیا' ورنہ ہم اب بھی اطاعت پر قائم ہیں۔ اس لیے درگزر سے کام لیا جائے۔ مستنجد نے ان کی معذرت قبول کر لی۔ [1]

بنی اسد کا استیصال

قبیلہ بنی اسد بھی عراق میں آباد تھا اور یہاں اکثر فتنہ وفساد برپا کرتا رہتا تھا۔ بغداد پر سلطان محمد کی فوج کشی کے زمانہ میں اس نے سلطان کی مدد کی تھی۔ اس لیے ۵۵۸ھ میں مستنجد نے امیر تیرون بن قماج کو حکم دیا کہ بنی اسد کو عراق سے نکال دیا جائے۔ اس نے حلہ مزیدیہ میں ان کا محاصرہ کر کے ان سے ہتھیار رکھوا لیے اور چار ہزار آدمیوں کو قتل کر کے باقی پورے قبیلہ کو عراق سے نکال دیا۔ [2]

سلیمان شاہ بن سلطان محمد بن ملک شاہ اول اور ارسلان شاہ بن طغرل بن محمد

سلطان محمد کا انتقال مقتفی کے آخری زمانہ ذی الحجہ ۵۵۴ھ میں ہوا تھا۔ اس نے کسی کو ولی عہد نہیں بنایا تھا۔ امیر اقسنقر احمد یلی اس کی وصیت کے مطابق اس کے صغیر السن بچے کو لے کر مراغہ چلا گیا تھا۔ اس لیے سلطان محمد کی وفات کے بعد اس کی جانشینی کے مسئلہ میں سلجوقی امرا میں اختلاف ہو گیا۔ اکثریت سلیمان شاہ بن سلطان محمد کے حق میں تھی۔ وہ موصل میں قید تھا۔ ان اسباب کی بنا پر سلطان محمد کی موت اور سلیمان شاہ کی تخت نشینی کے درمیان کئی مہینہ کا وقفہ ہو گیا۔ اس دوران میں مقتفی کی موت اور مستنجد کی تخت نشینی کے تمام مراحل طے ہو گئے اور سلطان سلیمان شاہ سلطان محمد کی وفات کے چھ مہینے بعد ربیع الاول ۵۵۵ھ میں تخت نشین ہوا۔ [3]

لیکن یہ بڑا نااہل ثابت ہوا۔ اسے امور مملکت سے کوئی سروکار نہ تھا۔ ہر وقت شراب میں مست رہتا تھا' دربار میں بھانڈوں اور مسخروں کا مجمع تھا۔ امرا وارکان دولت کی کوئی عزت نہ تھی۔ انہیں مشکل سے باریابی کا موقع ملتا تھا۔ مسخروں کے مقابلے میں علانیہ ان کی تحقیر ہوتی تھی۔ اس لیے وہ سب اس کے خلاف ہو گئے۔ اس کے کارپرداز سلطنت شرف الدین کردباز نے ہرچند سمجھانے کی

---

[1] ابن اثیر ج ۱۱' ص ۱۰۴۔ [2] ابن اثیر ج ۱۱' ص ۱۱۱۔

[3] ابن اثیر ج ۱۱' ص ۹۵' ۹۶' وراحۃ الصدور ص ۲۷۵۔

کوشش کی' لیکن سلیمان پر کوئی اثر نہ پڑا اور الٹے مسخروں سے شرف الدین کا مذاق اڑوایا۔ اس لیے وہ بھی خلاف ہو گیا اور اتابک شمس الدین ایلدکز والی آذربائیجان سے مل کر شوال ۵۵۵ھ میں سلیمان کو گرفتار کر کے معزول کر دیا اور ارسلان شاہ بن طغرل بن محمد کو تخت نشین کیا۔ [1]

معزولی کے چند مہینوں کے بعد سلیمان شاہ ربیع الثانی ۵۵۶ھ میں قتل کر دیا گیا۔ اس کی مدت حکومت کل سات آٹھ مہینے تھی۔

ارسلان شاہ کے باپ کی وفات کے وقت اس کی عمر ایک سال سے بھی کم تھی۔ سلطان مسعود نے اس کی پرورش کی تھی اور امیر شمس الدین ایلدکز کو اس کا اتالیق مقرر کیا تھا۔ شمس الدین نے اس کی بیوہ ماں سے شادی بھی کر لی تھی۔ اس لیے ارسلان شاہ کو بہت عزیز رکھتا تھا اور ہمیشہ اس کا ہوا خواہ رہا۔

وہ سلطان مسعود کے ممتاز امرا میں تھا۔ اس نے سلجوقی خاندان کی خانہ جنگی میں کوئی حصہ نہ لیا تھا اور اپنے علاقہ اران و آذربائیجان کے انتظام میں مصروف رہا۔ اس لیے اس کی قوت بالکل محفوظ تھی اور اس نے بڑی عظمت و شان حاصل کر لی تھی۔ [2]

اس نے ارسلان کو سلیمان شاہ کا ولی عہد بھی بنوایا تھا۔ پھر سلیمان کی معزولی کے بعد اسی کی کوشش سے ارسلان کو تاج و تخت ملا۔ اس نے بھی ایلدکز کی بڑی قدر دانی کی اور تخت نشینی کے بعد اس کو سلطنت کا مختار کل بنا دیا۔ [3]

اگرچہ ارسلان صرف نام کا بادشاہ تھا' اختیارات تمام تر شمس الدین کے ہاتھوں میں تھے' لیکن وہ ہمیشہ ارسلان کا ہوا خواہ رہا۔ انتظامی صلاحیت بھی رکھتا تھا۔ سلجوقی حکومت کا بگڑا ہوا نظام دوبارہ قائم کر دیا اور اس کی بھی کوشش کی کہ سلطان مسعود کے زمانہ میں سلجوقی حکومت اور خلافت بغداد کے درمیان جو تعلقات و روابط تھے' وہ پھر قائم ہو جائیں اور بغداد میں ارسلان کے نام کا خطبہ پڑھا جائے' لیکن ان تعلقات کی تجدید کے معنی یہ تھے کہ پھر خلافت بغداد میں سلجوقیوں کو مداخلت کا موقع مل جاتا۔ اس لیے اس میں کامیابی نہ ہوئی اور شمس الدین کا قاصد بغداد سے نہایت ذلت کے ساتھ واپس کر دیا گیا۔ [4]

ارسلان کی تخت نشینی کے وقت کئی سلجوقی شہزادے مختلف مقامات میں تھے اور ان میں سے ہر کسی کو کسی نہ کسی امیر کی حمایت حاصل تھی۔ سلطان محمد کا لڑکا امیر اقسنقر احمدیلی کے پاس مراغہ میں تھا۔ خود ارسلان کا بھائی محمد بن طغرل فارس میں تھا اور امیر حسام الدین اینانج والی رے اور امیر

---

[1] ابن اثیر ج ۱۱' ص ۹۹' ۱۰۰' و راحۃ الصدور ص ۲۷۷' ۲۷۸۔
[2] ابن اثیر ج ۱۱' ص ۱۰۰۔
[3] راحۃ الصدور ص ۲۳۸' و تاریخ گزیدہ ص ۴۷۱۔
[4] ابن اثیر ج ۱۱' ص ۱۰۰۔

عزالدین صتمار والی اصفہان اس کے حامی تھے۔ [1] ابن اثیر کے بیان کے مطابق ایک اور شہزادہ محمد بن ملک شاہ زنگی بن وکلاء سلغری والی فارس کے پاس تھا۔ان امرا کی اطاعت کے بغیر ارسلان شاہ کی حکومت کے لیے خطرات تھے۔اس لیے امیر شمس الدین نے ان کو ارسلان شاہ کی اطاعت قبول کرنے کے لیے لکھا۔

خلافت بغداد اور امیر شمس الدین کے تعلقات کشیدہ تھے اور عباسی وزیر ابن ہبیرہ اس کی جانب سے مطمئن نہ تھا۔اس لیے اس نے ان امرا کو شہزادوں کے خطبہ کی طمع دلا کر شمس الدین کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا اور خود ان کو بھی آپس میں لڑانے کی کوشش کی۔ [2] امیر شمس الدین ایلدکز نے عزالدین صتمار اور حسام الدین اینانج پر فوج کشی کر کے ان کو مغلوب کر لیا۔ [3] زنگی بن وکلاء سلغری والی فارس نے ابتدا میں اس کا پورا مقابلہ کیا' لیکن پھر اینانج وغیرہ کو فوجی مدد دے کر خود خاموش ہو گیا تھا' البتہ اقسنقر کو شمس الدین زیر نہ کر سکا۔اس نے اس کے لڑکے پہلوان کو جو ارسلان شاہ کا ماں جایا بھائی تھا' بڑی فاش شکست دی' لیکن اور دوسرے امرا کی اطاعت کے بعد آقسنقر سے کوئی خاص خطرہ نہ رہ گیا تھا۔اس لیے شمس الدین خاموش ہو گیا۔

ان مہموں میں شمس الدین کی مشغولیت کے زمانہ میں، انجازی کرجوں نے آذربیجان کو خالی پا کر حملہ کر دیا، اور اس کے سرحدی شہر ودین پر قبضہ کر کے اسے لوٹ کر ویران کر دیا دس ہزار آدمی قتل اور بہت سے مرد اور عورتیں گرفتار کر کے ان کی بے حرمتی کی شمس الدین نے اندرونی لڑائیوں سے فراغت کے بعد ارسلان شاہ، امیر اقسنقر اور شاہ ارمن والی خلاط کو ساتھ لے کر پچاس ہزار فوج کے ساتھ کرج پر فوج کشی کر کے انہیں شکست دی، اور ان کی بڑی تعداد قتل و گرفتار ہوئی، انجاز کا فرماں روا اسیر ہوا، اور اس کے بہت سے مقبوضات قبضہ میں آئے۔ [4]

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ سلجوقی حکومت اور خلافت بغداد کے تعلقات اچھے نہ تھے، ایک سلجوقی شاہزادہ، شملہ والی خوزستان کے پاس تھا، ۵۶۱ھ میں ارسلان شاہ نے اس کو خلافت عباسیہ کے علاقہ بصرہ اور واسط کی حکومت کا پروانہ دے دیا، شملہ، قلعہ ماہ کی پر فوج کشی کر کے مستنجد سے عراق کے بعض حصوں کی حکومت کا طالب ہوا، مستنجد نے اس کے مقابلہ کے لیے فوجیں روانہ کیں، اور ایک شخص یوسف دمشقی کو علیحدہ بھیجا کہ وہ شملہ کو ڈرا دھمکا کر واپس کر دے، شملہ نے اس کو سلطان کا پروانہ دکھایا، اور کہا کہ اگر مجھ کو اس کا ایک تہائی حصہ بھی مل جائے تو میں اس پر قناعت کر لوں گا، یوسف نے واپس جا

[1] راحۃ الصدور ص ۲۸۶۔ [2] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۰۰، ۱۰۱۔ [3] راحۃ الصدور ص ۲۸۶۔

[4] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۰ اور راحۃ الصدور ص ۲۸۷ و تاریخ گزیدہ ص ۴۷۱۔

کر مستنجد سے صورت حال بیان کی، اس دوران میں عباسی امیر ارغش مسترشدی نے شملہ کے بھتیجے قلج ارسلان پر حملہ کر کے اس کو گرفتار کر لیا، اس کی گرفتاری کے بعد شملہ نے صلح کی کوشش کی، لیکن مستنجد نے منظور نہ کی اور شملہ اپنی قوت کمزور دیکھ کر لوٹ گیا۔ [1]

باطنی

سلطان مسعود نے اپنے زمانہ میں باطنیوں کی قوت توڑ دی تھی' لیکن اس کے بعد کی خانہ جنگی سے پھر ان کو ابھرنے کا موقع مل گیا اور انہوں نے قزوین کے نواح میں ایک قلعہ تعمیر کر کے اس میں سامان جنگ کا ذخیرہ جمع کیا۔ اس لیے ارسلان شاہ انجاز کی مہم سے فراغت کے بعد قزوین پہنچا اور باطنیوں کو قتل کر کے قلعہ مسمار کرا دیا۔ ان کا دوسرا مرکز قہاب تھا۔ یہاں بھی ان کا ایک سنگین قلعہ تھا۔ قزوین کے بعد ارسلان نے قہاب کے قلعہ کو فتح کیا اور ارسلان کشا اس کا نام رکھا اور باطنیوں سے حفاظت کے لیے یہاں نبرد آزما سپاہیوں کا ایک دستہ متعین کیا۔ اس مہم سے واپسی میں زنگی بن وکلاء سلغری والی فارس نے بھی ارسلان شاہ کی اطاعت قبول کر لی۔ [2]

نور الدین زنگی اور مجاہدات صلیبی

۵۵۱ھ تک نور الدین زنگی کے مجاہدات کا حال اوپر گزر چکا ہے۔ اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً اس کا سلسلہ قائم رہا' لیکن کوئی اہم واقعہ پیش نہیں آیا۔ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ۵۵۱ھ میں نور الدین نے حصن حارم پر فوج کشی کی تھی اور فرنگیوں نے حارم کی آدھی ولایت دے کر صلح کر لی تھی۔ اس کے بعد ۵۵۷ھ میں دوسری مرتبہ فوج کشی کی' لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ تیسری مرتبہ ۵۵۹ھ میں اپنے زیر اہتمام امراء اور فرمانرواؤں کو جمع کر کے بڑے اہتمام سے فوج کشی کی۔ شام کے کل عیسائی اس کے مقابلے کے لیے اکٹھے ہو گئے۔ بڑے بڑے خانقاہ نشین راہب تک حجروں سے نکل آئے اور شام کے سارے فرنگی فرمانرواؤں نے مل کر متحدہ مقابلہ کیا۔ تین مہینہ کی خونریز جنگ کے بعد صلیبیوں کو بڑی فاش شکست ہوئی۔ ان کے بہت سے ممتاز امراء و فرمانروا بوہیمنڈ والی انطاکیہ' قمص والی طرابلس جنرل ڈیوک اور جوسلن کے لڑکے وغیرہ گرفتار ہوئے اور رمضان ۵۵۹ھ میں حارم پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ بوہیمنڈ نے زر فدیہ ادا کر کے رہائی حاصل کی۔ [3]

حارم پر قبضہ کے بعد ۵۶۰ھ میں بانیاس پر فوج کشی کی۔ حارم کی شکست سے صلیبیوں کو بڑا

---

[1] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۲۳۔ [2] راحۃ الصدور ص ۲۸۹' ۲۹۰۔ [3] تاریخ اتابکیہ ص ۲۲۱ تا ۲۲۳ ملخصاً۔

نقصان پہنچا تھا۔ انہوں نے نئی قوت فراہم کرنے کی کوشش کی' لیکن اس سے پہلے ہی نورالدین نے بانیاس کو فتح کر لیا اور اس کی حفاظت کا سامان کر کے واپس گیا' پھر ۵۶۱ھ میں حصن منیطرہ پر قبضہ کر لیا۔

فاطمیہ مصر کی حالت

اسی سنہ میں نورالدین کے نامور امیر اسدالدین شیرکوہ نے فاطمی وزیر شاور سعدی کی دعوت پر مصر پر پہلی مرتبہ فوج کشی کی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ پانچویں صدی کے آخر سے فاطمیہ مصر پر زوال طاری ہو گیا تھا' سیوطی کا بیان ہے کہ مستنصر باللہ فاطمی ۴۶۷ھ تا ۴۸۷ھ کے زمانہ سے مصر کی حکومت کا نظام درہم برہم ہو گیا تھا۔ خلفا کی حیثیت اور ان کے اختیارات ختم ہو گئے تھے اور حکومت تمام تر وزراء و امرا کے ہاتھوں میں آ گئی تھی۔ ان کے مقابلہ میں خلفا کی بے بسی کا وہی حال ہو گیا تھا جو دیالمہ کے دور عروج میں عباسی خلفا کا تھا۔ [1]

پھر ان وزراء و امرا کی خودغرضی اور آپس میں کشمکش کی وجہ سے حالت اور گرتی گئی اور نورالدین کے زمانہ میں اس کا حال دمشق کی بوری حکومت کے جیسا ہو گیا تھا۔ وزراء کو اپنے جاہ و اقتدار کے تحفظ سے فرصت نہ تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۵۴۸ھ میں صلیبیوں نے عسقلان پر' جو شام میں مصری حکومت کا نہایت اہم مقبوضہ تھا' قبضہ کر لیا۔ [2]

اس کے نکل جانے سے فاطمیہ کو بڑا نقصان پہنچا۔ فائز باللہ فاطمی (۵۴۹ھ تا ۵۵۵ھ) کے زمانہ میں یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ وہ اپنی حکومت کو صلیبیوں سے بچانے کے لیے ان کو سالانہ رقم دیتا تھا۔ [3]

فائز کے بعد اس کے وزیر طلائع بن زریک الملقب بہ الملک الصالح نے فاطمی خاندان کے ایک نوعمر لڑکے عاضد کو تخت نشین کیا اور اپنی لڑکی اس کے ساتھ بیاہ کر حکومت مصر کا مختار کل بن گیا اور ان تمام امرا کو جن کی جانب سے مزاحمت کا خطرہ ہو سکتا تھا قاہرہ سے باہر مختلف مقاموں پر بھیج دیا۔ اس کے اس استبداد سے تمام امرا اس کے خلاف ہو گئے اور خود عاضد کی پھوپھی نے جو حرم سلطانی کے اندر اس کے استبداد سے نالاں تھی' امرا کو ملا کر طلائع کو قتل کرا دیا۔ اس کے قتل کے بعد عاضد نے اس کے لڑکے زریک بن طلائع الملقب بہ الملک العادل کو منصب وزارت عطا کیا۔

طلائع کے زمانہ ہی میں ان کے ساختہ پرداختہ ایک امیر شاور سعدی والی صعید مصر نے اتنا

[1] حسن المحاضرہ ج ۲' ص ۱۷۔ [2] ابن اثیر ج ۱۱' ص ۱۷۔
[3] ابن اثیر ج ۱۱' ص ۱۰۹' ۱۱۰۔

عروج حاصل کر لیا تھا کہ خود طلائع اس سے ڈرتا تھا اور اپنے لڑکے زریک کو وصیت کرتا گیا تھا کہ شاور کو نہ چھیڑنا ورنہ نقصان اٹھاؤ گے' لیکن اس نے ناتجربہ کاری سے شاور کی معزولی کا پروانہ جاری کر دیا۔ اس نے قاہرہ پر فوج کشی کر دی اور زریک کو قتل کر کے اس کے منصب پر قابض ہو گیا' لیکن چند ہی دنوں کے بعد ایک دوسرے فاطمی امیر ضرغام نے اس کو نکال دیا اور اپنے تحفظ کے لیے تمام فاطمی امرا کو چن چن کر قتل کرا دیا۔ [1]

مصر پر شیر کوہ کی فوج کشی

شاور مصر سے نکل کر شام پہنچا اور نور الدین سے درخواست کی کہ اگر اس کو اس کے منصب پر بحال کرا دے تو وہ مصر کے ایک تہائی حصہ پر اس کا قبضہ کرا دے گا اور اس کی ہدایت کے مطابق مصر کی حکومت چلائے گا۔ مصر پر قبضہ نور الدین کے اصل مقصد صلیبیوں کے مقابلہ کے لیے نہایت مفید تھا' لیکن مختلف اسباب کی بنا پر اس کو مصر پر فوج کشی میں تامل ہوا' پھر غور وفکر کے بعد ۵۴۹ھ میں اس نے اپنے نامور اور تجربہ کار امیر اسد الدین شیر کوہ کو فوجیں دے کر شاور کے ساتھ کر دیا۔ [2]

---

[1] یہ حالات ابن اثیر کے مختلف سنین سے ماخوذ ہیں۔

[2] نور الدین کے زمانہ میں ایک نیا خاندان ایوبی پیدا ہوا۔ اسد الدین شیر کوہ اسی کا ممتاز رکن تھا۔ اتابکی حکومت کے دامن میں اس خاندان کی نشو ونما ہوئی۔ اپنے کارناموں سے اس نے اتنی ترقی کی کہ فاطمی حکومت کو ختم کر کے مصر میں ایوبی حکومت قائم کر لی اور نور الدین کی وفات کے بعد اس کے نامور فرمانروا صلاح الدین ایوبی نے صلیبی مجاہدات میں اس کی نیابت کی اور بیت المقدس کو عیسائیوں کے ہاتھ سے چھڑایا۔ جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔ اس خاندان کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ ایوبی خاندان صلاح الدین ایوبی کے والد نجم الدین ایوب کی جانب منسوب ہے۔ نجم الدین کا باپ شادی بن مروان نسلاً کرد اور آذربائیجان کے علاقہ دوین کے عمائد میں تھا۔ بعض روایتیں اس کے عربی نسل ہونے کی بھی ہیں' لیکن وہ سراسر غلط ہیں۔ ❶ شادی کا ایک ہم وطن اور دوست مجاہد الدین بہروز سلطان مسعود سلجوقی کے دربار سے متوسل ہو گیا تھا اور اپنی قابلیت وکارگزاری سے بڑی ترقی حاصل کی۔ جمال الدین کے لقب سے ملقب اور بڑے بڑے مناصب پر ممتاز ہوا اور اس کا شمار ممتاز سلجوقی امرا میں ہونے لگا۔ اس کے اور شادی کے بڑے گہرے تعلقات تھے۔ اس نے شادی کو فائدہ پہنچانے کے لیے اپنے پاس بلا بھیجا۔ وہ مع اہل وعیال کے اس کے پاس چلا گیا۔ اس نے ان کی بڑی مدارات کی۔ کچھ دنوں کے بعد سلطان مسعود نے مجاہد الدین کو بغداد کی شحنگی پر مامور کیا اور شادی کو بھی اپنے ساتھ لیتا گیا اور اس کو تکریت کے قلعہ کا حاکم بنا دیا' لیکن چند ہی دنوں کے بعد شادی کا انتقال ہو گیا۔ اس کے دو لڑکے تھے۔ نجم الدین اور اسد الدین شیر کوہ۔ شادی کے بعد بڑے لڑکے نجم الدین کو باپ کی جگہ ملی۔ اس نے بڑی قابلیت اور خوش اسلوبی سے اپنے فرائض انجام دیئے۔ ❷ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

---

❶ ابن خلکان ج ۲' ص ۳۷۷۔ ❷ ابن خلکان ج ۱' ص ۸۵۔

اس کے حریف ضرغام میں اتا بکی فوجوں کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اس لیے وہ قاہرہ چھوڑ کر نکل گیا اور شاور کو اس کا منصب حاصل ہو گیا۔ لیکن اس وقت اس نے سارے وعدے فراموش کر

(گزشتہ سے پیوستہ) اسی زمانہ میں عمادالدین زنگی کو سلجوقی امیر قراجہ ساقی کے مقابلہ میں شکست ہوئی۔ واپسی میں وہ تکریت پہنچا۔ نجم الدین نے اس کے لیے ہر طرح کی سہولتیں فراہم کر دیں۔ دجلہ عبور کرنے کے لیے کشتیوں کا سامان کر دیا۔ اس سے عمادالدین بہت متاثر ہوا۔ اس طرح اتا بکی خاندان سے نجم الدین کے تعارف کا آغاز ہوا۔ چند دنوں کے بعد نجم الدین کے چھوٹے بھائی اسدالدین شیرکوہ نے جو اس کے ساتھ تکریت میں تھا، ایک شخص کو قتل کر دیا۔ اس لیے مجاہدالدین نے دونوں بھائیوں کو الگ کر دیا۔ عمادالدین سے نجم الدین کا تعارف ہو چکا تھا۔ اس لیے وہ تکریت سے نکل کر موصل پہنچا۔ عمادالدین نے اسے اپنی فوج میں داخل کر کے جاگیر عطا کی' پھر بعلبک پر قبضہ کے بعد نجم الدین کو اس کا حاکم بنا دیا اور اسدالدین کو اپنے لڑکے نورالدین کی خدمت پر مامور کیا۔

عمادالدین زنگی کی موت کے بعد مجیرالدین آبق فرمانروائے دمشق نے بعلبک پر فوج کشی کر دی۔ نجم الدین کے پاس مقابلہ کی قوت نہ تھی۔ عمادالدین کا لڑکا سیف الدین غازی دوسری مہموں میں مشغول تھا۔ اس لیے وہ بھی مدد نہ بھیج سکا۔ نجم الدین نے جب دیکھا کہ بعلبک کا بچانا اس کے امکان سے باہر ہے تو مجیرالدین آبق سے سمجھوتہ کر کے بعلبک اس کے حوالہ کر دیا۔ اس کے صلہ میں مجیرالدین نے اس کو اپنے امرا میں داخل کر لیا۔ نجم الدین نے اپنی قابلیت و کارگزاری سے دمشق میں بڑا اثر و رسوخ قائم کر لیا۔ اسدالدین شیرکوہ برابر نورالدین ہی کی خدمت میں رہا۔ وہ اپنے خاندان میں سب سے زیادہ بہادر، شجاع اور نورالدین کی فتوحات میں اس کا دست راست تھا۔ نورالدین بھی اس کا بڑا قدردان تھا۔ اس کو جاگیر عطا کی اور اتا بکی فوج کا سپہ سالار اعظم بنا دیا۔ نورالدین نے جب دمشق پر فوج کشی کی تو اسدالدین نے اپنے بھائی نجم الدین کو لکھ کر جس کا دمشق میں بڑا اثر تھا' دمشق پر قبضہ کرایا، جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ اس خدمت کے صلہ میں نورالدین نے دونوں بھائیوں کو دمشق میں بڑی جاگیر دی اور نجم الدین بھی نورالدین کے دامن سے وابستہ ہو گیا۔ ❶ اس نجم الدین کا فرزند صلاح الدین ایوبی تھا۔ صلاح الدین ۵۳۲ھ میں تکریت میں جب نجم الدین وہاں کا حاکم تھا' پیدا ہوا۔ اس کی ولادت کے بعد ہی نجم الدین کو تکریت چھوڑنا پڑا۔ اس لیے صلاح الدین کی ولادت نامسعود سمجھی گئی' لیکن یہی مولود نامسعود آگے چل کر صلیبی جنگ کا ہیرو بنا۔ صلاح الدین برابر باپ کے ساتھ ہی رہا۔ دمشق پر نورالدین کے قبضہ کے وقت اس کی عمر سولہ سترہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ اس وقت سے وہ برابر نورالدین کے ساتھ رہا۔ اسی زمانہ سے اس میں بلندی کے آثار نمایاں تھے۔ اس لیے اس پر نورالدین کی بڑی نظر توجہ تھی اور وہ اسے بہت مانتا تھا۔ اس کے فیض صحبت و تربیت سے صلاح الدین میں وہ کمالات پیدا ہوئے جنہوں نے آگے چل کر اس کو صلاح الدین اعظم بنا دیا۔ ❷ وہ نوعمری ہی میں بڑے بڑے معرکوں میں شریک ہوتا تھا۔ ۵۶۴ھ میں مصر کی فوج کشی میں اپنے چچا کے ساتھ تھا۔ اس کی وفات پر مصر کے عہدہ وزارت پر ممتاز ہوا جو اس کی آئندہ زندگی کا دیباچہ ثابت ہوئی۔ بعض واقعات عجیب و غریب طریقے سے ظہور پذیر ہوتے ہیں اور وہ امور جو بظاہر ہر ایک شخص کے لیے نامرغوب ہوتے ہیں اور جن کو وہ قبول کر لینے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا' آئندہ ترقی کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ صلاح الدین مصر کی فوج کشی میں جو اس کی ترقی کا سنگ بنیاد تھی، بادل نخواستہ بلکہ جبری شریک ہوا تھا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

❶ دولت اتابکیہ موصل ص ۳۱۳' ۳۱۵۔ ❷ ابن خلکان ج ۲' ص ۲۷۔

دیئے اور اسد الدین کے پاس کہلا بھیجا کہ وہ شام لوٹ جائے۔ اس کی اس بدعہدی پر اسد الدین نے بلبیس اور مصر کے مشرقی حصہ پر قبضہ کر لیا۔ شاور میں اس کے روکنے کی طاقت نہ تھی۔ وہ صلیبیوں سے مدد کا طالب ہوا۔ مصر پر نور الدین کا قبضہ ان کے لیے پیام موت تھا۔ اس کے علاوہ شاور کی دعوت پر خود انہیں مصر پر قبضہ کر لینے کا خیال پیدا ہو گیا' چنانچہ بیت المقدس کا فرنگی فرمانروا اموری فوجیں لے کر مصر پہنچا۔ اسد الدین کے پاس زیادہ قوت نہ تھی۔ اس لیے وہ بلبیس چلا آیا۔ مصریوں اور صلیبیوں نے مل کر بلبیس کا محاصرہ کر لیا۔ اسد الدین تین مہینے تک بڑی پامردی کے ساتھ مدافعت کرتا رہا۔

نور الدین کو جس وقت مصر پر صلیبیوں کی فوج کشی کی خبر ہوئی تھی' اسی وقت ان کو روکنے کے لیے اس نے ان کے علاقہ حارم پر فوج کشی کر دی تھی۔ جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ چنانچہ صلیبیوں کے بلبیس کے محاصرہ کے دوران ہی میں حارم پر نور الدین کے قبضہ اور بانیاس پر فوج کشی کی خبر آ گئی۔ اس لیے صلیبی اس کو بچانے کے لیے محاصرہ اٹھا کر شام لوٹ گئے' لیکن ان کے پہنچتے پہنچتے بانیاس پر بھی نور الدین کا قبضہ ہو چکا تھا۔ ان کی واپسی کے بعد اسد الدین بھی شام لوٹ گیا۔ [1]

اس کو شاور کی بدعہدی اور صلیبیوں سے مدد لینے پر بڑی برہمی تھی۔ اس لیے مصر سے واپسی کے بعد ہی سے وہ نور الدین کو دوبارہ اس پر فوج کشی کے لیے آمادہ کرتا رہا۔ دو سال کے بعد اس نے اجازت دے دی اور ۵۶۲ھ میں اسد الدین نے دوسری مرتبہ فوج کشی کی اور دریائے نیل کو عبور کر کے مصر کے مغربی علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ مصریوں نے اس کو روکنے کے لیے پھر صلیبیوں کی جانب رجوع کیا۔ اس

اس کا بیان ہے کہ جب سلطان نور الدین نے میرے چچا نجم الدین کو مصر جانے کا حکم دیا تو وہ خود خوش دلی سے آمادہ نہ تھا' لیکن نور الدین کے اصرار سے وہ مجبور ہو گیا اور اس نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے دل میں چھری بھونک دی۔ میں نے کہا گزشتہ فوج کشی میں اسکندریہ میں میں نے جو تکلیفیں اٹھائی ہیں انہیں کبھی بھول نہیں سکتا۔ اگر اب مجھے مصر کی حکومت بھی دی جائے تو بھی میں نہ جاؤں گا۔ اس نے نور الدین سے کہا کہ صلاح الدین کا میرے ساتھ جانا ضروری ہے۔ اس نے مجھے حکم دیا میں نے سامان کی کمی کا عذر کیا' اس نے کچھ نہ سنا اور میرے لیے سامان مہیا کر دیا اور مجھے چار و ناچار جانا پڑا' لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مجھے موت کی طرف لے جا رہے ہیں' لیکن یہی موت کا راستہ میرے لیے حکومت کا ذریعہ بن گیا۔ [1]

اگر تقدیر صلاح الدین کو کشاں کشاں مصر نہ لے گئی ہوتی تو غالباً تاریخ میں اس کی حیثیت ایک معمولی اتابکی امیر سے زیادہ نہ ہوتی۔ ﴿عَسَىٰٓ أَن تَكْرَهُوا۟ شَيْـًٔا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ [۲/البقرة:۲۱۶] کے یہی معنی ہیں'

[1] تاریخ دولت اتابکیہ موصل ص ۲۱۵ تا ۲۱۸ ملخصاً۔

[1] دولت اتابکیہ موصل ص ۲۵۴۔

مرتبہ وہ پہلے سے بھی زیادہ تیاری اور جوش کے ساتھ مصر پہنچے۔اسدالدین اس وقت صعید مصر میں تھا۔اس کے پاس کل ایک ہزار سپاہ تھی اور صلیبیوں کی قوت اس سے کہیں زیادہ تھی۔جاسوسوں نے اسدالدین کواس کی اطلاع دی۔اس کو خود صلیبیوں کی کثرت تعداد کی پرواہ نہ تھی' لیکن اسے خطرہ تھا کہ ملک کی اجنبیت' سامان رسد کی کمی اور مرکز سے دوری کی بنا پر دوسرے ساتھی کمزوری نہ دکھائیں۔اس لیے ان سے مشورہ کیا۔انہوں نے جنگ کی مشکلات اور دشواریاں بیان کر کے واپس جانے کی رائے دی' لیکن نورالدین کے ایک بہادر غلام شرف الدین برغش نے کہا کہ جو شخص قتل و گرفتاری سے ڈرتا ہو' اسے سلاطین کی ملازمت نہ کرنی چاہیے' بلکہ کاشتکار بننا چاہیے اور گھر میں عورتوں کے ساتھ بیٹھنا چاہیے' اگر تم لوگ کامیابی حاصل کیے بغیر واپس گئے تو سلطان کو کیا منہ دکھاؤ گے۔اسی دن کے لیے اس نے تم کو بڑی بڑی جاگیریں دی ہیں۔سلطان کو حق ہوگا کہ وہ ان کو تم سے چھین لے۔مسلمانوں کا مال تو لیتے ہو اور ان کے دشمنوں کے مقابلہ سے منہ موڑتے ہو۔مصر جیسے ملک کو کافروں کے ہاتھوں میں چھوڑے جاتے ہو۔

اس پر جوش تقریر پر سب کی رائے بدل گئی اور وہ نہایت جوش سے مقابلہ کے لیے آمادہ ہو گئے۔اس دوران میں مصری اور صلیبی فوجیں بھی پہنچ گئیں۔بابین میں دونوں کا مقابلہ ہوا اور اتابکی فوجوں کی جانبازی اور اسدالدین کی جنگی قابلیت سے کل ایک ہزار مسلمانوں نے بے شمار صلیبی اور مصری فوجوں کو بڑی فاش شکست دی۔ان کی بڑی تعداد قتل و گرفتار ہوئی۔اس کامیابی سے اتابکی فوجوں کا حوصلہ بہت بڑھ گیا اور اسدالدین ساحلی علاقہ فتح کرتا ہوا اسکندریہ تک بڑھتا چلا گیا۔یہاں کے باشندوں نے بغیر کسی مزاحمت کے شہر حوالہ کر دیا۔اسدالدین نے اس کی حفاظت کے لیے اپنے بھتیجے صلاح الدین کو چھوڑ کر صعید مصر کے باقی علاقہ کو زیرنگیں کیا۔اس دوران میں مصری اور صلیبی دوبارہ تیاری کر کے اسکندریہ پہنچے۔اسدالدین کو خبر ہوئی تو وہ فوراً اسکندریہ واپس آیا' لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی۔مصریوں نے بطور تاوان جنگ کے پچاس ہزار اشرفیاں اسدالدین کو دے کر صلح کر لی۔اس نے اس شرط پر منظور کیا کہ صلیبی مصر کو بالکل خالی کر دیں گے۔اس کا ایک قریہ بھی ان کے پاس نہ رہنے پائے گا اور اسکندریہ حکومت مصر کو واپس دے کر ذیقعدہ ۵۶۲ھ میں شام واپس گیا۔ [1]

مصری حکومت میں کوئی دم نہ تھا۔وہ دوسروں کے سہارے پر جی رہی تھی۔اس لیے اسدالدین کی واپسی کے بعد صلیبیوں نے اس کو مجبور کر کے اس پر راضی کر لیا کہ ان کا ایک شحنہ مصر میں رہا کرے گا۔قاہرہ کے شہر پناہ کی حفاظت فرنگی افسروں کے ہاتھ میں رہے گی اور اس کے معاوضہ میں مصری

---

[1] تاریخ دولت اتابکیہ موصل ص ۲۳۰ تا ۲۳۶ ملخصاً۔

حکومت ان کو ایک لاکھ اشرفی سالانہ ادا کرے گی۔

ان شرائط کے بعد صلیبی مصر کی حکومت میں پورے طور سے دخیل ہو گئے بلکہ اس پر ان کا تسلط ہو گیا اور انہوں نے مسلمانوں پر بڑے مظالم کیے اور اموری فرمانروائے یروشلم کو لکھ بھیجا کہ اس وقت مصر میں کوئی قوت موجود نہیں ہے۔ اس پر قبضہ کر لینے کا یہ بہترین موقع ہے۔ دوسرے فرنگی فرمانرواؤں نے بھی اس کی تائید کی' لیکن خود اموری اس کے خلاف تھا۔ وہ کہتا تھا کہ مصر کی آمدنی کا ایک معتدبہ حصہ اس وقت بھی ہم کو مل رہا ہے جس کے ذریعے ہم نورالدین کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اگر ہم نے مستقل قبضہ کرنے کا ارادہ کیا تو مصر کی حکومت اور رعایا دونوں ہمارے خلاف اور ہمارے مقابلہ میں نورالدین کو مصر حوالہ کر دینے پر تیار ہو جائیں گے اور مصر پر اس کا قبضہ ہمارے لیے پیام موت ہے۔ پھر وہ ہم کو شام سے نکالے بغیر نہ رہ سکے گا' لیکن دوسرے فرنگی امرا اور فرمانرواؤں نے اس کو مجبور کیا کہ اس وقت مصر خالی ہے' اگر فوراً فوج کشی کر دی جائے تو جب تک نورالدین کو خبر ہوگی اور وہ فوج بھیجے گا' اس وقت تک ہم اس پر قابض چکے ہوں گے اور خود اس کے لیے ہمارا مقابلہ دشوار ہو جائے گا۔ ان کے اصرار پر اموری کو بادل نخواستہ مصر پر فوج کشی کرنی پڑی اور اس نے بلبیس پر قبضہ کر کے اس کو لوٹ کر ویران کر ڈالا اور اس کی پوری آبادی قید کر لی۔ بلبیس کے بعد قاہرہ کا محاصرہ کر لیا۔ بلبیس کے انجام کو دیکھ کر قاہرہ والوں نے مدافعت میں جان لڑا دی اور صلیبیوں کو شہر میں داخل نہ ہونے دیا' لیکن بیرونی امداد کے بغیر زیادہ دنوں تک ان کو روکنا ان کے لیے آسان نہ تھا۔ اس لیے شاور نے آگ لگوا کر شہر کو جلوا دیا اور عاضد نے اپنی بیوی کے بال تراش کر نورالدین کے پاس بھیجے کہ وہ تم سے مدد کی خواستگار ہیں کہ انہیں فرنگیوں کے ہاتھ سے بچاؤ' اسی مضمون کا خط اسدالدین کے پاس بھی بھیجا اور اس کے معاوضہ میں مصر کا تہائی ملک پیش کیا۔ اس خط پر نورالدین نے ۵۶۴ھ میں شیرکوہ کو ایک بڑی فوج کے ساتھ مصر روانہ کیا۔ اس مرتبہ خود مصری صلیبیوں کے خلاف ہو گئے اور ان میں تنہا اسدالدین کے مقابلہ کی ہمت نہ تھی۔ اس لیے اس کے مصر پہنچنے کے بعد انہوں نے مصر چھوڑ دیا اور ربیع الاول سنہ مذکور میں اسدالدین قاہرہ پہنچ گیا۔ عاضد نے اسے خلعت عطا کیا اور بڑی فیاضی کے ساتھ پوری فوج کی میزبانی کی اور اسے انعامات دیئے۔

صلیبیوں کی مصیبت ٹلنے کے بعد پھر شاور کی نیت میں فتور آ گیا۔ وہ اتابکی فوج کی پذیرائی اور مصر کا ایک جزو بھی نورالدین کو دینا پسند نہ کرتا تھا' لیکن عاضد کی وجہ سے مخالفت نہ کر سکا اور اس معاملہ کو ٹالتا رہا' لیکن جب اسے مفر کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو اس نے شیرکوہ کو دعوت کے بہانہ سے بلا کر گرفتار کر لینے کا ارادہ کیا۔ اس کے لڑکے کامل میں ملی حمیت تھی۔ اس نے مخالفت کی اور باپ سے کہا

کہ اگر آپ اس ارادہ سے باز نہ آئے تو میں شیر کوہ کو اس کی اطلاع دے دوں گا۔ شاور نے کہا کہ اگر میں اس کو گرفتار نہیں کرتا ہوں تو ہم سب قتل کر دیئے جائیں گے۔ کامل نے کہا یہ صحیح ہے' اگر ہم اسلام کی حالت میں قتل کر دیئے جائیں گے اور مصر مسلمانوں کے قبضے میں باقی رہے تو وہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ ہم قتل بھی کیے جائیں اور مصر فرنگیوں کے ہاتھ میں چلا جائے۔ جیسے ہی ان کو شیر کوہ کی گرفتاری کی خبر ہوگی' وہ فوراً پہنچ جائیں گے۔ اس وقت اگر عاضد خود بھی نور الدین کے پاس جائے گا تو وہ ایک سوار بھی مدد کے لیے نہ بھیجے گا اور صلیبی مصر پر قابض ہونے کے بعد سخت فساد برپا کریں گے' چنانچہ کامل کے اصرار سے شاور اپنے فاسد ارادہ سے باز آ گیا' لیکن تہائی مصر کے حوالہ کرنے کے وعدہ کو برابر ٹالتا رہا۔ اس کی روش دیکھ کر شیر کوہ کے بھتیجے صلاح الدین یوسف اور امیر عز الدین جوروک نے شاور کو گرفتار کر لیا اور وہ عاضد کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔ اس کے قتل کے بعد عاضد نے اسد الدین کو منصب وزارت اور الملک المنصور کا معزز لقب عطا کیا۔ اس طرح فاطمی حکومت نور الدین کے ماتحت ہو گئی' لیکن وزارت ملنے کے کل دو ہی مہینے بعد جمادی الثانی ۵۶۴ھ میں شیر کوہ کا انتقال ہو گیا۔

اس کے بعد عاضد نے صلاح الدین یوسف کو منصب وزارت پر مامور کیا اور الملک الناصر کا لقب عطا کیا۔ اس نے مصر میں نور الدین کا خطبہ جاری کر دیا اور اس کے زیر ہدایت اپنے فرائض انجام دینے لگا۔ مصر کی وزارت اتنا بڑا اعزاز تھا کہ مصری امرا کے علاوہ بہت سے اتابکی امرا بھی صلاح الدین کے خلاف ہو گئے' لیکن اس نے ان سب کو زیر کر لیا اور رفتہ رفتہ مصر میں اس کا پورا اقتدار قائم ہو گیا۔ اصل حکومت اس کے ہاتھوں میں تھی' عاضد محض برائے نام حکمران تھا۔ [1]

دولت فاطمیہ میں موتمن خلافت یعنی محلات شاہی کی داروغگی بڑا معزز و مقتدر عہدہ تھا۔ عاضد کے زمانہ میں ایک حبشی خواجہ سرا اس عہدہ پر مامور تھا۔ اسے ایک نووارد کا اقتدار گوارہ نہ تھا' چنانچہ اس نے صلاح الدین کو مصر سے نکالنے کے لیے صلیبیوں کے پاس خط لکھا' یہ خط پکڑ لیا گیا۔ صلاح الدین بالکل خاموش اور موقع کا منتظر رہا اور چند دنوں کے بعد موتمن خلافت کو گرفتار کر کے قتل کرا دیا اور قصر سلطانی کا سارا عملہ بدل دیا۔ موتمن کے انتقام میں اس کے ہم قوم پچاس ہزار فرنگی جمع ہو گئے۔ ان میں اور اتابکی فوجوں میں بڑا زبردست معرکہ ہوا۔ آخر میں زنگی اس کے سامنے جھکنے پر مجبور ہوئے۔ صلاح الدین نے درگزر سے کام لیا' لیکن ان کو قاہرہ سے جیزہ منتقل کر دیا۔ [2]

مصر میں صلاح الدین کے اقتدار اور نور الدین کے اثر سے فرنگیوں میں بڑی تشویش پیدا ہو

[1] دولت اتابکیہ موصل ص ۲۴۶ تا ۲۵۷ مخلصاً۔ [2] ابن اثیر ج ۱۱' ص ۱۲۹' ۱۳۰۔

گئی۔ انہوں نے اندلس اور سسلی کی حکومتوں کو لکھا کہ اگر مصر کے اس نئے انقلاب کا تدارک نہ کیا گیا تو بیت المقدس کے نکل جانے کا خطرہ ہے۔ شام کے قسیس اور راہبوں نے علیحدہ اندلس اور سسلی کا سفر کر کے یہاں کے باشندوں کو شام کے فرنگیوں کی مدد کے لیے ابھارا۔ انہوں نے فوج' اسلحہ اور مال سے پوری امداد کی اور شام کے صلیبیوں نے ۵۶۵ھ میں مصر پر فوج کشی کر کے دمیاط کا محاصرہ کر لیا۔ صلاح الدین نے بھی پوری قوت سے ان کا مقابلہ کیا اور اپنی کل فوجیں نیل کے راستہ دمیاط بھیج دیں۔ نورالدین نے علیحدہ امدادی فوجوں کا تانتا باندھ دیا اور خود فرنگیوں کے شامی مقبوضات پر پیہم تاخت شروع کر دی۔ ایک مہینہ تک دمیاط کا محاصرہ قائم رہا' لیکن فرنگیوں کو کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ انہوں نے جب دیکھا کہ مصر میں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے اور شام علیحدہ نورالدین کے حملوں سے زیر وزبر ہوا جاتا ہے' تو پانچ مہینہ کے بعد محاصرہ اٹھا کر ناکام لوٹ گئے۔ [1]

مستنجد کی وفات

ربیع الثانی ۵۶۶ھ میں مستنجد کے قتل کا واقعہ پیش آ گیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس کے وزیر ابوجعفر بن بلدی استاد دار، امیر عضدالدین ابوالفرج اور امیر قطب الدین قائماز میں باہم مخالفت تھی۔ مستنجد وزیر ابوجعفر کے ساتھ تھا۔ اس نے ابوجعفر کو دونوں امیروں کو گرفتار کر لینے کا حکم دیا۔ عضدالدین اور قطب الدین کو اس کی خبر ہو گئی۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں مستنجد زیادہ بیمار ہو گیا۔ اس کا طبیب عضدالدین اور قطب الدین سے ملا ہوا تھا۔ ان کے ایما سے اس نے مستنجد کو حمام کرنے کا مشورہ دیا۔ اس میں کمزوری کی وجہ سے حمام کی طاقت نہ تھی' لیکن دونوں امیروں نے زبردستی لے جا کر حمام میں بند کر دیا اور وہ اسی میں گھٹ کر مر گیا۔ [2] اس وقت چھپن سال کی عمر تھی۔ مدت خلافت دس سال۔

اوصاف

مستنجد عدل پرور' رعایا نواز اور شفیق خلیفہ تھا۔ اپنے زمانہ میں ہر قسم کے ٹیکس بند کر دیئے تھے۔ جس قدر مال ناجائز طریقہ سے وصول کیا گیا تھا سب کو واپس کر دیا۔ شورش اور فتنہ انگیزی کو سخت ناپسند کرتا تھا اور فتنہ انگیزوں کو پوری سزا دیتا تھا۔

ایک مرتبہ ایک شورش پسند گرفتار کر کے اس کے پاس لایا گیا۔ مستنجد نے اسے قید کرا دیا۔ بڑے بڑے امرا نے اس کے بارے میں سفارش کی اور اس کی رہائی کے معاوضہ میں دس ہزار

---

[1] دولت اتابکیہ موصل ص ۲۵۸ تا ۲۶۰۔ [2] ابن اثیر' ۱۱' ص ۱۳۵۔

اشرفیاں پیش کیں۔ مستنجد آمادہ نہ ہوا اور امراء سے کہا کہ تم اور فسادیوں کو گرفتار کر کے لاؤ۔ میں تم کو اتنا ہی معاوضہ دوں گا تا کہ مخلوق کو ان کے شر سے نجات ملے۔ بغداد کے ایک قاضی ابن مرخم بڑے جابر تھے۔ انہوں نے بڑی دولت جمع کی تھی۔ مستنجد نے انہیں گرفتار کر کے کل دولت ضبط کر لی اور اس کو ان کے مستحق ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔ [1] ابن جوزی کا بیان ہے کہ مستنجد عاقل، فہیم، صائب الرائے، ذہین و ذکی اور فاضل خلیفہ تھا۔ علم و فن کا بڑا مذاق رکھتا تھا۔ اصطرلاب اور فلکی آلات بنانے میں مہارت رکھتا تھا۔ اس کی نظم و نثر دونوں بلیغ ہوتی تھیں۔ [2]

[1] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۳۵۔

[2] تاریخ الخلفاء ص ۴۵۳ بحوالہ ابن جوزی۔

ابو محمد حسن بن مستنجد الملقب بہ مستضی بامر اللہ

(۵۶۶ ھ تا ۵۷۵ ھ مطابق ۱۱۷۰ ء تا ۱۱۷۹ ء)

مستنجد کے قتل کرنے کے بعد امیر عضد الدین و قطب الدین نے اس کی موت کا اعلان کر دیا۔ چونکہ وہ بیمار زیادہ تھا' اس لیے کسی کو کوئی شبہ نہیں ہوا۔ سب نے طبعی موت کا یقین کر لیا' لیکن دونوں قاتلوں کو وزیر ابو جعفر کی جانب سے اطمینان نہ تھا۔ اس لیے مستنجد کے قتل کے بعد ہی عضد الدین نے اس کے لڑکے ابو محمد حسن سے اپنے لیے وزارت' اپنے لڑکے کے لیے استاد دار اور قطب الدین کے لیے سپہ سالاری کے عہدے طے کر کے اس کو خلیفہ بنا دیا اور ربیع الثانی ۵۶۶ ھ میں وہ تخت نشین ہوا۔ خاندان شاہی کے ارکان نے بھی بیعت کر لی اور ابو محمد نے مستضی بامر اللہ کا لقب اختیار کیا۔ اس وقت ۳۳ سال عمر تھی۔

وزیر ابو جعفر کو اس مخفی کارروائی کا علم ہوا تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ عضد الدین وغیرہ نے اس کو بیعت کے بہانہ سے بلا بھیجا۔ اس کا ٹالنا ممکن نہ تھا۔ ابو جعفر کو چار و نا چار جانا پڑا۔ اس کو قتل کر کے لاش دجلہ میں ڈلوا دی گئی۔ [1]

مستضی کے زمانے میں خاص عباسی خلافت کی کوئی سیاسی تاریخ نہیں ہے۔ اس عہد میں سب سے بڑا انقلاب یہ ہوا کہ مصر سے فاطمی حکومت ختم ہو گئی اور اس کی جگہ ایوبی حکومت قائم ہوئی اور کئی صدیوں کے بعد مصر میں پھر عباسی خطبہ جاری ہوا۔ یہ واقعات نور الدین محمود ہی کے کارناموں کی کڑی ہیں۔ اس لیے پہلے ان کو سن لینا چاہیے۔

موصل پر نور الدین محمود کا قبضہ

۵۶۵ ھ میں نور الدین کے بھائی قطب الدین مودود زنگی والی موصل کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس کا بڑا لڑکا عماد الدین ولی عہد اور فخر الدین عبد المسیح نائب السلطنت تھا۔ فخر الدین بڑا ظالم اور بدکردار تھا۔ اس لیے نور الدین اس کو سخت ناپسند کرتا تھا اور اپنے بھائی قطب الدین کو اس کی زندگی میں اسے سر چڑھانے پر ملامت کیا کرتا تھا۔ عماد الدین کو نور الدین سے زیادہ تعلق تھا۔ اس لیے فخر الدین کو خطرہ پیدا ہوا کہ وہ اگر بادشاہ ہو گیا تو نور الدین کے اشاروں پر چلے گا اور اسے اپنے منصب سے الگ ہونا پڑے گا۔ اس نے قطب الدین کی دوسری بیوی یعنی عماد الدین کی سوتیلی ماں اور امرا کو ملا کر قطب الدین کے دوسرے لڑکے سیف الدین غازی کو جو اس کے بطن سے تھا' تخت نشین کر دیا۔ اس میں کوئی صلاحیت نہ

---

[1] ابن اثیر ج ۱۱' ص ۱۳۶۔

تھی۔اس لیے حکومت کی باگ فخرالدین کے ہاتھوں میں آ گئی اور اس نے ظلم و جور کا بازار گرم کر دیا۔نورالدین پہلے ہی سے اس کے خلاف تھا۔اس کے جورواستبداد کی خبرسن کر موصل پر فوج کشی کر دی۔یہاں کے باشندے فخرالدین کے مظالم سے نالاں اوراس کے خلاف تھے۔اس لیے وہ نورالدین کوموصل حوالہ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔فخرالدین نے جب دیکھا کہ اس کے لیے مفر کی کوئی صورت نہیں ہے تو اس نے چند شرائط پر نورالدین کی اطاعت قبول کر لی۔ان میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اس کو موصل سے الگ نہ کیا جائے گا۔نورالدین نے اس کے سوا باقی اور سب شرطیں مان لیں اور فخرالدین سے کہا کہ میں اپنے بچوں کا ملک چھیننے نہیں آیا ہوں' بلکہ لوگوں کو تمہارے مظالم سے چھڑانے کے لیے آیا ہوں۔تمہارے بجائے میں خود ان کی نگرانی کروں گا۔جمادی الثانی ۵۶۵ھ میں فخرالدین نے موصل نورالدین کے حوالہ کر دیا۔اس نے سیف الدین غازی کوموصل پر برقرار رکھا۔البتہ قطب الدین کی میراث شریعت کے مطابق اس کے سب لڑکوں میں تقسیم کر دی۔سنجار کا علاقہ عمادالدین کو دیا اور فخر الدین کے مقرر کردہ کل ٹیکس موقوف کر کے کل بیس دن کے بعد شام لوٹ گیا اور فخرالدین کو بھی اپنے ساتھ لیتا گیا۔شام میں لوگوں نے پوچھا کہ آپ کوموصل کا قیام پسند خاطر تھا۔پھر اس قدر جلد واپسی کیوں عمل میں آئی۔اس نے کہا موصل کے بارہ میں میری نیت میں فتور آ چلا تھا' اگر زیادہ قیام کرتا تو ممکن تھا کہ میرے ہاتھوں سے ظلم ہو جاتا اور وہاں کے قیام سے جہاد میں بھی تاخیر ہوتی۔ [1]

طرابلس الشام پرحملہ

۵۶۷ھ میں لاذقیہ کے فرنگیوں نے معاہدہ کے خلاف دو اسلامی جہازوں کو جو مصر سے تجارتی سامان لے کر شام جارہے تھے، گرفتار کر لیا،نورالدین نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا،فرنگی انہیں واپس دینے پر آمادہ نہ ہوئے،اور یہ جھوٹا عذر کیا کہ وہ جہاز ٹوٹ گئے تھے،اوران میں پانی بھر گیا تھا،اس لیے نورالدین نے انطا کیہ اور طرابلس الشام پر جو فرنگی علاقہ تھے،تاخت وتاراج شروع کر دی،فرنگیوں نے مجبور ہو کر جہاز واپس کر کے دوبارہ معاہدہ کی تجدید کی،ان جہازوں پر جن جن لوگوں کا سامان تھا، نوری الدین نے اپنے سامنے سب کو واپس کر دیا۔

مصر پر صلاح الدین کا قبضہ اور فاطمی حکومت کا خاتمہ

صلاح الدین کی وزارت مصر تک کے حالات اوپر گزر چکے ہیں۔جب اس کے مخالفین کی

[1] تاریخ دولت اتابکیہ موصل ص ۲۷۶ تا ۲۷۹۔

قوت مصر سے بالکل ختم ہوگئی اور اس کے قدم پوری طرح جم گئے، اس وقت نور الدین نے اس کو لکھا کہ وہ عاضد فاطمی کا خطبہ بند کر کے مستضی کا خطبہ جاری کر دے' گو اب فاطمی حکومت بالکل چراغ سحری تھی' لیکن اس کے کئی صدیوں کے اثرات کی بنا پر مستضی کے خطبہ سے عام مخالفت کا خطرہ تھا۔اس لیے صلاح الدین نے اس کی دشواریاں ظاہر کر کے معذرت چاہی مگر نور الدین نے مجبور کیا' کہ جس طرح بھی ممکن ہو عباسی خطبہ جاری کیا جائے۔اتفاق سے اسی زمانہ میں عاضد مرض الموت میں مبتلا ہو گیا۔اس لیے نور الدین کو موقع مل گیا اور اس نے محرم ۵۶۷ھ میں تجربہ کے طور پر خطبہ میں مستضی کے لیے دعا کرائی۔کسی نے اس کی مخالفت نہ کی۔اس لیے دوسرے جمعہ کو سارے مصر میں عاضد کا خطبہ بند کر کے مستضی کا خطبہ جاری کرا دیا اور اس کی مخالفت میں بھی کوئی آواز نہ اٹھی۔عاضد کی خاطر شکنی کے خیال سے اس کو خبر نہ کی گئی اور اس کے دو ہی تین دن کے بعد ۵۶۷ھ میں عاشورہ کے دن اس کا انتقال ہو گیا۔

فاطمی خاندان بالکل ختم ہو چکا تھا۔اس کے کسی فرد میں کوئی ہمت و حوصلہ نہ رہ گیا تھا۔فاطمی امرا اور ہوا خواہوں کو جن کی جانب سے مخالفت کا خطرہ ہو سکتا تھا' صلاح الدین پہلے ہی مصر سے الگ کر چکا تھا۔اس لیے عاضد کے بعد کوئی حکومت کا دعوے دار کھڑا نہیں ہوا اور تقریباً پونے تین صدیوں کے بعد فاطمی خاندان کا خاتمہ ہو گیا اور مصر میں ایوبی حکومت قائم ہو گئی۔فاطمی حکومت نے اپنے زمانہ میں علم و تمدن کی بڑی خدمت انجام دی' لیکن اس کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

فاطمی خلفا تنہا دنیاوی بادشاہ نہ تھے' بلکہ خلفائے بغداد کی طرح ان کو ایک طبقہ کی مذہبی سیاست و پیشوائی کا منصب بھی حاصل تھا۔ان کے محلات زر و جواہر اور بیش قیمت ساز و سامان اور نادرۂ روزگار عجائبات سے معمور تھے۔یہ سارا ذخیرہ صلاح الدین کے قبضہ میں آیا۔

ابن اثیر کا بیان ہے کہ فاطمیوں کا ساز و سامان حد شمار سے باہر تھا۔ان کے پاس ایسے بے بہا جواہرات اور نادرۂ روزگار چیزیں تھیں' جن کی مثال دنیا میں ناپید تھی۔سالم زمرد کی چھڑی کی ایک موٹھ تھی۔سترہ مثقال کا ایک یاقوت تھا۔ایک ہار میں چار انگل لمبا اور اسی قدر چوڑا زمرد تھا۔ایسے ایسے در یتیم تھے کہ دنیا میں ان کا جوڑ نہ مل سکتا تھا۔ایک لاکھ نادر و نایاب کتابوں کا بیش قیمت کتب خانہ تھا' جو خطاطی کا بھی مرقع تھیں۔ [1] لین پول کے بیان سے فاطمیوں کی شوکت و عظمت اور ان کی بے اندازہ دولت کا کسی قدر اندازہ ہوتا ہے' وہ لکھتا ہے:

---

[1] ابن اثیر ج ۱۱' ص ۱۳۸' و دولت اتابکیہ موصل ص ۲۸۲ تا ۲۸۶۔

''فاطمیوں کے قصر کبیر میں چار ہزار کمرے اور ایک عالی شان طلا کار ایوان تھا جس میں سونے کی جالی کی پشت پر سونے کا تخت بچھا ہوا تھا جہاں خلیفہ جلوس کرتا تھا' خلیفہ کے ارد گرد دربار کے خادم اور اشراف حاضر رہتے تھے۔ عیدین میں جب خلیفہ جلوس کرتا تھا تو انہی جالیوں سے اپنے درباریوں کو دیکھتا تھا۔ قصر زمردین جس میں سنگ مرمر کے ستون تھے، دیوان خاص کا کام دیتا تھا۔ قصر کے اندر جاہ و حشم کے جو جو سامان تھے' ان کا ذکر مورخوں نے کم کیا ہے' لیکن قیساریہ کے ہیوگ نے وہاں کے خزائن و جواہرات کا جو عجیب و غریب حال دیکھ کر بیان کیا ہے اس سے وہاں کی دولت کا کسی قدر اندازہ ہوتا ہے۔ خلیفہ عاضد کے انتقال پر صلاح الدین نے اس کے جواہرات میں سے ایک زمرد دیکھا جو بارہ انگشت کا تھا اور ایک یاقوت نظر سے گزرا' جس کا نام جبل نور تھا۔ اس یاقوت کا وزن انگریزی حساب سے دو ہزار چار سو کیرٹ تھا۔ اس یاقوت کا خود ابن اثیر نے وزن کیا تھا۔ فاطمیین کی دولت جو جواہرات یا زیورات کی شکل میں تھی مدتوں ضرب المثل رہی۔ انہی خلفا میں سے ایک خلیفہ کے جواہرات کی فہرست میں کثرت سے موتیوں اور زمردوں کی تعداد پڑھنے میں آتی ہے۔ اسی طرح بلور کے تراشیدہ ظروف، نقشین اور میناکاری کی طلائی چیزیں' صندوق اور صندوقچے جن پر طرح طرح کی سونے کی پچی کاری تھی' کرسیاں اور کمروں کا دیگر سامان آرائش کی چیزیں جو آبنوس' ہاتھی دانت اور صندل کی تھیں' درج ملتی ہیں۔ اعلیٰ ترین قسم کی چینی کے پیالے اور صراحیاں' جن میں کافور اور مشک بھرا رہتا تھا، فولاد کے آئینے جن کے چوکھٹے سونے اور چاندی کے تھے اور چوکھٹوں کے حاشیوں پر زمرد اور لال جڑے تھے۔ سنگ سماق کی میزیں' بے شمار برنجی ظروف' جن پر سونے چاندی کا کام تھا۔ دیوار پوش' بھاری زری کے ریشمیں پارچے جن پر بادشاہوں کی شبیہیں زری میں بنی ہوئی تھیں۔ یہ کل دولت صلاح الدین کو ملی۔ اس میں ایک چیز بھی اس نے اپنے پاس نہ رکھی' کچھ چیزیں سلطان نورالدین زنگی کے پاس بھیج دیں۔ کچھ اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیں۔ کتب خانہ میں ایک لاکھ بیس ہزار قلمی نسخے تھے۔ یہ کل کتابیں اس نے اپنے وزیر قاضی فاضل کو نذر کر دیں۔ باقی کل سامان فروخت کر کے اس کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی جو سب کے نفع

کے لیے تھا''۔ ❶

فاطمی حکومت خلافت بغداد کی حریف مقابل تھی۔اس کے خاتمہ پر بغداد میں بڑا جشن مسرت منایا گیا۔مستضی نے نورالدین اور صلاح الدین اور مصر کے تمام خطیبوں کے لیے علیحدہ علیحدہ ان کے رتبہ کے مطابق خلعتیں اور اپنا نشان سیاہ علم بھیجے۔ ❷

نورالدین اور صلاح الدین

دنیائے سیاست میں ایک ہی درجہ کے دو فرمانرواؤں کا ایک دوسرے کے ماتحت رہنا ممکن نہیں۔اس لیے مصر میں صلاح الدین کے استقلال کے بعد ہی نورالدین اور صلاح الدین میں اختلاف کی صورت پیدا ہوگئ' لیکن صلاح الدین کے باپ نجم الدین کی دانشمندی سے بڑھنے نہ پائی۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۵۶۷ھ میں نورالدین نے فرنگیوں کے قلعہ کرک پر جو مصر کے سرحدی سمت میں تھا' فوج کشی کا ارادہ کیا اور صلاح الدین کو بھی فوجوں کے ساتھ کرک پہنچنے کا حکم دیا۔صلاح الدین اس کی تعمیل کے لیے آمادہ ہو گیا اور نورالدین کو اس کی اطلاع دے دی' لیکن اس کے بعض ناعاقبت اندیش ساتھیوں نے اس کو نورالدین سے ڈرایا کہ اگر مصر و شام کے درمیانی علاقے سے فرنگی ہٹ گئے تو پھر کوئی روک نہ رہ جائے گی اور نورالدین مصر پر قبضہ کر لے گا۔یہ بات ایسی لگتی تھی کہ صلاح الدین کی بھی سمجھ میں آ گئی۔اس نے کرک جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور نورالدین کو لکھ بھیجا کہ وہ اس وقت مصر کے اندرونی خلفشار کی وجہ سے یہاں سے ہٹنے سے معذور ہے۔نورالدین پر اس کی یہ عدول حکمی سخت شاق گزری۔اس نے یہ عذر قابل قبول نہ سمجھا اور خود مصر پر فوج کشی کا عزم کر لیا۔صلاح الدین کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے اعزہ اور امراء سے مشورہ کیا۔اس کے نوجوان بھتیجے تقی الدین عمر نے کہا اگر سلطان نے مصر کا قصد کیا تو ہم اس کا مقابلہ کریں گے اور اعزہ نے بھی اس کی تائید کی' لیکن صلاح الدین کے کہن سال اور تجربہ کار باپ نجم الدین نے تقی الدین کو ڈانٹ کر خاموش کر دیا اور صلاح الدین سے کہا کہ میں تمہارا باپ اور یہ شہاب الدین تمہارا ماموں ہے۔کیا تم سب کو ہمارے ہی برابر خیر خواہ سمجھتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔نجم الدین نے کہا تو پھر سن لو میں تمہارا باپ اور شہاب الدین ماموں ہو کر بھی اس کی ہمت نہیں کر سکتے کہ سلطان کو دیکھ کر زمین بوس نہ ہوں۔اگر وہ ہم کو تمہاری گردن مارنے کا حکم بھی دے گا تو ہم اس کی تعمیل کریں گے۔جب ہمارا یہ حال ہے تو دوسروں کا کیا ذکر ہے۔اس وقت جو امرا تمہارے سامنے موجود ہیں،ان میں سے ایک بھی سلطان پر

❶ صلاح الدین لین پول ص ۹۹' ۱۰۰۔ ❷ ابن اثیر ج ۱۱' ص ۱۳۸۔

نظر پڑنے کے بعد گھوڑے کی زین پر قائم نہیں رہ سکتا۔ سب سواری سے اتر کر اس کے سامنے زمین بوس ہوں گے۔ یہ سارا ملک سلطان کا ہے۔ اس نے اپنی طرف سے تم کو صرف اس کا حاکم بنایا ہے' اگر وہ تم کو معزول کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے فوج کشی کی زحمت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کی ایک تحریر کافی ہے اور امرا سے کہا تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ، ہم سب سلطان کے غلام ہیں' ہمارے بارہ میں اس کو پورا اختیار ہے جو فیصلہ چاہے کرے۔

امرا کے ہٹنے کے بعد صلاح الدین سے کہا تم ابھی ناواقف اور ناتجربہ کار ہو۔ مجمع عام میں اپنے دل کی بات ظاہر کرتے ہو' اگر نورالدین کو اس کی خبر ہو جائے گی تو وہ تمہارے مقابلہ کو خاص مقصد بنا لے گا۔ اس وقت ان امرا میں سے ایک بھی تمہارا ساتھ نہ دے گا' بلکہ یہی لوگ تم کو پکڑ کر اس کے حوالہ کر دیں گے۔ میں نے ان کے سامنے جو باتیں کہی ہیں، اس کی خبر وہ ضرور نورالدین کو دیں گے۔ تم بھی اس کو لکھو کہ میرے معزول کرنے کے لیے حضور کو زحمت گوارا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ایک ادنیٰ خادم کو بھیج دیجیے' وہ میری گردن میں رسی ڈال کر مجھے حاضر کر دے۔ صلاح الدین نے باپ کے حکم کی تعمیل کی۔ نجم الدین کا خیال صحیح نکلا۔ امرا نے نورالدین کو اس کی باتوں کی خبر کر دی۔ اس لیے وہ مطمئن ہو گیا اور مصر پر فوج کشی کا خیال ترک کر دیا۔ [1]

ایشیائے کوچک پر فوج کشی اور قلج ارسلان کی اطاعت

پہلی صلیبی جنگ کے دفاع میں قلج ارسلان سلجوقی والی قونیہ کا بڑا حصہ تھا' جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے' لیکن اس کا پوتا عزالدین قلج ارسلان یونانی حکومت سے صلح کر کے گوشہ عافیت میں بیٹھ گیا تھا اور صلیبی لڑائیوں میں کوئی حصہ نہ لیتا تھا۔ مذہبی عقائد کے بارہ میں بھی وہ متہم تھا۔ اس لیے نورالدین اس سے خوش نہ تھا۔ اتفاق سے اس نے ذوالنون بن دانشمند والی ملطیہ وسیواس کا علاقہ چھین لیا۔ اس نے نورالدین سے فریاد کی۔ نورالدین نے قلج ارسلان کو لکھا کہ وہ ذوالنون کا ملک اسے واپس کر دے لیکن اس نے نہ سنا۔ اس لیے نورالدین نے اس پر فوج کشی کر کے ذوالنون کا علاقہ اسے واپس دلایا۔ اس کے بعد خاص قلج ارسلان کے مقبوضات کی طرف بڑھنے کا ارادہ کیا۔ قلج ارسلان میں اس کو روکنے کی طاقت نہ تھی۔ اس لیے وہ معافی کا خواستگار ہوا۔ نورالدین کا مقصد صرف اس کی اصلاح و تادیب تھا۔ اس لیے حسب ذیل شرائط پر صلح منظور کر لی کہ قلج ارسلان اس کے قاصد کے ہاتھوں پر اپنے فاسد عقائد سے توبہ کر کے تجدید اسلام کرے گا۔ سرحدی رومیوں سے یا خود جہاد کرے گا یا صلیبی جہاد

[1] دولت اتابکیہ موصل ص ۲۸۶ تا ۲۸۸۔

میں نورالدین کی فوجی مدد کرے گا اور اپنی لڑکی کی شادی نورالدین کے بھتیجے سیف الدین غازی کے ساتھ کر دے گا۔ قلج ارسلان نے یہ سب شرطیں منظور کر لیں اور نورالدین تھوڑی سی فوج سیواس کی حفاظت کے لیے چھوڑ کر شام لوٹ گیا۔ [1]

وفات

اس کے ایک سال کے بعد اس مجاہد فی سبیل اللہ کے لیے بھی وہ وقت آ گیا جس سے کسی انسان کو مفر نہیں اور چند مہینے خناق کے مرض میں بیمار رہ کر ۱۱ شوال ۵۶۹ھ میں اپنے رب کے روبرو حاضر ہو گیا۔ پہلے دمشق کے قلعے میں تجہیز و تکفین عمل میں آئی پھر کچھ دنوں کے بعد لاش اس کے تعمیر کردہ مدرسہ میں جو اس نے علمائے احناف کے لیے بنوایا تھا' منتقل کر دی گئی' انتقال کے وقت اٹھاون سال کی عمر تھی۔ مدت حکومت اٹھائیس سال۔

اخلاق وسیرت

نورالدین جن اوصاف وکمالات کا فرمانروا تھا' اور اس نے جو گوناگوں مذہبی کارنامے انجام دیئے اس کی تفصیل کے لیے مستقل کتاب چاہیے۔ صلیبی جہاد اس کے مختلف النوع کارناموں کا صرف ایک رخ ہے اور اس کے جو حالات اوپر لکھے گئے ہیں وہ بھی اس کے مجاہدات کی ناتمام تصویر ہے۔

وہ جن اوصاف وخصوصیات کا حامل تھا اور اس نے اسلامی حکومت کا جو نمونہ پیش کیا اس کی نظیر خلفائے راشدین کے سوا تاریخ اسلام میں مشکل سے مل سکتی ہے۔ اس کی تفصیل بہت طویل ہے۔ اس لیے صرف ابن اثیر کے بیان پر جن کی حیثیت نورالدین کے حالات میں گویا عینی شاہد کی ہے اکتفا کی جاتی ہے۔ [2] وہ لکھتے ہیں

میں نے اسلامی عہد کے پہلے کے فرمانرواؤں سے لے کر اس وقت تک کے تمام بادشاہوں کی

---

[1] دولت اتابکیہ موصل ص ۲۹۰' ۲۹۱۔

[2] ابن اثیر صاحب تاریخ کامل نورالدین کے ہم وطن بھی تھے اور قریب العہد بھی۔ ۵۵۵ھ میں جزیرہ میں ان کی ولادت اور موصل میں نشوونما ہوئی۔ نورالدین کی وفات کے وقت ان کی عمر پندرہ سولہ سال کی تھی۔ ان کے ابوالمکرم محمد بن محمد کا اتابکی خاندان سے تعلق بھی تھا۔ اس لیے اس کے حالات میں ابن اثیر کا بیان گویا چشم دید واقعات کی حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے اتابکی حکومت کے حالات میں ایک مستقل کتاب ''دولت اتابکیہ موصل'' لکھی ہے' جو اتابکی حکومت کی سب سے زیادہ مستند تاریخ ہے۔ یہ کتاب فرنچ ترجمہ کے ساتھ پیرس میں شائع ہوئی ہے۔ ہم نے نورالدین کے حالات زیادہ تر اسی سے لکھے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

تاریخ کا مطالعہ کیا، مگر خلفائے راشدین اور عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے سوا نور الدین سے زیادہ بہتر فرمانروا میری نظر سے نہیں گزرا۔ اس نے عدل و انصاف کی اشاعت، جہاد اور ظلم و جور کے استیصال، عبادت و ریاضت اور احسان و کرم کو مقصد زندگی بنالیا تھا۔ اسی میں اس کے لیل و نہار بسر ہوتے تھے، اگر کسی پوری قوم میں بھی اس کے اور اس کے باپ جیسے دو فرمانروا گزرے ہوتے تو بھی اس قوم کے فخر کے لیے کافی تھا۔ نہ کہ ایک ہی گھرانے میں اللہ تعالیٰ نے دو فرمانروا پیدا کر دیئے۔ اس کے عدل و انصاف کی مثال حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتی۔ ممالک محروسہ میں جس قدر ناجائز ٹیکس تھے سب موقوف کر دیئے تھے۔ مصر میں سو دینار پر چالیس درہم ٹیکس لیا جاتا تھا۔ سلطان نے اسے یک قلم بند کر دیا۔ اس کے علاوہ دوسرا فرمانروا مشکل سے اتنی بڑی آمدنی سے دستبردار ہو سکتا تھا، اس کے ایوان عدالت میں قوی و ضعیف، بڑے اور چھوٹے سب برابر تھے۔ وہ مظلوم کے ساتھ خواہ کسی درجہ کا ہو، پورا انصاف کرتا تھا۔ مظلوموں کی شکایتیں براہ راست خود سنتا تھا اور خود ہی ان کی تفتیش کرتا تھا، اگر وہ خود بھی مدعا علیہ ہوتا تو عام آدمیوں کی طرح بغیر کسی امتیاز کے قاضی کی عدالت میں حاضر ہوتا۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے کسی زمین یا جائیداد کے بارے میں اس پر دعویٰ دائر کیا۔ عدالت کا چپراسی عین اس وقت جبکہ سلطان گوے و چوگان کھیل رہا تھا، پہنچا۔ سلطان فوراً اس کے ہمراہ قاضی کی عدالت میں حاضر ہو گیا اور قاضی سے کہا کہ اس وقت میں مدعا علیہ کی حیثیت سے آیا ہوں، اس لیے میرے ساتھ وہی برتاؤ کیجئے، جو عام مدعا علیہ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ قاضی نے اس کو مدعی کے برابر بٹھا کر فریقین کے بیانات اور شہادتیں سنیں۔ تحقیقات سے جائیداد مدعی کی بجائے نور الدین کی ثابت ہوئی۔ اس لیے قاضی نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ اس فیصلہ کے بعد نور الدین نے متنازعہ فیہ جائیداد اپنی طرف سے مدعی کو ہبہ کر دی اور حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا کہ مجھے معلوم تھا کہ مدعی کا دعویٰ غلط ہے، لیکن صرف اس لیے عدالت میں حاضر ہو گیا تھا کہ یہ خیال نہ کیا جائے کہ میں نے اس پر ظلم کیا ہے۔ اب جبکہ عدالت سے میرا حق ثابت ہو گیا تو میں نے مدعی کو ہبہ کر دیا۔

نور الدین کے قیام دمشق کے زمانہ میں اس کے بہت سے امرا وہاں آباد ہو گئے تھے اور انہوں نے املاک اور جائیدادیں حاصل کر لی تھیں اور اپنے پڑوسی زمینداروں اور مالکان زمین پر بڑی زیادتیاں کرتے تھے۔ قاضی کمال الدین کی عدالت میں استغاثوں اور دعووں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔ قاضی صاحب اور امرا کی تو کوئی رعایت نہ کرتے اور ان کے مقابلے میں بے لاگ انصاف کرتے تھے، لیکن امیر الامرا اسد الدین شیر کوہ کے جاہ و اقتدار کی وجہ سے اس کے خلاف کارروائی میں

انہیں دقت پیش آتی تھی۔ انہوں نے نورالدین کو ادھر توجہ دلائی۔ اس نے امرا کے مقدموں کی سماعت کے لیے دارالعدل کے نام سے ایک خاص عدالت قائم کی اور اس میں خود بیٹھنا شروع کیا۔ اسدالدین کو معلوم ہو گیا کہ یہ اہتمام صرف اس کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ اس نے اپنے تمام ماتحت امرا کو بلا کر ان سے کہا کہ میرے علاوہ قاضی کمال الدین کو اور کسی امیر سے مزاحمت کا خطرہ نہیں ہے اور یہ عدالت صرف میری وجہ سے قائم ہوئی ہے' اگر تم میں سے کسی کے باعث مجھے عدالت میں حاضر ہونا پڑا تو اس کو سولی پر چڑھا دوں گا۔ جن جن لوگوں کے ساتھ تمہارے تنازعات ہوں' ابھی جا کر ان کا فیصلہ کر لو اور جس قیمت پر بھی ہو سکے مدعیوں کو رضامند کر لو' خواہ اس میں میری کل املاک میرے ہاتھ سے نکل جائے۔ امرا نے کہا اگر ان لوگوں کو اس کی خبر ہو جائے گی تو وہ مطالبہ میں بڑی زیادتی کریں گے۔ اسدالدین نے کہا کچھ بھی ہو میری کل املاک کا میرے ہاتھوں سے نکل جانا میرے لیے اس سے زیادہ آسان ہے کہ نورالدین مجھ کو ظالم سمجھے اور زمرہ عوام میں شامل کرے۔ اس حکم پر تمام امرا کو اپنے اپنے فریقوں کو رضامند کرنا پڑا اور دارالعدل میں ان کے خلاف ایک مقدمہ بھی پیش نہ ہو سکا۔ دو تین دن عدالت میں بیٹھنے کے بعد نورالدین نے قاضی کمال الدین سے کہا کہ اسدالدین کے خلاف کوئی مدعی نظر نہیں آتا۔ اس وقت کمال الدین نے پورا واقعہ بیان کیا۔ یہ سن کر نورالدین سجدہ شکر بجا لایا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے ساتھی خود انصاف کر لیتے ہیں اور اس کے لیے ان کو میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

اس سلسلہ میں یہ سبق آموز واقعہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ نورالدین کے زمانہ میں اس کے عدل و انصاف اور ملک کے امن و امان کی وجہ سے دوسرے مقامات کے بہت سے آدمی آ کر اس کی حکومت میں آباد ہو گئے تھے۔ نورالدین کی وفات کے بعد صلاح الدین ایوبی کے کسی فوجی نے ایک شخص پر کچھ زیادتی کی۔ مظلوم نے صلاح الدین سے فریاد کی' لیکن اس نے کوئی شنوائی نہ کی۔ وہ مایوس ہو کر روتا پیٹتا ہوا نورالدین کے مزار پر پہنچا اور یہ کہتا جاتا تھا کہ نورالدین آج تمہارا عدل و انصاف کہاں ہے؟ جس ظلم کا ہم لوگ شکار ہیں اگر تم اس کو دیکھ سکتے تو تم کو ہماری حالت پر رحم آ جاتا۔ صلاح الدین کے فوجی امرا کی زیادتیوں کی شکایت عام طور سے تھی۔ اس لیے ایک انبوہ اس شخص کے ساتھ ہو گیا تھا۔ اتفاق سے صلاح الدین اس وقت دمشق میں موجود تھا۔ اسے خبر ہوئی تو فوراً اس شخص کو بلا کر اس کی شکایت رفع کی اور روپیہ دے کر اس کی دل جوئی کی۔ اس پر وہ اور زیادہ رویا۔ صلاح الدین نے پوچھا اب کیوں روتے ہو؟ اس نے کہا اس بادشاہ کو روتا ہوں جس کی موت کے بعد بھی اس کی عدالت قائم اور اس کے عدل کا

فیض جاری ہے۔ صلاح الدین نے کہا سچ کہتے ہو۔ ہم میں جو کچھ بھی عدل و انصاف ہے وہ اسی کے فیض کا نتیجہ ہے۔

عام طور پر ظلم و جور کا انسداد سخت گیری کے بغیر نہیں ہوتا اور ایک ظلم کا انسداد دوسرے ظلم کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ نورالدین کے قیام عدل کی یہ خصوصیت تھی کہ اس سلسلہ میں کسی پر کوئی ناروا زیادتی نہ ہونے پاتی تھی۔ محض ظن و گمان اور الزام و تہمت پر مواخذہ نہ کرتا بلکہ شرعی شہادت کے مطابق تحقیقات اور ثبوت جرم کے بعد صرف شرعی سزا دیتا تھا اور اس میں ادنیٰ زیادتی نہ ہونے پاتی تھی۔ اس کے عدل کا نتیجہ یہ تھا کہ اس کی سلطنت سے شر و فساد کا نام و نشان مٹ گیا تھا اور ہر شخص امن و امان کی زندگی بسر کرتا تھا، جس کو دوسرے فرمانروا اپنی سخت گیریوں کے باوجود نہ کر سکتے تھے۔

بیت المال کی حفاظت میں اس کا اہتمام عہد عمری کا نمونہ تھا۔ اتنی عظیم الشان سلطنت اور اس کے وسیع ذرائع دولت اور بے شمار آمدنی میں سے اپنے لیے صرف اسی قدر لیتا تھا، جتنی ازروئے شریعت علما نے اس کو اجازت دی تھی۔ اس سے ایک حبہ زیادہ نہ لیتا تھا۔ اسی محدود آمدنی میں اپنے اخراجات پورے کرتا تھا۔ اس کے علاوہ اس کی تھوڑی سی ذاتی ملکیت تھی، جو اس نے مال غنیمت کی آمدنی سے خریدی تھی، لیکن اس کی آمدنی اتنی محدود تھی کہ اس سے اخراجات پورے نہ ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ اس کی بیوی نے کہلا بھیجا کہ سلطان اس کو گھر کے مصارف کے لیے جو رقم دیتا ہے وہ اخراجات کے لیے کافی نہیں ہے۔ اس میں کچھ اضافہ کیا جائے۔ یہ سن کر اس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور اس نے جواب میں کہلایا کہ اس سے زیادہ اور کہاں سے لا کر دوں گا، اگر وہ یہ سمجھتی ہے کہ میرے پاس جو مال ہے وہ میرا ذاتی ہے تو غلط ہے۔ یہ مسلمانوں کا مال ہے اور ان ہی کے مصالح و مصارف کے لیے ہے۔ میں صرف اس کا خزانچی اور امین ہوں۔ اس میں خیانت کر کے اس کے لیے جہنم کا ایندھن نہ بنوں گا اور حمص کی چند معمولی دکانیں جو اس کی ذاتی ملکیت تھیں، جن کی آمدنی محض برائے نام تھی، بیوی کو دے دیں۔

ناجائز آمدنی کا ایک حبہ بیت المال میں داخل نہ ہونے پاتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ بیت المال کے معائنہ کے لیے گیا، وہاں کچھ آمدنیاں یا چیزیں ایسی نظر آئیں جن کو سلطان ناجائز سمجھتا تھا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ قاضی کمال الدین نے فلاں مد سے بھیجی ہیں۔ سلطان نے کہا اس مال پر بیت المال کا کوئی حق نہیں ہے اور اسے اس کے مالک کو واپس کرنے کے لیے قاضی صاحب کے پاس بھجوا دیا۔ انہوں نے پھر بیت المال میں واپس بھیج دیا اور کہلا دیا کہ اگر آئندہ سلطان اس کے متعلق پوچھے تو میری طرف سے کہہ دینا کہ وہ سلطان ہی کا مال ہے۔ اتفاق سے تھوڑے دنوں کے بعد پھر سلطان بیت المال

گیا اور پھر اس مال پر نظر پڑی۔ بیت المال کے کارکنوں سے پوچھا کہ ابھی تک اسے واپس کیوں نہیں کیا گیا؟ انہوں نے قاضی کمال الدین کا جواب بیان کر دیا۔ سلطان نے اسی وقت قاضی صاحب کے پاس بھجوا دیا اور زبانی کہلا بھیجا کہ آپ میں اس بار کے اٹھانے کی طاقت ہے' لیکن میری گردن کمزور ہے' میں اس کو نہیں اٹھا سکتا۔
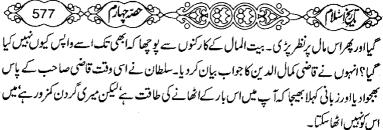
وہ خود بڑا عابد' زاہد و متقی تھا اور شریعت مطہرہ کے احکام کے نفاذ و قیام میں بڑا انہماک رکھتا تھا۔ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ وہ زمرۂ سلاطین میں عدل وانصاف کے قیام' محرمات شرعیہ کے اجتناب اور اتباع سنت کا مجدد تھا۔ اس سے پہلے کے حکمران زمانہ جاہلیت کے حکمرانوں کی طرح تھے جن کا مقصد زندگی صرف خواہشات نفسانی کی تکمیل تھی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے انہیں کوئی علاقہ نہ تھا۔ تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے نورالدین کو حکمران بنایا۔ اس نے شریعت کے اوامر ونواہی کی خود پابندی کی اور اپنے حاشیہ نشینوں اور متعلقین کو ان کا پابند بنایا۔ انہیں دیکھ کر دوسروں نے تقلید کی اور پابندی مذہب کا ایسا عام جذبہ پیدا ہو گیا کہ لوگ اپنے گزشتہ خلاف شرع اعمال کے ذکر سے شرمانے لگے۔

اصول دین کی حفاظت میں اس کو ادنیٰ مسامحت بھی گوارہ نہ تھی۔ اس کے سامنے کوئی شخص دین کے صحیح عقائد کے خلاف کسی مبتدعانہ خیال پر لب کشائی کی جرأت نہ کر سکتا تھا' اور ایسا کرنے والوں کی پوری تنبیہ کرتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اگر چوروں اور لٹیروں سے راستوں کی حفاظت ہمارا فرض ہے تو کیا دین کی حفاظت جو اصل اساس و بنیاد ہے' ہم پر ضروری نہیں ہے۔ دمشق کے ایک متصوف نے جن کے زہد و ورع کا بڑا چرچا تھا اور عوام ان کے عقیدت مند تھے' تشبیہ کے بعض خیالات ظاہر کیے۔ نورالدین کو خبر ہوئی تو اس نے ان کو گدھے پر بٹھا کر سارے شہر میں ان کی تشہیر کرائی۔ نقیب آواز دیتا جاتا تھا کہ یہ اس شخص کی سزا ہے جو دین میں بدعت پیدا کرتا ہے اور تشہیر کے بعد شہر سے نکال دیا۔

سارے ممالک محروسہ میں شراب نوشی اور شراب کی تجارت قانوناً روک دی تھی اور اس کی درآمد و برآمد بالکل بند کر دی تھی۔ شرابیوں پر خواہ کسی درجہ و مرتبہ کے ہوں' شرعی حد جاری کرتا تھا۔

اپنے زمانہ میں بہت سے مذہبی اور رفاہ عام کے کام انجام دیئے۔ دمشق میں ایک دارالحدیث قائم کیا اور محدثین اور حدیث کے طلبہ کے مصارف کے لیے بڑی جائیداد وقف کی۔ اسلامی تاریخ میں خاص دارالحدیث کے قیام کی یہ پہلی مثال تھی۔ تمام بڑے بڑے شہروں میں مدارس قائم کیے اور ان کے علاوہ خاص یتیموں کے لیے علیحدہ مستقل مکاتب و مدارس قائم کیے۔ معلمین وطلبہ کے وظائف اور تنخواہیں مقرر کیں۔ بکثرت مسجدیں بنوائیں۔ پرانی مسجدوں کی مرمت کرائی اور ان میں یتیموں کے مکاتب قائم

کیے اوران کے اخراجات کے لیے جائیدادیں وقف کیں۔ان میں سے موصل اور حماۃ کی جامع مسجد بڑی عظیم الشان تھی۔حکومت کی امداد کے علاوہ نورالدین نے ان کے مصارف کے لیے خود اپنی ذاتی آمدنی سے اوقاف کیے تھے۔ان میں سے ایک وقف جس کی آمدنی نو ہزار اشرفی ماہوار تھی'ابن اثیر کے زمانہ تک قائم تھا۔

اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت اوران کی راحت وآسائش کے اتنے کام انجام دیئے' جس کی مثال مشکل سے ملے گی۔صلیبیوں کے حملوں سے حفاظت کے لیے حلب' حمص' دمشق' بارین' شیرز' منبج وغیرہ تمام بڑے شہروں اوراہم مقبوضات کی مضبوط شہر پناہیں بنوائیں اور مستحکم قلعے تعمیر کرائے۔ہر شہر میں شفاخانے قائم کیے۔دمشق کا شفاخانہ بڑا عظیم الشان تھا۔اس کے مصارف کے لیے بہت بڑی جائیداد وقف تھی۔یہ شفاخانہ بلاامتیاز امیر وغریب سب کے لیے وقف تھا۔بڑے بڑے امرا یہاں سے تبرکاً مفت دوائیں لے جاتے تھے۔قافلوں کے راستوں اور مسافروں کی گزرگاہوں پر سرائیں تعمیر کرائیں اور راہنمائی کے لیے جابجا اونچے اونچے مینار بنوائے۔سرحدی مقاموں پر سر بفلک برج تھے جن میں حفاظتی چوکیاں قائم تھیں اور نامہ بر کبوتر موجود رہتے تھے۔جیسے ہی دشمن دور سے نظر آتے' کبوتروں کے ذریعہ اہل شہر کواس کی خبر کردی جاتی اور لوگ محتاط ہو جاتے۔صوفیہ ومشائخ کے لیے رباطیں اور خانقاہیں بنوائیں اوران کے مصارف کے لیے جائیدادیں وقف کیں اوراس قسم کے بے شمار کام انجام دیئے۔

ذاتی حیثیت سے وہ صاحب علم اور بڑا متقی ومتورع تھا۔اس کا سارا وقت جہاد کی تیاری' امور مملکت پر غور وفکر اوراس کے متعلق صلاح ومشورہ اور عبادت وریاضت میں گزرتا تھا۔رات کو عشاء کے بعد سو جاتا تھا۔پھر آدھی رات سے صبح تک تہجد اور دعا ووظائف میں مصروف رہتا تھا۔دن نکلنے کے بعد سلطنت کے کاموں میں مشغول ہو جاتا تھا۔ریشم' سونا اور چاندی جن کا استعمال شریعت نے مسلمانوں کے لیے حرام کیا ہے' کبھی استعمال نہیں کیا۔اس کی مجلس وقار وسنجیدگی کا نمونہ ہوتی تھی۔اس میں علم وفن اور دین مذہب کے تذکرے اور جہاد کے صلاح ومشورہ کی گفتگوؤں کے علاوہ اور کسی لغویات کا گزر نہ تھا۔

علما وفقہا ومشائخ وصوفیہ کی بڑی عزت وتوقیر کرتا تھا۔جب کوئی شیخ اس کے پاس جاتا تو نظر پڑتے ہی وہ اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو جاتا اور معانقہ کر کے اپنے ساتھ مسند پر بٹھاتا اوراس توجہ سے اس کی باتیں سنتا کہ معلوم ہوتا کہ اس سے زیادہ کسی کو سلطان کے مزاج میں تقرب حاصل نہیں ہے۔ان کی خدمت میں نذر اور ہدیے پیش کرتا اور لوگوں سے کہتا کہ بیت المال پر ان بزرگوں کا بڑا

حق ہے' اگر وہ تھوڑے پر قناعت کر لیتے ہیں تو یہ ان کا احسان ہے۔ ایک مرتبہ سلطان کے لیے مصر سے ایک قیمتی مغرق ریشمی عمامہ آیا۔ سلطان نے اس کو ایک صوفی کی نذر کر دیا۔ لوگوں نے کہا بھی کہ یہ عمامہ شیخ کے لیے موزوں نہیں ہے' اگر کسی اور شخص کو دیا جاتا تو زیادہ مناسب ہوتا' لیکن سلطان نے شیخ ہی کو دلوایا۔ انہوں نے اس کو بغداد لے جا کر چھ یا سات ہزار اشرفیوں میں بیچا۔

دیندار علما کی اتنی تعظیم و توقیر کرتا تھا کہ دربار کے بڑے بڑے امرا کو رشک و حسد ہوتا تھا۔ وہ سلطان کی نگاہ میں ان کو سبک کرنے کے لیے ان کی برائیاں بیان کرتے' لیکن سلطان مطلق توجہ نہ کرتا اور جواب دیتا کہ ہم میں سے کون معصوم ہے۔ کامل وہی ہے جو اپنے گناہوں کا محاسبہ کرتا ہے۔ سلطان نے خراسان کے ایک مشہور عالم شیخ قطب الدین نیشاپوری کو دمشق بلا لیا تھا اور ان کا بڑا احترام کرتا تھا۔ ایک امیر کو ان پر رشک آیا۔ اس نے سلطان سے ان کی کچھ برائیاں بیان کیں۔ اس نے جواب دیا اگر تمہارا یہ بیان صحیح بھی ہے تو شیخ کے پاس ایک ایسی خوبی ہے جس سے ان کی تمام لغزشیں معاف ہو جائیں گی۔ وہ علم دین ہے اور تم اور تمہارے ساتھی اس سے کہیں زیادہ بڑی برائیوں میں مبتلا ہو اور اس کے مقابلہ میں تم میں کوئی ایسی خوبی نہیں جس سے برائیوں کی تلافی ہو سکے' اگر تم میں عقل و شعور ہوتا تو تم کو خود اپنے عیبوں سے اتنی فرصت نہ ملتی کہ دوسروں کے عیوب پر نگاہ ڈالتے۔ ایسی حالت میں جبکہ تم لوگوں میں کوئی خوبی نہیں ہے' میں تمہاری برائیاں انگیز کرتا ہوں' تو بالفرض اگر تمہارے بیان کے مطابق شیخ میں کوئی عیب ہو بھی' جسے میں قطعاً غلط سمجھتا ہوں تو کیا ان کی خوبیوں کے مقابلہ میں ان کا ایک عیب بھی گوارا نہ کیا جائے' اگر آئندہ تم نے میرے سامنے ان کی برائی کی تو تم کو اس کی سزا ملے گی۔ اس تنبیہ کے بعد پھر اس امیر کو کبھی اس کی جرأت نہ ہوئی۔

اس کا کوئی کام حسن نیت سے خالی نہ ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ گوئے چوگاں بھی وہ جہاد کی تیاری کے لیے کھیلتا تھا۔ جزیرہ کے ایک شیخ نے جن سے سلطان کو عقیدت تھی' ایک مرتبہ اس کو لکھ بھیجا کہ میں تمہارے متعلق یہ خیال نہیں کر سکتا تھا کہ تم بھی لہو و لعب میں وقت ضائع کرتے ہو گے اور بغیر کسی دینی فائدہ کے گھوڑوں کو تکلیف دیتے ہو گے۔ اس نے ان کو جواب میں لکھا کہ میں لہو و لعب کے لیے گوئے چوگاں نہیں کھیلتا' بلکہ ہم لوگ سرحد پر دشمن کے قریب رہتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ دفعۃً پہنچ جاتے ہیں اور ہم کو فوراً مقابلہ کے لیے اٹھ کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ بغیر کسی وقفہ کے مسلسل جہاد میں مشغول رہیں۔ فوجوں کو آرام دینا بھی ضروری ہے۔ اس لیے اگر گھوڑے بھی تھان پر بیکار چھوڑ دیئے جائیں تو وہ سست پڑ جاتے ہیں اور ان میں چستی اور پھرتی باقی نہیں رہتی۔ اس لیے ان کو چاق و چوبند رکھنے کے لیے گوئے چوگاں میں مشغول رکھنا ضروری ہے۔ اس سے تفریح و لہو و لعب مقصود نہیں۔

دنیاوی فہم وفراست وتدبیر وسیاست میں بھی اس کا پایہ بہت بلند تھا۔ ابن اثیر نے اس کے بہت سے واقعات نقل کیے ہیں' لیکن ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ [1]

صلیبی مجاہدین تک جو نورالدین کے سب سے زیادہ دشمن تھے' اس کے محاسن کے معترف تھے۔ ولیم صوری کا بیان ہے:

''گو ہم میں اور نورالدین میں قوم ومذہب کا اختلاف تھا' مگر نورالدین ایک عادل بادشاہ تھا' دانشمند اور پکا دیندار تھا۔ گو عیسائیوں پر وہ بہت سخت تھا' مگر عدل وہ صفت تھی' جس کی قدر وقیمت اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے بعد تھی۔ اس کی رعایا میں سے اگر کوئی شخص اسے قاضی کے سامنے عدالت میں طلب کراتا تو حاضر ہو جاتا اور قاضی سے اصرار کرتا کہ اس کے اعلیٰ مرتبہ کے خیال سے کوئی رعایت اس کے ساتھ نہ کرے۔ چنگی اور عشر دونوں محصول اپنی قلمرو میں اس نے بند کر دیئے تھے۔ سادگی اور کفایت شعاری کے ساتھ اپنی ذاتی آمدنی پر بسر اوقات کرتا تھا۔ بیت المال کے روپیہ کو ہاتھ تک نہ لگاتا تھا۔ ایک مرتبہ اس کی بیوی نے افلاس کی شکایت کی اور نورالدین نے حمص کی اپنی تین دکانیں جن کی سالانہ آمدنی بیس اشرفی تھی' اسے ہبہ کرنی چاہیں بیوی نے اسے قبول نہ کیا تو بگڑ کر بیوی سے کہنے لگا کہ میرے پاس اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ باقی جو کچھ ہے وہ میرا اپنا نہیں ہے بلکہ رعایا کی امانت ہے اور اسی امانت کا خیال کر کے اس نے شہروں میں اہل شہر کی حفاظت کے لیے قلعے تعمیر کرائے۔ مدارس اور دارالعلوم' خانقاہیں' شفا خانے' کارواں سرائیں' رعایا کی جسمانی وروحانی فلاح کے لیے بنوائیں۔ علما ومشائخ کی صحبت میں جو لطف اسے حاصل ہوتا تھا وہ کسی اور کو نہ ہوتا تھا۔ دین کے جملہ احکام کا جیسا وہ پابند تھا دوسرا نہ تھا۔ اس کی سنجیدگی اور متین آنکھوں کا پرسکوت عالم' بارعب پیشانی اور گندم گوں رنگ میں ایک گھلاوٹ پیدا کرتا تھا۔ چہرہ تقریباً بے ریش تھا۔ اس میں ایک سچے مشرقی شریف انسان کا انداز خودداری اور صدق وصفا پایا جاتا تھا۔ جہاں کہیں وہ ہوتا خاموشی اور سکوت طاری رہتا''۔ [2]

---

[1] یہ تمام واقعات دولت اتابکیہ ص ۲۹۹ تا ۳۱۶ سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔ ابن اثیر نے انہیں بغیر کسی ترتیب کے متفرق طور سے لکھا ہے۔ ہم نے حتی الامکان ترتیب قائم کر دی ہے۔

[2] صلاح الدین لین پول ص ۱۱۶ ترجمہ اردو۔

الملک الصالح

نورالدین کی وفات کے بعد شوال ۵۶۹ میں اتابکی امرا نے اس کے گیارہ سالہ بچہ اسماعیل الملقب بہ الملک الصالح کو تخت نشین کیا۔ اس وقت اتابکی امرا میں شمس الدین علی المعروف بہ ابن دایہ شمس الدین محمد المعروف بہ ابن مقدم' حسام الدین عیسیٰ اور سعدالدین گمشتگین زیادہ ممتاز تھے اور ان میں ابن دایہ سب سے زیادہ نامور اور بااقتدار تھا' لیکن وہ فالج میں مبتلا تھا' اس لیے ابن مقدم کارپرداز سلطنت قرار پایا۔ الملک الصالح کی کم سنی کی وجہ سے بہت جلد امرا میں رشک و رقابت اور حصول اقتدار کی کشمکش شروع ہوگئی اور نورالدین کی آنکھ بند ہوتے ہی اتابکی حکومت کا شیرازہ بکھر گیا اور چند دنوں کے بعد صلاح الدین نے اس پر قبضہ کرلیا۔ اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔ نورالدین کی وفات کے بعد ہی سیف الدین غازی والی موصل نے جزیرہ کے علاقہ پر قبضہ کرلیا۔ اتابکی حکومت کا امیر کبیر حلب میں پڑا تھا اور فالج کی وجہ سے خود نقل و حرکت نہ کرسکتا تھا۔ اس نے ابن مقدم کے پاس دمشق کہلا بھیجا کہ وہ سیف الدین غازی کے مقابلے کے لیے الملک الصالح کو حلب بھیج دے' لیکن اس نے محض اس خطرہ سے کہ ابن دایہ کے لڑکے الملک الصالح کو اپنے قابو میں کر کے اس کو اس کے عہدہ سے برطرف نہ کرادیں، اس حکم کی تعمیل نہیں کی اور جزیرہ پر سیف الدین کا مستقل قبضہ ہوگیا۔ اتابکی امرا نے محض اپنی خود غرضی اور اپنے اقتدار کے تحفظ کے لیے سب سے بڑے اتابکی امیر صلاح الدین ایوبی کو جو آڑے وقتوں میں کام آسکتا تھا' بالکل الگ کر رکھا تھا اور اس سے کسی قسم کا صلاح و مشورہ نہ لیتے تھے۔ اس لیے وہ ابتدا سے ان سے برہم تھا۔ جزیرہ پر سیف الدین کے قبضہ کی خبر سن کر اس نے الملک الصالح کو لکھ بھیجا کہ اسے سیف الدین کی فوج کشی کی اطلاع کیوں نہ دی گئی کہ وہ خود آ کر اس کو روکتا اور اتابکی امرا کو ایک غضب آلود خط لکھا کہ اگر سلطان نورالدین کو مجھ سے زیادہ تم لوگوں پر اعتماد ہوتا اور وہ یہ جانتا کہ میری مفوضہ خدمات تم انجام دے سکتے ہو تو مصر جیسے بڑے ملک کی حکومت میرے بجائے تمہارے سپرد کرتا' اگر اتنی جلدی اس کا آخری وقت نہ ہوگیا ہوتا تو وہ اپنی اولاد کی تربیت و خدمت کی ذمہ داری میرے علاوہ اور کسی کے سپرد نہ کرتا' تم لوگوں نے مجھ کو میرے آقا کی خدمت سے الگ کر رکھا ہے۔ میں خود عنقریب سلطان مرحوم کا حق نمک ادا کرنے کے لیے پہنچتا ہوں اور تم سب کو تمہارے کرتوتوں اور حکومت کے فرائض سے تمہاری غفلت کا مزہ چکھاؤں گا۔ اس دوران میں امیر سعدالدین بن گمشتگین الملک الصالح کو سمجھا بجھا کر حلب سے لے گیا اور امیر الامرا شمس الدین ابن دایہ اور حلب کے دوسرے اتابکی امرا کو گرفتار کر کے حکومت کی باگ اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ ابن مقدم دمشق میں

تھا۔اسے خبر ہوئی تو اس نے جوش انتقام میں سیف الدین غازی کو دمشق حوالہ کرنے کے لیے بلا بھیجا' لیکن وہ اسے فریب سمجھ کر نہ آیا۔دمشق کے تمام امرا سعد الدین کے اقتدار و استبداد کی وجہ سے اس کے خلاف ہو گئے تھے۔انہوں نے متفقہ طور سے صلاح الدین ایوبی کو دمشق آنے کی دعوت دی۔ [1]

اس زمانہ میں شام کے حالات کچھ ایسے تھے کہ اس کو صلیبیوں سے بچانے کی اس کے سوا کوئی صورت ہی نہ تھی کہ یہاں کی زوال پذیر اتا بکی حکومت کو ختم کر کے ایک طاقتور حکومت قائم کر دی جائے۔اتا بکی حکومت کے قیام سے پہلے شام پر صلیبیوں کا جتنا غلبہ ہو گیا تھا اور ان کے ہاتھوں یہاں کے مسلمان جس نوبت کو پہنچ گئے تھے، اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے' اگر اللہ تعالیٰ نے عماد الدین زنگی اور نور الدین کو نہ پیدا کر دیا ہوتا تو صلیبی سارے شام پر قابض ہو جاتے اور اللہ جانے مسلمانوں کا کیا حشر ہوتا۔ان دو باپ بیٹوں نے ان کا زور توڑا' لیکن ابھی یہ مہم پوری نہ ہوئی تھی کہ نور الدین کا وقت آخر ہو گیا۔بیت المقدس بدستور عیسائیوں کے قبضہ میں تھا اور شام میں ان کی کئی حکومتیں قائم تھیں اور سارا یورپ ان کی پشت پناہی پر تھا۔ان کے مقابلہ کے لیے ایک بڑی طاقت کی ضرورت تھی' ورنہ شام پر ان کا قبضہ ہو جانا یقینی تھا۔اتا بکی حکومت کا یہ حال تھا کہ نور الدین کی آنکھ بند ہوتے ہی اتا بکی خاندان کی دونوں شاخوں دمشق اور موصل میں اختلافات شروع ہو گئے۔سیف الدین غازی فرمانروائے موصل نے دمشق کی حکومت کے مقبوضات پر فوج کشی شروع کر دی تھی اور صلاح الدین ایوبی کے خطرہ سے بچنے کے لیے صلیبیوں سے مل گیا تھا۔نور الدین کا لڑکا صغیر السن تھا۔اس کے امرا خود غرضی اور جاہ و اقتدار کی کشمکش میں مبتلا تھے اور کسی قیمت پر بھی صلاح الدین کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہ تھے۔ان کے علاوہ شام کے اور چھوٹے چھوٹے حکمران کسی شمار میں نہ تھے۔صلیبیوں کے مقابلے میں صرف صلاح الدین ایوبی ہی نور الدین کی صحیح جانشینی کر سکتا تھا' لیکن زوال پذیر اتا بکی حکومت کی موجودگی میں سرزمین شام میں صلیبیوں کا مقابلہ ناممکن تھا۔اس کی حیثیت صلاح الدین کے زمانہ میں ویسی ہی تھی' جیسی نور الدین کے زمانہ میں دمشق کی بوری حکومت تھی۔اس لیے صلیبیوں کے مقابلہ کے لیے اس کانٹے کو صاف یا کم از کم اس کی مضرتوں کو دور کرنا ضروری تھا۔اتا بکی حکومت کی اس ابتری اور شام کی حفاظت کے لیے صلاح الدین کی ضرورت کا اعتراف لین پول تک کو ہے' چنانچہ وہ لکھتا ہے:

> دمشق میں ملک الصالح اور یروشلم میں بالڈون حاسد اور جاہ پرست مشیروں کے سپرد ہو گئے تھے۔ایسی صورت میں وہ ایک شدید العزم حملہ آور کے مقابلہ میں کوئی بڑی

[1] دولت اتابکیہ موصل ص ۳۸۱ تا ۳۹۱۔

مزاحمت کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ بالخصوص اس حالت میں جبکہ اس حملہ آور کے پاس ایک زبردست اور آزمودہ کار لشکر بھی موجود ہو' محض حب جاہ بہت سے لوگوں کو ایسی حالت میں جیسی کہ صلاح الدین اس وقت رکھتا تھا اس طرف راغب کرتی ہے کہ وہ اپنے ہمسائیوں کی کمزوری سے نفع اٹھائیں' لیکن صلاح الدین کی نسبت ایسا خیال کرنا تاریخ کو غلط پڑھنے کے برابر ہوگا۔ جب تک صلاح الدین یہ نہ سمجھ لیتا کہ مسلمانوں کے عام فوائد بالخصوص ان کے دین کی حفاظت کے لیے اسے دخل دینے کی ضرورت پیش ہے اس وقت تک وہ اپنی سلطنت کو بڑھانے میں تامل کرتا رہا اور ایک ایسے شخص کو نقصان پہنچا کر اپنا نفع مرتب کرنے کی ہوس نہ ہوتی جس سے زندگی میں قریب کے تعلقات تھے اور جس کا باپ صلاح الدین کا آقا اور سرپرست رہ چکا تھا' شام کی حالت ایسی ہو رہی تھی کہ جو کچھ صلاح الدین نے کیا اس کے سوا دوسرا چارہ کار ہی نہ تھا۔ ورنہ پھر یہ دیکھنا پڑتا کہ وہ سلطنت جسے عماد الدین زنگی اور اس کے فرزند نور الدین نے بڑی جانفشانی سے قائم کی تھی' پارہ پارہ ہو کر یا تو ایسے امیروں میں تقسیم ہو جاتی جو باہم حریف و دشمن تھے' یا عیسائیوں کا اس پر قبضہ ہو جاتا۔ بے انصافی و بدنظمی ہر طرف پھیل رہی تھی' سلطان نور الدین کے فرزند ملک الصالح کے چچا کا بیٹا والی موصل اس کی اطاعت سے نہ صرف سرتابی کر چکا تھا بلکہ وہ الرہا کے علاقے اور دیگر صوبہ جات شام پر قابض و متصرف بھی ہو گیا تھا اور جس امیر کی سپردگی میں حلب تھا' وہ ان لوگوں کا جانی دشمن ہو رہا تھا جو ملک الصالح اسماعیل کے دربار میں پیش پیش تھے۔ شام کے اکثر بڑے بڑے جاگیرداروں نے خود مختاری اختیار کی تھی' گویا اسلام کا آج کل شام میں کوئی سردار باقی نہ رہ گیا تھا۔ اگر فرنگی خود خراب نہ ہوتے تو پھر زنگی سلطنت کے اجزاء کا جو ان کے جی میں آتا وہ حال کرتے۔ [1]

آگے چل کر کہتا ہے:

''دمشق کی مجلس وزراء نے چپ بیٹھے یہ دیکھا کہ سیف الدین غازی شہروں کو لوٹ رہا ہے اور فرنگیوں کو روپیہ دے کر ان کو راضی کر رہا ہے۔ یہ بات ایسی تھی جو صلاح الدین کو جلا کر خاک کر دینے والی تھی اور ان امیروں کی طرف سے بے حد نفرت پیدا کرنے والی تھی۔ امرائے دمشق دونوں طرف کے ہمسائیوں سے خائف رہتے تھے۔ ایک طرف تو اتابک موصل سیف الدین غازی تھا اور دوسری

[1] صلاح الدین لین پول ص ۱۱۷' ۱۱۸۔

طرف مصر کا مالک صلاح الدین تھا۔ ان دونوں سے محفوظ رہنے کے لیے امرائے دمشق وہی حرکت کرتے تھے جو عماد الدین زنگی سے محفوظ رہنے کے لیے دمشق کے وزیر معین الدین نے کی تھی' یعنی ان امیروں نے بھی صلیبیوں سے ویسا ہی میل ملاپ کر لیا جیسا کہ اس نے کیا تھا۔ [1] یہ وہ حالات تھے جنہوں نے صلاح الدین ایوبی کو اہل دمشق کی دعوت قبول کرنے پر مجبور کیا' چنانچہ ربیع الاول ۵۷۸ھ میں وہ دمشق پہنچا اور اتابکی امرائے شہر اس کے حوالہ کر دیا۔ اس نے الملک الصالح کے اطمینان کے لیے اعلان کیا کہ میرے آنے کا مقصد ملک چھیننا نہیں ہے' بلکہ میں اپنے آقا زادی کی خدمت اور اس کے ملک کو سیف الدین غازی کے قبضہ سے چھڑانے آیا ہوں۔ [2] لیکن جو مقصد صلاح الدین کے پیش نظر تھا' اس کی تکمیل کے لیے تنہا دمشق پر قبضہ کافی نہ تھا۔ اس لیے دمشق کے بعد اس نے حمص اور حماۃ کا رخ کیا۔ یہاں کے باشندوں نے روکنے کی کوشش کی' لیکن صلاح الدین نے انہیں شکست دے کر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد حلب پہنچا' الملک الصالح یہاں موجود تھا۔ اس نے اہل حلب سے رو رو کر فریاد کی کہ یہ ظالم احسان فراموش میرے باپ کے احسانات بھلا کر میرا ملک چھیننے کے لیے آیا ہے' اس کو اللہ اور مخلوق کسی کی شرم باقی نہیں ہے۔ اس کی اس دردانگیز فریاد سے اہل حلب بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے صلاح الدین کے مقابلہ میں پوری قوت صرف کر دی اور اس کو آگے نہ بڑھنے دیا۔ اسی دوران میں اتابکی امرا کے اشارہ سے صلیبیوں نے حمص پر فوج کشی کر دی۔ اس لیے صلاح الدین کو انہیں روکنے کے لیے لوٹ جانا پڑا۔ صلیبیوں کا مقصد صرف اسے حلب سے ہٹانا تھا' اس لیے وہ بھی واپس چلے گئے۔ اسی سلسلے میں صلاح الدین نے بعلبک پر قبضہ کر لیا۔

بعلبک پر صلاح الدین کے بعد صالح' سیف الدین سے مدد کا طلب ہوا۔ گو ان دونوں میں باہم اختلاف تھا' لیکن شام میں صلاح الدین کی قوت سیف الدین کے لیے بھی خطرہ سے خالی نہ تھی۔ اس لیے اس نے اپنے بھائی عزالدین بن مسعود کو فوجیں دے کر مدد کے لیے بھیجا۔ صلاح الدین کا مقصد اتابکی حکومت کا مٹانا نہیں بلکہ محض اس کی مضرتوں کا دور کرنا تھا۔ اس لیے اس نے دمشق لینے کے بعد اس سے صلح کر لینی چاہی اور سیف الدین غازی کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر الملک الصالح کے نائب کی حیثیت سے صرف دمشق اس کے پاس رہنے دیا جائے تو وہ حمص و حماۃ واپس کرنے کے لیے تیار ہے' لیکن سیف الدین نے اسے منظور نہ کیا اور جواب دیا کہ جب تک ہمارے کل مقبوضات واپس نہ کر دے گے' اس وقت تک صلح نہیں ہو سکتی۔ صلیبیوں کے مقابلہ کے لیے دمشق کو قبضہ میں رکھنا ضروری تھا۔ اس لیے صلاح الدین اس کو واپس کرنے کے لیے آمادہ نہ ہوا اور اسے مجبور ہو کر عزالدین کے مقابلہ میں آنا

---

[1] صلاح الدین لین پول ص ۱۱۹۔ [2] دولت اتابکیہ موصل ص ۳۴۲۔

پڑا اور اس کو شکست دے کر حلب کا محاصرہ کر لیا' پھر چند دنوں کے بعد اس شرط پر صلح ہو گئی کہ شام کے جن حصوں پر صلاح الدین کا قبضہ ہو چکا ہے' وہ بدستور اس کے قبضہ میں رہیں گے اور باقی اتا بکی علاقہ کی طرف وہ قدم نہ بڑھائے گا۔ اس مصالحت کے بعد صلاح الدین اتا بکی حکومت کی برائے نام ماتحتی سے بھی آزاد ہو گیا اور اپنے ملک میں اپنے نام کا خطبہ وسکہ جاری کر دیا اور مستضی نے اسے خلعت اور پروانہ حکومت عطا کر دیا' لیکن یہ صلح زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی۔ ۵۷۱ھ میں سیف الدین غازی صلاح الدین کے مقابلہ کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے سیف الدین کو شکست دے کر بزاعہ' منبج اور قلعہ عزاز پر قبضہ کر لیا اور ۵۷۲ھ میں حلب پر فوج کشی کر دی۔ اہل حلب میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لیے انہیں جھک کر صلح کرنی پڑی۔ عزاز کا قلعہ نہایت اہم تھا۔ اس کے بغیر حلب کی حفاظت نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لیے اہل حلب سلطان نور الدین کی ایک چھوٹی بچی کو صلاح الدین کے پاس لے گئے اور اسے سکھایا کہ اگر صلاح الدین تم کو کچھ دینا چاہے تو تم عزاز کا قلعہ مانگنا۔ صلاح الدین اپنی آقازادی کے ساتھ بڑی عزت اور لطف و محبت سے پیش آیا اور بہت سے ہدایا و تحائف دیئے۔ لڑکی نے کہا مجھے عزاز کا قلعہ چاہیے' سلطان نے اس کے سوال کو رد نہ کیا اور اعزاز کا قلعہ واپس کر دیا۔ [1] حلب اور اعزاز کے محاصرہ کے دوران میں اسماعیلی باطنیوں نے دو مرتبہ سلطان پر قاتلانہ حملہ کیا' لیکن اللہ تعالیٰ نے دونوں مرتبہ بچا لیا۔ فاطمی حکومت کا داغ آسانی سے فاطمیوں کے دل سے مٹنے والا نہ تھا' لیکن صلاح الدین کے مقابلہ میں بے بس تھے۔ اس لیے انہوں نے ایک طرف اس پر بزدلانہ حملے شروع کر دیئے، دوسری طرف اس کی مخالفت میں' جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا فرنگیوں سے مل گئے۔ سب سے پہلی مرتبہ انہوں نے حلب کے پہلے محاصرہ کے دوران میں سلطان پر قاتلانہ حملہ کیا' لیکن سلطان کو کوئی گزند نہ پہنچا اور حملہ آور گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔ دوسری مرتبہ ۵۷۲ھ میں عزاز کے محاصرہ کے دوران میں خنجر سے وار کیا' لیکن خود کی وجہ سے کارگر نہ ہوا اور چہرہ پر خفیف خراش رہ گئی۔ سلطان نے حملہ آور باطنی کو زمین پر گرا دیا اور وہ قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد یکے بادیگرے کئی باطنی حملہ آور ہوئے' لیکن سب مارے گئے۔ [2]

اس درمیان میں وقتاً فوقتاً فرنگیوں سے بھی جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ بعض اہم واقعات یہ ہیں۔ ۵۶۶ھ میں صلاح الدین نے عسقلان پر جو ساحل شام پر فرنگیوں کا بہت اہم مقام تھا' حملہ کیا۔ اموری فرمانروائے یروشلم مقابلہ میں آیا۔ صلاح الدین نے اس کو بڑی فاش شکست دی۔ اس شکست کے بعد فرنگیوں نے ایلہ میں اجتماع کیا۔ صلاح الدین نے بری اور بحری دو سمتوں سے حملہ کر کے ایلہ فتح کر لیا۔

مصر سے فاطمیوں کے اثرات بڑی حد تک زائل ہو چکے تھے' لیکن ان کی حامی بعض خفیہ

---

[1] یہ حالات ملخصاً ابن اثیر سے ماخوذ ہیں۔ [2] کتاب الروضتین ج ۱، ص ۲۵۸۔

جماعتیں اب تک موجود تھیں' جن کی کوششیں صلاح الدین کے خلاف جاری تھیں' چنانچہ ۵۶۹ھ میں چند اشخاص عبادہ بن ابوالحسن یمنی، عبدالصمد کاتب' قاضی عویرض اور فاطمیوں کے داعی اعظم نے شام کے فرنگیوں اور سسلی وغیرہ کے فرمانرواؤں سے امداد کا وعدہ کر کے انہیں مصر پر حملہ کے لیے آمادہ کیا' لیکن اس سازش کا علم صلاح الدین کو ہو گیا' اس نے ان سب کو پکڑ کر سولی پر لٹکا دیا۔

شام کے عیسائیوں کو اس کی اطلاع ہو گئی۔ اس لیے انہوں نے تو ارادہ ملتوی کر دیا' لیکن سسلی والوں کو خبر نہ ہو سکی۔ انہوں نے دو سو جہازوں کے ساتھ اسکندریہ پر بحری حملہ کیا۔ اس وقت صلاح الدین ناقوس میں تھا۔ اسکندریہ میں فوج بھی کم تھی' اس کے باوجود یہاں کے باشندوں نے بڑی شجاعت و پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا اور فرنگیوں کے چھکے چھڑا دیے۔ اس دوران میں صلاح الدین پہنچ گیا۔ اس کی آمد سے اہل اسکندریہ میں ایک نئی قوت پیدا ہو گئی۔ اور انہوں نے فرنگیوں کو بڑی فاش شکست دی۔ وہ ایسی بدحواسی سے بھاگے کہ بہت سے سمندر میں ڈوب گئے اور اس کشمکش میں ان کے کئی جہاز غرق ہو گئے اور وہ باحال تباہ سسلی واپس گئے۔ [1]

دمشق پر صلاح الدین کے قبضہ کے بعد جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے' شام میں صلاح الدین کی قوت بڑھ گئی تھی اور فرنگیوں کو اس کی جانب سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس لیے انہوں نے ۵۷۱ھ میں اس سے صلح کر لی۔ [2]

لیکن شام سے صلاح الدین کے مصر واپس جانے کے بعد ہی انہوں نے دمشق کے علاقہ پر حملہ کر دیا۔ صلاح الدین کے بھائی توران شاہ نے مقابلہ کیا' لیکن اس کو بڑی فاش شکست ہوئی۔ فرنگیوں نے اس کے بہت سے امرا گرفتار کر لیے اور دمشق کے سارے علاقہ میں پھیل گئے۔ [3] صلاح الدین اس وقت بعض دوسری مہموں میں مشغول تھا' اس لیے ادھر متوجہ نہ ہو سکا۔ ۵۷۳ھ میں جبکہ ساحل شام کے فرنگی دوسری سمتوں میں منتشر تھے' صلاح الدین نے میدان خالی پا کر عسقلان پر حملہ کر دیا اور مسلمان پورے علاقے میں پھیل گئے۔ خود صلاح الدین رملہ کی طرف بڑھا۔ راستہ میں ایک دریا کو عبور کر رہا تھا کہ دفعۃً فرنگی فوجیں نمودار ہو گئیں۔ صلاح الدین کے پاس اس وقت کل چند سو آدمی تھے۔ تاہم اس کے بھتیجے محمد اور فقیہ عیسیٰ نے بڑی شجاعت سے مقابلہ کیا' لیکن دونوں کی قوت میں کوئی تناسب نہ تھا' محمد نے شہادت حاصل کی۔ فقیہ عیسیٰ گرفتار ہو گئے اور صلاح الدین کو شکست ہوئی۔ اس نے ساٹھ ہزار اشرفی زرفدیہ دے کر فقیہ عیسیٰ کو چھڑایا۔ [4] اسی سنہ میں فرنگیوں نے حماۃ پر حملہ کیا' لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی اور اہل حماۃ

---

[1] کتاب الروضتین ج ۱' ص ۲۳۴۔ [2] ابن اثیر ج ۱۱' ص ۱۶۴۔
[3] ابن اثیر ج ۱۱' ص ۱۶۵۔ [4] کتاب الروضتین ج ۱' ص ۲۷۲۔

نے انہیں شکست دے کر واپس کر دیا۔

مستضی کی وفات

ذیقعدہ ۵۷۵ھ میں مستضی بامراللہ کا انتقال ہو گیا۔اس وقت ۳۹ سال کی عمر تھی' مدت خلافت نو سال سات مہینے۔

سو وہ بڑا صالح نیک سیرت اور کامیاب خلیفہ تھا۔دنیائے اسلام کے اکثر فرمانروا اس کے مطیع تھے اور وسط ایشیا سے لے کر مصر و مغرب تک اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ملک کے امن و امان اور مرفہ الحالی کے اعتبار سے بھی اس کا زمانہ ممتاز تھا۔ابن اثیر کا بیان ہے کہ مستضی عادل اور رعایا کے ساتھ شفیق تھا۔بے دریغ روپیہ صرف کرتا تھا۔مقررہ محاصل کے علاوہ رعایا سے ایک حبہ زیادہ نہ لیتا تھا۔اس کے زمانہ میں ملک کو اس قدر امن و سکون اور راحت و طمانیت حاصل تھی' جس کی مثال نہیں ملتی۔مزاج میں حلم و عفو غالب تھا۔خطاؤں پر کم مواخذہ کرتا تھا۔درگزر اور چشم پوشی سے کام لیتا تھا۔رعایا کے لیے اس کا زمانہ ہر روز روز عید اور ہر شب شب برأت تھا۔ [1]

كان ايامه من حسن سيرته مواسم الحج والاعياد والجمع

ابن جوزی کا بیان ہے کہ تخت نشینی کے بعد ہی اس نے تمام ناجائز ٹیکس موقوف کر دیئے۔جس کی جو چیز ظلم و زیادتی سے لی گئی تھی' واپس کر دی گئی اور اتنا عدل و انصاف اور لطف و کرم ظاہر کیا کہ ہم نے ساری عمر میں نہ دیکھا تھا۔بنی ہاشم' علویوں' علما اور مدارس اور خانقاہوں پر بے دریغ صرف کرتا تھا۔اس کی نگاہ میں مال و زر کی کوئی وقعت نہ تھی۔اس کا ابر کرم ہمیشہ برستا رہتا تھا۔تخت نشینی کے وقت تمام وابستگان دولت اور عمالان حکومت کو بیش قیمت خلعتیں عطا کیں جن میں سترہ سو صرف ریشمی قبائیں تھیں۔عام مجمعوں میں بہت کم نکلتا تھا اور جب کبھی نکلتا تھا تو پورے شکوہ و تجمل کے ساتھ۔ [2]

ذہبی کا بیان ہے کہ وہ بڑا مخیر' فیاض اور حامی سنت تھا۔اس کے زمانہ میں سارے ملک میں امن و امان رہا۔ [3] اللہ تعالیٰ نے اس کے زمانہ میں بڑی سعادت عطا فرمائی تھی۔یمن سے لے کر مصر و مغرب تک اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا اور سارے فرمانروا اس کے مطیع و منقاد تھے۔ [4]

---

[1] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۷۳۔
[2] تاریخ الخلفاء ص ۴۵۵' ۴۵۶۔
[3] دول الاسلام ج ۲' ص ۶۴۔
[4] تاریخ الخلفاء ص ۴۵۶۔

ابو العباس احمد بن مستضی الملقب بہ ناصر الدین اللہ

(۵۷۵ھ تا ۶۲۳ھ مطابق ۱۱۷۹ء تا ۱۲۲۵ء)

مستضی کی وفات کے بعد ذیقعدہ ۵۷۵ھ میں اس کا لڑکا احمد الملقب بہ ناصر لدین اللہ تخت نشین ہوا۔ اس وقت ۲۲ سال کی عمر تھی۔

مستضی کے زمانہ میں دنیائے اسلام میں دو اہم واقعے رونما ہوئے۔ ایک سلطان صلاح الدین نے بیت المقدس کو صلیبیوں کے قبضہ سے چھڑایا اور تیسری صلیبی جنگ ہوئی۔ دوسرے تاتاریوں کا طوفان اٹھا' جس نے دنیائے اسلام کو زیر وزبر کر ڈالا۔ آئندہ صفحات میں ان دونوں کے مختصر حالات پیش کیے جاتے ہیں۔

سیف الدین غازی والی موصل اور الملک الصالح والی حلب کا انتقال

ناصر کی تخت نشینی کے دوسرے سال صفر ۵۷۶ھ میں سیف الدین غازی والی موصل کا انتقال ہو گیا۔ اس کے دو لڑکے تھے' معز الدین سنجر شاہ اور ناصر الدین۔ یہ دونوں صغیر السن تھے۔ اس لیے سیف الدین غازی نے مرتے وقت اپنے چھوٹے بھائی عز الدین مسعود کو جو خاندان میں سب سے زیادہ اہل تھا اپنا جانشین بنایا۔

سیف الدین غازی کی وفات کے ڈیڑھ سال بعد ہی رجب ۵۷۷ھ میں الملک الصالح والی حلب کا بھی وقت آخر آ گیا۔ اس کی عمر کل انیس سال تھی' وہ لاولد تھا۔ اس لیے مرتے وقت وہ بھی عز الدین مسعود کو ملک حوالہ کرنے کی وصیت کر گیا۔

ملک الصالح بڑا صالح وسعید تھا۔ نوجوانی میں بھی وہ پاک دامن رہا۔ مرض الموت میں طبیبوں نے دوا میں شراب کا استعمال تجویز کیا۔ اس نے فقہا سے پوچھا۔ انہوں نے دوا کے طور پر استعمال کے جواز کا فتویٰ دے دیا۔ ملک الصالح نے سوال کیا کہ کیا اس کے استعمال سے موت کا وقت ٹل سکتا ہے؟ فقہا نے کہا نہیں۔ ملک الصالح نے پینے سے انکار کر دیا اور کہا پھر میں اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کو استعمال کر کے اس سے نہ ملوں گا۔ [1] اس کی موت کے بعد اتابکی امرا نے اس کی وصیت کے مطابق حلب عز الدین مسعود کے حوالہ کر دیا' لیکن چند ہی دنوں کے بعد اس کے دوسرے چچیرے بھائی عماد الدین والی سنجار نے سنجار کو صلاح الدین کے حوالہ کرنے کی دھمکی دے کر سنجار سے حلب کا تبادلہ کر لیا۔

[1] ابن اثیر ج ۱۱' ص ۱۷۸۔

عزالدین کی مخالفت اور صلاح الدین کا شام میں ورود

عزالدین مسعود اور عمادالدین دونوں صلاح الدین کے خلاف تھے۔ خاص طور سے عزالدین کو سلطان سے بڑا عناد تھا' چنانچہ ان دونوں نے سلطان کی مخالفت شروع کر دی۔ عمادالدین نے صلاح الدین کے علاقہ راوندان پر حملہ کر دیا اور عزالدین' صلاح الدین کے خلاف فرنگیوں اور باطنیوں سے مل گیا اور انہیں سلطان کے خلاف ابھارا اور باطنیوں کو علاقہ دینے اور حلب میں ان کا تبلیغی مرکز قائم کرنے کا وعدہ کیا۔ ❶

سلطان اور حلب وموصل کے سابق فرمانرواؤں میں عہد و پیمان تھا۔ اس کی مدت ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے عزالدین اور عمادالدین کی اس مخالفت کے باوجود سلطان نے ان کی جانب کوئی اقدام مناسب نہیں سمجھا' مگر ان دونوں کی مخالفانہ سرگرمی برابر جاری رہی۔ اس کا نتیجہ نہ صرف سلطان بلکہ شام کے مسلمانوں کے لیے سخت مضر تھا۔ اس لیے اسے مجبور ہو کر شام کا قصد کرنا پڑا' لین پول لکھتا ہے:

جب رعایا کی حفاظت کے لیے صلاح الدین نے پھر شام پہنچنے کا قصد کیا تو معلوم ہوا کہ خاندان زنگی کے شہزادوں (عزالدین وعمادالدین) نے اپنا ایمان اور اپنی عزت اتنی فراموش کر دی ہے کہ ایک باضابطہ عہد نامہ نہ صرف عیسائیوں بلکہ شیخ الحشاشین ❷ سے اس مضمون کا کر لیا ہے کہ سب مل کر صلاح الدین کا مقابلہ کریں گے' کیونکہ صلاح الدین حشاشین اور عیسائیوں کا یکساں دشمن ہے' لیکن اس پر بھی صلاح الدین اپنے قول وعہد سے نہ پھرا۔ رعایا کی حفاظت کے خیال سے وہ شام آیا' مگر تاوقتیکہ صلح کی میعاد ختم نہ ہوئی، اس نے کوئی مخالف کارروائی اپنے دغاباز اتحادیوں کے ساتھ نہ کی۔ ❸

صلاح الدین کی مصر سے روانگی کے ساتھ ہی فرنگیوں نے کرک کے قریب اس کو روکنے کی کوشش کی' لیکن وہ دوسری سمت نکل گیا اور طبریہ وبیسان وغیرہ فرنگی علاقوں پر حملہ کرتا ہوا عکہ تک بڑھتا چلا گیا اور فرنگیوں کو شکست دے کر واپس گیا۔

اس دوران میں اس کے دمشقی نائب عزالدین فرخ شاہ نے وبوریہ وشقیف کے فرنگی قلعوں پر جو عین اسلامی سرحد پر تھے' فتح کر کے یہاں مسلمانوں کی چوکی قائم کی۔ ❹

اس سنہ میں صلاح الدین نے بیروت پر بحری وبری دونوں سمتوں سے حملہ کیا۔ حملہ کے دوران میں اطلاع ملی کہ بیت المقدس کے فرنگی زائرین کا ایک جہاز دمیاط آ رہا ہے۔ بیروت بڑا مستحکم شہر

---

❶ کتاب الروضتین ج ۲' ص ۲۳' ۲۴۔ ❷ حشیش عربی میں بھنگ کو کہتے ہیں چونکہ باطنی بھنگ استعمال کرتے تھے' اس لیے ان کو حشاشین بھی کہتے ہیں۔ ❸ صلاح الدین ص ۱۳۳۔ ❹ کتاب الروضتین ج ۲' ص ۲۸۔

تھا۔اس کی تسخیر کے لیے عرصہ درکار تھا۔اس لیے سلطان اسے چھوڑ کر فرنگی جہازوں کی تلاش میں روانہ ہوگیا اوران پرحملہ کر کے ایک ہزار چھ سو فرنگی گرفتار کر لیے۔ [1]

جزیرہ پر سلطان کا قبضہ

سلطان کے مقاصد میں سب سے زیادہ مزاحم زنگی خاندان اور شام و جزیرہ کے وہ چھوٹے چھوٹے مسلمان حکمران تھے' جو بیشتر اتابکی حکومت سے متوسل تھے۔ان کی جانب سے اطمینان حاصل کیے بغیر یکسوئی سے فرنگیوں کا مقابلہ مشکل تھا۔اتفاق سے اسی زمانہ میں اتابکی حکومت کا ایک متوسل امیر مظفرالدین کوکبری والی حران عزالدین مسعود کے خلاف ہوگیا اور سلطان سے مل کر اس کو جزیرہ پر حملہ کی دعوت دی۔اس دعوت پر سلطان بیروت سے واپسی کے بعد فرات کو عبور کر کے جزیرہ کی طرف بڑھا اور اعلان عام کر دیا کہ جو فرمانروا اس کی اطاعت قبول کر لے گا اس کو اس کے علاقہ پر بحال کر دیا جائے گا' ورنہ بزور شمشیر اس کو مطیع بنایا جائے گا۔اس اعلان پر بہت سے فرمانرواؤں نے سلطان کی قوت وسطوت سے ڈر کر اس کی اطاعت قبول کر لی۔سلطان نے انہیں ان کے علاقوں پر بحال رکھا۔جنہوں نے سرتابی کی انہیں بزور شمشیر مطیع بنایا اور جزیرہ کا بڑا حصہ اس کے زیرنگیں ہوگیا۔ [2] یہ صورت حال دیکھ کر عزالدین مسعود اور عمادالدین دونوں سلطان کے مقابلہ کے لیے متحد ہو گئے اور عمادالدین نے اپنا علاقہ عزالدین کی حفاظت میں دے دیا۔

موصل پر فوج کشی اور سنجار پر قبضہ

۵۸۸ھ میں سلطان نے موصل پر فوج کشی کر دی۔سلطان نورالدین مرحوم جیسے تجربہ کار نے جنگی نقطہ نظر سے اس کے استحکامات تعمیر کیے تھے۔اس کے علاوہ عزالدین کے نائب مجاہدالدین قائماز نے مدافعت کے انتظامات بھی نہایت مکمل کیے تھے۔اس لیے صلاح الدین کی پوری فوجی قوت اور جنگی تدبیریں اس کی تسخیر میں ناکام رہیں۔عزالدین مسعود نے سلطان سے صلح کرنے کی کوشش کی' لیکن اس نے ایسے شرائط پیش کیے جو عزالدین کے لیے ناقابل قبول تھے' اس لیے صلح نہ ہوسکی۔

سلطان نے جب دیکھا کہ موصل کی تسخیر کے لیے عرصہ درکار ہے تو اسے چھوڑ کر عزالدین مسعود کے بھائی شرف الدین کے علاقہ سنجار پر فوج کشی کی۔اس نے پورا مقابلہ کیا' لیکن سلطان نے اسے شکست دے کر فتح کر لیا اور اپنے سالے سعدالدین مسعود کو یہاں کا حاکم بنایا۔ [3]

---

[1] ابن اثیر ج ۱۱' ص ۱۸۱۔ [2] ابوشامہ نے اس کی طویل تفصیل لکھی ہے' ہم نے خلاصہ نقل کیا ہے۔

[3] کتاب الروضتین ج ۲' ص ۳۳' وابن اثیر ج ۱۱' ص ۱۸۴۔

آمد پر قبضہ

سنجار کے قریب ہی آمد کی دولت مند ریاست تھی۔ اس کا خزانہ طلائی و نقرئی سامانوں اور عجائبات و نوادر سے بھرا ہوا تھا' لیکن یہاں کا فرمانروا نہایت غافل اور نااہل تھا اور حکومت کی باگ ایک جابر امیر بہاؤالدین بن نیسان کے ہاتھوں میں تھی۔ اس کے مظالم سے رعایا تنگ تھی' چنانچہ آمد کا ایک امیر محمد بن قراء اس کے خلاف ہو گیا اور سلطان صلاح الدین کو آمد پر حملہ کی دعوت دی۔ اس کی دعوت پر سنجار سے فراغت کے بعد سلطان نے آمد پر فوج کشی کی۔ آمد بھی موصل کی طرح نہایت سنگین و مستحکم تھا اور اس کا فتح کرنا بہت مشکل تھا۔ سلطان نے تیروں کے ذریعے شہر میں یہ تحریر پھنکوائی کہ جو لوگ اطاعت قبول کر لیں گے ان کے ساتھ فتح کے بعد احسان کیا جائے گا اور جو مقابلہ کریں گے' ان سے پورا بدلہ لیا جائے گا۔ اہل شہر خود بہاؤالدین کی زیادتیوں سے تنگ تھے' اس لیے انہوں نے جنگ سے ہاتھ روک لیا اور سلطانی فوجوں نے شہر پناہ توڑ دی۔ یہ صورت حال دیکھ کر ابن نیسان نے سلطان کے وزیر قاضی فاضل کے ذریعہ اس شرط پر شہر حوالہ کر دیا کہ تین دن کے اندر وہ جتنا سامان لے جا سکے گا لے جانے دیا جائے گا' چنانچہ تین سو آدمی برابر تین دن تک سامان ڈھوتے رہے' اس کے باوجود اس کا دسواں حصہ بھی نہ جا سکا اور چوتھے دن ابن نیسان کو مع باقی سامان کے شہر چھوڑ دینا پڑا اور محرم ۵۷۹ھ میں آمد پر سلطان کا قبضہ ہو گیا۔ آمد کا کتب خانہ اتنا عظیم الشان تھا کہ اس میں دس لاکھ چالیس ہزار کتابیں تھیں۔ یہ سب سلطان نے قاضی فاضل کو دے دیں۔ سلطان نے محمد بن قراء کے لڑکے نورالدین کو آمد کا حاکم مقرر کیا۔ یہ سات برس تک آمد کے باقی ماندہ غیر ضروری سامانوں کو فروخت کرتا رہا اور سارا ملک اس سے بھر گیا۔ [1]

حلب پر قبضہ

آمد پر قبضہ کے بعد سلطان دمشق واپس آ گیا اور تل خالد اور عینتاب فتح کر کے اسی سنہ میں حلب پر فوج کشی کی۔ اتابکی امرا نے بڑی پامردی سے مدافعت کی' لیکن عمادالدین خود اپنے بخل اور جنگی مصارف کی کثرت اور بعض امرا کی مخالفت کی وجہ سے ہمت ہار گیا اور سنجار' نصیبین' خابور' رقہ اور سروج جیسے چھوٹے چھوٹے مقامات لے کر ان کے بدلہ میں حلب جیسا اہم مقام سلطان کے حوالہ کر دیا۔ [2] حلب پر قبضہ کے بعد شام میں سلطان کی قوت بہت بڑھ گئی۔ دریائے دجلہ سے رود نیل تک

---

[1] کتاب الروضتین ج ۲' ص ۴۳' و ابن اثیر ج ۱۱' ص ۸۳۔

[2] کتاب الروضتین ج ۲' ص ۴۲' ۴۳۔

اور افریقہ کے ساحل پر طرابلس تک تمام بڑے بڑے شہر اس کے زیر نگیں اور مختلف قوتیں اس کے تابع فرمان ہو گئیں اور مکہ مکرمہ سے لے کر بغداد کی مسجدوں تک اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ [1]

شام کے فرنگی فرمانرواؤں میں ریجی نالڈ (برنس ارطاۃ) والی کرک سب سے زیادہ فریب کار، فتنہ پرست اور مسلمانوں کا دشمن تھا۔ شر و فساد اس کی فطرت میں داخل تھا۔ زیادہ تر وہی صلیبیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا۔ لین پول نے اس کو مکار اور قزاق کے لقب سے یاد کیا ہے۔ [2] عہد و پیمان کی اس کی نگاہ میں کوئی وقعت نہ تھی۔ معاہدوں کو توڑنے میں اس کو خاص شہرت حاصل تھی۔ اس کو اس بات میں خاص مسرت ہوتی تھی کہ عافیت پسند مسلمان تاجروں کے کاروانوں اور غریب حاجیوں کے قافلوں کو جو مکہ یا مصر سے آتے تھے' لوٹ لیتا تھا۔ [3] اس کو اسلام اور مسلمانوں سے اتنی عداوت تھی کہ ۵۷۸ھ میں اس نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا' مگر پورا نہ ہو سکا۔ ایک سال بعد ۵۷۹ھ میں پھر اس نے کوشش کی۔ لین پول لکھتا ہے کہ:

حجاز پر ریجی نالڈ کا حملہ اور ناکامی

حونین کے ریجی نالڈ نے جزیرہ نمائے عرب پر فوج کشی کا قصد کیا تاکہ مدینہ طیبہ میں آنحضرت (ﷺ) کے مزار مبارک کو منہدم اور مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ کو مسمار کر دے۔ اس کے لیے اس نے ایسے جہاز تیار کرائے جن کے ٹکڑے ہو سکتے تھے۔ ان ٹکڑوں کو وہ کرک سے خلیج عقبہ کے ساحل پر لے گیا اور انہیں جوڑ کر جہازوں کا ایک بیڑہ تیار کیا اور عیذاب کو لوٹنے چلا۔ عیذاب بحر قلزم کے افریقی ساحل پر واقع تھا۔ اس نے دو جہازوں کو بیچ میں ڈال کر ایلہ کا بحری راستہ بند کر دیا۔ مسلمانوں کو اس کی خبر ہوئی تو ان کا جہازی بیڑا عیسائیوں کے بیڑے کے تعاقب میں چلا۔ اس کا امیر البحر لولو تھا۔ اس نے آتے ہی پہلے ایلہ کا بحری راستہ کھولا اور اپنی کل فوج کو الحورا تک جو بحر قلزم کی چھوٹی بندرگاہ تھی' لے آیا۔ ریجی نالڈ نے اسی بندرگاہ سے مدینہ پر حملہ کا ارادہ کیا تھا۔ فرنگیوں نے جونہی اسلامی فوجوں کو آتے دیکھا وہ ایسے گھبرائے کہ جہازوں سے اتر کر پہاڑوں کی جانب بھاگے۔ لولو نے بدوؤں سے گھوڑے لے لے کر سپاہیوں کو ان پر سوار کیا اور دوڑ کر دشمن کو غار اور باغ میں جا پکڑا اور ان کے ٹکڑے اڑا دیئے۔ ریجی نالڈ خود بھاگ گیا' مگر اس کے ساتھ والوں میں بہت سے لوگ قتل کیے گئے۔ لولو نے کسی کو جان کی امان نہ دی۔ [4]

---

[1] صلاح الدین ص ۱۵۲' ۱۵۳۔
[2] صلاح الدین ص ۱۵۵۔
[3] صلاح الدین ص ۱۷۴۔
[4] صلاح الدین ص ۱۵۲' ۱۵۳' عربی مورخین نے بھی اس واقعہ کا مختصر ذکر کیا ہے۔

حارم پر قبضہ

حلب پر تو سلطان کا قبضہ ہو گیا تھا' لیکن مملکت حلب کا ایک مضبوط قلعہ حارم اب تک عماد الدین کے پاس تھا۔ سلطان نے اس کی کوشش کی کہ عماد الدین حارم کا قلعہ اس کے حوالہ کر دے اور اس کے معاوضہ میں کوئی اور علاقہ لے لے' لیکن وہ اس کے لیے تیار نہ تھا اور فرنگیوں کو اپنی مدد پر آمادہ کر لیا۔ اس لیے حارم کے باشندے عماد الدین کے خلاف ہو گئے اور اس کو گرفتار کر کے قلعہ سلطان کے حوالہ کر دیا۔ حارم پر قبضہ کے بعد حلب کے پورے علاقہ پر آسانی کے ساتھ سلطان کا قبضہ ہو گیا۔ ❶

فرنگیوں سے معرکہ آرائی

حارم پر قبضہ کے بعد سلطان دمشق واپس آ گیا اور تمام ممالک محروسہ کی فوجیں جمع کر کے ۵۷۹ھ میں فرنگی علاقہ پر فوج کشی کی اور سب سے پہلے بیسان کا رخ کیا۔ یہاں کے فرنگی اپنا کل سازوسامان چھوڑ کر نکل گئے۔ یہ سب سلطانی فوج کے قبضہ میں آیا اور آگے بڑھ کر جالوت میں منزل کی۔ ایک دستہ فرنگیوں کی تلاش میں روانہ کیا۔ راستہ میں کرک کے فرنگیوں کا سامنا ہو گیا۔ اتابکی دستہ نے حملہ کر کے ان کی بڑی تعداد قتل و گرفتار کر لی۔ ❷

لین پول لکھتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد ہی لوسگنان کے گائی نے جو بالڈون کے زمانہ علالت میں فرنگی افواج کی سپہ سالاری کے فرائض انجام دیتا تھا' صلاح الدین کے مقابلہ کے لیے الفوکہ میں اتنا زبردست اجتماع کیا کہ اس سے پہلے فلسطین میں اتنی صفیں جنگ کے لیے آراستہ نہ ہوئی تھیں۔ اس میں ایک ہزار تین سو مسیحی نائٹ اور پندرہ ہزار اچھے ہتھیار رکھنے والی پیدل فوج اور یورپ کے بڑے بڑے شریف زادے ہنری' بودین کا ڈیوک' ہلینی کا رالف' اس کے علاوہ شام کے بڑے بڑے مسیحی رئیس گائی' ریجی نالڈ' بالڈون' عبلین کا بالیان' صیدا کا ریجی نالڈ' قیساریہ کا والٹر اور کورنتی جوسلن وغیرہ تھے۔ ❸ اس لیے سلطان بھی عین جالوت سے الفوکہ پہنچا۔ دونوں میں مقابلہ ہوا۔ ایک خونریز معرکہ کے بعد فرنگی الفوکہ سے ہٹ کر عین جالوت چلے گئے۔ سلطان بھی ان کے عقب سے پہنچا اور ان کے چاروں طرف فوجوں کا حصار قائم کر کے انہیں میدان میں لانے کی بڑی کوشش کی' لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ یہ صورت حال دیکھ کر سلطان نے انہیں راستہ دے دیا۔ فرنگیوں نے راہ فرار اختیار کی اور سلطان نے ان کا تعاقب کر کے بے دریغ قتل و گرفتار کیا اور ان کے علاقے کفر بلا' بیسان اور زرعین کو ویران کر ڈالا۔ ❹

---

❶ ابن اثیر ج ۱۱' ص ۱۸۷۔ ❷ کتاب الروضتین ج ۲' ص ۵۰' و لین پول ص ۱۵۴۔
❸ صلاح الدین ص ۱۵۴۔ ❹ کتاب الروضتین ج ۲' ص ۵۰۔

لین پول لکھتا ہے کہ عین جالوت میں سلطان نے ناکہ بندی کر کے فرنگیوں کا سامان رسد بند کر دیا۔کھانے پینے کی کوئی چیز اس حلقہ سے جو مسلمانوں نے صلیبیوں کے گرد باندھ رکھا تھا' نکل کر عیسائیوں تک نہ پہنچ سکتی تھی۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل صلیب میں سخت قحط پڑ گیا۔زمانہ وسط اکتوبر کا تھا' برسات قریب آ رہی تھی۔صلاح الدین نے بہت کوشش کی کہ صلیبی کسی طرح جنگ پر آمادہ ہوں' مگر وہ نہ آئے اور جہاں تھے' آخر کار وہیں سے بھاگنا شروع کر دیا۔کمانوں سے نکلے ہوئے تیر اڑ اڑ کر ان کا تعاقب کرتے تھے۔غرض یہ فراری عیسائی بے حد خجل و شرمندہ ہو کر صفوریہ میں آئے۔یہی وہ مقام تھا' جہاں سے وہ بڑی شان سے صفیں باندھ کر لڑنے کو نکلے تھے۔ [1]

اس مہم سے فراغت کے بعد ۵۷۹ھ میں سلطان نے اپنے سب سے بڑے دشمن ریجی نالڈ کے علاقہ کرک پر فوج کشی کی۔اس کی شہر پناہ بڑی سنگین و مستحکم تھی۔صلاح الدین نے سنگبار آلات کے ذریعہ اس کو توڑنے کی کوشش کی' مگر ناکام رہا۔اسی دوران میں خبر آئی کہ ریجی نالڈ کی مدد کے لیے فرنگی الوالہ میں جمع ہو رہے ہیں۔کرک کی تسخیر کے لیے عرصہ درکار تھا' اس لیے سلطان دمشق لوٹ گیا۔

کرک کی فتح

اور مصر و شام اور جزیرہ کی فوجوں کو جمع کر کے ۵۸۰ھ میں وہ دوبارہ بڑے اہتمام سے فوج کشی کی اور فرنگیوں کی پوری مدافعت کے باوجود اس نے کرک فتح کر لیا' لیکن اس کے قلعہ پر قبضہ نہ ہو سکا۔وہ قلعہ کی تسخیر کی تدبیر میں تھا کہ خبر ملی کہ کرک کے محصورین کی مدد کے لیے امدادی فوجیں الوالہ تک پہنچ گئی ہیں۔اس لیے سلطان ان کو روکنے کے لیے الوالہ چلا گیا اور ایک کھلے میدان میں فرنگیوں کے انتظار میں ٹھہر گیا۔ان کو خبر ہو گئی تھی' اس لیے وہ راستہ چھوڑ کر دوسری جانب سے کرک پہنچ گئے۔اس تازہ دم امدادی فوج کے بعد قلعہ کرک کی تسخیر اور زیادہ دشوار ہو گئی۔اس لیے سلطان اسے چھوڑ کر نابلس اور سبطیہ کو لوٹتا ہوا دمشق لوٹ گیا۔ [2]

لین پول نے اس سلسلہ میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ کرک کے محاصرہ کے دوران میں بادشاہ یروشلم امارل مارک کی سوتیلی بہن ازابیلا کی شادی کی تقریب میں جشن منایا جا رہا تھا۔دولہا دلہن یہیں تھے۔صلاح الدین نے ریجی نالڈ کی دشمنی کے باوجود اس کے پاس شادی کا کھانا بھیجا اور فوج کو حکم دیا کہ جس برج میں دولہا دلہن ہیں ان پر تیر نہ پھینکے جائیں۔ [3]

---

[1] صلاح الدین ص ۱۵۵۔ [2] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۸۹' ۱۹۰' و کتاب الروضتین ج ۲' ص ۵۶ ملخصاً۔

[3] صلاح الدین ص ۱۵۶۔

صلاح الدین اور ریمنڈ والی طرابلس کی مصالحت

کرک سے سلطان کی واپسی کے چند ہی دنوں بعد ۸۵۔۱۱۸۴ء مطابق ۸۱۔۵۸۰ھ میں یروشلم کے فرمانروا امارل مارک کا انتقال ہوگیا۔ وہ لاولد تھا۔ اس لیے اپنے صغیرالسن بھانجے بالڈون کو اپنا جانشین بنا گیا اور لوسکنان کا گائی اور طرابلس کا فرمانروا ریمنڈ اس کے والی قرار پائے۔ امارل مارک کی موت کے بعد یروشلم کے عیسائیوں کا جوش کسی قدر ٹھنڈا پڑ گیا اور ریمنڈ نے صلاح الدین سے چار سال کے لیے صلح کر لی اور یہ بھی عہد و پیمان ہوگیا کہ فریقین ہر حالت میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار رہیں گے اور ان میں سے کسی ایک یا دونوں پر جب کوئی تیسری قوت حملہ آور ہوگی تو فریقین ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ [1] لیکن اس صلح نامہ کا عام صلیبیوں پر کوئی اثر نہیں پڑا اور ان کا جوش جہاد بدستور قائم رہا۔

لین پول لکھتا ہے کہ صلاح الدین اور ریمنڈ کے ذہن میں اس صلح نامہ کی جو شکل بھی ہو لیکن حقیقت میں یہ صلح ایسی ہی تھی جیسے لڑائی کے میدان میں سپاہی کو تنبیہ ہو کہ طبلی کی آواز سنتے ہی اٹھ جائے۔ یہ صلح حقیقت میں صلح نہ تھی۔ اسی زمانہ میں بطریق ہیریکلیوس مسیحی مجاہدوں کی بھرتی کے لیے یورپ میں گشت لگاتا رہا اور انگلستان کے نائٹ شی والی سے لے کر جبل البرانس تک جنگ مقدس کے لیے صلیبیں کندھوں پر رکھے ہوئے تھے۔ جس حال میں کہ مسیحی مجاہدوں کی دو جنگ آور جماعتیں الدایہ (ہاسپٹلرس) اور البیطار (ٹمپلرس) کے نائب نصرانیت کے لیے تلوار چلانے کے لیے بیتاب ہوں تو یہی سمجھنا چاہیے کہ گو جنگ مقدس سوگئی تھی، لیکن اس کا بیدار ہونا یقینی تھا۔ [2]

ابن اثیر نے اس صلح کی صورت یہ لکھی ہے کہ امارل مارک کی موت کے چند ہی دنوں کے بعد اس کا جانشین بالڈون بھی مر گیا۔ اس کی موت کے بعد یروشلم کا تخت اس کی ماں کو ملا۔ اس نے ایک شخص (گائی) سے شادی کر کے تاج و تخت اس کے حوالے کر دیا۔ بالڈون کی صغرسنی کی وجہ سے یروشلم کی حکومت کی باگ ریمنڈ کے ہاتھوں میں تھی۔ اس لیے اس سے دستبرداری اس کو بڑی شاق ہوئی۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ گائی نے اس سے بالڈون کے زمانہ کا حساب و کتاب طلب کیا۔ اس لیے گائی کے ساتھ اس کی مخالفت اور زیادہ بڑھ گئی اور وہ صلاح الدین سے مل گیا۔ سلطان نے اس سے وعدہ کیا

---

[1] صلاح الدین ص ۱۵۷۔

[2] صلاح الدین ص ۱۵۸' الدایہ اور البیطار دونوں فرنگی مجاہدین کی بڑی پرجوش اور جانباز جماعتیں تھیں۔ اس میں یورپ کے بڑے بڑے امراء شامل تھے۔

کہ وہ یروشلم کی حکومت اس کو دلا دے گا۔ ریمنڈ کا صلیبیوں پر بڑا اثر تھا' اس لیے اس صلح کے بعد بہت سے فرنگی بھی سلطان کے ساتھ ہو گئے اور ان کی قوت دو جماعتوں میں تقسیم ہو گئی۔ ❶

موصل پر فوج کشی اور عزالدین کی اطاعت

ادھر کچھ دنوں سے موصل کی حکومت پر عزالدین مسعود کا نائب السلطنت مجاہدالدین قائماز حاوی ہو گیا تھا اور عزالدین برائے نام حکمران رہ گیا تھا۔ اس لیے اس نے مجاہدین کے استبداد سے عاجز آ کر اسے گرفتار کر لیا۔ اس کی گرفتاری سے موصل کی حکومت کا سارا نظام بگڑ گیا اور اس کے ماتحت امراو حکمرانوں نے عزالدین سے اپنا تعلق منقطع کر لیا اور اس کے پاس موصل رہ گیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر عزالدین نے ناصرالدین اللہ کے ذریعہ سلطان صلاح الدین سے صلح کی کوشش کی' مگر صلح نہ ہو سکی اور سلطان نے ۵۸۱ھ میں موصل پر فوج کشی کر دی۔ عزالدین جنگ سے بچنا چاہتا تھا' چنانچہ جب سلطان قریب پہنچا تو عزالدین نے اپنی چچیری بہن یعنی سلطان نورالدین زنگی کی لڑکی کو اس امید پر سلطان کے پاس صلح کے لیے بھیجا کہ وہ اپنی آقازادی کی خواہش کو رد نہ کرے گا۔ سلطان نے امرا سے مشورہ کیا' اکثر امرا نے رائے دی کہ مرحوم سلطان کی لڑکی کو مایوس واپس نہ کرنا چاہیے' لیکن بعض امرا نے کہا ایک عورت کی خاطر موصل جیسے علاقہ کو چھوڑ دینا مناسب نہیں ہے۔ عزالدین نے عورت کو محض اس لیے درمیان میں ڈالا ہے کہ اس میں مقابلہ کی طاقت نہیں ہے۔ ❷ صلاح الدین کی دلی خواہش بھی یہی تھی۔ اس لیے اس نے اپنی آقازادی کی ظاہری تعظیم و توقیر تو بہت کی اور بہت سے وعدے وعید بھی کیے' لیکن بلطائف الحیل اس کی درخواست ٹال دی۔ ❸ اس کا نہایت برا اثر پڑا۔ اہل موصل کے علاوہ خود صلاح الدین کے امرا اور اس کے وزیر قاضی فاضل تک نے اس کو ناپسند کیا اور جب اس نے موصل پر حملہ کیا تو اسے خود اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اہل موصل نے اس پامردی اور شجاعت سے مقابلہ کیا کہ سلطان کی ساری جنگی تدبیریں ان کو مغلوب کرنے میں ناکام رہیں۔

اسی دوران میں شاہ ارمن والی خلاط کا انتقال ہو گیا۔ اس کے کوئی اولاد نہ تھی اور نہ اس نے کسی کو اپنا جانشین بنایا تھا۔ اس لیے اس کی موت کے بعد اس کا خسر شمس الدین پہلوان اور غلام بکتمر خلاط کی حکومت کے دعویدار ہو گئے۔ اہل خلاط ان دونوں کو ناپسند کرتے تھے۔ انہوں نے سلطان کو بلا بھیجا۔ موصل کی تسخیر کی فوری کوئی امید نہ تھی۔ اس لیے سلطان محاصرہ اٹھا کر خلاط چلا گیا' لیکن جب یہ قریب پہنچا تو شمس الدین اور بکتمر دونوں نے صلح کر لی۔

---

❶ ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۹۸۔ ❷ ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۹۳۔ ❸ کتاب الروضتین ج ۲، ص ۶۴۔

اس کے بعد سلطان کے لیے کوئی موقع نہ رہ گیا تھا۔ اس لیے وہ پھر موصل لوٹ آیا۔ اس مرتبہ اس میں اور عزالدین مسعود میں صلح ہوگئی۔ عزالدین مسعود نے شہرزور اور دریائے زاب کے آس پاس کا پورا علاقہ قرایلی اور بنی قفچاق کے اضلاع سلطان کو دے دیئے اور اپنے ملک میں اس کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا اور اتابکی حکومت ایوبی حکومت کے ماتحت ہوگئی۔ اس کی جانب سے اطمینان ہونے کے بعد صلاح الدین کو صلیبیوں سے مقابلہ کا آزادی کے ساتھ موقع مل گیا۔ [1]

ریجی نالڈ کی بدعہدی

سلطان کا اصل مقصد ارض شام کو صلیبیوں سے پاک کرنا تھا' لیکن کچھ اندرونی حالات اور کچھ اس سبب سے کہ بعض فرنگی فرمانرواؤں سے وقتی مصالحت ہوگئی تھی، سلطان نے ابھی اس مہم کی جانب پوری توجہ نہ کی تھی۔ اتفاق سے عزالدین مسعود سے مصالحت کے بعد ہی ریجی نالڈ کی عہد شکنی نے اس کا موقع بہم پہنچا دیا۔ جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔

صلح کے زمانہ میں بھی مسلمان تاجروں اور قافلوں کو لوٹنا اس نے مشغلہ بنا لیا تھا۔ لین پول کا بیان ہے کہ اس نے عین صلح کے زمانے میں ۱۱۷۹ء میں ایک کارواں کو جو اس کے قلعہ کے نیچے اترا تھا' لوٹ لیا اور اس کے تمام آدمی گرفتار کر لیے۔ بادشاہ یروشلم نے اس پر اعتراض کیا اور کارواں کی رہائی اور لوٹے ہوئے مال کی واپسی کے لیے سفیر بھیجے۔ ریجی نالڈ نے ان کا مذاق اڑایا۔ ۱۱۸۳ء میں پھر اس نے یہی حرکت کی۔ ۱۱۸۶ء میں مسلمان تاجروں کے ایک قافلہ کو لوٹ کر اہل قافلہ کو گرفتار کیا۔ جب ان لوگوں نے اس سے رہائی کے لیے کہا تو اس نے یہ طعن آمیز جواب دیا کہ تم محمد (ﷺ) پر ایمان رکھتے ہو' اس سے کیوں نہیں کہتے کہ وہ آ کر تمہیں چھڑا لے۔ اس کے ایک سال کے بعد اسے اس تمسخر اور استہزا کی پوری سزا مل گئی۔ سلطان صلاح الدین نے اس کو سنا تو قسم کھا کر عہد کیا کہ ''اس صلح شکن کافر کو اللہ نے چاہا تو میں اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔ صلاح الدین نے جس بات کا عہد کیا تھا اسے کر دکھایا اور اس آخری کاروان پر حملہ نے یروشلم کی مسیحی سلطنت ہی کو ختم کر دیا۔ لین پول کے بیان کے مطابق اس کاروان میں سلطان کی بہن بھی تھی۔ [2] لیکن عربی تاریخوں میں اس کا ذکر نہیں۔ اس میں اتنا اور اضافہ ہے کہ صلاح الدین نے ایک مرتبہ پھر مقابلہ کو رفع دفع کرنے کی کوشش کی اور ریجی نالڈ کو لکھ بھیجا کہ وہ قیدیوں کو رہا اور لوٹے ہوئے مال کو واپس کر دے ورنہ اس کی سزا بھگتنا پڑے گی' لیکن ریجی نالڈ [illegible] پر قائم رہا۔ اس سے صلاح الدین کا اشتعال اور بڑھ گیا اور اس نے عہد کر لیا کہ اگر اس کو ریجی نالڈ پر قابو حاصل ہو گیا تو اس کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرے گا۔ [3]

---

[1] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۹۳، ۱۹۴۔ [2] صلاح الدین ص ۱۷۲۔ [3] کتاب الروضتین ج ۲ ص ۵۷ و ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۹۹۔

اور صلیبیوں سے فیصلہ کن جنگ کے لیے ممالک محروسہ میں جہاد کی عام منادی کر دی اور اپنے زیر اہتمام امرا اور فرمانرواؤں کو حکم دیا کہ وہ اپنی اپنی فوجیں لے کر جمع ہو جائیں۔ اس حکم پر عراق و کردستان کے تمام فرمانروا پہنچ گئے اور سلطان محرم ۵۸۳ھ میں دمشق سے فلسطین روانہ ہو گیا۔ راس الما میں اطلاع ملی کہ ریجی نالڈ حاجیوں کے قافلہ کو جو حجاز سے واپس آ رہا تھا' لوٹنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ اس میں سلطان کا بھانجا حسام الدین بھی تھا۔ ابھی بعض اسلامی ممالک کی فوجیں نہ پہنچی تھیں' اس لیے سلطان اپنے لڑکے الملک الفاضل کو راس الما میں چھوڑ کر خود کرک روانہ ہو گیا۔ اس سے ریجی نالڈ کو قافلہ پر حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور وہ صحیح و سلامت گزر گیا۔ سلطان نے کرک اور شوبک کے علاقہ کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔

اس دوران میں باقی ملکوں کی فوجیں بھی' جن کا انتظار تھا' راس الما پہنچ گئیں۔ الملک الفاضل انہیں لے کر ساحل کے کنارے کنارے عکہ کی طرف بڑھا۔ صفوریہ کے قریب صلیبی مجاہدین کی مشہور جماعتیں الدادیہ اور استباریہ کا سامنا ہو گیا۔ الملک الفاضل نے انہیں بڑی فاش شکست دی۔ استباریہ کا ایک ممتاز سردار قتل ہوا اور بہت سے گرفتار ہوئے۔ سلطان کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ کرک سے لوٹ کر ملک الفاضل سے مل گیا اور اسلامی فوجوں کا سیلاب طبریہ کی طرف بڑھا۔ [1]

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ریمنڈ والی طرابلس گائی فرماں روائے یروشلم کے خلاف تھا اور صلیبیوں کو چھوڑ کر سلطان سے مل گیا تھا' لیکن سلطان کی اس فوج کشی نے سارے عیسائی فرمانرواؤں کو چونکا دیا اور وہ سب اپنے اختلاف بھلا کر مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے متحد ہو گئے۔ گائی اور ریمنڈ غار یوسف کے قریب ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے اور عیسائیوں نے صلاح الدین کے مقابلہ کے لیے مقدس صلیب اٹھائی اور پچاس ہزار فرنگی صفوریہ کے مشہور شہر میں مسلمانوں سے مقابلہ کے لیے جمع ہوئے' جس میں ایک ہزار دو سو نائٹ تھے۔ [2]

سلطان کو اس اجتماع کی اطلاع ہوئی تو اس نے ربیع الثانی ۵۸۳ھ میں صفوریہ کا رخ کیا اور فرنگیوں کے قریب ہی طبریہ کی پہاڑی پر فوجیں اتاریں اور کئی دن تک فرنگیوں کے نکلنے کا انتظار کرتا رہا' لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ سلطان ان کو باہر لانے کے لیے تھوڑی سی فوج لے کر طبریہ پہنچا۔ طبریہ ریمنڈ کا مستقر تھا' لیکن وہ اس وقت صلیبی لشکر کے ساتھ صفوریہ میں تھا۔ طبریہ میں صرف اس کے بیوی بچے تھے' اس لیے سلطان نے شہر پر آسانی کے ساتھ قبضہ کر لیا' لیکن قلعہ پر قبضہ نہ ہو سکا۔ [3]

---

[1] کتاب الروضتین ج ۲' ص ۷۵-۷۶' وابن اثیر ج ۱۱' ص ۲۰۰۔

[2] صلاح الدین ص ۱۷۵-۱۷۶۔ [3] کتاب الروضتین ج ۲' ص ۸۱۔

سلطان کا خیال بالکل صحیح نکلا۔ طبریہ پر قبضہ کی خبر سن کر صفوریہ کے فرنگیوں نے طبریہ پہنچنے کا قصد کیا۔ ریمنڈ نے اس کی مخالفت کی اور کہا اگر صلاح الدین قلعہ پر قبضہ کر کے میری بیوی اور بچوں کو بھی گرفتار کر لے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ سارا ملک ہاتھوں سے نکل جائے' اگر ہم اس راستے سے گئے تو ہمارا غارت ہونا یقینی ہے۔ [1] صلاح الدین کے پاس اس وقت اتنی قوت ہے کہ طبریہ کو اس سے واپس لینا ناممکن ہے' لیکن وہ زیادہ دنوں تک نہیں ٹھہر سکتا۔ اس کی واپسی کے بعد ہم آسانی کے ساتھ طبریہ پر قبضہ کر لیں گے' لیکن ریمنڈ اور سلطان کے سابق تعلقات کی بنا پر عیسائیوں نے اس مشورہ کو بددیانتی پر محمول کیا اور طبریہ روانہ ہو گئے۔ [2] سلطان تھوڑی سی فوج طبریہ کی حفاظت کے لیے چھوڑ کر اپنے لشکر گاہ لوٹ گیا۔ صفوریہ اور طبریہ کے درمیان جابجا اسلامی فوجیں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس لیے فرنگیوں کے صفوریہ سے نکلنے کے ساتھ ہی انہوں نے ان پر حملہ کر دیا اور ان کے بہت سے نائٹ قتل ہوئے۔ [3]

مسلمانوں نے چشموں اور تالابوں پر پہلے سے قبضہ کر کے باقی چشموں کو برباد کر دیا تھا یا ان پر پہرہ بٹھا دیا تھا۔ گرمی سخت پڑ رہی تھی۔ اس لیے صفوریہ سے نکلنے کے بعد ہی فرنگیوں کو پانی کی بڑی دشواری پیش آئی' مگر وہ کسی نہ کسی طرح اسلامی لشکر گاہ کے قریب پہنچ کر تھوڑی مسافت پر خیمہ زن ہوئے اور رات گزارنے کے بعد دوسرے دن ۲۵ ربیع الثانی ۵۸۳ھ کو لوبیا کے میدان میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ پہلے ہی معرکہ میں مسلمانوں کی تیر باری سے صلیبیوں کے سوار دستہ کو بڑا نقصان پہنچا۔ انہوں نے لڑ بھڑ کر بحیرہ طبریہ کی سمت نکل جانا چاہا' لیکن صلاح الدین خود سامنے آ کر جم گیا اور آگے بڑھنے سے روک دیا۔ صلیبیوں نے بھی پورا زور صرف کر دیا اور بڑی خونریز جنگ شروع ہو گئی۔ صلاح الدین فوج کے ہر حصے میں جا کر مسلمانوں کو جوش دلاتا تھا اور انہیں جنگ کے لیے ہدایات دیتا تھا۔ صلیبی فوجوں کی سمت خشک جھاڑیوں کا جنگل تھا۔ مسلمانوں نے اس میں آگ لگا دی۔ اتفاق سے ہوا بھی اسی جانب کی تھی۔ اس لیے اس کا سارا دھواں اور گرمی صلیبی فوجوں میں بھر گئی۔ اس نے ان کو اور زیادہ پریشان کر دیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ جانبازی کے علاوہ مفر کی اور کوئی صورت نہیں ہے' تو مجبور ہو کر آخری مقابلہ کے لیے جان کی بازی لگا دی اور ان کے پیہم حملوں نے مسلمانوں کی صفیں درہم برہم کر دیں' لیکن ہر حملہ میں صلیبیوں کی کافی تعداد قتل ہو جاتی تھی اور ان کی قوت برابر گھٹتی جاتی تھی۔ اس لیے مسلمانوں نے ان کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ انہوں نے کوہ حطین کی

---

[1] صلاح الدین ص ۱۸۳۔ [2] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۰۱۔ [3] صلاح الدین ص ۱۸۵۔

آڑ لینے کی کوشش کی‘ لیکن ہر طرف سے راستہ بند تھا۔ اس لیے بہت تھوڑی تعداد کوہ حطین کی سمت جا سکی اور مسلمانوں نے چاروں طرف سے حملہ کر کے مقدس صلیب کو جو حضرت مسیح علیہ السلام کی سولی کی لکڑی سے بنی ہوئی تھی‘ چھین لیا۔ اس سے ان میں بڑی بددلی پیدا ہوگئی۔ تاہم انہوں نے حطین کی آڑ لے کر مقابلہ کی آخری کوشش کی‘ لیکن وہ مسلمانوں کے حملہ کو نہ روک سکے اور بڑھتے ہوئے گائی بادشاہ یروشلم کے خیمہ تک پہنچ گئے اور اس کو گرا دیا۔ صلیبیوں نے جب دیکھا کہ ان کی قوت بالکل جواب دے چکی ہے اور جنگ جاری رکھنے میں موت کے سوا کچھ حاصل نہیں تو انہوں نے ہتھیار ڈال دیے اور مسلمانوں نے ان کے تمام بڑے بڑے امرا اور حکمرانوں کو گرفتار کر لیا۔ [1] لین پول نے اس جنگ کے خاتمے کا حال ان الفاظ میں لکھا ہے:

> مسیحی شہسوار اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ اپنی جانوں کو زیادہ قیمت پر فروخت نہ کر سکے۔ انہوں نے اپنی تلواریں میان میں ڈال لیں اور مسیحی لشکر کے چیدہ اور منتخب جوانمرد قید کر لیے گئے۔ بادشاہ یروشلم گائی، اس کا بھائی جاٹلیون‘ ریجی نالڈ‘ تبنین کا ہمفری اور داویہ اور استباریہ دونوں طبقوں کے سردار اور بڑے بڑے عیسائی شرفا گرفتار کیے گئے‘ صرف ریمنڈ (والی طرابلس) جو لڑائی کا رنگ دیکھ کر میدان جنگ ہی سے صور بھاگ گیا تھا‘ بچ گیا اور کچھ دنوں کے بعد مر گیا۔ [2]

ابن اثیر کا بیان ہے کہ اس جنگ میں اتنے صلیبی قتل اور گرفتار ہوئے کہ مقتولین کے انبار کو دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ پوری فوج قتل ہوگئی اور قیدیوں کی تعداد سے اندازہ ہوتا تھا کہ کل فوج زندہ گرفتار کر لی گئی۔ [3]

ابوشامہ لکھتا ہے کہ فلسطین کے تمام عیسائی بہادر اور شہسوار مسلمانوں کے پہرے میں تھے۔ مسیحی لشکر کے معمولی سپاہی جو زندہ بچے تھے‘ وہ سب مسلمانوں کے اسیر ہو گئے تھے۔ ایک مسلمان سپاہی تیس تیس عیسائیوں کو قید کر کے خیمہ کی رسی میں باندھے ہوئے ہنکاتا تھا۔ [4] صلیبی لڑائیوں کے سلسلہ میں ۴۹۱ھ کے معرکہ کے علاوہ اتنا اہم معرکہ نہ ہوا تھا۔ اس سے صلیبیوں کی قوت پارہ پارہ ہوگئی۔

اختتام جنگ کے بعد تمام معزز قیدی سلطان کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ یروشلم کے بادشاہ

---

[1] جنگ حطین کی تفصیلات مورخین نے بہت طویل لکھی ہیں اور ان میں باہم خفیف اختلافات بھی ہیں۔ ہم نے ان کا خلاصہ نقل کیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھو کتاب الروضتین ج ۲‘ ص ۸۱‘ وابن اثیر ج ۱۱‘ ص ۲۰۱‘ ۲۰۲۔

[2] صلاح الدین ص ۱۸۷‘ وابن اثیر ج ۱۱‘ ص ۲۰۲۔ [3] ابن اثیر ج ۱۱‘ ص ۲۰۲۔

[4] کتاب الروضتین ج ۲‘ ص ۸۱‘ وصلاح الدین ص ۱۸۸۔

گائی کو اس نے اپنے پہلو میں جگہ دی۔ باقی امرا کو بھی ان کے رتبہ کے مطابق بٹھایا۔

اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ سلطان نے ریجی نالڈ کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنے کا عہد کیا تھا۔ گائی اس کو بچانا چاہتا تھا۔ اس کے لیے اس نے یہ تدبیر کی کہ سلطان سے پینے کے لیے پانی مانگا۔ برف کا ٹھنڈا پانی اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ گائی نے خود تھوڑا سا پی کر باقی ریجی نالڈ کو دے دیا۔ [1] اس کی یہ چال دیکھ کر سلطان نے کہا میں نے اس ملعون کو پانی نہیں دیا ہے۔ اس لیے مجھ پر اس کی جان بخشی کی ذمہ داری نہیں ہے اور تمام قیدیوں کو کھانے کے لیے رخصت کر دیا' صرف گائی اور ریجی نالڈ کو روک لیا اور ریجی نالڈ کے سامنے اس کی گزشتہ بداعمالیوں کو گنا کر کہا اس وقت میں محمد رسول اللہ ﷺ سے مدد چاہتا ہوں۔ یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ تھا کہ ایک مرتبہ جب ریجی نالڈ نے مسلمانوں کے ایک قافلہ پر حملہ کر کے ان کو گرفتار کر لیا تھا اور انہوں نے اس سے رہائی کی درخواست کی تھی تو ریجی نالڈ نے ان کو جواب دیا تھا کہ اس وقت محمد (ﷺ) کو چھڑانے کے لیے کیوں نہیں بلاتے۔ گو سلطان ریجی نالڈ کو قتل کرنے کا عہد کر چکا تھا۔ تاہم اس کے اسلامی اصول کے موافق پہلے اس کے سامنے اسلام پیش کیا اور پھر اس کے انکار کے بعد اپنے ہاتھوں سے اس کا سر قلم کر کے اپنی قسم پوری کی۔ گائی' ریجی نالڈ کا انجام دیکھ کر بہت خوفزدہ ہوا۔ سلطان نے اس کو اطمینان دلایا اور کہا بادشاہوں کا یہ دستور نہیں ہے کہ وہ دوسرے بادشاہوں کو قتل کریں۔ ریجی نالڈ کو صرف اس کی حد سے متجاوز زیادتیوں کی وجہ سے بدرجہ مجبوری قتل کرنا پڑا۔ [2]

حطین کی شکست سے شام کے عیسائیوں کی قوت بہت کمزور پڑ گئی۔ لین پول کا بیان ہے کہ اس جنگ نے ملک فلسطین کو فاتحوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ یروشلم کی سلطنت رخصت ہو چکی تھی۔ اس کا بادشاہ اور امرا سب گرفتار تھے۔ اب مشکل سے فرنگیوں کا کوئی ایسا ہادی اور رہنما باقی نہ رہ گیا تھا جو منتشر اور پراگندہ صلیبی مبارزوں کو یکجا کرتا۔ ان کو شام میں داخل ہوئے ۹۰ برس گزر چکے تھے' مگر اس پوری مدت میں ایسی سخت تباہی کبھی نہ آئی تھی۔ طبریہ میں صلیبیوں کی شکست ان کے حق میں ایک ضرب مہلک ثابت ہوئی اور جو چیز ان کے ہاتھ سے اس دن نکلی تھی مسیحی دنیا آج تک اسے حاصل نہ کر سکی۔ سوائے چند دور دور کے قلعوں کے جو صلیبیوں کی چند حربی جماعتوں کے قبضہ میں تھے اور جو ساحل سے ہٹے ہوئے ملک کے اندرونی حصوں میں واقع تھے۔ اب پورا فلسطین شمال میں بیروت سے لے کر جنوب میں غزہ تک صلاح الدین کے قبضہ میں تھا۔ عیسائیوں کے قبضہ میں صرف صور اور یروشلم باقی رہ گئے تھے

---

[1] عربوں کا دستور تھا کہ جس قیدی کو کھانا پانی دیتے تھے' وہ گویا مامون ہو جاتا تھا۔

[2] یہ واقعات ابوشامہ، ابن اثیر اور صلاح الدین سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھو کتاب الروضتین ج ۲' ص ۸۱' و ابن اثیر ج ۱۱' ص ۲۰۲' و صلاح الدین ص ۱۸۸۔

تا کہ اس امر کی شہادت دے سکیں کہ کوئی مسیحی حکومت بھی اس ملک میں تھی' مگر یروشلم کو بھی وہی پیش آنے والا تھا' جو اس کے دوسرے شہروں کو پیش آ چکا تھا۔ اسلامی فوجوں نے حطین کی فتح کے بعد ایک دن آرام کیا اور پھر ایک زبردست سیلاب کی طرح ملک میں پھیلنا شروع کیا۔ اب مسلمانوں کے لیے اتنا کافی تھا کہ وہ کسی شہر کے سامنے آئیں اور اریحا کی طرح اس کی دیواریں گر پڑیں اور شہر کی فوج اپنے ہتھیار ڈال دے۔ صرف چند مضبوط قلعے ایسے تھے' جنھوں نے محاصرہ کی تکلیفیں اور اذیتیں برداشت کرنا گوارا کیں' لیکن ان میں بھی کوئی قلعہ ایسا نہ تھا جس نے ایک ہفتہ سے زیادہ مقابلہ کیا ہو۔ [1]

چنانچہ حطین کی فتح کے بعد سلطان نے سب سے پہلے طبریہ کے قلعہ پر فوج کشی کی۔ یہاں کوئی روکنے والا موجود نہ تھا۔ صرف ریمنڈ کی بیوی اور اس کے بچے تھے۔ انہوں نے قلعہ حوالہ کر دیا اور سلطان نے ان کو مال و متاع لے کر نکل جانے کی اجازت دے دی۔ [2]

مختلف معرکے اور فتوحات

طبریہ کے قلعہ پر قبضہ کے بعد عکہ پر فوج کشی کی۔ عکہ فلسطین کی بڑی بندرگاہ اور بحر متوسط کی تجارت کی منڈی تھا۔ یہاں کی آبادی نے پہلے مقابلہ کا ارادہ کیا' لیکن ان کی بڑی تعداد نے اطاعت قبول کر لی اور جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ سلطان نے ان کو اجازت دے دی کہ اگر وہ چاہیں عکہ ہی میں رہیں اور چاہیں اپنا مال و متاع لے کر کسی دوسری جگہ چلے جائیں۔ وہ بہت خوفزدہ تھے۔ اس لیے انہوں نے شہر چھوڑ دیا اور جہاں تک ممکن تھا' اپنا مال و متاع بھی ساتھ لیتے گئے' لیکن عکہ بہت بڑی تجارتی منڈی تھی اور تجارتی مال کا یہاں بڑا ذخیرہ تھا۔ اس لیے بہت سا مال باقی رہ گیا جو مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ عکہ کی جامع مسجد کو صلیبیوں نے کنیسہ بنا لیا تھا۔ تقریباً ایک صدی بعد صلاح الدین نے پھر اس کو مسجد بنایا اور یہاں نماز جمعہ ادا کی۔ [3]

دوسری سمت سلطان کے بھائی الملک العادل نے مجدل، یافا' ناصرہ' قیساریہ' حیفا' صفوریہ' معلیا' شقیف' فولہ وغیرہ عکہ کے ملحقہ علاقوں اور قلعوں کو زیر نگین کر کے یافا کی بندرگاہ فتح کی۔

سلطان کے بھتیجے تقی الدین نے تبنین کا محاصرہ کیا۔ یہ بڑا سنگین شہر تھا اور اہل شہر نے مدافعت بھی پرزور کی۔ اس لیے تقی الدین اس کو فتح نہ کر سکا اور اس کے لیے اس کو سلطان کو بلانا پڑا' چنانچہ عکہ کو فتح کرنے کے بعد وہ تبنین پہنچا۔ اس کے آنے کے بعد اہل تبنین کی ہمت پست ہو گئی اور انہوں نے شہر

[1] صلاح الدین ص ۱۹۱۔   [2] ابن اثیر ج ۱۱' ص ۲۰۳' وصلاح الدین ص ۱۹۱۔

[3] ابن اثیر ج ۱۱' ص ۲۰۳۔

حوالہ کر دیا۔ تبنین کے بعد سلطان نے صیدا کا رخ کیا۔ اہل صیدا میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اس لیے انہوں نے سلطان کے پہنچنے سے پہلے ہی شہر چھوڑ دیا اور اس پر آسانی کے ساتھ قبضہ ہو گیا۔

صیدا کے بعد بیروت پر فوج کشی کی۔ وہ فلسطین کا بڑا وسیع' خوبصورت اور سنگین و مستحکم شہر تھا۔ اہل شہر نے بڑی پامردی اور شجاعت کے ساتھ مقابلہ کیا' لیکن عین جنگ کے دوران میں افواہ اڑ گئی کہ مسلمان ایک سمت سے شہر میں داخل ہو گئے ہیں۔ اس سے عام آبادی میں بڑی بدحواسی پھیل گئی۔ فوجی افسروں نے ہر چند انہیں سمجھانے اور مطمئن کرنے کی کوشش کی' لیکن عوام کے انبوہ پر کوئی اثر نہ ہوا اور انہیں مجبور ہو کر شہر حوالہ کر دینا پڑا۔

بیروت کے بعد ساحلی شہروں میں صور اور عسقلان دو بڑے شہر باقی رہ گئے تھے۔ صور میں ایک فرنگی سردار کونریڈ (مرکیش) نے بچے کھچے فرنگیوں کا مرکز قائم کر لیا تھا اور دوسرے شہروں سے نکلے ہوئے فرنگیوں کی بڑی تعداد یہاں جمع ہو گئی تھی۔ خود کونریڈ آزمودہ کار بہادر تھا' اس لیے صور پر قبضہ میں دشواری تھی۔ شام کی بندرگاہوں میں مصر سے سب سے زیادہ قریب عسقلان تھا۔ اس پر قبضہ سے مصر کا بحری راستہ کھل جاتا تھا۔ اس لیے بیروت کے بعد سلطان نے عسقلان کا رخ کیا یہ بھی بڑا مستحکم شہر تھا سلطان نے پہلے بادشاہ یروشلم گائی اور طبقہ دوایہ کے سردار کے ذریعہ جو اس کی قید میں تھے' کوشش کی کہ اگر عسقلان کے فرنگی شہر حوالہ کر دیں تو ان دونوں کو رہا کر دیا جائے گا' لیکن عسقلانیوں نے انکار کر دیا۔ ان کے انکار پر سلطان نے محاصرہ سخت کر دیا اور سنگ باری کے ذریعہ شہر پناہ کی دیوار توڑ دی' محاصرہ ایسا سنگین تھا' کہ باہر سے کوئی مدد نہ پہنچ سکتی تھی' اس لئے جتنی مدت گزرتی جاتی تھی' عسقلانیوں کی قوت مدافعت کمزور پڑتی جاتی تھی' گائی برابر ان کو اطاعت کی ترغیب دے رہا تھا' آخر میں جب انہوں نے دیکھا کہ فتح کی صورت میں زیادہ نقصان اٹھانا پڑے گا تو جان و مال کی امان لے کر شہر حوالہ کر دیا اور ان کی درخواست پر سلطان نے انہیں بیت المقدس چلے جانے کی اجازت دے دی' عسقلان پر قبضہ کے بعد رملہ' وارم' غزہ' مشہد ابراہیم' بیت لحم اور بیت جرائیل وغیرہ آس پاس کے تمام مقامات آسانی سے فتح ہو گئے۔ [1]

بیت المقدس کی فتح

عسقلان کی فتح کے بعد اصل منزل مقصود بیت المقدس کا راستہ صاف ہو گیا' لیکن یہ مرحلہ بہت دشوار تھا' فلسطین کے ان تمام شہروں سے جن پر سلطان کا قبضہ ہو گیا تھا مسیحی نکل کر بیت المقدس میں جمع

---

[1] یہ واقعات کتاب الروضتین جلد ۲ صفحہ ۸۷ تا ۹۱ ملخصاً و ابن اثیر جلد ۱۱ صفحہ ۲۰۴ تا ۲۰۶ سے ماخوذ ہیں۔

ہو گئے تھے' عسقلان کے شکست خوردہ مسیحیوں نے بھی یہیں پناہ لی تھی اور بیت المقدس میں ان کا بڑا اجتماع ہو گیا تھا' عورتوں اور بچوں کے علاوہ لڑنے والے مردوں کی تعداد ساٹھ ہزار سے اوپر تھی۔ [1]

ایک جنگ آزما فرنگی عبلین کا بالیان حطین کی شکست کے بعد سلطان کی اجازت سے اپنے بال بچوں کو جو بیت المقدس میں تھے' لینے کے لئے آیا تھا' یہاں کے بطریق نے اس کو اس کی مرضی کے خلاف مسلمانوں کے مقابلے کے لئے روک لیا تھا۔ [2] اور عسقلان پر مسلمانوں کے قبضہ کے بعد ہی بیت المقدس کے مسیحیوں نے ان کے مقابلہ کا نہایت مکمل انتظام کر لیا تھا' اس لیے سلطان نے بھی فوج کشی کے لئے خاص اہتمام کیا' شام کی فوجوں کے علاوہ یورپ کی بحری مدد کو روکنے کے لئے مصر سے بحری بیڑا منگایا اور رجب ۵۸۳ھ میں عسقلان سے بیت المقدس روانہ ہوا۔ [3] سلطان کے عزم جہاد کی خبر سن کر مصر و شام کے تمام بڑے بڑے علما بیت المقدس کی فتح میں شرکت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے پہنچ گئے تھے۔ [4] ۱۵ رجب ۵۸۳ھ کو مسلمان بیت المقدس پہنچے' بیت المقدس ان کے لئے بھی ویسا ہی معزز اور محترم تھا جیسا عیسائیوں کے لئے' اس لیے سلطان یہاں خونریزی پسند نہ کرتا تھا' چنانچہ اس نے بیت المقدس کے مسیحیوں کے پاس کہلا بھیجا کہ تمہاری طرح میں بھی بیت المقدس کو اللہ تعالیٰ کا گھر سمجھتا ہوں اور خونریزی سے اس کے تقدس کی توہین کرنا پسند نہیں کرتا اس لیے تم اس کو میرے حوالہ کر دو اس کے معاوضہ میں میں تم کو اتنا علاقہ دے دوں گا جتنا تم سنبھال سکو۔ علاقہ کے علاوہ نقد بھی دوں گا' انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ جس سرزمین میں مسیح نے جان دی اس کو ہم تمہارے حوالہ نہیں کر سکتے اور نہ تمہارے ہاتھ اس کو بیچ سکتے ہیں۔

لین پول کا بیان ہے کہ سلطان بیت المقدس کی پرامن حوالگی کے معاوضہ میں یہاں تک تیار ہو گیا کہ صلیبی بدستور یروشلم میں رہیں اور اس کو مضبوط و مستحکم کر لیں اور شہر کے گرد پانچ فرسخ تک زراعت کر کے فائدہ اٹھائیں' اور عید الخمیس تک وہ ان کے لئے سامان خورد و نوش مہیا کرے گا اور ان کے تمام اخراجات برداشت کرے گا' اس دوران میں اگر ان کو بیرونی مدد مل جائے تو یروشلم ان ہی کے قبضہ میں رہے گا اور اگر نہ مل سکے تو پھر حوالہ کر دینا ہوگا اور سلطان ان کو ان کے مال و متاع سمیت کسی مسیحی ملک میں پہنچا دے گا' لیکن انہوں نے اس سے انکار کر دیا۔ [5]

ان کے انکار پر سلطان کو بوجہ مجبوری تلوار نکالنا پڑی' دونوں فریق جذبہ مذہبی سے سرشار تھے'

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۱ صفحہ ۲۰۶۔
[2] صلاح الدین صفحہ ۱۹۷ و ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۰۶۔
[3] ابن اثیر جلد ۱۱ صفحہ ۲۰۶۔
[4] کتاب الروضتین جلد ۲ صفحہ ۹۲۔
[5] الحروب الصلیبیہ صفحہ ۱۵۲ بحوالہ مجاؤ۔

کئی دن تک نہایت پر زور مقابلہ ہوتا رہا' مسلمان شہر پناہ توڑنا چاہتے تھے لیکن اس کے اوپر سے تیر باری ہو رہی تھی' اور باہر بھی صلیبی مصروف پیکار تھے' اس لیے وہ شہر پناہ تک نہ پہنچ سکے' جب صلیبیوں کی قوت کچھ کمزور پڑی تو مسلمانوں نے ریلا کر کے ان کو اندر دھکیل دیا اور بڑھتے ہوئے فصیل تک پہنچ گئے' اور سنگباری کر کے اس کو توڑ دیا' صلیبیوں نے جب دیکھا کہ وہ شہر کو نہیں بچا سکتے اور تلوار کے زور سے مسلمانوں کے قبضہ کی صورت میں ان کی ہلاکت و بربادی یقینی ہے۔ اس وقت وہ جان و مال کی حفاظت کی شرط پر شہر حوالہ کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے' لیکن اب صلاح الدین نے انکار کر دیا اور کہلا بھیجا کہ میں تمہارے ساتھ وہی کروں گا جو ۴۹۲ھ میں بیت المقدس پر قبضہ کے وقت تم نے مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا' اس جواب پر بالیان نے خود اس کے پاس جا کر اسے راضی کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ بیت المقدس میں ہماری بہت بڑی تعداد ہے اور ہم نے اس امید پر درخواست کی تھی کہ دوسرے شہر والوں کی طرح ہماری درخواست بھی قبول ہو گی' لیکن جب ہم یہ دیکھیں گے کہ موت کے علاوہ ہمارے لئے کوئی چارہ کار نہیں ہے تو اپنی عورتوں اور بچوں کو قتل کر کے بیت المقدس میں جس قدر مال و متاع اور نقد و جنس ہے سب کو جلا ڈالیں گے اور تم لوگوں کو ایک قیدی اور ایک حبہ بھی نہ ملے گا اور صخرہ اور مسجد اقصیٰ وغیرہ تمہارے مقدس مقامات کو برباد کر کے ان تمام مسلمانوں کو جو ہمارے یہاں قید ہیں' قتل کر ڈالیں گے اور پھر تم سے سربکف جنگ کر کے یا عزت کی موت مریں گے یا کامیابی کی سرخروئی حاصل کریں گے۔

سلطان خود بیت المقدس کی بے حرمتی اور یہاں خونریزی پسند نہ کرتا تھا اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ اس کو فتح اور صلیبیوں کو مغلوب کرنے کے بعد ان پر احسان رکھ کر انہیں آزاد کرے لیکن جب اس نے دیکھا کہ جنگ کی صورت میں صلیبی بیت المقدس کو تباہ و برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں تو اس نے ان کی درخواست قبول کر لی اور یہ شرط قرار پائی کہ بیت المقدس کے تمام مسیحی فی مرد دس دینار' فی عورت پانچ دینار اور فی بچہ دو دینار فدیہ ادا کریں گے اور چالیس دن کے اندر جن کا فدیہ ادا نہ ہو گا' وہ غلام شمار کئے جائیں گے۔ اس قرارداد کے بعد جمعہ ۲۷ رجب ۵۸۳ھ بمطابق ستمبر ۱۱۸۷ء کو صلیبیوں نے بیت المقدس مسلمانوں کے حوالہ کر دیا اور اکیانوے سال کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کا یہ پاک گھر اس کے حقیقی پاسبانوں کے قبضہ میں آ گیا' یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ یہ تاریخ معراج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ [1] اور بیت المقدس کو معراج سے خاص نسبت ہے۔

---

[1] ابو شامہ اور ابن اثیر وغیرہ نے بیت المقدس کی فتح کی پوری تفصیل لکھی ہے' ہم نے صرف خلاصہ تحریر کیا ہے' تفصیل کے لئے دیکھو کتاب الروضتین جلد ۲ و ابن اثیر جلد ۱۱ صفحہ ۲۰۷۔

صلیبیوں نے ۴۹۲ھ میں بیت المقدس پر قبضہ کے وقت مسلمانوں پر جو وحشیانہ مظالم ڈھائے تھے اس کا حال اوپر گزر چکا ہے' اس کے مقابلہ میں مسلمانوں نے جس پرامن طریقے سے اس کو واپس لیا اور عیسائیوں کے ساتھ جس فیاضی کا سلوک کیا' اس کا حال خود یورپین مورخین سے سنئے۔ لین پول لکھتا ہے:

''صلاح الدین نے پہلے کبھی اپنے کو ایسا عالی ظرف اور باہمت نائٹ ثابت نہیں کیا تھا جیسا کہ اس موقع پر کیا' جب کہ یروشلم مسلمانوں کے حوالہ کیا جا رہا تھا' اس کی سپاہ اور معزز ذمہ دار افسروں نے جو اس کے ماتحت تھے' شہر کے گلی کوچوں میں انتظام قائم رکھا' یہ سپاہی ہر قسم کے ظلم و زیادتی کو روکتے تھے' اس کا نتیجہ تھا کہ ہرگز کوئی وقوعہ جس میں کسی عیسائی کو گزند پہنچا ہو پیش نہیں آیا' شہر سے باہر جانے کے لئے کل راستوں پر سلطان کا پہرہ تھا اور ایک نہایت معتبر امیر باب داؤد پر متعین تھا' تاکہ ہر شہر والے کو جو زرفدیہ ادا کر چکا ہو شہر سے باہر جانے دے۔ ❶

زرفدیہ کی ادائی بڑی احتیاط سے عمل میں آئی' ان غریب اور نادار صلیبیوں کی رہائی میں جو زرفدیہ ادا نہ کر سکتے تھے' مسلمان امرا نے بھی حصہ لیا' امیر مظفر الدین کوکبری نے رہا کے ایک ہزار ارمنی عیسائیوں کا فدیہ اپنی جیب سے ادا کر کے انہیں آزاد کرا دیا۔ ❷

چالیس روز تک آزاد شدہ عیسائیوں کی رہائی کا سلسلہ جاری رہا' یہاں تک کہ رعایت کا زمانہ ختم ہو گیا' اس پر بھی ہزارہا غریب اور مفلس عیسائی جنہیں بخیل اور کنجوس تاجروں اور مالدار عیسائی اداروں نے غلام بننے کے لئے چھوڑ دیا تھا' شہر میں رہ گئے' یروشلم کے تقدس مآب بطریق نے جو اخلاق اور ایمان دونوں سے عاری تھا' گرجاؤں کی دولت سمیٹی' سونے کے پیالے اور آب مطہر رکھنے کا سامان' حتیٰ کہ مہد مسیح پر جو طلائی ظروف رہتے تھے ان کو بھی اپنے قبضہ میں کیا اور اپنا ذاتی اندوختہ بھی محفوظ کر لیا۔ جمع کی ہوئی دولت اتنی تھی کہ اگر وہ چاہتا تو بہت سے غریب عیسائیوں کا زرفدیہ دے کر ان کو آزاد کرا لیتا۔ مسلمان امیروں نے سلطان سے کہا کہ اس بے ایمان اور نالائق پادری کو لوٹ کا اتنا مال لے جانے سے روکا جائے' اس نے جواب دیا کہ میں قول دے چکا ہوں' اس سے پھر نہیں سکتا غرض اور لوگوں کی طرح یہ بڑا پیر پادری کل دس ہزار اشرفیاں دے کر آزاد ہو گیا اور اس کو ایک مسلمان بادشاہ نے اس بات کا سبق دیا کہ خیر و خیرات کے کیا معنی ہیں ❸ ابن اثیر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نے اس پادری اور دوسرے رہا شدہ عیسائیوں کو اپنے آدمیوں کی حفاظت میں صور تک پہنچایا۔

❶ صلاح الدین صفحہ ۲۰۲۔ ❷ صلاح الدین ص ۲۰۲ و کتاب الروضتین جلد ۲ صفحہ ۹۵۔
❸ لین پول صفحہ ۲۰۲ اس واقعہ کو ابن اثیر نے بھی لکھا ہے جلد ۱۱ صفحہ ۲۰۸۔

غرض دولت مند عیسائیوں کی خود غرضی کی وجہ سے غریب عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد باقی رہ گئی۔ ان کی بے کسی دیکھ کر سلطان کے بھائی الملک العادل نے سلطان سے ایک ہزار عیسائیوں کو بطور غلام لے کر انہیں اپنی طرف سے آزاد کیا۔ [1]

اسے دیکھ کر سلطان نے کہا کہ عادل' بالیان اور بطریق نے اپنی اپنی طرف سے خیرات کی' اب میں اپنی طرف سے خیرات کرتا ہوں' اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ شہر میں عام منادی کر دیں کہ وہ تمام بوڑھے جو فدیہ ادا نہیں کر سکتے آزاد کیے جاتے ہیں' انہیں اختیار ہے وہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔ چنانچہ سورج نکلنے کے وقت سے لے کر سورج ڈوبنے تک برابر ان کی جماعتیں شہر سے نکلتی رہیں' یہ خیر خیرات تھی' جو سلطان صلاح الدین نے بے شمار مفلسوں اور غریبوں کے ساتھ کی۔ [2]

مردوں کے علاوہ بیت المقدس میں بہت سی معزز خواتین بھی تھیں' چنانچہ روم کی ایک ملکہ ہجرت کر کے بیت المقدس میں عبادت و ریاضت میں مشغول رہتی تھی اس کے پاس بڑی دولت تھی' اس نے صلاح الدین سے خواہش کی کہ اس کو بیت المقدس سے نکل جانے دیا جائے' سلطان نے اس کو مال و متاع سمیت چلے جانے کی اجازت دے دی' یروشلم کے فرمانروا گائی کی بیوی نے اپنے شوہر کے پاس جو نابلس میں قید تھا' جانے کی خواہش کی' سلطان نے اسے گائی کے پاس بھجوا دیا' مقتول ریجی نالڈ والی کرک کی بیوی کی خواہش پر اس کے لڑکے ہمفری کو' جو دمشق میں قید تھا' بلا کر دکھایا اور وعدہ کیا کہ کرک کے قلعہ پر قبضہ کے بعد لڑکے کو رہا کر دیا جائے گا۔ [3]

صلیبی جنگ کے ایک مجاہد ارنول کا جوان واقعات کا عینی شاہد ہے' بیان ہے کہ صلاح الدین نے صلیبی جنگ کے مقتول اور قیدی نائٹوں کی بیویوں کے ساتھ بڑا شریفانہ سلوک کیا' جب وہ سلطان سے اپنی حالت زار بیان کر کے رحم کی طالب ہوئیں تو سلطان آبدیدہ ہو گیا اور ان میں سے جن کے شوہر زندہ اور قید تھے ان کو رہا کر دیا گیا اور جن کے شوہر قتل ہو چکے تھے ان کے رتبے کے مطابق ان کو روپیہ دے کر ان کی تشفی اور دلدہی کی' وہ اس کے احسان سے اتنی متاثر ہوئیں کہ اس کی فیاضی کا ممنونیت کے ساتھ ذکر کیا کرتی تھیں' غرض اس طرح سلطان نے اس مفتوح شہر پر احسان کیا۔

ان واقعات کو نقل کرنے کے بعد لین پول لکھتا ہے کہ جب ہم سلطان کے ان احسانات پر غور کرتے ہیں تو وہ وحشیانہ حرکتیں یاد آتی ہیں جو صلیبیوں نے فتح بیت المقدس کے وقت کی تھیں۔ جب گاڈفرے اور تنکرڈ یروشلم کے بازار سے گزرے تو وہاں مسلمانوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں اور جان

---

[1] لین پول صفحہ ۲۱۳' ابوشامہ نے بھی اس واقعہ کو لکھا ہے۔ لیکن تعداد نہیں لکھی ہے کتاب مذکور جلد ۲ صفحہ ۹۵۔

[2] صلاح الدین صفحہ ۲۰۳ بحوالہ ارنول۔ [3] کتاب الروضتین جلد ۲ صفحہ ۹۶۔

بلب زخمی لوٹتے تھے' جب کہ صلیبیوں نے بے گناہ اور لاچار مسلمانوں کو سخت اذیتیں دے کر مارا تھا اور زندہ آدمیوں کو جلا دیا تھا' اور جب قدس کی چھتوں پر مسلمان پناہ لینے چڑھے تھے' تو صلیبیوں نے انہیں وہیں تیروں سے چھید کر گرا دیا تھا' اور جہاں ان کے اسی قتل عام نے مسیحی دنیا کی عزت کو بٹہ لگایا تھا اور اس مقدس شہر کو انہوں نے ظلم و بدنامی کے رنگ میں رنگا تھا جہاں رحم و محبت کا وعظ مسیح علیہ السلام نے سنایا تھا اور فرمایا تھا کہ خیر و برکت والے ہیں وہ لوگ جو رحم کرتے ہیں' ان پر اللہ تعالیٰ کی برکتیں نازل ہوتی ہیں' جس وقت یہ عیسائی اس پاک اور مقدس شہر کو مسلمانوں کا خون کر کے مذبح بنا رہے تھے اس وقت وہ اس کلام کو بھول گئے تھے اور یہ ان بے رحم عیسائیوں کی خوش قسمتی تھی کہ سلطان صلاح الدین کے ہاتھوں ان پر رحم ہو رہا تھا' اگر صلاح الدین کے کارناموں میں سے صرف یہی کام دنیا کو معلوم ہوتا کہ اس نے کس طرح یروشلم کو بازیافت کیا تو صرف یہی ایک کارنامہ اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کافی تھا کہ وہ نہ صرف اپنے زمانے کا بلکہ تمام زمانوں کا سب سے بڑا عالی حوصلہ انسان اور جلالت و شہامت میں یکتا اور بے مثل تھا۔ [1]

عیسائیوں نے ایک صدی کے اندر بیت المقدس کی ہیئت بالکل بدل دی تھی بہت سے نئے گرجے تعمیر کر لیے تھے' مسجد اقصیٰ کی شکل بالکل بگاڑ دی تھی' اس کی دیواروں پر پیغمبروں اور اولیاء اللہ کی تصویریں بنا دی تھیں' ان کے مجسمے نصب کر دیئے تھے' مسجد اقصیٰ کے متصل سکونتی مکانات تعمیر کر لیے گئے تھے' الصخرہ شریف کو سنگ مرمر کی سلوں سے چھپا دیا تھا' سلطان نے عیسائیوں کے اضافوں کو مٹا کر ان کو ان کی اصلی شکل میں کیا اور مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ کو شرک کی نجاستوں سے پاک کر کے انہیں اللہ تعالیٰ کا گھر بنایا' ان کے لئے امام اور قاری مقرر کیے' ۴ شعبان ۵۸۳ھ کو اکانوے سال کے بعد مسجد اقصیٰ میں پہلی مرتبہ جمعہ کی نماز پڑھی گئی' سلطان نور الدین نے اپنے زمانہ میں ایک نہایت خوبصورت منبر بنایا تھا کہ بیت المقدس کے فتح کرنے کے بعد اس کو مسجد اقصیٰ میں نصب کرے گا' یہ منبر صناعی کا بہترین نمونہ تھا' نور الدین کی یہ آرزو صلاح الدین کے ہاتھوں پوری ہوئی اور اس منبر کو حلب سے منگوا کر مسجد اقصیٰ میں نصب کیا۔ [2] بیت المقدس کی تطہیر کے ساتھ سلطان نے یہاں مدرسے' رباطیں تعمیر کیں اور زر فدیہ سے جس قدر رقم وصول ہوئی تھی کل علما و امرا اور دوسرے مستحقین میں تقسیم کر دی اپنے پاس ایک حبہ نہ رکھا۔

---

[1] صلاح الدین صفحہ ۲۰۴' ۲۰۵ بحوالہ ارنول۔

[2] یہ حالات کتاب الروضتین کے مختلف صفحات اور ابن اثیر جلد ۱۲ صفحہ ۲۹ سے ماخوذ ہیں۔

صور پر فوج کشی اور ناکامی
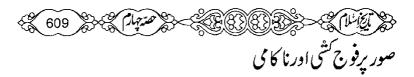
بیت المقدس پر قبضہ کے بعد فلسطین کی فرنگی حکومت ختم ہو گئی۔ لیکن صور کی اہم بندرگاہ ان کے قبضہ میں باقی رہ گئی تھی، جس کو کونریڈ نے فلسطین کے عیسائیوں کا مرکز بنا دیا تھا' اور وہاں کے مختلف شہروں کے بہت سے صلیبی جمع ہو گئے تھے' اس لیے بیت المقدس کے انتظامات سے فراغت کے بعد رمضان ۵۸۳ھ میں سلطان نے صور پر بری اور بحری دو سمتوں سے فوج کشی کی' کونریڈ نے اس کو نہایت مستحکم کر لیا تھا' اس کے گرد نئی شہر پناہ تعمیر کر کے اس کے چاروں طرف وسیع خندق کھود کر اس کو سمندر سے ملا دیا تھا' اور صور ایک جزیرہ بن گیا تھا' جس کے ہر طرف جنگی جہاز متعین تھے' اس لیے خشکی کی سمت سے مسلمانوں کا حملہ کامیاب نہ ہوا اور ان کو صلیبیوں کی تیر باری سے بڑا نقصان پہنچا' لیکن بحری سمت ان کی قوت زیادہ تھی اور دس جنگی جہاز مصروف پیکار تھے' ایک دن اتفاق سے صبح ہوتے ہوئے مسلمان غافل ہو گئے' صلیبیوں نے موقع پا کر پانچ جہاز گرفتار کر لیے' باقی پانچ جہاز مقابلہ بیکار سمجھ کر بیروت روانہ ہو گئے' صلیبی جہازوں نے ان کا تعاقب کیا' اسلامی جہاز بھاگ نہ سکے اور کچھ دور جا کر شام ہی کے ساحل پر لنگر انداز ہو گئے' صلیبیوں کے قبضہ سے ان کا بچانا دشوار تھا' اس لیے سلطان نے ان کو برباد کرا دیا۔ اس کے بعد خشکی کی فوج نے آخری مرتبہ پھر زور لگایا' لیکن کامیابی نہ ہوئی' مسلمان لڑتے لڑتے تھک چکے تھے اس لئے سلطان مجبور ہو کر شوال ۵۸۳ھ میں محاصرہ اٹھا کر عکہ لوٹ گیا اور تھکی ہوئی فوجوں کو آرام کے لئے ان کے وطن جانے کی اجازت دے دی۔ [1]

اس مہم کو ناتمام چھوڑ دینے کا نتیجہ آگے چل کر برا ثابت ہوا' جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

مختلف فتوحات اور دمشق کی واپسی

عکہ واپس آنے کے بعد سلطان نے حصن کوکب پر فوج کشی کی لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی' اس کے پاس فوج بہت کم رہ گئی تھی' اور صلیبیوں کا استیصال باقی تھا' خود فلسطین میں ان کے متعدد قلعے موجود تھے' اس لیے سلطان ۵۸۳ھ میں دمشق لوٹ گیا اور اپنے تمام ماتحت امرا اور حکمرانوں کو اپنی اپنی فوجیں لے کر آنے کا حکم دیا اور شام کی فوجوں کو جمع کر کے ربیع الاول ۵۸۴ھ میں دمشق سے روانہ ہوا' حمص میں موصل اور دیار جزیرہ وغیرہ کے امرا آ کر مل گئے' اور جمادی الثانی سنہ مذکورہ میں سلطان نے بوہیمنڈ فرمانروائے طرابلس کے علاقہ پر فوج کشی کی' اس کا رخ دیکھ کر انطرطوس کے باشندوں نے شہر چھوڑ دیا

[1] ابن اثیر جلد ۱۱ صفحہ ۲۱۰' ۲۱۱۔

اور سلطان نے انطر طوس کے علاقہ کو ویران کر ڈالا' پھر جبلہ کے قاضی منصور بن شمل کی دعوت پر جبلہ پر فوج کشی کی' اہل جبلہ پر قاضی منصور کا بڑا اثر تھا انھوں نے شہر پر قبضہ کرا دیا اس کے بعد لاذقیہ کا رخ کیا۔ یہاں کے باشندوں نے بھی قاضی منصور کے ذریعہ امان لے کر شہر حوالہ کر دیا' لاذقیہ بڑا خوبصورت شہر تھا' کل عمارتیں سنگ مرمر کی تھیں اس جنگ میں اس کو بڑا انقصان پہنچا' سلطان کے بھتیجے نے اس کی مرمت کرا کے دوبارہ آباد اور قلعہ کو از سر نو مستحکم کیا۔ لاذقیہ کے بعد سلطان نے صیہون' بلاطنوس' عبد' جماہرتین' بکاس' شعر' سرمینیہ اور ہرزمینیہ وغیرہ کے قلعوں پر آسانی کے ساتھ قبضہ کر لیا۔

فلسطین کی حکومت کے خاتمہ کے بعد شام کی مسیحی حکومتوں میں سب سے زیادہ طاقتور انطاکیہ کی حکومت تھی' اس لیے مذکورہ بالا قلعوں کی تسخیر کے بعد سلطان نے انطاکیہ کا ارادہ کیا اس کا فرمانروا بوہیمنڈ سلطان کی قوت سے پوری طرح واقف تھا' اس نے صلح کر لی اور سلطان رمضان ۵۸۴ھ میں دمشق واپس گیا۔

واپسی کے بعد بعض مشیروں نے رائے دی کہ اب فی الحال جنگ کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی' فوجوں کو آرام دینے کے لئے واپس کر دیا جائے' سلطان نے جواب دیا کہ عمر تھوڑی ہے' موت کا کھٹکا ہر وقت لگا ہوا ہے اور ابھی اسلامی آبادیوں کے درمیان کوکب' صفد اور کرک کے فرنگی قلعے باقی ہیں' اگر ان کی جانب سے غفلت برتی گئی تو آئندہ ایک بڑے فتنہ کا دروازہ کھل جائے گا اور دمشق میں چند دن قیام کے بعد آخر رمضان ۵۸۴ھ میں پھر جہاد کے لئے نکل کھڑا ہوا اور خود کوکب پر اور الملک العادل نے کرک پر فوج کشی کر کے دونوں کو فتح کیا' کوکب کے بعد سلطان نے شقیف ارنوم پر فوج کشی کر دی۔

جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا' اس زمانہ میں مسیحی دنیا ایک نئی صلیبی جنگ کی تیاری میں مشغول تھی کانرڈ نے صور میں بڑے انتظامات کیے تھے' شقیف ارنوم کا فرمانروا پرنس ارناط بڑا چالاک تھا' اس نے کانرڈ کی تیاریوں کی تکمیل تک مسلمانوں کو ٹالنے کی کوشش کی اور سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی دوستی اور وفاداری کا یقین دلایا اور کہا میں قلعہ حوالہ کرنے کے لیے بالکل تیار ہوں لیکن میرے اہل و عیال صور میں ہیں اگر کانرڈ کو خبر ہوگئی تو وہ ان کو تکلیف پہنچائے گا' اس لئے اتنی مہلت ملنی چاہیے کہ وہ صور سے واپس آ جائیں' سلطان گو اس زمانہ میں صلیبیوں کی تیاریوں کی خبر سے متردد تھا لیکن پاس مروت سے انکار نہ کیا اور ارناط کی درخواست منظور کر لی اس درمیان میں ارناط خود بھی خفیہ تیاری کرتا رہا' چند دنوں کے بعد جب سلطان اور بوہیمنڈ کی صلح کی مدت ختم کے قریب آ گئی تو سلطان نے ارناط کو بلا کر اس سے کہا کہ اب بالکل موقع نہیں ہے قلعہ حوالہ کر دو۔ اس نے پھر وہی عذر کیا اس وقت سلطان کو اس کی بد دیانتی کا یقین ہوا اور اس نے اس کو گرفتار کر کے دمشق بھجوا دیا اور شقیف ارنوم کا محاصرہ کر لیا' ابھی یہ

محاصرہ جاری تھا کہ تیسری صلیبی جنگ شروع ہوگئی۔ [1]

تیسری صلیبی جنگ کی تیاری

اس کی تفصیل یہ ہے کہ بیت المقدس پر مسلمانوں کے قبضہ نے ساری عیسائی دنیا کو ماتم کدہ بنا دیا تھا' بقول لین پول جب یروشلم کی حکومت کے زوال کی خبر یورپ پہنچی تو کوئی شاہی دربار' کوئی لشکر گاہ' کوئی قریہ اور کوئی قصبہ ایسا نہ تھا جہاں سے ایک عالمگیر صدائے طیش والم نہ اٹھی ہو۔ [2] عیسائیوں نے اپنے ملک کی تمام مصیبتیں یروشلم پر رونے کے لئے فراموش کر دیں اور سارے ذاتی غم اس غم کے سامنے بھول گئے۔ [3]

شام کا اسقف اعظم ولیم صوری قسیسوں اور راہبوں کی جماعت لے کر ماتمی لباس میں روم پہنچا' اور پاپائے روما کی مدد سے یورپ کا دورہ کر کے اپنی پر جوش تقریروں سے مسلمانوں کے خلاف آگ لگا دی' پادری شہر بہ شہر ایسی تصویریں دکھاتے پھرتے تھے جن میں دکھایا گیا تھا کہ نعوذ باللہ مسلمان حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر کو گھوڑوں سے روندر ہے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے آپ کو زمین پر گرا دیا ہے اور بعض تصویروں میں حضرت مسیح علیہ السلام کو مارتے ہوئے اور آپ کے بدن سے خون جاری دکھایا گیا تھا۔ [4]

پاپائے روما نے فتویٰ دے دیا تھا کہ جو شخص اس مقدس جنگ میں شریک ہوگا اس کے سارے گناہ دھل جائیں گے' انگلستان میں کنٹربری کے بالڈون نے صلیبی جنگ کا وعظ کیا اس کی کوششوں سے فرانس اور انگلستان کے بادشاہوں نے مسلمانوں کے لئے اپنی ذاتی رنجشیں بھلا دیں اور ہنری دوم بادشاہ انگلستان' فلپ آگسٹس بادشاہ فرانس اور فریڈرک بار بروسہ بادشاہ جرمنی' ولیم بادشاہ صقلیہ' ان کے علاوہ یورپ کے اور بہت سے امرا اور نائٹس مسلمانوں کے مقابلہ کیلئے تیار ہو گئے۔ اسی دوران میں ہنری دوم کا انتقال ہو گیا اور اس کا لڑکا رچرڈ جانشین ہوا۔ اس نے باپ سے زیادہ جوش وخروش دکھایا اور تیسری صلیبی جنگ کا ہیرو بن گیا' جنگ کے مصارف کے لئے انگلستان وفرانس وغیرہ میں عشر صلاح الدین کے نام سے ایک عام ٹیکس جاری کیا گیا جس سے کوئی شخص مستثنیٰ نہ تھا۔ پادریوں نے فتویٰ دے دیا کہ جو شخص اس کار خیر میں شریک نہ ہوگا' وہ مسیحیت سے خارج ہو جائے گا۔ یہودیوں تک سے یہ ٹیکس بڑی سختی کے ساتھ وصول کیا گیا۔ رچرڈ نے مصارف جنگ کے لئے اپنی جاگیر بیچ دی اور بڑے بڑے عہدوں کو فروخت کرتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اگر کوئی خریدار ہو تو میں لندن تک بیچنے کو تیار ہوں۔ [5]

---

[1] یہ حالات ابوشامہ' ابن اثیر اور لین پول سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔ [2] صلاح الدین ص ۲۱۹۔ [3] مجاہد

[4] ابن اثیر جلد ۱۱ صفحہ ۱۳ و مجاہد اول صفحہ ۳۳۵۔ [5] مجاہد اول صفحہ ۲۴۲ و صلاح الدین صفحہ ۲۲۰۔

جو لوگ خود کسی معذوری کی بنا پر شریک نہ ہو سکتے تھے انہوں نے اپنے خرچ اور اپنی جانب سے آدمی بھیجے یا اس کے عوض نقد روپیہ اور عورتوں نے اپنی اولادوں کو نذر کیا۔ [1]

ان تیاریوں کے بعد سب سے پہلے فریڈرک بار بروسہ بادشاہ جرمنی ۱۱۸۹ء میں ایک لاکھ فوج کے ساتھ ارض شام کی طرف روانہ ہوا۔ ہنگری بلغاریہ کے راستے سے قسطنطنیہ اور ایشیائے کوچک ہوتا ہوا شام کی طرف بڑھا' لیکن دریائے سالس کو عبور کرتے ہوئے ڈوب گیا۔ اس کی موت کے بعد اس کے لڑکے فریڈرک ثانی نے جو باپ کے ساتھ تھا' فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لی' لیکن فریڈرک کی موت سے فوج میں اختلاف پیدا ہو گیا اور اس کا ایک حصہ لوٹ گیا۔ باقی لشکر فریڈرک کے ساتھ ارض شام میں داخل ہوا۔ یہاں فوج میں دبا پھوٹ پڑی اور ہزاروں آدمی لقمہ اجل بن گئے' سامان رسد کی قلت نے علیحدہ ان کی حالت ابتر کر دی اور جب وہ حلب کے قریب پہنچے تو مسلمانوں نے ان کی بڑی تعداد گرفتار کر لی اور ان کی بہت تھوڑی تعداد عکہ پہنچ سکی۔ [2] رچرڈ اور فلپ ایک سال کے بعد ۱۱۹۰ء میں روانہ ہوئے اور عکہ کے محاصرہ میں شرکت کی۔ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

اس دوران میں شام کے صلیبیوں نے پوری تیاریاں کر لی تھیں۔ صور میں ان کا بڑا اجتماع تھا اور کانرڈ نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے نہایت وسیع انتظامات کیے تھے۔ عسقلان کی فتح کے بعد سلطان نے بیت المقدس کے فرمانروا گائی کو یہ عہد لے کر رہا کر دیا تھا کہ آئندہ وہ اس کے خلاف تلوار نہ اٹھائے گا' لیکن رہائی کے بعد پادریوں نے اس کو قسم سے بری قرار دے دیا اور وہ اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کو دوبارہ حاصل کرنے کی فکر میں لگ گیا' بہت سے صلیبی مجاہدین اس کے ساتھ ہو گئے وہ انہیں لے کر صور پہنچا لیکن کانرڈ نے اس سے کہا کہ صور کی حفاظت اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کے سپرد ہوئی ہے اس لیے گائی نے شہر کے باہر فوجیں اتار دیں۔ [3] لیکن مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے دونوں متحد ہو گئے' مسلمان قریب ہی شقیف ارنوم میں تھے' دونوں میں کئی معرکے ہوئے۔ ابن اثیر اور ابو شامہ نے اس کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ [4]

عکہ پر صلیبیوں کی یورش اور سلطان صلاح الدین اور عیسائی دنیا کا متحدہ مقابلہ

فلسطین کی بندرگاہ میں عکہ کی بندرگاہ نہایت اہم تھی۔ اس کے تین سمت پہاڑیاں اور ایک

[1] ابن اثیر جلد ۱۱ صفحہ ۱۳۰۔ [2] ابن اثیر جلد ۱۲ صفحہ ۲۰ و صلاح الدین صفحہ ۱۵۱۔

[3] صلاح الدین صفحہ ۲۲۰۔ [4] کتاب الروضتین جلد ۲ صفحہ ۱۴۰' ۱۴۱ اور ابن اثیر جلد ۱۱ صفحہ ۲۱۔

جانب سمندر تھا۔ شام اور یورپ کے درمیان تجارتی درآمد برآمد اسی بندرگاہ سے ہوتی تھی اور بیت المقدس کے فرنگی زائرین اور یورپ کے صلیبی مجاہدین بھی اسی بندرگاہ پر اترتے تھے۔ یورپ میں تیسری صلیبی جنگ کی منادی ہو چکی تھی اور وہاں کے مجاہدین روانہ ہو چکے تھے۔ اس لیے عکہ پر صلیبیوں کا قبضہ کرنا ضروری تھا' چنانچہ ۵۸۵ھ مطابق ۱۱۸۹ء میں گائی اور کانرڈ نے بری سمت سے عکہ پر متحدہ حملہ کر دیا۔ بحری سمت سے سسلی کا بحری بیڑا حملہ آور ہوا اور عکہ بحری اور بری دونوں سمتوں سے گھر گیا۔ سلطان اس وقت شقیف ارنوم میں تھا۔ صلیبیوں کے حملہ کی خبر سن کر فوراً عکہ پہنچا اور دشمنوں کے گرد فوجوں کا حصار قائم کر دیا۔ صلیبی لڑائیوں کی تاریخ میں عکہ کا معرکہ سب سے زیادہ طویل' سب سے زیادہ خونریز اور سب سے زیادہ اہم ہے۔ مورخین نے اس کی بڑی تفصیل لکھی ہے۔ اس معرکہ میں ساری عیسائی دنیا مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے امنڈ آئی تھی۔ فرانس' جرمنی' انگلستان' اٹلی اور سسلی کے فرمانروا' یورپ کے بڑے بڑے نامور امرا اور نبرد آزما اپنی پوری جنگی قوت کے ساتھ آئے تھے۔ رچرڈ بادشاہ انگلستان' فلپ آگسٹس بادشاہ فرانس' فریڈرک ثانی بادشاہ جرمنی' ڈیوک سوابیا کنٹربری کا رئیس الاساقفہ بالڈون سالبسری کا اسقف اعظم' ہیوبرٹ والٹر' کاؤنٹ ہنری اور یورپ کے سینکڑوں نامور سورما' جن میں سے اکثروں کے نام مچاڈ اور لین پول نے لکھے ہیں' اس جنگ میں شریک ہوئے۔ صلیبی جنگ کی پوری تاریخ میں بیک وقت اتنے فرمانرواؤں نے کسی جنگ میں حصہ نہ لیا تھا۔ کامل تین سال یہ جنگ جاری رہی اور اس مدت میں مچاڈ کے قول کے مطابق سو سے زیادہ لڑائیاں اور نو بڑے معرکے ہوئے۔ [1]

سلطان صلاح الدین کامل تین سال تک بڑی شجاعت کے ساتھ یورپ کی متحدہ حکومتوں کا مقابلہ کرتا رہا اور ان کو عکہ کی فصیل تک نہ پہنچنے دیا' لیکن یورپ سے بری اور بحری فوجوں کی آمد کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ آخر میں ان کے جنگی جہازوں نے بحری سمت سے عکہ کا راستہ روک دیا اور خشکی کی سمت بھی بڑی چوڑی خندقیں کھود کر اس کے گرد دمدمے بنا کر اس طرح حصار قائم کیا کہ سلطانی فوجوں کا تعلق عکہ سے منقطع اور عکہ کے محصور مسلمانوں کو مدد پہنچانا بالکل ناممکن ہو گیا۔ اس حالت میں بھی امیر سیف الدین علی بن احمد المعروف بہ مشطوب نے جو شہر کے اندر تھا' بڑی پامردی سے مدافعت کی اور صلیبیوں کو فصیل تک نہ پہنچنے دیا' لیکن فرانس اور انگلستان کی فوجوں کی مسلسل سنگ باری اور آتش زنی سے فصیل کی دیواریں ٹوٹ گئیں اور صلیبیوں کے حملوں کو روکنا بالکل ناممکن ہو گیا۔ صلاح الدین کے

---

[1] مچاڈ ج اول ص ۴۸۱۔

پاس فوج اور سامان کی کمی نہ تھی۔ وہ مدد پہنچانے کے لیے بے چین تھا اور برابر محصور مسلمانوں کی ہمت بندھاتا رہا' لیکن صلیبیوں کا حصار ایسا سنگین تھا کہ سامان رسد تک نہ پہنچ سکتا تھا۔ اس لیے امیر مشطوب وغیرہ کی ہمت چھوٹ گئی اور انہوں نے شہر حوالہ کرنے کے لیے شرائط صلح پر گفتگو شروع کر دی۔ صلاح الدین اور رچرڈ کے درمیان بھی نامہ و پیام ہوا' لیکن اس کے شرائط ایسے تھے کہ مفاہمت نہ ہو سکی لیکن محصور مسلمان امرا کی ہمت جواب دے چکی تھی۔ انہوں نے ایک ایک کر کے عکہ چھوڑنا شروع کر دیا۔ سلطان کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے مسلمانوں کو بچانے کی پھر ایک مرتبہ آخری کوشش کی اور ان کے پاس کہلا بھیجا کہ وہ رات کو نکلنے کی کوشش کریں۔ جس سمت سے نکلیں گے اس سمت فوجیں موجود رہیں گی۔ ان کی مدد سے وہ لڑتے ہوئے نکل جائیں' لیکن صورت حال ایسی پیش آ گئی کہ مقررہ شب کو صبح کے قریب تک وہ نہ نکل سکے اور صلیبیوں کو ان کے ارادہ کی خبر ہو گئی۔ اس لیے دوسرے دن صبح کو انہوں نے پوری قوت سے ہجوم کر دیا۔ امیر مشطوب نے جب دیکھا کہ بچنے کی کوئی صورت باقی نہیں ہے تو اس نے حسب ذیل شرائط پر جمادی الثانی ۵۸۷ھ کو شہر حوالہ کر دیا۔ ① مسلمانوں کو ان کے مال و متاع سمیت نکل جانے دیا جائے گا۔ ② وہ دو لاکھ اشرفیاں صلیبیوں کو اور ۱۴ ہزار کانرڈ والی صور کو تاوان دیں گے۔ ③ صلیب اعظم کو مسلمان واپس کر دیں گے۔ ④ پانچ سو ممتاز صلیبی قیدیوں کو رہا کر دیں گے۔

ان شرائط کے ایفا کے لیے دو مہینے کی مدت مقرر ہوئی' لیکن عکہ پر قابض ہو جانے کے بعد صلیبیوں نے پہلی شرط کا کوئی لحاظ نہ کیا اور صلاح الدین سے مطالبہ کیا کہ جب وہ تمام شرطیں پوری کر دے گا' اس وقت مسلمانوں کو نکلنے دیا جائے گا۔ سلطان کو ان کی بدعہدی کا بارہا تجربہ ہو چکا تھا اس لیے اس پر آمادہ نہ ہوا اور کہلا بھیجا کہ ہم بالاقساط شرطیں پوری کریں گے۔ جتنا حصہ پورا ہوتا جائے اسی تناسب سے تم بھی مسلمانوں کو نکلنے دو۔ باقی کی تکمیل کے لیے ہم اپنے آدمی تم کو ضمانت میں دیں گے۔ صلیبی مصر رہے کہ جب تک پوری رقم ایک ساتھ ادا نہ ہو گی اس وقت تک وہ کسی کو رہا نہ کریں گے۔ صلاح الدین نے طبقہ داویہ کو ذمہ دار بنانا چاہا' لیکن صلیبیوں کی بدعہدی کی وجہ سے وہ بھی آمادہ نہ ہوا۔ اس لیے صلاح الدین بھی خاموش ہو گیا اور رچرڈ نے ان تمام مسلمانوں کو جن کے پاس روپیہ نہ تھا' قتل کر دیا۔ [1]

عکہ پر قبضہ کے بعد صلیبی مجاہدین نے رچرڈ کی قیادت میں عسقلان کا رخ کیا۔ سلطان بھی ذرا

[1] یہ حالات ابوشامہ' ابن اثیر اور صلاح الدین سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔ ان مورخین نے اس کی بڑی طویل تفصیلات لکھی ہیں۔ ہم نے بہت مختصر خلاصہ نقل کیا ہے۔

ہٹ کر ان کے ساتھ ہو گیا۔ راستہ میں ایک دو مقاموں پر معمولی جھڑپ بھی ہوئی۔ صحرائے ارسوف پہنچ کر دونوں کا پورا مقابلہ ہوا۔ اس میں مسلمانوں کو بڑی فاش شکست ہوئی۔ بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔ ایک نامور بہادر ایاز کام آیا۔ سلطان رملہ چلا گیا اور صلیبیوں نے یافا پر جسے مسلمانوں نے خالی کر دیا تھا' قبضہ کر لیا۔

عسقلان فلسطین کی نہایت اہم بندرگاہ تھی۔ سلطان اس وقت اس کی حفاظت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے مجبور ہو کر اسے اپنے ہاتھوں سے برباد کرنا پڑا۔ صلیبیوں کو اس کی بربادی کا بڑا صدمہ ہوا۔ ارسوف کی جنگ کے بعد بعض چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوئیں' لیکن کوئی اہم معرکہ نہیں ہوا۔

ان لڑائیوں میں صلیبیوں کو جس قدر جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا اس کے مقابلہ میں چند شہروں کے علاوہ انہیں کچھ حاصل نہ ہوا۔ اصل مقصود یعنی بیت المقدس کی واپسی آسان نہ تھی۔ ایک عکہ پر قبضہ کرنے میں سارے یورپ کی متحدہ قوتوں کو تین سال لگ گئے۔ ایسی حالت میں بیت المقدس پر قبضہ کا خیال خواب سے زیادہ نہ تھا۔ یورپ کے فرمانرواؤں کو اپنا ملک چھوڑے ہوئے کئی سال ہو گئے تھے اور وہ شام میں زیادہ قیام نہیں کر سکتے تھے۔ [1] اس کے علاوہ عکہ کے معرکے کے بعد رچرڈ اور کانرڈ میں اختلاف شروع ہو گیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ فلسطین کی حکومت کے خاتمہ کے بعد شام کے صلیبیوں کی قیادت کانرڈ کے ہاتھوں میں آ گئی تھی لیکن رچرڈ کے پہنچنے کے بعد اس کی جانب منتقل ہو گئی۔ چنانچہ تیسری صلیبی جنگ کا ہیرو وہی تھا اور عکہ کے معرکہ کے بعد اس کا اثر و اقتدار بہت بڑھ گیا تھا۔ کانرڈ کو اندازہ ہوا کہ رچرڈ اس کے ساتھ فریب کرنا چاہتا ہے اس لیے وہ اس کا ساتھ چھوڑ کر صور چلا گیا۔ [2] اور دونوں نے علیحدہ علیحدہ سلطان سے اپنا معاملہ طے کرنے کی کوشش کی۔ رچرڈ اور الملک العادل کے تعلقات بہت گہرے تھے۔ اس نے عادل کے ذریعہ سلطان کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ عادل اس کی بہن جین متوفی فرمانروائے صقلیہ کی بیوہ سے شادی کر لے اور یہ دونوں مل کر فلسطین پر حکومت کریں۔ سلطان صلیب مقدس حوالہ کر کے عیسائی قیدیوں کو رہا کر دے اور شام میں داویہ اور استباریہ کے سواروں کے قیام کا انتظام کر دے تو وہ انگلستان لوٹ جائے گا۔ [3]

ان شرائط کے بارہ میں لین پول اور ابوشامہ کے بیان میں تھوڑا سا فرق ہے۔ ابوشامہ کے بیان کے مطابق یہ شرط تھی کہ شادی کے بعد عادل فلسطین کے ساحلی علاقہ کا حکمران ہو گا اور جین قسیسوں اور راہبوں کے ساتھ بیت المقدس میں رہے گی اور سلطان داویہ اور استباریہ کے گزارہ کے لیے فلسطین کا کوئی

---

[1] صلاح الدین ص ۲۸۵۔ [2] ابن اثیر ج ۱۲' ص ۲۸۔

[3] صلاح الدین ص ۲۸۷۔

ایسا علاقہ دے دے گا، جس میں قلعہ نہ ہوگا۔ سلطان اور عادل دونوں نے اس تجویز کو پسند کیا، لیکن مسیحی راہبوں نے جین کو ملامت کر کے اس رشتہ سے انکار کرا دیا اور رچرڈ کو سلطان سے معذرت کرنا پڑی کہ جین عادل کے تبدیل مذہب کے بغیر شادی کے لیے آمادہ نہیں ہے۔ [1] لیکن لین پول لکھتا ہے کہ سلطان نے اس تجویز کو ایک نامعقول لطیفہ سے زیادہ وقعت نہ دی اور عام طور سے اس کا مذاق اڑایا گیا۔

دوسری طرف کانرڈ نے سلطان کو لکھا کہ اگر وہ صیدا اور بیروت کا علاقہ اس کو دے دے تو وہ صلیبیوں کو چھوڑ کر اس سے مل جائے گا اور عکہ پر اس کا قبضہ کرا دے گا۔ رچرڈ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے عادل سے اور زیادہ تعلقات بڑھائے اور اس کو دوست اور بھائی سے خطاب کرنے لگا اور کوشش کی کہ فلسطین کے بارہ میں مستقل سمجھوتہ ہو جائے۔ [2] چنانچہ سلطان کو لکھا کہ مسلمان اور مسیحی دونوں لڑتے لڑتے تباہ ہو چکے ہیں اور ملک ویران ہو گیا ہے اور معاملہ صرف بیت المقدس، فلسطین اور صلیب مقدس کا ہے۔ بیت المقدس ہماری عبادت گاہ ہے اور اس سے ہم کسی حال میں بھی دست بردار نہیں ہو سکتے، خواہ ہمارا ایک آدمی بھی زندہ نہ بچے۔ فلسطین میں ہم کو اردن تک کا علاقہ واپس ملنا چاہیے۔ صلیب اعظم تمہارے لیے محض ایک لکڑی کا ٹکڑا ہے، جس کی کوئی قیمت نہیں، لیکن ہمارے لیے وہ بہت بڑی چیز ہے۔ اس لیے اس بارہ میں سلطان کو ہمارے اوپر احسان کرنا چاہیے، تاکہ ہم دونوں کو مشقت و مصیبت سے نجات مل جائے۔ سلطان نے اس کے جواب میں لکھا کہ قدس ہمارے لیے بھی ویسا ہی مقدس و محترم ہے جیسا تمہارے لیے، بلکہ ہمارے لیے اور زیادہ محترم ہے۔ یہیں سے ہمارے نبی ﷺ کی معراج ہوئی تھی۔ اس کا تو تم تصور بھی دل میں نہ لاؤ کہ ہم کسی حالت میں بھی اس کو چھوڑ سکتے ہیں اور نہ اس کے متعلق مسلمانوں کے سامنے ایک لفظ بھی زبان سے نکال سکتے ہیں۔ رہ گیا ملک وہ بھی دراصل ہمارا ہے۔ مسلمانوں کی کمزوری کی وجہ سے تم نے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ صلیب کا توڑنا ہمارے نزدیک ایک بڑی دینی خدمت ہے۔ [3] اور ہم اس کے بارہ میں کوئی ایسا فیصلہ نہیں کر سکتے، جو اسلامی حکومت کے خلاف ہو۔ اس خط و کتابت کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور سلطان سردی کا موسم گزارنے کے لیے بیت المقدس چلا گیا اور اس فرصت میں اس نے اس کے استحکامات کی درستی اور مرمت شروع کر دی اور فصیل کے لیے خود پتھر ڈھو ڈھو کر لاتا تھا۔ اس کے امرا بھی اس کام میں لگ گئے اور چند مہینوں میں فصیل بن کر تیار ہو گئی۔ [4]

---

[1] کتاب الروضتین ج ۲، ص ۱۹۳۔ [2] صلاح الدین ص ۲۸۶۔

[3] کتاب الروضتین ج ۲، ص ۱۹۳، لین پول نے اس کے بجائے یہ فقرہ لکھا ہے کہ صلیب پر قبضہ رکھنا نہ رکھنا ہمارے مصالح پر موقوف ہے۔ ص ۲۸۶۔ [4] ابن اثیر ج ۱۲، ص ۳۲، ۳۳۔

بیت المقدس پر قبضہ کی آخری کوشش اور اس میں ناکامی

۵۸۸ھ میں سلطان کے نامور بھتیجے تقی الدین عمر والی جزیرہ کا انتقال ہو گیا۔ اس کے خود غرض امرا نے اس کے صغیر السن بچے کو اس کا جانشین بنا دیا۔ اس لیے سلطان نے اس بدنظمی کے انسداد کے لیے ملک العادل اور اس کے لڑکے افضل کو مع فوج کے جزیرہ بھیج دیا اور خود اس کے پاس بہت کم فوج رہ گئی۔ [1]

رچرڈ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے بیت المقدس پر فوج کشی کر دی۔ سلطان کو خبر ہوئی تو اس نے فوراً راستہ کے پانی کے تمام ذخیروں کو برباد کرا دیا۔ اس لیے رچرڈ بیت نوبہ پہنچ کر رک گیا اور آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ بیت نوبہ بیت المقدس کے قریب ہی تھا۔ جب دور سے اس پر رچرڈ کی نگاہ پڑی تو اس نے زرہ سے آنکھوں کو چھپا کر دعا کی کہ اے خداوند خدا!! اگر تیرے اس مقدس گھر کو دشمنوں سے چھڑانا میری قسمت میں نہیں ہے تو مجھ کو اسے نہ دیکھنے دے۔ [2]

بیت المقدس اور بیت نوبہ میں بہت کم فاصلہ تھا۔ سلطانی فوجیں دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس لیے دونوں میں معمولی لڑائیاں بھی ہوئیں۔ مسلمانوں نے بڑی احتیاط اور ہوشیاری سے مدافعت کی۔ اس درمیان میں ایوبی فوجیں جو جاڑا بسر کرنے کے لیے اپنے وطن چلی گئی تھیں' واپس آ گئیں۔ [3]

بیت المقدس سامنے نظر آتا تھا' لیکن پانی کے قحط کی وجہ سے صلیبیوں کو حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ فرانسیسیوں کی رائے تھی کہ ہم لوگوں نے اپنا وطن یروشلم کے لیے چھوڑا ہے' اس کو فتح کیے بغیر واپس نہ جائیں گے اور انگریزوں کا یہ عذر تھا کہ مسلمانوں نے پانی کے ذخیرے برباد کر دیئے ہیں' آگے پانی نہیں مل سکتا اس لیے بیت نوبہ سے واپس چلنا چاہیے۔ یہ اختلاف اتنا بڑھا کہ اس کا فیصلہ ایک مجلس حکم کے سپرد کر دینا پڑا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اس وقت بیت المقدس پر حملہ مناسب نہیں۔ اس کے بجائے مصر پر فوج کشی کرنی چاہیے۔ اس لیے جمادی الثانی ۵۸۸ھ میں صلیبی جس طرح آئے تھے' اسی طرح بے نیل و مرام واپس گئے۔ [4]

اس دوران میں انگلستان سے بڑی تشویش ناک خبریں آ گئیں۔ رچرڈ کے بھائی جون کے مظالم سے جسے وہ اپنا قائم مقام بنا آیا تھا' ملک بالکل تباہ اور حکومت کا نظام درہم برہم ہو رہا تھا۔ اس نے تاج و تخت پر بھی قبضہ کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ اس لیے رچرڈ کی واپسی ضروری ہو

---

[1] ابن اثیر ج ۱۲' ص ۳۲' ۳۳۔ [2] ابن اثیر ج ۱۲، ص ۳۳' وصلاح الدین ص ۲۹۵۔

[3] ابن اثیر ج ۱۲، ص ۳۳۔ صلاح الدین ص ۲۹۵۔

[4] کتاب الروضتین ج ۲' ص ۱۹۸' ۱۹۹' اور صلاح الدین ص ۲۹۴ تا ۲۹۷ ملخصاً۔

گئی۔اس کے جانے سے پہلے صلیبیوں نے اپنا مرکز قائم رکھنے کے لیے کانرڈ والی صور کو جو رچرڈ کے بعد سب سے زیادہ قیادت ورہنمائی کی صلاحیت رکھتا تھا' اپنا بادشاہ منتخب کیا' لیکن چند ہی مہینوں کے اندر وہ مر گیا۔اس کے بعد رچرڈ نے اپنے بھانجے ہنری (کندھری) کو بادشاہ بنادیا۔ 1

واپسی سے پہلے اس نے پھر سلطان سے صلح کرنے کی کوشش کی۔سلطان بھی آمادہ ہوگیا اور قریب قریب شرائط بھی طے ہوگئیں۔فلسطین کا جس قدر علاقہ جس کے قبضہ میں تھا' وہ بدستور اس کے قبضہ میں رہا۔بیت المقدس کا کنیسۃ القمامہ سلطان نے عیسائیوں کو واپس کردیا اور انہیں بغیر اسلحہ کے زیارت کی عام اجازت دے دی اور رچرڈ کی درخواست پر ہنری کی سرپرستی قبول کی اور وعدہ کیا کہ وہ ہنری کو اپنا فرزند تصور کرے گا' لیکن عسقلان کے مسئلہ میں اختلاف ہوگیا۔عسقلان اس وقت رچرڈ کے قبضہ میں تھا۔سلطان کہتا تھا کہ اس پر کسی کا قبضہ نہ رہے اور اس کو برباد کردیا جائے اور اس کے معاوضہ میں لد دینے کے لیے تیار تھا' لیکن رچرڈ اس کو اپنے قبضہ میں رکھنے پر مصر تھا اور اس کی ایک اینٹ بھی کھسکانے کے لیے تیار نہ تھا' اس لیے صلح نہ ہوسکی۔ 2

صلح میں ناکامی کے بعد رچرڈ نے انگلستان واپس جانے کی تیاریاں شروع کردیں اور چلتے چلتے بیروت پر حملہ کرنے کا قصد کیا۔اس لیے سلطان نے بھی یافا پر جو صلیبیوں کے قبضہ میں تھا' حملہ کردیا۔یہاں ان کی قوت بہت مضبوط تھی۔انہوں نے بڑی پرزور مدافعت کی' لیکن مسلمان دیوار توڑ کر شہر میں گھس گئے۔صلیبیوں نے قلعہ میں پناہ لی' لیکن آخر میں سلطان کی پیش کردہ شرائط پر انہیں اطاعت قبول کرنی پڑی۔

رچرڈ اس وقت بیروت پر حملہ کی تیاری میں تھا۔یافا کے واقعہ کی اسے خبر ہوئی تو وہ بیروت کا ارادہ ترک کرکے بحری بیڑے کو لیے سیدھا یافا پہنچا اور آتے ہی اس زور کا حملہ کیا کہ مسلمان پوری کوشش کے باوجود اس کو نہ روک سکے اور رچرڈ نے انہیں شکست دے کر دو دن کے اندر یافا واپس لے لیا۔صلیبی جنگ کے سلسلہ میں یہ اس کا غیر معمولی کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ 3

جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے انگلستان کے حالات کی وجہ سے رچرڈ کی واپسی جلد سے جلد ضروری تھی۔اس لیے یافا کے معرکے کے بعد اس نے ایک مرتبہ پھر صلح کی کوشش کی اور اتابکی امیر ابوبکر عادلی اور بدرالدین دلدرم وغیرہ کو جن سے اس کے بڑے تعلقات تھے بلاکر کہا کہ میری جانب سے

---

1 صلاح الدین ص ۲۹۲، ۲۹۳۔ 2 کتاب الروضتین ج ۲ ص ۲۰۰' وصلاح الدین ص ۲۹۸' ۲۹۹۔

3 ابوشامہ اور لین پول نے اس کی بڑی طویل تفصیل لکھی ہے۔ہم نے صرف نتیجہ لکھا ہے۔تفصیل کے لیے دیکھو کتاب الروضتین ج ۲ ص ۲۰۱' وصلاح الدین ص ۲۰۲' ۲۰۳۔

سلطان کی خدمت میں سلام کے بعد کہو کہ وہ اللہ کے لئے صلح پر تیار ہو جائے' ایک نہ ایک دن بہر حال صلح ہونی ہے۔ میرا ملک برباد ہو رہا ہے۔ مستقل جنگ کا سلسلہ ہم دونوں کے لیے مہلک ہے۔ ابو بکر نے جا کر سلطان کو یہ پیغام پہنچایا۔ اسے پہلے بھی صلح میں کوئی عذر نہ تھا۔ اصل مسئلہ عسقلان کا تھا' اس لیے پھر صلح کی گفتگو شروع ہوگئی' لیکن پھر عسقلان کے مسئلہ نے نازک صورت حال اختیار کر لی اور فریقین میں جنگی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ اسی دوران میں رچرڈ سخت بیمار پڑ گیا۔ فرانسیسی فوجیں بھی لوٹ گئیں۔ اس لیے رچرڈ عسقلان سے دستبرداری کے لیے رضامند ہو گیا اور کسی مسئلہ میں کوئی اختلاف نہ رہا اور شعبان ۵۸۸ھ مطابق ستمبر ۱۱۹۲ء میں ساڑھے تین سال کے مسلسل کشت وخون کے بعد صلح ہوگئی۔ انطاکیہ اور طرابلس کا فرماں روا بوہیمنڈ بھی اس صلح میں شریک ہوا۔ رچرڈ کے علاوہ دادیہ اور استباریہ کے تمام بڑے بڑے نائٹوں نے معاہدہ کی حلفیہ تصدیق کی۔ اس صلح کی رو سے یافا' لد' مجدل' یایا' قیساریہ' ارسوف' حیفا اور عکہ کا علاقہ رچرڈ کو ملا۔ ان میں تین مقام رملہ' ناصرہ اور صفوریہ جہاں باطنی آباد تھے' سلطان نے مستثنیٰ کر لیے۔ باقی پورا فلسطین سلطان کے قبضہ میں رہا اور عسقلان کو برباد کر کے آزاد علاقہ قرار دیا گیا اور پانچ سال کی مسلسل خونریز لڑائیوں کے بعد جس میں فریقین کے لاکھوں آدمی کام آئے اور بے اندازہ دولت صرف ہوئی' تیسری صلیبی جنگ کا خاتمہ ہوا۔

فریقین لڑتے لڑتے تھک چکے تھے' اس لیے اس صلح سے مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں میں مسرت وشادمانی کی لہر دوڑ گئی۔ سلطان نے سارے شام میں اس کا اعلان کرایا اور عام منادی کر دی گئی کہ عیسائی اور مسلمان دونوں ایک دوسرے سے بے خوف وخطر مل سکتے ہیں اور ایک دوسرے کے علاقوں میں جا سکتے ہیں۔ [1]

اس جنگ میں یورپ کے لاکھوں آدمی' سینکڑوں نامور امرا وعمائد اور متعدد بادشاہ کام آئے اور بے اندازہ دولت برباد ہوئی اور ان قربانیوں کے مقابلہ میں ان کو کچھ حاصل نہ ہوا۔ اگرچہ مسلمانوں کو بھی کافی جانی ومالی نقصان اٹھانا پڑا' لیکن ان کو اس کے بدلہ میں فلسطین کا قریب قریب پورا علاقہ مل گیا۔ مچاڈ نے اس جنگ کے نتائج پر حسب ذیل تبصرہ کیا ہے:

> ''تیسرا کروسڈ اس طرح ختم ہوا کہ یورپ کی تمام مسلح طاقتوں نے عکہ کی فتح اور عسقلان کی بربادی سے زیادہ اور کوئی فائدہ حاصل نہ کیا۔ اس میں جرمنی نے بغیر کسی عظمت کے اپنے شہنشاہوں میں سے سب سے بڑا شہنشاہ اور اپنی فوجوں میں سے سب سے بڑی

---

[1] صلح کی تفصیلات کے لیے دیکھو کتاب الروضتین ج ۲' ص ۲۰۲' ۲۰۳۔

فوج کھودی۔ اگر ہم عرب مورخوں کے بیان پر اعتماد کریں تو عکہ کے سامنے چھ لاکھ کروسڈ کام آئے اور مشکل سے ایک لاکھ سپاہی ان میں سے اپنے وطنوں کو واپس گئے۔ یورپ کے اس نقصان پر نوحہ کرنے کی اور بہت سی وجوہات تھیں۔ پہلی مہموں کی بہ نسبت اس جنگ میں یورپ کی بہت عمدہ فوجیں کام آئی تھیں۔" [1]

لین پول لکھتا ہے کہ جنگ مقدس خاتمہ کو پہنچی۔ پانچ برس کی مسلسل لڑائیاں ختم ہوئیں۔ جولائی ۱۱۸۷ء میں حطین پر مسلمانوں کی فتح سے قبل دریائے اردن کے مغرب میں مسلمانوں کے پاس ایک انچ زمین نہ تھی۔ ستمبر ۱۱۹۲ء میں جب رملہ پر صلح ہوئی تو صور سے لے کر یافا کے ساحل تک بجز ایک پتلی سی پٹی کے سارا ملک مسلمانوں کے قبضہ میں تھا۔ اس صلح نامہ پر صلاح الدین کو شرمندہ ہونے کی مطلق ضرورت نہ تھی۔ صلیبیوں نے جو کچھ فتح کیا تھا' اس کا بڑا حصہ افرنجیوں کے پاس رہا' لیکن اگر صرف جان و مال کا لحاظ کیا جائے تو نتیجہ نہایت حقیر تھا۔ پاپائے روما کی فریاد سنتے ہی کل مسیحی دنیا نے ہتھیار اٹھا لیے تھے۔ قیصر فریڈرک' شاہان انگلستان' فرانس اور سسلی کے سلاطین' آسٹریا کا لیوپولڈ' برگنڈی کا ڈیوک' فلانڈرز کا کاؤنٹ' صدہا مشہور و معروف بیرن اور تمام عیسائی قوموں کے نائٹ' یروشلم کا عیسائی بادشاہ اور فلسطین کے دوسرے عیسائی فرمانروا' طبقہ داویہ اور الیبطاریہ کے بڑے بڑے مشہور شہسوار اس کوشش میں مصروف ہوئے کہ بیت المقدس پر اپنا قبضہ جما لیں اور یروشلم کی مسیحی سلطنت جو مٹنے کے قریب تھی' پھر سرسبز ہو جائے' لیکن اس کا انجام کیا ہوا۔ اسی درمیان میں فریڈرک قضا کر گیا۔ شاہان انگلستان و فرانس اپنے اپنے ملک کو سدھارے اور ان کے بڑے بڑے اشراف ارض ایلیا میں پیوند خاک ہوئے' لیکن اس پر بھی یروشلم صلاح الدین کے قبضہ میں رہا۔ صرف ساحل پر عکہ کی مختصر سی ریاست پر ان کا برائے نام عیسائی بادشاہ حکومت کرتا رہا۔ تیسری صلیبی جنگ میں تمام مسیحی دنیا کی مجموعی طاقت مقابلہ کرنے آئی' مگر صلاح الدین کی قوت کو ٹس سے مس نہ کر سکی۔ [2]

صلیبیوں سے سلطان کا سلوک

صلح کے بعد سلطان نے عیسائیوں کو بیت المقدس کی زیارت کی عام اجازت دے دی اور برسوں کے مشتاق زائرین اس کثرت سے ٹوٹ پڑے کہ رچرڈ کیلئے انتظام قائم کرنا مشکل ہو گیا اور اسے سلطان سے درخواست کرنا پڑی کہ وہ اس کی تحریری اجازت نامہ کے بغیر کسی کو بیت المقدس میں داخل نہ ہونے دے۔ سلطان نے جواب دیا کہ زائرین بڑی بڑی مسافتیں طے کر کے زیارت کے

[1] مجاؤرج ا' ص ۵۰۱' ۵۰۲۔ [2] صلاح الدین ص ۳۱۰۔

شوق میں آتے ہیں ان کو روکنا مناسب نہیں ہے اور اپنی جانب سے لاکھوں زائرین کی مدارات' راحت و آسائش اور دعوت کا انتظام کیا اور ان سے مل کر باتیں اور دلجوئی کرتا تھا۔ ❶

سالزبری کا اسقف ہیوبرٹ والٹر بھی اپنے قافلہ کو لے کر زیارت کو آیا تھا۔ سلطان نے اس کے قیام کے لیے مکان پیش کیا۔ اس نے کہا کہ وہ محض زائر کی حیثیت سے چند روز کے لیے آیا ہے' اس لیے مکان کی ضرورت نہیں ہے۔ سلطان نے اسقف مذکور اور اس کے ہمراہیوں کی خدمت کے لیے خدام مقرر کر دیئے اور اسے قیمتی ہدایا بھیجے اور اس کی دعوت کر کے صلیب مقدس کی' جو سلطان کے پاس تھی' زیارت کرائی اور دیر تک اس سے باتیں کرتا رہا اور اس سے رچرڈ کے عادات و خصائل پوچھے اور یہ بھی سوال کیا کہ مسلمانوں کے بارہ میں عیسائیوں کا کیا خیال ہے؟ اسقف نے جواب دیا کہ دنیا کا کوئی نائٹ جنگی امور میں رچرڈ کی ہمسری نہیں کر سکتا' کوئی خوبی ایسی نہیں ہے جو اس میں نہ ہو' اگر آپ کے اوصاف حمیدہ اس میں اور اس کی خوبیاں آپ میں پیدا ہو جائیں تو پھر تلاش کرنے سے دنیا میں ایسے بادشاہ نہ ملیں۔ سلطان نے اس سے کہا کہ اگر اس کی کوئی خواہش یا ضرورت ہو تو بیان کرے۔ اسقف نے خواہش کی کہ تربت مسیح بیت اللحم اور ناصرہ کی دینی خدمت میں شامی عیسائیوں کے ساتھ دو دو من کیتھولک قسیسوں اور شماسوں کو بھی شرکت کی اجازت دی جائے۔ شامی عیسائی مہد مسیح، کی نہایت وحشیانہ طریقہ سے اور ادھوری خدمت انجام دیتے تھے۔ سلطان نے منظور کیا اور تینوں مقاموں پر رومن کیتھولک قسیس اور شماس مقرر کر دیئے۔ ❷

بیت المقدس کی زیارت سے فراغت کے بعد اکتوبر ۱۱۹۲ء میں صلیبی یورپ واپس گئے۔ ان کی واپسی کے بعد سلطان نے بھی اپنی فوجوں کو آرام کرنے کے لیے ان کے وطن واپس کر دیا اور چند مہینے بیت المقدس میں قیام کر کے یہاں کے انتظامات درست کیے۔ شہر پناہ کی مرمت کرائی' خندق کھدوائی' راستے درست کرائے' مدارس کے اوقاف میں اضافہ کیا' خانقاہوں کے لیے نئے اوقاف کیے' ایک بڑا شفاخانہ قائم کیا اور اس کے لیے ہر طرح کی دوائیاں مہیا کیں۔ ان سے فراغت کے بعد بیت المقدس کا انتظام امیر عزالدین جردیک کے سپرد کر کے شوال ۵۸۸ھ میں حج کے ارادہ سے دمشق گیا۔ ❸

وفات

ادھر کئی سال سے سلطان کی صحت بگڑ گئی تھی۔ جہاد کی پرمحن زندگی سے آرام و سکون کا موقع نہ ملتا تھا۔ بیماری کی وجہ سے رمضان کے بہت سے روزے قضا ہو گئے تھے۔ دمشق آنے کے بعد ان کو

❶ کتاب الروضتین ج ۲' ص ۲۶۴۔ ❷ صلاح الدین ص ۳۱۴۔ ❸ کتاب الروضتین ج ۲' ص ۲۰۵۔

پورا کرنا شروع کیا۔ روزے مزاج کے موافق نہ پڑتے تھے۔ اس لیے طبیب نے روکا کہ صحت پر برا اثر پڑے گا۔ سلطان نے جواب دیا معلوم نہیں آئندہ کیا پیش آئے اور کل روزے پورے کیے۔ [1]

اس سے صحت اور بگڑ گئی اور وسط صفر ۵۸۹ھ میں پھر بیمار پڑ گیا۔ علالت معمولی بخار سے شروع ہوئی اور بہت جلد مرض الموت کی شکل اختیار کر لی۔ وفات سے تین دن پہلے غشی طاری ہو گئی‘ جو آخر تک قائم رہی۔ عالم احتضار میں شیخ ابوجعفر نے قرآن کی تلاوت شروع کی‘ جب اس آیت ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ پر پہنچے تو دفعۃً سلطان نے آنکھ کھول دی‘ زبان سے نکلا ”سچ ہے“ لبوں پر تبسم اور چہرہ پر بشاشت طاری ہوئی اور پھر ہمیشہ کے لیے آنکھ بند کر لی۔ یہ صفر کی ۲۷ تاریخ دوشنبہ کا دن اور فجر کا وقت تھا۔ شیخ ضیاء الدین ابوالقاسم عبدالملک ودیعی خطیب جامع دمشق نے غسل دیا۔ عصر کے وقت اسی مکان میں جس میں بیمار ہوا تھا‘ اس مجاہد اعظم کی لاش کو سپرد خاک کیا گیا۔ لاش کے ساتھ وہ تلوار بھی جو ہمیشہ اللہ کی راہ میں بے نیام رہی‘ دفن کر دی گئی کہ اب اس کا چلانے والا ہاتھ باقی نہ رہ گیا تھا۔ دو سال کے بعد سلطان کے لڑکے ملک الافضل نے جامع قدم کے پاس مقبرہ تعمیر کر کے محرم ۵۹۲ھ میں لاش اس میں منتقل کر دی اور جامع مسجد کی عمارت کو بڑھا کر مقبرہ کو اس کے احاطہ میں شامل کر لیا۔ [2] جو اب تک زیارت گاہ خلائق ہے۔

سلطان کی موت تنہا صلاح الدین یوسف فرمانروائے مصر و شام کی موت نہ تھی بلکہ اس مجاہد جلیل کی موت تھی جس کی تلوار ساری عمر اللہ کی راہ میں بے نیام رہی اور جس نے اپنا کل خانماں اور ساری کائنات اس کی راہ میں لٹا دی اور اسلام کی حمایت میں تنہا متحدہ عیسائی دنیا کا مقابلہ کیا اور مرتے مرتے تثلیث کے مقابلہ میں اسلام کے علم کو سربلند رکھا۔ اس لیے اس کی موت سے ساری دنیائے اسلام میں صف ماتم بچھ گئی۔ کوئی دل ایسا نہ تھا جو اس کے غم میں محزون اور کوئی آنکھ نہ تھی جو اس کے ماتم میں اشکبار نہ رہی ہو۔

ایک سبق آموز واقعہ

وفات کے سلسلہ میں یہ سبق آموز واقعہ قابل ذکر ہے کہ اس جلیل القدر فرمانروا نے جس کی سلطنت جزیرۂ شام و فلسطین اور مصر تک پھیلی ہوئی تھی اور جس نے اپنی زندگی میں بے شمار دولت اللہ کی راہ میں اور کروڑوں روپے داد و دہش میں صرف کیے، وفات کے وقت اپنی ملک میں ایک دینار اور چالیس درہم کے علاوہ کسی قسم کے نقد و جنس اور کوئی املاک نہیں چھوڑی۔ اتنا بھی نہ تھا کہ تجہیز و تکفین کے مصارف پورے ہو سکتے۔ قاضی فاضل نے حلال و طیب مال سے تجہیز و تکفین کا انتظام کیا۔ [3]

---

[1] کتاب الروضتین ج ۲‘ ص ۲۱۹۔ [2] کتاب الروضتین ج ۲‘ ص ۲۱۳‘ ۲۱۴۔ [3] کتاب الروضتین ج ۲‘ ص ۲۱۱‘ ۲۱۷۔

اسلام کی تاریخ میں خلفائے راشدین کے علاوہ اس کی دوسری مثال نہیں ملتی۔

اخلاق وسیرت

سلطان نورالدین کی طرح صلاح الدین بھی تنہا شمشیر زن مجاہد ہی نہ تھا' بلکہ فضائل واخلاق کا بھی مکمل نمونہ تھا۔ اس کے فضائل ومناقب وکمالات بے شمار ہیں اور ان کی تفصیل کے لیے مستقل کتاب چاہیے۔ تاہم اس کی زندگی کے اس رخ کی جھلک پیش کیے بغیر اس کی تصویر ناتمام رہ جائے گی۔ اس لیے اس کی سیرت واخلاق کے متعلق اس کے رفیق خلوت وجلوت قاضی بہاؤالدین ابن شداد [1] کے بیان کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے اس سے زیادہ کوئی مستند شہادت نہیں ہوسکتی' وہ لکھتے ہیں:

''سلطان صلاح الدین کو دینی احکام کی پابندی اور امور شریعت کی حفاظت میں بڑا اہتمام تھا۔ وہ صحیح العقیدہ اور ذاکر وشاغل تھا۔ اس نے اکابر فقہا واہل علم سے بحث ومباحثہ کے بعد عقائد قائم کیے تھے۔ اس کے عقائد تشبہ اور تعطل کی آمیزش سے پاک' صحیح اور استوار تھے۔ امام قطب الدین نیشاپوری نے اس کے لیے عقائد پر ایک کتاب لکھی تھی جس میں تمام ضروری عقائد جمع کر دیئے تھے۔ سلطان اپنی اولاد کو بچپن سے ان کی تعلیم دیتا تھا۔ نماز باجماعت کا اتنا اہتمام تھا کہ برسوں تک تنہا پڑھنے کا اتفاق نہ ہوتا تھا۔ بیماری کی حالت میں بھی امام کو گھر پر بلا کر جماعت کے ساتھ ادا کرتا تھا۔ جن سنتوں پر آنحضرت ﷺ نے مواظبت فرمائی تھی وہ کبھی ترک نہ ہوتی تھیں۔ تہجد پابندی کے ساتھ پڑھتا تھا' اگر کبھی اتفاق سے آنکھ نہ کھلتی تو نماز فجر سے پہلے چند رکعت نوافل پڑھ لیتا تھا۔ جب تک اس کے ہوش وحواس قائم رہے' نماز نہ چھوٹی اور مرض الموت کے ان آخری تین دنوں کے علاوہ جن میں غشی طاری ہوگئی تھی ایک وقت کی نماز بھی قضا نہ ہوئی۔ سفر میں جس مقام پر نماز کا وقت آجاتا سواری روک کر اتر پڑھتا اور نماز پڑھنے کے بعد آگے بڑھتا۔ اس کے پاس کبھی اتنا روپیہ جمع نہیں ہوا کہ زکوۃ واجب ہوتی' جو کچھ ہاتھ میں آتا سب صدقہ یا وابستگان دولت میں تقسیم کر دیتا تھا۔ اپنے پاس ایک حبہ نہ رکھتا تھا۔ اس لیے عمر بھر زکوۃ ادا کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی۔ روزے پابندی سے رکھتا تھا' آخر کے چند

[1] قاضی ابن شداد کا وطن موصل تھا۔ اپنے زمانے کے نامور عالم تھے۔ عرصہ تک دولت اتابکیہ سے وابستہ رہے' پھر صلاح الدین کے دربار سے متوسل ہوگئے اور اس کی زندگی کے آخری چند برسوں میں جلوت وخلوت میں ہروقت سلطان کے ساتھ رہے۔ اس لیے ان کے بیانات سلطان کے حالات میں سب سے زیادہ مستند ہیں۔ انہوں نے سلطان کے سوانح بھی لکھے تھے جس کو ابوشامہ نے کتاب الروضتین میں نقل کیا ہے۔ اس سے زیادہ مستند اور کوئی بیان نہیں ہوسکتا۔ سلطان نے ان کو دمشق کا قاضی بنانا چاہا تھا' لیکن قبول نہیں کیا۔ اس کی وفات کے بعد الملک الافضل نے حلب کا قاضی بنایا۔

سالوں میں بیماری کی وجہ سے روزے قضا ہو گئے تھے' لیکن صحت کی خرابی کے باوجود وفات سے پہلے ان کو ادا کر دیا' بلکہ ان ہی روزوں کی وجہ سے اس کی صحت اور بھی بگڑ گئی' جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ حج کا ہر سال ارادہ کرتا تھا' مگر جہاد کی مشغولیت کی وجہ سے اس کا موقع نہ ملتا تھا۔ صلیبیوں سے مصالحت کے بعد ۵۸۸ھ میں حج کا مصمم ارادہ تھا اور اس کے انتظامات بھی شروع کر دیئے تھے' لیکن وقت کی تنگی اور روپیہ کی کمی کی وجہ سے پورا نہ ہو سکا اور دوسرے سال کے لیے ملتوی کرنا پڑا' لیکن موت نے اس کا موقع نہ دیا۔

کلام مجید کے سماع کا بڑا ذوق تھا۔ ہمیشہ عالم قرآن اور خوش الحان قاری کو امام بناتا تھا۔ روزانہ مجلس خاص میں شب کو اور مجلس عام میں دن کو پابندی سے کلام مجید پڑھوا کر سنتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک چھوٹے بچے کو قرآن پڑھتے سنا' اس کی تلاوت پسند آئی۔ اپنے خاصہ سے اس کے لیے کھانا بھیجا اور لڑکے کے باپ کو گزارہ کے لیے زمین عطا کی۔ وہ بڑا رقیق القلب اور اثر پذیر دل رکھتا تھا۔ قرآن کی آیات سن کر خشیت الٰہی سے اس کا دل لبریز ہو جاتا اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے۔ سماع حدیث کا بھی شائق تھا۔ جب کسی ایسے بڑے محدث کا نام سنتا جس کو اس کے پاس آنے میں کوئی تامل نہ ہوتا تو اسے بلا کر خود اس سے حدیث سنتا اور اپنی اولاد اور خاص آدمیوں کو سنواتا۔ سماع حدیث کے وقت سامعین کو وقار و متانت کے ساتھ بیٹھنے کی تاکید کرتا اور اگر کوئی ایسا محدث ہوتا جو سلاطین کے درباروں میں جانا پسند نہ کرتا تو خود اس کے پاس جا کر سماع کرتا' چنانچہ حافظ سلفی سے سماع حدیث کے لیے بارہا قاہرہ سے اسکندریہ گیا۔ خود بھی قرأت حدیث کرتا تھا اور جب کوئی عبرت و بصیرت کی حدیث آ جاتی تو آنکھیں پرنم ہو جاتیں۔

شعائر دین کا احترام

شعائر دین کی بڑی تعظیم کرتا تھا۔ حشر اجساد' جنت و دوزخ' جزا و سزا وغیرہ پر' جن پر قرآن ناطق ہے' بغیر کسی تاویل کے ایمان رکھتا تھا۔ فلاسفہ، معطلہ، دہریہ وغیرہ تمام فرق ضالہ کا سخت دشمن اور اس بارہ میں اتنا متشدد تھا کہ مشہور فلسفی شہاب الدین سہروردی فلسفیانہ خیالات کے الزام میں اسی کے حکم سے قتل کیے گئے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور کارسازی و دستگیری و رحمت پر اس کو بڑا بھروسہ تھا۔ میرا چشم دیدہ واقعہ ہے کہ جب دوسری مرتبہ صلیبیوں نے بیت المقدس پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور سلطان کی فوج میں سرتابی کے آثار نظر آئے' تو سلطان نے نماز پڑھ کر بارگاہ ایزدی میں دعا کی۔ اس کے طفیل میں اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو صلیبیوں کے شر سے بچا لیا۔

ان اوصاف کے ساتھ وہ بڑا عادل' شفیق' رحمدل اور زور آوروں کے مقابلہ میں کمزوروں کا حامی

ومددگار تھا۔ سفر وحضر ہر حالت میں دوشنبہ اور جمعہ کو عدالت کرتا تھا۔ علما وفقہا وقضاۃ عدالت میں موجود رہتے تھے۔ بوڑھوں، بچوں، کمزور وناتواں ہر شخص کے لیے عدالت کا دروازہ کھلا تھا۔ سلطان تک پہنچنے کے لیے کسی واسطہ ووسیلہ کی ضرورت نہ تھی۔ عدالت میں روزانہ جتنے معاملات ومقدمات پیش ہوتے ان کے متعلق ضروری تحقیقات کر کے تمام درخواستیں جمع کر لی جاتیں اور کسی دوسرے وقت ان پر غور کر کے احکام وفیصلے صادر کرتا۔

اس کی عدل پروری کے بعض واقعات قابل ذکر ہیں۔ ایک مرتبہ ایک شخص ابن زہیر نے اس کے بھتیجے تقی الدین عمر کے خلاف دعویٰ کیا۔ تقی الدین نے حماۃ کے قاضی امین الدین کو اپنا وکیل بنا دیا۔ امین الدین سلطان کے خاص ندیموں میں تھے۔ میں نے ان کو مدعی کے برابر کھڑا کر کے اظہار لیا۔ دوران مقدمہ میں تقی الدین کے حلف کی ضرورت پیش آئی، سلطان، تقی الدین کو بہت محبوب رکھتا تھا، لیکن اس نے بلا تامل اس کو بھیج دیا۔

ایک مرتبہ ایک تاجر عمر خلاطی نے خود سلطان کے خلاف دعویٰ کیا کہ اس کے ایک متوفی غلام سنقر کی املاک پر جس کا وارث قانوناً مدعی کو ہونا چاہیے، سلطان نے قبضہ کر لیا ہے اور اس کے ثبوت میں غلام کی خریداری کی دستاویز پیش کی۔ اس کے خلاف اور کوئی اندراج نہ تھا۔ اس لیے مجھے تعجب ہوا۔ میں نے سلطان سے بیان کیا۔ اس نے مدعی کو بلا کر میرے سامنے اس سے دستاویز لے کر دیکھی، اس وقت اس کا جعل کھلا۔ اس میں خریداری کی جو تاریخ درج تھی، اس سے ایک سال قبل سلطان اس غلام کو خرید چکا تھا اور اس کے ثبوت میں اس نے معتبر شہادتیں پیش کیں۔ مدعی بہت گھبرایا۔ اس کی پریشانی دیکھ کر میں نے سلطان سے عرض کیا کہ مدعی کے اس فعل کی غرض سلطان کے مراحم خسروانہ کا حصول تھا۔ اس لیے اس کو مایوس نہ فرمایا جائے۔ یہ سن کر سلطان نے اس کو خلعت وانعام عطا کیا۔

اس کی فیاضی اور سیر چشمی غلط بخشی کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ پورے پورے علاقے اور ضلعے لوگوں کو دے ڈالتا تھا۔ آمد کی فتح کے بعد ابن قراء ارسلان نے اس کو سلطان سے مانگا۔ اس نے بلا تامل پورا علاقہ دے دیا۔ تنگی وفراخی کسی حالت میں اس کی داد ودہش میں فرق نہ آتا تھا۔ ایک مرتبہ قدس میں اس کے پاس کئی وفد آئے۔ اتفاق سے اس وقت خزانہ بالکل خالی تھا۔ سلطان نے گاؤں پہنچ کر ان کو انعام دیا۔ اس کی غلط بخشی کی وجہ سے خزانہ کے منتظمین ناگہانی ضروریات کے لیے ہمیشہ کوئی نہ کوئی رقم اس سے چھپائے رکھتے تھے، تاکہ عین وقت پر روپیہ کی دقت پیش نہ آئے۔ وہ سائلوں کو ہمیشہ ان کی توقع سے زیادہ دیتا تھا اور کبھی دوسرے سے اس کا اظہار نہیں کرتا تھا۔ جس کو جتنا زیادہ

دیتا تھا' اتنا ہی زیادہ خندہ پیشانی سے پیش آتا تھا۔ جسے کسی سبب سے کچھ نہ دے سکتا تھا' اس سے محجوب رہتا تھا۔ لوگ ہمیشہ اس سے عطایا و وظائف میں اضافہ کے خواہش مند رہتے تھے' لیکن سلطان کی زبان سے کبھی یہ نہ نکلا کہ کہاں تک دیتا رہوں۔ اکثر عطایا کے احکام میرے ذریعے سے صادر ہوتے تھے۔ مجھے لوگوں کے سوال کی کثرت پر تو شرمندگی ہوتی' لیکن سلطان کے انکار کی شرمندگی کبھی نہ اٹھانا پڑی' جو شخص بھی سلطان کی خدمت سے وابستہ رہا' اس نے ہمیشہ کے لیے دوسروں کی احتیاج سے مستغنی کر دیا۔

شجاعت

وہ بڑا شجاع' نڈر' قوی دل اور مستقل مزاج تھا۔ کسی واقعہ سے گھبراتا نہ تھا۔ میں نے بارہا دیکھا ہے کہ اس کے مقابلہ میں فرنگیوں کی بہت بڑی تعداد ہے اور ان کی امدادی فوجوں کا سلسلہ بندھا ہوا ہے' لیکن سلطان پر اس کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا' بلکہ اس سے اس کی ہمت و حوصلہ اور زیادہ بڑھتا تھا۔ عکہ کے محاصرہ کے زمانہ میں ایک شب فرنگیوں کے ستر سے زیادہ جنگی جہاز آئے۔ میں ان کا شمار کرتا جاتا تھا' لیکن اس سے سلطان کے دل میں اور زیادہ قوت اور اس کے مزاج میں اور زیادہ استقلال پیدا ہو گیا۔ وہ ہر سال جاڑے کے موسم میں فوجوں کو ان کے وطن واپس کر دیتا تھا اور خود تھوڑی سی فوج کے ساتھ دشمنوں کے مقابلہ میں رہتا تھا۔ جنگ کے زمانہ میں دشمنوں کی قوت اور حالات کا اندازہ لگانے کے لیے ان کے لشکر گاہ کے گرد روزانہ ایک دو مرتبہ ضرور چکر لگاتا تھا۔ عین اس وقت جب لڑائی پورے شباب پر ہوتی' فوج کی صفوں میں گھوم پھر کر ان کی ترتیب قائم کرتا اور جنگی ہدایات دیتا اور اس سلسلہ میں دشمنوں کی صفوں کے بالکل قریب پہنچ جاتا اور اس حالت میں سماع حدیث بھی کرتا جاتا۔ اس نے دشمنوں کی کثرت کی مطلق کبھی پرواہ نہ کی اور نہ اس کو کوئی اہمیت دی' لیکن جنگی معاملات پر غور و فکر اور اس کی تدبیروں سے غافل نہ رہتا تھا۔ فوجی افسر اس کے سامنے اپنی رائیں پیش کرتے' سلطان بغیر کسی ناگواری کے ان کو سنتا اور مناسب رایوں پر عمل بھی کرتا۔ عکہ کے سب سے بڑے معرکہ میں جب مسلمانوں کو شکست ہوئی اور ان کی فوجیں پسپا ہو گئیں' اس وقت بھی سلطان چند جان نثاروں کے ساتھ اپنی جگہ پر قائم رہا اور منتشر فوجوں کو للکار کر اور شرم دلا کر پھر سے جمع کر کے اس زور کا حملہ کیا کہ سات ہزار فرنگی مارے گئے اور سلطان برابر ان کے مقابلہ میں ڈٹا رہا' لیکن حالات ایسے ہو گئے تھے کہ آخر میں صلح کر لینا پڑی۔

سلطان پر صحت اور بیماری کے مختلف دور آتے رہتے تھے۔ بعض اوقات بڑی نازک صورت

پیدا ہو جاتی تھی' لیکن اس سے جہاد کی سرگرمی میں فرق نہ آتا تھا' چنانچہ اس کی ساری عمر میدان جنگ میں گزری۔ وہ ہمیشہ جہاد میں مشغول رہتا تھا۔ اس کے لیے بڑا اہتمام و انتظام کرتا تھا۔ اس کی ساری توجہ جہاد ہی کی طرف رہتی تھی۔ جب اس نے میدان جہاد میں قدم رکھا' اس کے علاوہ دوسرے کاموں میں ایک حبہ بھی صرف نہیں کیا۔ اس کی فیاضی بھی عموماً جہاد ہی کے سلسلہ میں یا اسی کے فائدہ کی غرض سے ہوتی تھی۔ اس کو جہاد سے اتنا شغف اور انہماک تھا کہ اس کے قلب و دماغ اور سارے اعضا پر جہاد ہی چھایا رہتا تھا۔ جہاد کے علاوہ کسی موضوع پر گفتگو کرتا نہ دوسرا کام کرتا۔ جہاد کے آلات و اسلحہ کے علاوہ اور کسی ساز و سامان کی جانب نگاہ نہ اٹھاتا تھا۔ ہر وقت فوجی تیاری میں منہمک رہتا۔ حتی کہ مجاہدین کے علاوہ دوسرے اشخاص کی جانب ملتفت تک نہ ہوتا تھا۔ غرض جہاد ہی اس کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ اس کے لیے اس نے بیوی' بچے' وطن' گھر بار' لذت و راحت کے سارے سامان چھوڑ دیئے تھے اور میدان جنگ میں خیمہ کی زندگی اختیار کر لی تھی، جس کے ہر طرف ہوا کے جھکڑ چل رہے ہوں۔ عکہ کی جنگ کے زمانہ میں ایک شب کو ہوا کے طوفان سے خیمہ گر پڑا۔ اتفاق سے اس وقت سلطان اس میں موجود نہ تھا' ورنہ جان نہیں بچ سکتی تھی۔ مصائب و مشکلات اس کے ولولہ جہاد کے لیے مہمیز کا کام دیتے تھے۔ ان سے اس کا ذوق اور صبر و استقلال اور زیادہ بڑھتا تھا۔ [1] جو لوگ اس کے مزاج میں تقرب حاصل کرنا چاہتے تھے' وہ جہاد کو وسیلہ بناتے۔ علما نے جہاد پر اس کے لیے کتابیں لکھیں۔ میں نے بھی ایک کتاب لکھی تھی' اس میں جہاد کے آداب اور جہاد سے متعلق آیات و احادیث جمع کی تھیں اور اس کی شرح بھی لکھی تھی۔ یہ کتاب اکثر سلطان کے مطالعہ میں رہتی تھی۔

کوکب پر قبضہ کے بعد ۵۸۴ھ میں سلطان نے فوجوں کو آرام کرنے کے لیے ان کے وطن واپس کر دیا۔ مصری فوج اس کے بھائی عادل کے ہمراہ مصر جانے والی تھی۔ سلطان نے ارادہ کیا کہ عسقلان تک اس کے ساتھ جائے اور ساحلی علاقہ کا معائنہ کرے اور اس کے انتظامات کرتا ہوا بحری راستہ سے واپس آئے۔ میں نے مخالفت کی اور کہا کہ سب فوجیں واپس جا چکی ہیں۔ صرف تھوڑی سی فوج رہ گئی ہے۔ فرنگی فوجیں صور میں جمع ہیں۔ ایسی حالت میں بحری سفر مناسب نہیں ہے' لیکن سلطان نہ مانا اور عسقلان تک عادل کے ہمراہ گیا اور اس کو رخصت کرنے کے بعد ساحلی علاقہ کی سمت سے واپس ہوا۔ یہ جاڑے کا موسم تھا۔ سمندر میں سخت تلاطم تھا۔ پہاڑ کے برابر اونچی موجیں اٹھتی تھیں۔ ہم لوگوں کے دل میں بڑا ہول پیدا ہو گیا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اگر ایسے پر شور سمندر

[1] اس کے بہت سے واقعات قاضی بہاؤ الدین نے نقل کیے ہیں۔

میں ایک میل سفر کے معاوضے میں مجھ کو ساری دنیا کی بادشاہت بھی ملے تو میں قبول نہ کروں۔ یہ خیال کر رہا تھا کہ سلطان نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا اگر رب تعالیٰ باقی ساحلی علاقہ کو بھی فتح کرا دے تو میں اس کو تقسیم کر کے سب سے رخصت ہو کر سمندر کے جزائر کی تلاش میں نکل کھڑا ہوں تا کہ پھر کوئی روئے زمین پر اللہ کا منکر باقی نہ رہے' یا اسی راہ میں مجھے موت آ جائے۔ سلطان کی ان باتوں کا میرے دل پر بڑا اثر پڑا۔ میں نے اس سے کہا' روئے زمین پر سلطان سے زیادہ بہادر اور اللہ کے دین کی حمایت و نصرت میں اس سے زیادہ مضبوط دل اور خالص نیت رکھنے والا کوئی دوسرا نہیں ہے اور میرے دل میں جو خطرات گزر رہے تھے' ان کو بیان کر کے عرض کیا کہ آپ کے حسن نیت میں شبہ نہیں ہے' لیکن آپ کے ساتھ اس وقت فوج بہت کم ہے۔ آپ کی ذات اس زمانے میں اسلام کی پشت و پناہ ہے۔ اس کو خطرہ میں ڈالنا مناسب نہیں ہے۔ سلطان نے پوچھا: اچھا بتائیے شرعاً سب سے بہتر و معزز کون سی موت ہے؟ میں نے کہا جو اللہ کی راہ میں ہو۔ سلطان نے کہا تو میرے لیے زیادہ سے زیادہ جو خطرہ ہو سکتا ہے' وہ یہ ہے کہ میں ایک بہتر اور معزز موت مروں گا۔

صبر و استقلال

اس کی ہمت' صبر و استقلال کا یہ حال تھا کہ عکہ کے محاصرہ کے دوران میں نچلے آدھے دھڑ میں اس کثرت سے دنبل نکل آئے تھے کہ بیٹھ کر کھانا نہیں کھا سکتا تھا' لیکن اس حالت میں جہاد کی سرگرمی میں فرق نہ آیا۔ صبح سے ظہر تک اور عصر سے مغرب تک برابر گھوڑے کی پیٹھ پر رہتا تھا۔ اس کو خود تعجب ہوتا تھا اور کہتا تھا کہ جب تک گھوڑے کی پیٹھ پر رہتا ہوں' ساری تکلیف جاتی رہتی ہے اور اس سے اترتے ہی پھر عود کر آتی ہے۔ یہ صرف فضل الٰہی ہے۔ ایک مرتبہ جبکہ ہم لوگ خروبہ میں تھے سلطان سخت بیمار پڑ گیا اور تل حجاب نہ پہنچ سکا۔ فرنگیوں کو خبر ہوئی تو وہ تل حجاب کی جانب بڑھے۔ سلطان کو اس کی اطلاع ہوئی تو بیماری کی حالت میں ان کے مقابلہ کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ اس کا قاعدہ تھا کہ دشمن کو کمزور کیے بغیر خیمہ میں نہ جاتا تھا۔ گرمی بڑی سخت پڑ رہی تھی' سلطان نے دھوپ سے بچنے کے لیے چہرہ پر رومال ڈال لیا۔ تھوڑی دور جا کر پھر ٹھہر جاتا تھا۔ اسی طریقے سے اس نے پورا راستہ طے کیا اور فرنگیوں کے قریب ہو کر فوج مرتب کر کے اپنے تین لڑکوں افضل' طاہر اور ظافر کو فوج کے آگے کیا اور فرنگیوں کا منصوبہ پورا نہ ہونے دیا۔ اسی طریقے سے صفد کے محاصرہ کے زمانہ میں بڑی سخت سردی پڑ رہی تھی۔ اتفاق سے بارش بھی ہو گئی تھی' جس سے سردی اور چمک گئی تھی۔ سلطان نے پوری رات جاگ کر اپنے اہتمام میں پانچ منجنیقیں نصب کرائیں۔

ایک مرتبہ کسی جنگ کے دوران میں اس کے نوجوان لڑکے اسماعیل کی موت کی خبر

آ گئی۔ سلطان نے اس کو نہ کسی سے بیان کیا اور نہ کسی طرز عمل سے ظاہر ہونے دیا' البتہ جب موت کی اطلاع کا خط پڑھتا تھا تو آنکھیں ڈبڈبا آتی تھیں۔ اسی طریقے سے رملہ کے معرکہ کے زمانے میں اس کے نامور اور جوان بھتیجے تقی الدین عمر کی موت کی خبر آئی۔ سلطان اس کو بہت محبوب رکھتا تھا۔ اس کی موت کا سلطان کو اتنا قلق ہوا کہ ضبط کرنا مشکل ہو گیا۔ تاہم اس کا عام اعلان نہیں کیا اور لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹا کر صرف مخصوص لوگوں سے گلوگیر آواز میں بہ مشکل اتنا کہہ سکا کہ تقی الدین کا انتقال ہو گیا اور بے قرار ہو کر رونے لگا اور ہم سب لوگوں سے تاکید کر دی کہ کسی کو اس کی خبر نہ ہونے پائے۔ اس کو اپنی چھوٹی اولادوں سے زیادہ محبت تھی' لیکن اللہ کی راہ میں ان سب کو چھوڑ دیا تھا۔ اس کو دنیاوی عیش و راحت کے تمام سامان حاصل تھے' مگر ان سب کو چھوڑ کر جہاد کی پرمحن زندگی اختیار کی تھی۔

حلم و بردباری

حلم و بردباری کا پیکر تھا۔ روزانہ کا معمول یہ تھا' جنگی انتظامات کے معائنہ کے بعد کھانا کھاتا تھا' تھوڑی دیر آرام کر کے ظہر کی نماز پڑھتا تھا۔ نماز کے بعد ایک خاص صحبت ہوتی تھی' جس میں حدیث یا فقہ پڑھی جاتی تھی۔ مرج عیون کے معرکہ میں ایک دن حسب معمول جنگی کاموں سے فراغت کے بعد دسترخوان بچھایا گیا۔ کھانے کے بعد سلطان نے آرام کے لیے اٹھنا چاہا' لیکن نماز کا وقت آ گیا تھا' اس لیے پھر بیٹھ گیا۔ اس وقت صرف مقربین خاص تھے کہ اتنے میں سلطان کا ایک معزز غلام آیا اور کسی مجاہد کے متعلق کوئی درخواست پیش کرنی چاہی۔ سلطان نے کہا کہ اس وقت میں تھکا ہوا ہوں تھوڑی دیر کے بعد لانا' لیکن غلام نے درخواست سامنے بڑھا دی۔ سلطان نے اس کو پڑھ کر کہا ہاں یہ مستحق ہے۔ غلام نے عرض کی' پھر اس کے متعلق حکم صادر فرمایا جائے۔ سلطان نے کہا' اس وقت قلم دوات موجود نہیں ہے۔ غلام بولا خیمہ کے اندر ہے۔ سلطان کو بھی خیال آ گیا' چنانچہ وہ خود اٹھ کر لے آیا اور درخواست پر حکم لکھ دیا۔ میں نے عرض کیا کہ سلطان کا اخلاق' خلق نبوی ﷺ کا نمونہ ہے۔ اس نے کہا اس میں میرا کوئی نقصان نہیں ہوا اور ایک شخص کی حاجت پوری ہو گئی جس کا ثواب مجھ کو حاصل ہوا۔ بعض اوقات عرضی گزاروں کے اژدھام سے اس کا فرش مل دل جاتا تھا' لیکن سلطان کی ابرو پر شکن تک نہ پڑتی تھی۔

ایک مرتبہ میں اور سلطان پہلو بہ پہلو سواری پر جا رہے تھے۔ میری سواری بھڑک کر سلطان کی سواری سے بھڑ گئی اور سلطان کے کولہے میں رگڑ لگ گئی' وہ صرف مسکرایا۔ ایک مرتبہ کیچڑ پانی میں ہم دونوں ساتھ ساتھ خچر پر جا رہے تھے۔ میری خچر نے کیچڑ اچھال دی' جس سے سلطان کے سارے

کپڑے خراب ہو گئے۔ سلطان اس پر بھی مسکرا دیا۔ میں نے پیچھے ہٹ کر چلنا چاہا' لیکن اس نے ہٹنے نہ دیا۔ وہ دادخواہوں اور فریادیوں کی زبان سے ایسی باتیں سنتا تھا کہ دوسرا ان کی تاب نہ لا سکتا تھا' لیکن سلطان ان کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا تھا۔ حتیٰ کہ فوجی افسروں کی جنگی عدول حکمی پر بھی مواخذہ نہ کرتا تھا۔ ایک مرتبہ کسی جنگ کے سلسلہ میں رچرڈ تھوڑی سی فوج کے ساتھ سامنے آ گیا۔ سلطان نے امرا کو حملہ کا حکم دیا۔ انہوں نے اس کی تعمیل نہ کی۔ سلطان نہایت آزردہ خاطر ہوا اور لوگوں کو یقین تھا کہ ان نافرمانوں کو تو سلطان ضرور سزا دے گا۔ واپسی میں دمشق سے بہت سے میوے آئے۔ سلطان نے ان امرا کو بلا کر اسی خندہ پیشانی کے ساتھ کھلایا اور ان کو اس کی جانب سے اطمینان حاصل ہوا۔

مہمان نوازی

مہمانوں کی خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم بڑی عزت و مدارات کرتا تھا۔ صلح کے بعد برنس والی انطاکیہ سلطان کا مہمان ہوا۔ اس کے آنے کے ساتھ ہی سلطان اس کے خیمہ میں جا کر اس سے ملا۔ برنس اس سے کسی علاقہ کا طالب ہوا۔ سلطان نے عمق کا علاقہ جس کو اس نے ۵۸۴ھ میں برنس سے چھینا تھا' اس کو دے دیا۔ ایک مرتبہ صیدا کا فرنگی والی اس کے پاس آیا۔ سلطان نے اس کی بڑی عزت و توقیر کی۔ خود اس کے ساتھ کھانا کھایا اور اس کے سامنے اسلام کے محاسن بیان کر کے اس کو قبول کرنے کی دعوت دی۔ علما و مشائخ کی بڑی تعظیم کرتا تھا۔ ہم لوگوں کو ہدایت تھی کہ جو علما و مشائخ سلطانی فرودگاہ کے قریب سے گزریں ان کو سلطان کی جانب سے دعوت دی جائے اور ان کی خدمت کی جائے۔ ۵۸۴ھ میں ایک بڑے ممتاز عالم اور شیخ وقت بیت المقدس کی زیارت کے لیے آئے اور سلطان سے مل کر اس کی اسلامی خدمات پر اس کا شکریہ ادا کیا اور کچھ نصیحتیں کیں اور انہوں نے شب کو ہمارے لوگوں کے ساتھ قیام کر کے صبح کو رخصت ہونا چاہا۔ ہم نے ہر چند روکا کہ بغیر سلطان سے ملے ہوئے چلے جانا مناسب نہیں ہے' لیکن شیخ نے نہ مانا اور کہا میرا مقصد صرف سلطان کی زیارت تھی۔ اس کے علاوہ اور کوئی غرض نہیں ہے اور سلطان سے رخصت ہوئے بغیر چلے گئے۔ دو چار دن کے بعد سلطان نے پوچھا تو میں نے واقعہ بیان کیا۔ وہ سخت برہم ہوا کہ تم لوگوں نے مجھ کو ان کے جانے کی اطلاع کیوں نہیں دی۔ ایسے لوگ ملتے کہاں ہیں۔ میں ان کی کوئی خدمت نہیں کر سکا۔ سلطان کی برہمی دیکھ کر میں نے دمشق کے قاضی محی الدین کے ذریعہ شیخ مذکور کو سلطان کی برہمی کی اطلاع دے کر دوبارہ بیت المقدس آنے کی استدعا کی' چنانچہ وہ تشریف لائے' سلطان نے بڑی عزت و توقیر کے

ساتھ چند دنوں تک مہمان رکھا اور خلعت' سواری اور ہدایا و تحائف دے کر رخصت کیا۔

ایک مرتبہ ایک فرنگی قیدی سلطان کے سامنے لایا گیا۔ وہ مارے ڈر کے کانپ رہا تھا۔ سلطان نے ترجمان کے ذریعہ پوچھا کہ اتنا خوفزدہ کیوں ہے؟ اس نے جواب دیا' سلطان کا چہرہ دیکھنے سے قبل بیشک مجھ پر خوف طاری تھا' لیکن چہرہ پر نظر پڑنے کے بعد اب خوف جاتا رہا کہ ایسے چہرے سے برے سلوک کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ یہ سن کر سلطان نے اس کو رہا کر دیا اور اس کے ساتھ بڑے لطف و کرم کا سلوک کیا۔ وابستگان دولت سے خواہ کتنا ہی بڑا سلطان کا ذاتی گناہ سرزد ہو جاتا' مواخذہ نہ کرتا تھا۔ ایک مرتبہ خزانہ کے کسی عہدہ دار نے خزانہ سے مصری سونے کی دو تھیلیاں غائب کر کے ان کی بجائے پیسوں کی تھیلیاں رکھ دیں۔ سلطان نے اس سنگین جرم کی صرف اتنی سزا دی کہ خزانہ کے عمال کو دوسرے شعبوں میں منتقل کر دیا۔

وہ بڑا خوش اخلاق اور اپنے رفقا کے لیے بہترین ساتھی تھا۔ عرب کے انساب واخبار اور ان کے گھوڑوں کے نسب ناموں کا حافظ اور دنیا کے عجائب وغرائب اور ان کے نوادر و واقعات کا عالم تھا۔ ہم لوگ اس کے ان محاضرات سے مستفید ہوتے تھے' جو اور کسی سے سننے میں نہ آتے تھے۔ اس کی مجلس نہایت پاکیزہ ہوتی تھی۔ اس میں کسی برائی کا تذکرہ نہ ہوتا تھا۔ پاکیزہ سماعت تھا' ہمیشہ بھلی ہی باتیں سنتا تھا' پاکیزہ زبان تھا' کبھی کسی کے حق میں کوئی فحش اور سخت کلمہ زبان سے نہیں نکالا۔ پاکیزہ قلم تھا' اپنی تحریر سے کسی مسلمان کی تذلیل وتحقیر وایذا رسانی نہیں کی۔ عہد کا پابند اور یتیموں کا مربی اور سرپرست تھا۔ ان کے حال پر بڑی شفقت اور ان کی تالیف قلب کرتا تھا' اگر یتیموں کے اعزہ میں سے کوئی قابل اعتماد بڑا بوڑھا موجود ہوتا تو ان کو اس کی نگرانی میں دے دیتا' ورنہ ان کے کھانے پینے کا انتظام کر کے کسی ایسے شخص کے سپرد کر دیتا جو ذمہ داری کے ساتھ ان کی تربیت و نگہداشت کا فرض انجام دے سکے۔ بوڑھوں کے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آتا تھا۔ ان کے ساتھ احسان وسلوک کرتا تھا اور اس کے یہ اخلاق اس کی زندگی کے آخری لمحہ تک برابر قائم رہے۔ [1]

ان ذاتی محاسن وفضائل کے علاوہ سلطان نے بکثرت علمی وتمدنی اور مسلمانوں کی صلاح و فلاح کے کام انجام دیئے' جن کی تفصیل طویل ہے۔ سارے ممالک محروسہ میں مدرسے اور دارالعلوم قائم کیے۔ بڑے بڑے شہروں میں مسافر خانے اور شفاخانے بنوائے۔ علما ومشائخ وصوفیہ کے وظائف مقرر کیے۔ صوفیہ کے لیے خانقاہیں بنوائیں اور ان سب کے مصارف کے لیے اوقاف کیے۔ اس کے زمانہ میں مسلمانوں کا کوئی دینی وقومی کام بلکہ کوئی کار خیر ایسا نہ تھا جس کے لیے اس نے وسیع اوقاف نہ کیے ہوں۔

---

[1] یہ حالات کتاب الروضتین ج ۲' ص ۲۱۸ تا ۲۲۴ قاضی ابن شداد کے بیان سے ماخوذ ہیں۔

مدارس کا قیام

مصر' شام' فلسطین اور جزیرہ کے تمام شہروں میں سلطان اور اس کے متوسلین نے صدہا مدارس قائم کیے۔ ان میں سے بعض ایسے عظیم الشان دارالعلوم تھے کہ ساری دنیائے اسلام میں ان کی شہرت تھی۔ فاطمی خلفا کو مدارس سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس لیے ان کے زمانہ میں مصر کا ملک مدارس سے تقریباً خالی تھا۔ سب سے پہلے سلطان صلاح الدین نے یہاں مدرسے قائم کئے۔ [1] اس کے تعلیمی ذوق کو دیکھ کر اس کے لڑکوں اور اہل خاندان اور امرا بلکہ عورتوں تک میں مدرسے قائم کرنے کا شوق پیدا ہو گیا اور مصر' قاہرہ' شام اور جزیرہ وغیرہ میں انہوں نے بکثرت مدارس قائم کیے۔ [2]

خطط مقریزی' حسن المحاضرہ سیوطی' جواہر مضیہ' الدرالمنتخب' کتاب الروضتین' ابن خلکان وغیرہ میں ان مدارس کے حالات ملتے ہیں۔ خصوصاً اول الذکر دونوں کتابوں میں مصر کے مدارس کے کسی قدر تفصیلی حالات ہیں۔ ان کے نام یہ تھے۔ مدرسہ صلاحیہ' مدرسہ سیوفیہ' مدرسہ شرفیہ' مدرسہ قمحیہ' مدرسہ عالیہ' مدرسہ فائزیہ' مدرسہ فاضلیہ' مدرسہ ارکشیہ' مدرسہ فخریہ' مدرسہ عاشوریہ (یہ مدرسہ ایک ایوبی امیر کی بیوی نے قائم کیا تھا) مدرسہ قطبیہ (یہ مدرسہ سلطان کی بھتیجی ملک العادل کی لڑکی مونسہ خاتون نے قائم کیا تھا) مدرسہ مہدبیہ' مدرسہ شریفیہ' مدرسہ صالحیہ' مدرسہ مسروریہ اور مدرسہ ناصریہ۔

ان میں سے بعض مدرسے ایسے عظیم الشان اور اس سروسامان کے تھے کہ آج اس کا یقین کرنا مشکل ہو گا۔ ہر بانی مدرسہ اس کے مصارف کے لیے وقف بھی کرتا تھا اور طلبہ کے قیام و طعام اور دوسری ضروریات کی کفالت وقف ہی سے ہوتی تھی' چنانچہ ان تمام مدارس کے لیے ان کے بانیوں کی جانب سے اوقاف تھے۔ مقریزی اور سیوطی نے اس کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ [3]

اسکندریہ میں بھی بڑے بڑے مدارس تھے۔ مشہور سیاح ابن جبیر جس نے سلطان کے زمانہ میں مصر و شام کی سیاحت کی تھی۔ اسکندریہ کے حالات میں لکھتا ہے کہ اس شہر کے مناقب و مفاخر جس کا سہرا سلطان کے سر ہے اس کے مدارس و اقامت گاہیں ہیں' جو اس نے ان طلبہ اور صوفیہ کے لیے بنوائی ہیں جو دور دراز ملکوں سے حصول تعلیم اور عبادت و ریاضت کے لیے آتے ہیں۔ مدارس میں تعلیم کے ساتھ طلبہ کے قیام و طعام وغیرہ کا بھی انتظام ہے۔

[1] ابن خلکان ج ۲' ص ۴۰۲' حسن المحاضرہ سیوطی ج ۲' ص ۱۰۴۔

[2] مقریزی جلد ۴' ص ۱۹۲' ۱۹۳' سفرنامہ ابن جبیر ص ۲۷۵۔

[3] تفصیل کے لیے دیکھئے خطط مقریزی جلد ۴' حالات مدارس و حسن المحاضرہ سیوطی جلد ۲' ص ۱۴۰۔

پردیسیوں اور مسافروں کی راحت و آسائش کی جانب سلطان کی خاص توجہ ہے۔ان کے لیے اس نے حمام اور ایک بڑا شفا خانہ بنوایا ہے۔اس میں علاج کے لیے طبیب اور مریضوں کی خدمت اور ان کی دوا و غذا کے انتظام کے لیے خدام مقرر ہیں' جو بیمار شفا خانہ عام میں آنا پسند نہیں کرتے ان کے لیے علیحدہ انتظام اور خاص آدمی مقرر ہیں' جو طبیبوں کو ان کے حالات کی اطلاع دیتے ہیں۔ [1]

دمشق و حلب' خصوصاً حلب میں اتنے مدرسے قائم تھے کہ وہ شام کا تعلیمی مرکز بن گیا تھا۔قاضی القضاۃ محمد بن شحنہ حلبی نے اس کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ان کے نام یہ ہیں: [2]

مدرسہ صاحبیہ' مدرسہ ظاہریہ' مدرسہ اسدیہ' مدرسہ بدریہ' مدرسہ سیفیہ' مدرسہ ظاہریہ' مدرسہ فردوس (یہ مدرسہ الملک العادل کی لڑکی ضیفہ خاتون نے قائم کیا تھا) مدرسہ بلدقیہ' مدرسہ قمریہ' مدرسہ حدادیہ' مدرسہ جردکیہ' مدرسہ قلیجیہ' مدرسہ فسطیبیہ' مدرسہ علائیہ' مدرسہ کمالیہ عدیمیہ' مدرسہ اتابکیہ۔

ابن جبیر دمشق کے حالات میں لکھتا ہے کہ یہاں جو نیا مدرسہ، خانقاہ یا مسجد بنتی ہے' اس کے مصارف کے لیے سلطان کی جانب سے وقف کیا جاتا ہے۔اس کا شوق یہاں اتنا عام ہے کہ عورتیں تک مسجدیں' مدرسے اور خانقاہیں بنواتی ہیں اور ان کے مصارف کے لیے بڑے بڑے اوقاف کرتی ہیں۔امرا کا بھی یہی حال ہے اور اس میں لوگ ایک دوسرے پر مسابقت کی کوشش کرتے ہیں۔ [3]

ان عام مدارس کے علاوہ یتیموں اور غربا کے بچوں کی تعلیم قرآن کے لیے علیحدہ مدارس ہیں' جن کے جملہ مصارف سلطان ادا کرتا ہے۔

اس کی جانب سے علما کی جو تنخواہیں اور جو وظائف مقرر تھے ان کی مجموعی رقم تین لاکھ دینار سالانہ یعنی موجودہ سکہ کے حساب سے تقریباً پندرہ لاکھ روپے تھے۔ [4]

تمام بڑے بڑے شہروں میں صوفیہ و مشائخ کے لیے خانقاہیں بنوائیں اور ان کے لیے اوقاف کیے۔قاہرہ کی خانقاہ بڑی عظیم الشان اور فاطمی دور کے ایک محل میں تھی۔سلطان نے اس کے متعلق ایک حمام بنوایا اور اس کے لیے وقف کیا۔اس خانقاہ کے مقیم صوفیہ و مشائخ کے جملہ اخراجات وقف سے پورے کیے جاتے تھے۔خانقاہ کا منتظم اعلیٰ شیخ الشیوخ کہلاتا تھا۔ [5] بیت المقدس میں بھی ایک خانقاہ بنوائی تھی۔ [6] صوفیہ سے سلطان کو خاص عقیدت تھی۔ان کے لیے مجلس سماع منعقد کرتا تھا اور جب وہ کیفیت میں کھڑے ہو جاتے تھے تو سلطان بھی ان کے ساتھ کھڑا ہو جاتا تھا اور جب تک وہ نہ

---

[1] ملاحظہ الدر المنتخب ص ۱۰۹ تا ۱۲۳۔
[2] سفر نامہ ابن جبیر ص ۲۷۵۔
[3] سفر نامہ ابن جبیر ص ۳۵۲۔
[4] کتاب الروضتین ج ۲' ص ۱۳۸۔
[5] مقریزی ج ۴' ص ۲۷۳۔
[6] کتاب الروضتین ج ۲' ص ۱۱۴۔

بیٹھتے برابر کھڑا رہتا۔ ❶

شفا خانے

جا بجا مسافروں کے لیے اقامت گاہیں بنوائیں۔ اسکندریہ کی اقامت گاہ کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں شفا خانے تھے۔ اسکندریہ کے شفا خانے کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ سب سے بڑا شفا خانہ قاہرہ میں تھا۔ ابن جبیر نے ان الفاظ میں اس کی عظمت وشان کا ذکر کیا ہے:

قاہرہ کا شفا خانہ

قاہرہ کا شفا خانہ سلطان کے مفاخر میں ہے۔ یہ ایک نہایت خوبصورت اور شاندار ایوان معلوم ہوتا ہے۔ اس میں دواؤں کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ مریضوں کے لیے بہت سے کمرے ہیں' جن میں پلنگ اور بستروں کا پورا انتظام ہے۔ شفا خانہ کا اہتمام ایک مہتمم کے متعلق ہے۔ اس کے ماتحت بہت سے خدام ہیں' جو صبح وشام دونوں وقت مریضوں کو دیکھتے ہیں اور ان کی دوا وغذا وغیرہ کا انتظام اور اس میں تبدیلی اور اصلاح کرتے ہیں۔ اس سے متصل عورتوں کے لیے زنانہ ہسپتال ہے۔ ان کے علاج اور تیمارداری کے لیے عورتیں مقرر ہیں۔ شفا خانہ سے متعلق ایک پاگل خانہ ہے' اس کے دریچوں میں جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ ان کا علاج اور ان کی دیکھ بھال مریضوں کی طرح ہوتی ہے۔ اس شفا خانے کی جانب سلطان کی خاص توجہ ہے اور وہ برابر اس کے حالات کی تحقیقات اور مریضوں کے علاج اور ان کی نگرانی کی تاکید کرتا رہتا ہے۔ اسی سروسامان کا ایک شفا خانہ مصر میں بھی ہے۔ ❷

سلطان نے اپنے زمانے میں امور خیر کے لیے اتنے اوقاف کیے کہ تاریخ اسلام میں اس کی دوسری مثال نہیں ملتی۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ سلطان دین ودنیا دونوں میں سعید تھا۔ دنیا میں اس نے کیسے کیسے کارنامے انجام دیئے اور کیسی کیسی فتوحات حاصل کیں اور کتنے بڑے بڑے اوقاف کیے۔ ❸

ابن جبیر کہتا ہے کہ قاہرہ میں کوئی مسجد' کوئی مزار' کوئی اقامت خانہ' کوئی مدرسہ ایسا نہیں ہے جس کے متوسلین کے مصارف سلطان کی جانب سے مقرر نہ ہوں۔ ❹ اسکندریہ کے سلسلہ میں لکھتا ہے کہ یہاں کے باشندوں کو بڑی فارغ البالی حاصل ہے۔ اس سے کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا۔ سلطان کو اس شہر سے کوئی آمدنی نہیں ہے اور اس کی جانب سے مختلف کار خیر کیلئے اوقاف ہیں۔ ❺ صلحا اور اخیار کے

---

❶ ابن اثیر ج ۱۲ ص ۳۸۔ ❷ ابن جبیر ص ۵۱' ۵۲۔ ❸ ابن خلکان ج ۲' ص ۴۰۳۔
❹ سفرنامہ ابن جبیر ص ۵۲۔ ❺ سفرنامہ ابن جبیر ص ۴۲۔

مزارات کے لیے علیحدہ اوقاف تھے' جو لوگ ان مشاہد و مزارات میں مقیم ہوتے' ان کے جملہ اخراجات وقف سے پورے کیے جاتے تھے۔ مساجد کے اوقاف کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ تنہا جامع عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے مصارف تیس اشرفی روزانہ تھے۔ [1] دمشق میں کثرت سے اوقاف تھے کہ شہر کی تقریباً پوری آمدنی امور خیر کے لیے وقف تھی۔ [2]

سب سے بڑا وقف حرمین کے لیے تھا' جو آج تک قائم ہے۔ اس کی تاریخ یہ ہے کہ فاطمیہ مصر اپنے زمانہ میں فی حاجی ساڑھے سات اشرفی ٹیکس وصول کرتے تھے اور جو نادار اس کو ادا نہ کر سکتا تھا اس کو طرح طرح کی اذیتیں دی جاتی تھیں۔ امرائے مکہ بھی اس ناجائز آمدنی کے خوگر ہو گئے تھے۔ سلطان نے اپنے زمانہ میں یہ ٹیکس بند کر کے امیر مکہ کے لیے جاگیر اور حرمین کے خدام کے لیے وظائف اور اہل حرمین کے لیے آٹھ ہزار اروب سالانہ غلہ مقرر کر دیا۔ [3] جو موجودہ وزن کے اعتبار سے کم و بیش ۲۴ ہزار من کے قریب ہوتا ہے۔ یہ وقف اب تک قائم ہے اور حکومت مصر کی جانب سے حجاز کو یہ چیزیں دی جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سے اوقاف تھے جن کے حالات جستہ جستہ تاریخوں میں مذکور ہیں۔

سلجوقی حکومت کا خاتمہ

صلاح الدین ایوبی اور صلیبی لڑائیوں کو اگرچہ براہ راست عباسی خلافت کے حالات سے کوئی تعلق نہیں تھا' لیکن یہ تاریخ اسلام کا نہایت اہم واقعہ تھا اس لیے اس کا ذکر ضروری تھا۔ اب پھر اصل موضوع یعنی خلافت بغداد اور سلجوقیوں کے حالات کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

ناصر کے زمانہ میں سلجوقی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کا آخری فرمانروا طغرل بن ارسلان اپنے اولوالعزم اسلاف کے اوصاف و خصوصیات کا حامل بلکہ ان سے بڑھا ہوا تھا۔ راوندی کا بیان ہے کہ اس کے اسلاف میں اس درجہ اور اس کے جیسے اوصاف کا کوئی فرمانروا نہ گزرا تھا۔ [4] اس کو کارپرداز بھی بڑے لائق مل گئے تھے۔ شمس الدین محمد بن ایلدگز والی آذربائیجان اس کا نائب الحکومت اور محمد بن طغرل سپہ سالار افواج تھا۔ یہ دونوں اپنے کاموں میں بڑے ماہر تھے۔ شمس الدین مدبر و عالی دماغ اور محمد جری اور بہادر تھا۔ انہوں نے سلجوقی حکومت میں دوبارہ جان ڈال دی اور ان تمام علاقوں کو جو سلجوقیوں کے ہاتھ سے نکل گئے تھے دوبارہ حاصل کر لیا تھا اور اس کے قرب و جوار کے تمام حکمرانوں کو زیر کر کے اس کا تابع فرماں بنا دیا اور شمس الدین نے خلافت بغداد میں بھی سلجوقی اقتدار کو دوبارہ قائم کرنے کی کوشش کی اور

[1] سفر نامہ ابن جبیر ص ۵۔ [2] سفر نامہ ابن جبیر ص ۲۷۵۔
[3] ابن جبیر ص ۵۶ و حسن المحاضرہ ج ۲' ص ۵۶۔ [4] راحۃ الصدور ص ۳۳۲۔

اعلان کر دیا کہ خلیفہ کو صرف امامت' خطبہ اور دوسرے مذہبی کاموں سے سروکار رکھنا چاہیے اور ملک کا انتظام سلجوقی حکومت کے ہاتھوں میں دے دینا چاہیے۔ [1] لیکن ناصر زور وقوت کا خلیفہ تھا۔ اس لیے اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ شمس الدین نے مختلف حیثیتوں سے سلجوقی حکومت کو اتنی ترقی دی کہ اس کی پرانی شان وعظمت دوبارہ قائم ہوگئی۔ [2]

ذی الحجہ ۵۸۱ھ میں شمس الدین کا انتقال ہوگیا اور آذربائیجان کی حکومت پر اس کا لڑکا قزل ارسلان اس کا جانشین ہوا۔ طغرل نے بھی سلجوقی حکومت کی نیابت کا موروثی منصب اس کو عطا کر دیا' لیکن پھر کچھ ایسے اسباب پیش آئے کہ چند ہی دنوں میں باہم اختلاف ہوگیا اور قزل' طغرل کے خلاف ہوگیا۔ اس کی مخالفت سے سلجوقی حکومت کا نظام بگڑ گیا۔ راوندی نے اس کی تفصیل لکھی ہے:

طغرل خود حوصلہ مند فرمانروا تھا۔ اس نے شمس الدین کی موت کے بعد خود بھی خلافت بغداد کو اپنے ماتحت لانے کی کوشش کی اور ناصر کو لکھا کہ وہ خلافت بغداد کے انتظام کی نگرانی کے لیے بغداد میں قیام کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے سلجوقیوں کے بغدادی دارالحکومت کو اسے آباد کرنے کی اجازت دی جائے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب قزل سے اس کا اختلاف شروع ہو چکا تھا۔ قزل نے ناصر کو لکھ بھیجا کہ طغرل کی قوت بہت بڑھ گئی ہے' اگر اس کا تدارک نہ کیا گیا تو خلافت بغداد کے حق میں اس کا نتیجہ اچھا نہ نکلے گا اور طغرل کے مقابلے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں' چنانچہ اس نے طغرل کے قاصد کو واپس کر دیا اور اس کے بغدادی دارالحکومت کو مسمار کر دیا اور قزل کو اس کے مقابلے پر نامور کر دیا۔ [3]

ناصر کا حکم ملتے ہی قزل نے طغرل پر فوج کشی کر دی' لیکن طغرل نے اس کو بڑی فاش شکست دی اور وہ ناکام آذربائیجان لوٹ گیا۔ [4]

اس شکست سے قزل کی دشمنی اور بڑھ گئی اور وہ حریفانہ اس کے مقابلہ میں آ گیا۔ کئی سال تک دونوں میں جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ اسی دوران میں طغرل کا چچا اور اس کے چچیرے بھائی اور متعدد امرا اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس نے اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی' لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ قزل کو یہ حالات معلوم ہوئے تو اس نے ہمدان پر فوج کشی کر دی۔

سلجوقیوں کے آپس کے اختلاف سے طغرل کی قوت کمزور ہوگئی تھی اس لیے وہ مقابلہ نہ کر سکا اور اپنے لڑکے کو ہمدان چھوڑ کر خود یہاں سے چلا گیا۔ طغرل نے کچھ دور تک تعاقب کیا' لیکن طغرل نفجان کے علاقہ کی طرف نکل گیا اور قزل نے پلٹ کر طغرل کی جاگیروں پر قبضہ کر کے اسے لوٹ کر اس کو ویران

[1] راحۃ الصدور ص ۳۳۳' ۳۳۴۔ [2] راوندی نے اس کے متفرق حالات لکھے ہیں۔

[3] تاریخ الخلفاء ص ۴۶۶' وابن اثیر ج ۱۲' ص ۲۱۲۔ [4] تاریخ گزیدہ ج ۱' ص ۴۵۷۔

کر ڈالا۔ چند دنوں کے بعد طغرل باحال تباہ پھر ہمدان واپس آیا' لیکن یہاں کوئی امید نظر نہیں آئی۔ اس لیے تاج و تخت کو خیر باد کہہ دیا' لیکن اس کا وجود بھی قزل کے لیے خطرہ سے خالی نہ تھا۔ اس لیے اس نے اس کو گرفتار کرا لیا اور سلجوقی خاندان کے ایک رکن سنجر بن سلیمان کو تخت نشین کرنے کا ارادہ کیا' مگر پھر ناصر کے اشارے سے خود بادشاہ بن گیا۔ [1] حمد اللہ مستوفی کا بیان اس سے مختلف ہے' لیکن آخری نتیجہ دونوں کا ایک ہے۔ [2]

لیکن اس کو زیادہ دنوں تک حکومت کا موقع نہ مل سکا اور خود ان سلجوقی امرا نے جنھوں نے طغرل کو گرفتار کیا تھا شوال ۵۸۷ھ میں قزل کو قتل کر دیا۔ اس کے قتل کے بعد اس کے بھائی امیر قتلغ ایناخ اور دوسرے عراقی امرا نے سلجوقی حکومت کو آپس میں تقسیم کر لیا' لیکن اقتدار قتلغ کا رہا۔ قزل کے موروثی علاقہ آذربائیجان کی حکومت اس کے دوسرے بھائی ابوبکر کے ہاتھوں میں آئی۔ [3]

اس واقعہ کے چند دنوں بعد سلجوقی حکومت کے قدیم نمک خوار امرا امیر حسام الدین درزماری، امیر ناسوغ لی اور امیر سیف الدین وغیرہ طغرل کو قید سے چھڑا لائے اور قتلغ اور اس کے ساتھیوں کو شکست دے کر طغرل کو دوبارہ تخت نشین کیا۔

قتلغ علاؤ الدین تکش فرمانروائے خوارزم سے مدد کا طالب ہوا۔ یہ خوارزمی حکومت کے عروج کا زمانہ تھا۔ علاؤ الدین توسیع سلطنت میں مصروف تھا۔ قتلغ کی درخواست پر اسے عراق و فارس میں اقتدار قائم کرنے کا موقع مل گیا وہ فوراً قتلغ کی مدد کے لیے پہنچا۔ قتلغ کو علاؤ الدین کی نیت کا اندازہ ہو گیا اس لیے وہ پہلو بچا کر طبرک کے قلعہ میں چلا گیا اور علاؤ الدین نے قلعہ اور رے پر قبضہ کر لیا۔ طغرل میں اس کے مقابلے کی طاقت نہ تھی اس لیے صلح کر لی۔ اسی دوران میں خوارزم پر علاؤ الدین کے بھائی سلطان شاہ کی فوج کشی کی خبر آ گئی' اس لیے وہ خوارزم لوٹ گیا۔ [4]

قتلغ خاموش بیٹھنے والا نہ تھا' اس لیے علاؤ الدین تکش کی واپسی کے بعد طغرل نے اس کے شر سے بچنے کے لیے اس کی لڑکی قتیبہ خاتون سے شادی کر لی' لیکن اس تعلق کے بعد بھی قتلغ اس کی مخالفت سے باز نہ آیا اور اپنی لڑکی کے ذریعے طغرل کو زہر دینے کی کوشش کی' مگر راز فاش ہو گیا اور طغرل نے زہر کا وہ پیالہ جو اس کے لیے تیار کیا گیا تھا' زبردستی اپنی بیوی کو پلوا دیا۔ وہ مر گئی اور قتلغ ایناخ کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ پھر چند دنوں کے بعد امرائے دولت کی سفارش پر رہا کر دیا۔ [5]

---

[1] راوندی نے یہ حالات بہت طویل لکھے ہیں۔ ہم نے صرف خلاصہ نقل کیا ہے۔

[2] تاریخ گزیدہ ج ۱ ص ۴۷۵۔　[3] راحۃ الصدور ص ۳۶۵۔

[4] ابن اثیر ج ۱۲ ص ۴۱۔　[5] تاریخ گزیدہ ج ۱ ص ۴۷۶۔

قید سے چھوٹنے کے بعد قتلغ رے چلا گیا اور طغرل سے مل گیا۔ ناصر ایسے مواقع کا منتظر ہی رہتا تھا۔ طغرل اور علاؤ الدین خوارزم شاہ کی مخالفت دیکھ کر اس نے خوارزم شاہ کو باضابطہ مفتوحہ ممالک کی سند حکومت عطا کر کے اس کے لیے وزیر موید الدین کے ہمراہ خلعت بھیجا اور خوارزم شاہ کو طغرل کے مقابلے میں کھڑا کر دیا۔ [1]

راوندی کے بیان کے مطابق جب خوارزم شاہ کی حکومت کا دائرہ ماژندران کے حدود تک پہنچ گیا اور طغرل کو رے تک اس کے حملے کا خطرہ پیدا ہوا تو وہ خود اس کے تدارک کے لیے رے گیا۔ اس کا خطرہ صحیح نکلا۔ اس کے بعد ہی خوارزم شاہ قتلغ کی دعوت پر رے پہنچا۔ قتلغ نے طغرل کے فوجی افسروں کو ملا لیا تھا۔ اس لیے عین میدان جنگ میں انہوں نے طغرل کا ساتھ چھوڑ دیا اور خوارزمی فوج نے طغرل کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ [2] اور خوارزم شاہ نے اس کا سر ناصر کے ملاحظہ کے لیے بغداد بھجوا دیا۔ طغرل کے قتل کے بعد موید الدین خلعت لے کر ہمدان پہنچا' لیکن اس میں اور خوارزم شاہ میں بدگمانی پیدا ہو گئی۔ اس لیے موید الدین خلعت دیئے بغیر لوٹ گیا۔

طغرل کے قتل کے بعد ۵۹۰ھ میں سلجوقی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور خوارزم شاہ اس کا وارث بنا اور پایہ تخت ہمدان پر قتلغ کو اور دوسرے علاقوں پر اپنے مختلف غلاموں کو میانجق کے زیر سیادت مقرر کر کے خوارزم واپس گیا۔ [3]

عراق وفارس پر ناصر کا قبضہ

مقتفی نے اپنے زمانہ میں گو خلافت بغداد سے سلجوقیوں کا اثر واقتدار ختم کر دیا تھا' لیکن خوزستان اور عراق کے علاقے سلجوقیوں یا ان کے عمال ہی کے زیر سیادت تھے اور خوزستان پر ان کی جانب سے امیر شملہ حکمران تھا۔ سلجوقیوں کے خاتمہ کے بعد عباسی وزیر موید الدین کو خوزستان اپنے قبضہ میں لینے کا خیال پیدا ہوا۔ اس وقت شملہ کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کے لڑکوں میں پھوٹ پڑ گئی تھی۔ ایک لڑکا اپنے بھائیوں کے مقابلے میں موید الدین سے مدد کا طالب ہوا۔ یہ اس موقع کا منتظر ہی تھا' اس لیے ۵۹۱ھ میں فوج کشی کر کے خوزستان اور اس کے آس پاس کے قلعوں پر جن پر چھوٹے چھوٹے حکمران قابض تھے' قبضہ کر لیا اور شملہ کے لڑکوں کو گرفتار کر کے بغداد بھجوا دیا۔ [4]

اسی دوران میں امیر قتلغ اور میانجق میں جنہیں خوارزم شاہ عراق وعجم کا حاکم بنا گیا تھا' اختلاف

---

[1] ابن اثیر ج ۱۲' ص ۴۲۔ [2] راحۃ الصدور ص ۳۷۰' ۳۷۱۔

[3] ابن اثیر ج ۱۲' ص ۴۲۔ [4] ابن اثیر ج ۱۲' ص ۴۲۔

ہو گیا۔ میانجق نے قتلغ کو یہاں سے نکال دیا۔ اس نے موید الدین کے پاس جا کر اس سے مدد چاہی۔ اس لیے اسے عراق عجم میں بھی مداخلت کا موقع مل گیا اور وہ قتلغ کے ساتھ ہمدان پہنچا۔ میانجق میں اس کے مقابلے کی طاقت نہ تھی۔ اس نے ہمدان چھوڑ دیا اور ہمدان' خرقان' مرزغان' ساوہ' آوہ اور رے وغیرہ عراق عجم کے بڑے حصہ پر موید الدین کا قبضہ ہو گیا۔ قتلغ اینانج نے میانجق سے اپنا علاقہ چھڑانے کے لیے موید الدین کی مدد حاصل کی تھی' لیکن جب اس نے دیکھا کہ وہ خود قابض ہو گیا' تو اس سے بھی لڑنے کے لیے آمادہ ہو گیا۔ موید الدین نے اسے بھی شکست دی۔ خوارزم شاہ نے یہ صورت دیکھ کر موید الدین سے مفاہمت کی کوشش کی' لیکن اس نے انکار کر دیا۔ اس کے انکار پر خوارزم شاہ نے فوج کشی کر دی۔ اس درمیان میں موید الدین کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس لیے پھر خوارزم شاہ نے ہمدان پر قبضہ کر لیا۔ [1]

اصفہان میں خوارزم شاہ کی جانب سے اس کا لڑکا حاکم تھا۔ اصفہانی خوارزمیوں کو ناپسند کرتے تھے۔ یہاں کے ممتاز عالم صدر الدین خجندی بھی جن کا بڑا اثر تھا' ان کے خلاف تھے۔ انہوں نے ناصر کو لکھ کر ۵۹۱ھ میں اصفہان پر اس کا قبضہ کرا دیا۔

ہمدان پر قبضہ کے بعد خوارزم شاہ خراسان چلا گیا تھا۔ اس کی واپسی کے بعد امیر ایلدکز بن بہلوان والی آذربائیجان کے ایک غلام کوکجہ نے رے اور اصفہان دونوں پر قبضہ کر لیا اور ناصر کو لکھ کر اصفہان ہمدان' زنجان وقزوین عباسی خلافت کے حوالے کر کے اس سے رے' ساوہ' قم وقاشان کی سند حکومت حاصل کر لی۔ ناصر نے اسے خلعت بھی عطا کیا' اس سے کوکجہ کی شان وشوکت بہت بڑھ گئی۔ [2]

۵۹۶ھ میں علاؤ الدین تکش خوارزم شاہ کا انتقال ہو گیا اور اس کا لڑکا علاؤ الدین محمد تخت پر بیٹھا۔

۶۰۰ھ میں ایک دوسرے بہلوانی غلام ایتغمش نے کوکجہ کو قتل کر کے اس کے مقبوضات حاصل کر لیے۔ یہ آٹھ سال تک حکمران رہا۔ ۶۰۸ھ میں تیسرے بہلوانی غلام منکلی نے ایتغمش کو شکست دے کر اس کے مقبوضات چھین لیے۔ اس نے بغداد جا کر ناصر سے فریاد کی۔ ناصر نے مدد دینے کا وعدہ کیا' لیکن بغداد سے واپسی میں منکلی نے اس کو قتل کر دیا۔ ناصر کو اس سے بڑی تکلیف ہوئی۔ اس نے منکلی کو ملامت کی۔ اس نے اس کو بڑا سخت جواب دیا اور قوت کے گھمنڈ میں اپنے آقا زادہ ازبک بن بہلوان والی آذربائیجان کو بھی اپنے خلاف بنا لیا۔ ناصر کو موقع مل گیا۔ اس نے ازبک کو اس کے مقابلہ پر آمادہ کر دیا اور جلال الدین اسماعیلی والی قلعہ الموت اور جزیرہ وحلب کے فرمانرواؤں کو اس

---

[1] ابن اثیر ج ۱۲ ص ۴۴۔ [2] ابن اثیر ج ۱۲ ص ۴۶۔

کی مدد کا حکم دیا۔ خود بھی بغداد سے فوجیں بھیجیں۔ ان سب نے مل کر منکلی کو بڑی فاش شکست دی اور اپنے دوست ساوہ کے شحنہ کے پاس چلا گیا۔ اس نے اس کا سر قلم کر کے بغداد بھجوا دیا۔ [1] ۶۱۴ھ میں پھر خوارزم شاہ نے عراق عجم پر فوج کشی کر کے اس کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا۔

علاؤالدین محمد اور ناصر کا اختلاف

اس دور کے تمام مسلمان سلاطین میں علاؤالدین محمد خوارزم شاہ سب سے زیادہ طاقتور تھا۔ ماوراء النہر اور خراسان سے لے کر سندھ و کابل تک اس کی حکومت تھی اور سارے وسط ایشیا میں اس کی عظمت و شان کا ڈنکا بجتا تھا' لیکن خلافت بغداد میں اس کو اس کے مقبوضہ ملکوں کی سند حکومت کے علاوہ جو ہر حکمران کو مل جاتی تھی' کوئی امتیاز خاص حاصل نہ تھا اور اس کی یہ دلی خواہش تھی کہ سلجوقیوں کی طرح اسے بھی خلافت بغداد کی جانب سے سلطان کا خطاب ملتا اور بغداد میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا' لیکن ناصر اس کے لیے آمادہ نہ ہوتا تھا۔ اس لیے عراق عجم پر قبضہ کے بعد اس نے بغداد پر فوج کشی کا ارادہ کیا اور روانگی سے پہلے پندرہ ہزار سپاہ آگے بھیج دی۔ یہ ہمدان سے نکلی ہی تھی کہ اس شدت کی برفباری ہوئی کہ فوج کے کل جانور اور بہت سے آدمی ہلاک ہو گئے۔ علاؤالدین محمد نے اس کو بدشگونی پر محمول کیا اور بغداد پر فوج کشی کا ارادہ ملتوی کر کے ناصر کا خطبہ بند کر دیا۔ [2]

تاریخ جہانکشا جوینی سے معلوم ہوتا ہے کہ علاؤالدین نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ناصر کی مخالفت میں ایک فتویٰ بھی مرتب کرایا کہ عباسی خلفا دشمنوں سے ملک کی حفاظت اور کفار سے جہاد کی قوت نہیں رکھتے اور وہ اسلام کے اس سب سے بڑے فرض سے غافل ہیں اس لیے خلافت کے مستحق نہیں رہے اور اہل بیت کے ایک بزرگ علاء الملک کو جو ترمذ میں تھے' خلیفہ بنانے کا ارادہ کیا' لیکن اسی دوران میں عراق پر اتابک سعد کی فوج کشی کی خبر آ گئی اور خوارزم شاہ ادھر متوجہ ہو گیا اور اس کا ارادہ پورا نہ ہو سکا۔ [3]

تاتاری

چھٹی صدی ہجری کا آغاز ساری دنیائے اسلام خصوصاً وسط ایشیا کی اسلامی حکومتوں کے لیے انتہائی ہولناک دور تھا۔ اسی زمانہ میں وحشی تاتاریوں کا طوفان اٹھا اور ترکستان سے لے کر وسط ایشیا اور

---

[1] ابن اثیر ج ۱۲' ص ۱۱۸۔ [2] ابن اثیر ج ۱۲' ص ۱۲۲۔

[3] تاریخ جہانکشا جوینی ج ۲' ص ۹۶' ۹۷۔

روس تک چھا گیا اور چند برسوں کے اندر مشرق کے سارے اسلامی ملکوں کو زیر وزبر کر ڈالا۔ بے شمار مسلمان بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر ڈالے گئے۔ سینکڑوں بڑے بڑے شہر خاک کا ڈھیر ہو گئے اور وسط ایشیا کا پورا علاقہ جو تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا' بالکل ویران ہو گیا۔ دنیائے اسلام پر ایسی تباہی کبھی نہ آئی تھی۔ مشرق سے لے کر مغرب تک خاک اڑنے لگی۔ اس کا آغاز علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی ایک غلطی سے ہوا' جس کی تفصیل آئندہ آتی ہے۔ تاتاریوں کا وطن منگولیا یا مغلستان کا صحرائے گوبی تھا۔ یہ خطہ قدرت کی فیاضیوں سے بالکل محروم بے آب و گیاہ تھا۔ سایہ دار درختوں کا کہیں وجود نہ تھا۔ نباتات میں صرف جا بجا مویشیوں کی چراگاہیں تھیں۔ گرمی اور سردی دونوں موسم نہایت سخت ہوتے تھے۔ [1]

تاتاری اسی بے آب و گیاہ صحرا میں وحشیانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ شکار کے جانوروں اور کتوں تک کا گوشت کھاتے تھے اور انہیں کی کھال اوڑھتے تھے۔ قبائل میں کوئی ضبط و نظام نہ تھا۔ سب جدا جدا زندگی بسر کرتے تھے اور آپس میں ہمیشہ جنگ برپا رہتی تھی اور وہ ہر قسم کے فواحش میں مبتلا تھے۔ [2]

لیکن صحرائے گوبی کے شمالی علاقے میں چنگیز کے آباؤ اجداد کو ایک طرح کی سیادت حاصل تھی۔ [3] ابھی چنگیز نوعمر تھا کہ اس کے والد کا انتقال ہو گیا۔ تاتاری قبائل نے ایک نوعمر کی سرداری قبول نہ کی، اس کے خلاف ہو گئے اور چنگیز پر مشکلات و مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا' لیکن چنگیز فطرۃً نہایت جری اور حوصلہ مند تھا۔ اس نے بڑے استقلال سے ان مصائب کا مقابلہ کیا اور بڑی بڑی مشکلات جھیلنے کے بعد بالآخر سب پر غالب آیا اور تاتاری سرداروں کو مغلوب کر کے اپنی ریاست قائم کر لی اور چند برسوں کے اندر صحرائے گوبی سے نکل کر چین و ترکستان تک زیر نگیں کر لیے۔

چنگیز جہانگیر کے ساتھ جہاندار بھی تھا۔ اس نے حکومت کے باقاعدہ قوانین و ضوابط مرتب کیے جو یاسا کے نام سے موسوم تھے۔ جوینی نے اس کو نقل کیا ہے۔ چنگیز نے تمدنی حیثیت سے تاتاری حکومت کو بڑی ترقی دی۔ وحشی تاتاریوں کی زندگی یہ تھی کہ وہ کتے تک کا گوشت کھاتے تھے اور اس کی کھال اوڑھتے تھے۔ صرف سرداروں کے گھوڑوں کی رکاب لوہے کی ہوتی تھی' یا چنگیز نے چند برسوں میں اس ویرانہ کو عشرت کدہ بنا دیا۔ جوینی کا بیان ہے کہ تاتار کا علاقہ زندان سے چمنستان اور بیابان سے ایوان مسرت بن گیا اور تاتاری دوزخ سے جنت میں پہنچ گئے۔ مشرق و مغرب کے دور دراز علاقوں کی مصنوعات اور ہر طرح کے ساز و سامان کھنچ کھنچ کر تاتار کے بازاروں میں پہنچ گئے۔ کھانے پینے کے سامانوں کی بڑی فراوانی ہو گئی اور ملک زراعت سے سرسبز و شاداب و آباد ہو گیا۔ [4]

---

[1] چنگیز خان ہیرلڈ لیمب ترجمہ اردو ص ۸۔ [2] تاریخ جہانگشا جوینی ج ۱' ص ۱۵۔

[3] چنگیز خان ہیرلڈ لیمب ترجمہ اردو ص ۲۰۔ [4] جہانگشائے جوینی ج ۱' ص ۱۵ و ۱۶ ملخصاً۔

چنگیز اور علاؤ الدین محمد کا اختلاف

۶۱۷ھ میں چنگیز عذاب الٰہی بن کر دنیائے اسلام پر ٹوٹ پڑا۔اس کا آغاز علاؤ الدین محمد اور چنگیز خاں کے اختلاف سے ہوا۔اس کے مختلف اسباب بیان کیے جاتے ہیں' لیکن اصلی سبب یہ تھا کہ ابتدا میں تاتار کا علاقہ متمدن دنیا سے بالکل الگ تھا اور تاتاری خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے۔اس لیے باہر کے تاجر اور بیرونی مصنوعات وہاں بہت کم پہنچتی تھیں اور مشرقی ملکوں کے اعلیٰ کپڑے تاتار میں بہت گراں ملتے تھے۔چنگیز خان ان کا شائق تھا۔اس نے اپنے عمال کو ہدایت کی تھی کہ دوسرے ملکوں کے اعلیٰ کپڑوں کے جو تاجر تاتار آئیں' انہیں اس کے پاس حاضر کر دیا جائے۔اتفاق سے اسی زمانہ میں خوارزم کے چند مسلمان تاجر تاتار گئے تھے۔عمال نے انہیں چنگیز کے پاس پہنچا دیا۔اس نے کپڑے خریدے اور ان تاجروں کی واپسی کے وقت خوارزم شاہ کے ملک کی عمدہ مصنوعات کی خریداری کے لیے اپنے یہاں کے کئی سو آدمی ان کے ساتھ کر دیئے اور خوارزم شاہ کے پاس پیام کہلا بھیجا کہ میں تمہارے ملک کے تاجروں کے ہمراہ اپنے یہاں کے تاجروں کی ایک جماعت تمہارے یہاں کی مصنوعات کی خریداری کے لیے بھیجتا ہوں۔امید ہے کہ اس سے ہم دونوں کے درمیان بدگمانی دور ہوگی اور آپس میں اتحاد و اتفاق کی بنیاد پڑے گی۔تاجروں کا یہ قافلہ جب خوارزمی حکومت کی سرحد اترار پہنچا تو یہاں کے حاکم اینال جق المعروف بہ غائر خاں نے ایک ہندی تاجر کو جس سے پہلے کی شناسائی تھی' بلا بھیجا۔یہ چنگیز خان کے گھمنڈ میں نہ گیا۔اس سے غائر خان بگڑ گیا اور اس قافلہ کے پاس جو مال تھا' اس کی بھی اس کو طمع دامن گیر ہوئی۔اس نے اس کو روک لیا اور علاؤ الدین محمد کو اس کی اطلاع دی۔اس نے انجام پر غور کیے بغیر ان کا سامان ضبط کر کے قتل کرنے کا حکم دیا۔غائر خاں نے بلا تامل اس کی تعمیل کی۔ان میں سے ایک شخص جان بچا کر بھاگ گیا اور چنگیز کو اس واقعہ کی خبر کی۔وہ سن کر جوش غضب سے لبریز ہو گیا اور علاؤ الدین محمد کے پاس کہلا بھیجا کہ تم نے میرے آدمیوں کو دھوکے سے قتل کیا ہے' اس کے انتقام کے لیے تیار ہو جاؤ۔ [1] حمد اللہ مستوفی کا بیان ہے کہ چنگیز خان نے پہلے خوارزم شاہ کے پاس کہلا بھیجا کہ وہ غائر خان کو قصاص کے لیے اس کے حوالہ کرے' خوارزم شاہ اس پر آمادہ نہ ہوا بلکہ الٹے چنگیز کے قاصد کو قتل کرا دیا۔ [2]

ابن اثیر میں اتنا اور اضافہ ہے کہ خوارزم شاہ نے اصل قاصد کو قتل کر دیا اور اس کے باقی ساتھیوں کی ڈاڑھیاں منڈوا کر ان کی زبانی چنگیز خان کے پاس کہلا بھیجا کہ میں خود تمہارے مقابلہ

---

[1] تاریخ جہانکشا جلد اول ص ۶۱' ۶۲۔ملخصاً [2] تاریخ گزیدہ ج ا' ص ۴۹۷۔

میں آتا ہوں‘ اگر تم دنیا کے آخری حصہ میں بھی ہو گے تو تم کو نہ چھوڑوں گا اور تمہارے قاصدوں کو جو سزا دی ہے‘ وہی سزا تم کو بھی دوں گا۔ [1] اتفاق سے اسی زمانہ میں تاتاریوں کی ایک فوج ایک ترک فرمانروا توق خان کے مقابلہ کے لیے گئی ہوئی تھی۔ خوارزم شاہ کو اس کی خبر ہو گئی تو وہ اس کے مقابلے کے لیے نکل کھڑا ہوا اور جب تاتاری توق خان کی مہم سر کر کے واپس ہو رہے تھے تو راستے میں ان کا اور خوارزم شاہ کا سامنا ہو گیا۔ تاتاریوں نے اس کو سمجھایا کہ ہم ایک دوسری مہم کے لیے نکلے تھے۔ تمہارے مقابلے کے لیے نہیں بھیجے گئے تھے‘ اس لیے تم سے لڑنا نہیں چاہتے‘ لیکن خوارزم شاہ نے سماعت نہ کی۔ دونوں میں جنگ ہوئی‘ مگر ایک ہی معرکہ کے بعد دونوں نے اپنی اپنی راہ لی۔ [2]

ابن اثیر کی روایت ہے کہ خوارزم شاہ نے چنگیز کو الٹی میٹم بھیجنے کے بعد اپنے ہم سرحد تاتاری علاقہ پر فوج کشی کر دی۔ اتفاق سے اس وقت یہاں کے سب مرد چنگیز کے لڑکے کے ساتھ ترک فرمانروا کشلو خاں کے مقابلے میں چلے گئے تھے۔ صرف عورتیں اور بچے رہ گئے تھے۔ خوارزم شاہ نے ان سب کو گرفتار کر لیا۔ اس دوران میں چنگیز خان کا لڑکا کشلو خان کی مہم سے فارغ ہو کر لوٹ چکا تھا۔ راستہ میں اس کو خوارزم شاہ کی فوج کشی کا حال معلوم ہوا۔ وہ فوراً اس کی تلاش میں پہنچا۔ خوارزم شاہ موجود تھا‘ دونوں میں بڑی خونریز جنگ ہوئی اور تین دن کے بعد خوارزم شاہ لوٹ گیا۔ [3]

اس درمیان میں چنگیز خان ایک لشکر جرار کے ساتھ اترار پہنچ گیا اور یہاں سے خوارزمی حکومت کے مختلف حصوں پر حملہ کیلئے علیحدہ علیحدہ امرا مامور کیے۔ اپنے لڑکے چغتائی اور اکتائی کو اترار کے محاصرہ پر متعین کیا۔ دوسرے لڑکے توشی اور تاتاری امرا کو ترکستان کے مختلف علاقوں کی جانب روانہ کیا اور خود بخارا کی طرف بڑھا۔ چغتائی اور اکتائی نے پانچ مہینے کے محاصرہ کے بعد اترار کو فتح کر لیا اور غائر خان کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ اترار کے بعد سمرقند روانہ ہو گیا۔

امیر توشی اور الش ایدی نے جند بار‘ جلیغ کنت اور کند اور اشناس وغیرہ کو فتح کر کے ان شہروں کو لوٹا اور آبادی کا قتل عام کیا۔ صرف جند کے باشندوں کو اس لیے چھوڑ دیا کہ انہوں نے مزاحمت نہیں کی تھی۔ جند کو فتح کرنے کے بعد توشی اور الش ایدی‘ علی خواجہ کو یہاں کا حاکم بنا کر قراقرم لوٹ گئے اور تاتاری فوج نے نیکی کنت کا رخ کیا۔ امیر الاق‘ نویں‘ امیر سکتو اور امیر نقالی نے فنا کت اور خجند کو زیر نگین کر کے ان کو لوٹ کر ویران کیا۔ [4]

خوارزمی سلطنت میں ماوراء النہر کا صوبہ اپنی سرسبزی‘ شادابی اور علمی و تمدنی ترقی کے اعتبار سے

[1] ابن اثیر ج ۱۲‘ ص ۱۴۰۔ [2] جہانکشا ج ۲‘ ص ۱۰۴‘ ۱۰۵۔
[3] ابن اثیر ج ۱۲‘ ص ۱۴۱۔ [4] جوینی نے اس کی پوری تفصیل لکھی ہے۔

سلطنت کی جان تھا۔

"بخارا' از بلاد و مشرقی قبہ اسلام است و درمیان آں نواحی بمثابت مدینۃ السلام (بغداد) سوادآں بہ بیاض نور علما و فقہاآراستہ و اطراف آں بطرف معالی پیراستہ از قدیم بازدرہرقرنے مجمع نحاریر علمائے ہردین آں روزگار بودہ است' سمرقند منظم ترین بقاع مملکت سلطان بفصحت رقبہ و خوش ترین رباع بطیب بقعہ ونزہ ترین بہشتہائے دنیا باتفاق از جملہ جنان اربعہ" ❶

اس صوبہ کی اہمیت کی بنا پر چنگیز خان نے اس پر فوج کشی کی تھی۔ خوارزم شاہ نے بھی اس کی حفاظت کے بڑے مکمل انتظامات کیے تھے۔ ❷ چنگیز خان زرنوق اور نور بخارا کو فتح کرتا ہوا محرم ۶۱۷ھ میں بخارا پہنچا اور اس کا نہایت سخت محاصرہ کر لیا۔ خوارزمی فوج اور اہل بخارا نے دو چار دن تک مدافعت کی' لیکن تاتاری سیلاب کو روکنا ان کے بس سے باہر تھا۔ بعض افسروں کی بھی ہمت چھوٹ گئی۔ اس لیے بخارا کے علما وعمائد چنگیز کے پاس جا کر امان کے طالب ہوئے۔ اس نے منظور کر لیا' بخاریوں نے شہر کے دروازے کھول دیئے اور تاتاری فوج بخارا میں داخل ہو گئی۔

بخارا کی جامع مسجد بہت عظیم الشان تھی۔ چنگیز نے اس کو دیکھ کر پوچھا کیا یہ شاہی محل ہے؟ لوگوں نے جواب دیا' اللہ کا گھر ہے۔ چنگیز نے گھوڑوں کو دانہ کھلانے کا حکم دیا۔ اس حکم پر تاتاری غلہ کے ذخیروں پر ٹوٹ پڑے اور شہر بھر کا غلہ جمع کر کے کلام مجید کے صندوقوں کو توڑ کر کلام مجید پھینک دیئے اور صندوقوں میں گھوڑوں کو چارہ دیا اور علما ومشائخ کو ان کی نگرانی پر متعین کیا اور شہر کی پوری آبادی کو باہر میدان میں لے جا کر ارباب ثروت سے ان کی دولت نکلوائی۔ خوارزمی فوج کا ایک حصہ قلعہ میں رہ گیا تھا جو تاتاریوں پر حملہ کرتا رہتا تھا۔ اس لیے چنگیز نے شہر میں آگ لگوادی اور سارا شہر جل کر خاک ہو گیا۔ صرف جامع مسجد کی عمارت باقی رہ گئی۔ قلعہ کی فوج نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ اس میں بہت سے تاتاری مارے گئے' لیکن آخر میں تاتاریوں نے قلعہ بھی فتح کر لیا۔ قلعہ فتح کرنے کے بعد انہوں نے شہر کے ان تمام باشندوں کو جو کام کے لائق تھے' جنگی کاموں کے لیے چھانٹ لیا۔ باقی ماندہ کو چھوڑ دیا اور بخارا بالکل ویران ہو گیا۔ ایک عینی شاہد نے بخارا کی تباہی کی

---

❶ جہانکشائے جوینی ج ۱' ص ۷۵-۹۰۔ ❷ ابن اثیر ج ۲' ص ۱۴۰۔

کیفیت ان الفاظ میں بیان کی ہے:

"آمدند و کندند و سوختند و بردند و رفتند" ❶

ابن اثیر کا بیان ہے کہ بخارا پر قبضہ کے بعد یہاں کے جو باشندے زندہ بچ رہے تھے' تاتاریوں نے ان کو قتل کر دیا یا لونڈی غلام بنالیا۔ بخارا کی تباہی اور قتل عام پر لوگوں کی گریہ وزاری سے بڑا دردناک منظر پیدا ہو گیا تھا۔ تاتاری علانیہ عورتوں کی بے حرمتی کرتے تھے اور کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ بخارا کے سارے مدارس جل کر خاک کا ڈھیر ہو گئے۔ ❷

بخارا کو تباہ کرنے کے بعد چنگیز نے سمرقند کا رخ کیا۔ خوارزم شاہ نے اس کی حفاظت کا پورا انتظام کیا تھا۔ اس کے گرد نہایت بلند و مستحکم شہر پناہ تعمیر کرائی تھی۔ اس کے چاروں طرف گہری اور وسیع خندق کھود کر اس کو دریا سے ملا دیا تھا اور ایک لاکھ دس ہزار منتخب سپاہ اس کی حفاظت کے لیے متعین کی تھی۔ اس لیے چنگیز نے بھی بڑے اہتمام کے ساتھ اس پر فوج کشی کی تھی۔ اس کی فتح کی تفصیلات میں عربی و فارسی مورخین کے بیان میں اختلاف ہے' لیکن نتیجہ دونوں کا ایک ہے۔ اہل سمرقند نے بڑی پامردی سے مدافعت کی' لیکن تاتاری سیلاب کو نہ روک سکے اور آخر میں ان کے سامنے سپر ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ سمرقند پر قبضہ کے بعد تاتاریوں نے بخارا کی طرح اس کی بھی کل دولت لوٹ لی۔ جنہوں نے چھپانے کی کوشش کی' انہیں اذیتیں دے کر اقرار کرایا۔ کچھ مسلمانوں نے مسجد کو آڑ بنالیا تھا۔ اس لیے تاتاریوں نے اس کو جلا کر خاکستر کر دیا اور سمرقند کے ان باشندوں کو جو لونڈی غلام بنانے کے لائق تھے' قید کر لیا۔ باقی عورتوں اور بچوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ ❸

اس زمانہ میں خوارزم شاہ بلخ میں تاتاریوں کے مقابلے کی تدبیر میں مصروف تھا اور امرا کے مشورہ سے وہ جنگ کی تیاری کے لیے بخارا سے عراق روانہ ہو گیا تھا۔ ترمذ کے قریب پہنچ کر خبر ملی کہ سمرقند و بخارا پر تاتاریوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس خبر سے سلطان کی ہمت چھوٹ گئی اور وہ نیشاپور چلا گیا۔ جوینی کا بیان ہے کہ وہ غم غلط کرنے کے لیے عیش ونشاط میں مشغول ہو گیا۔ ❹

یہ صورت حال دیکھ کر خراسان کے عمائد نے نیشاپور کے حاکم مجیر الملک کے پاس جا کر اس کو

---

❶ جوینی نے ان واقعات کو بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ دیکھو ج ۱' ص ۷۶ تا ۸۵۔ ❷ ابن اثیر ج ۱۲' ص ۱۴۱۔

❸ جوینی نے اس کی بڑی تفصیل لکھی ہے۔ ہم نے خلاصہ نقل کیا ہے' تفصیل کے لیے دیکھو جہانکشائے جوینی ج ۱' ص ۹۱ تا ۹۵' و ابن اثیر ج ۱۲' ص ۱۴۱' ۱۴۲۔

❹ یہ جوینی کا بیان ہے۔ عربی مورخین کے بیان کے مطابق جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا خوارزم شاہ ہر قسم کی لغویات سے پاک اور بڑا محتاط فرمانروا تھا۔

ملامت کی کہ ملک کا یہ حال ہو رہا ہے اور تم لوگوں کی غفلت کا یہ حال ہے۔ اس نے کہا تم لوگوں کی ملامت بجا ہے' لیکن میں حکم سلطانی سے مجبور ہوں۔

جوینی کے بیان کے مطابق سلطان عیش و نشاط میں مشغول تھا کہ مخبروں نے اطلاع دی کہ تاتاری امرا یمہ نوین اور سبتائی جنہیں چنگیز نے سلطان کی تلاش میں بھیجا تھا' قریب پہنچ گئے ہیں۔ یہ سن کر خوارزم شاہ کو ہوش آیا اور وہ ربیع الاول ۶۱۷ھ میں نیشاپور سے عراق روانہ ہو گیا۔ رے پہنچ کر معلوم ہوا کہ تاتاری بھی تعاقب میں آ رہے ہیں۔ اس لیے خوارزم شاہ یہاں نہ ٹھہر سکا اور قزوین ہوتا ہوا ماژندران نکل گیا۔ تاتاری برابر تعاقب کر رہے تھے۔ سلطان نے جب دیکھا کہ ان سے پیچھا چھوٹنا مشکل ہے تو جزیرہ آبسکون میں چلا گیا' پھر قریب ہی ایک دوسرے جزیرہ میں منتقل ہو گیا۔ اس کے آبسکون چھوڑتے ہی تاتاری وہاں پہنچ گئے' لیکن سلطان کو نہ پا کر واپس چلے گئے اور واپسی میں دمشق میں سلطانی اہل و عیال کو جو ماژندران کے قلعہ میں تھے' قلعہ پر قبضہ کر کے قید کر لیا۔ [1]

ان حوادث و مصائب' مسلسل سفر اور گرم و سرد آب و ہوا کے اثر سے سلطان ذات الجنب میں مبتلا ہو گیا اور جزیرہ میں جانے کے چند ہی دنوں کے بعد ۶۱۷ھ میں اس کا انتقال ہو گیا اور اس غربت میں کفن تک میسر نہ آ سکا' جو کپڑے جسم پر تھے' انہی میں دفن کیا گیا۔ [2]

علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ خوارزمی سلسلہ کا بڑا باعظمت فرمانروا تھا۔ اس کی سلطنت کا رقبہ نہایت وسیع تھا۔ عراق سے لے کر ایک طرف چین کی سرحد تک اور دوسری طرف کابل اور مغربی ہندوستان تک اس کی سلطنت پھیلی ہوئی تھی۔ بجستان' کرمان' طبرستان' جرجان' عراق' عجم' خراسان اور فارس کے کچھ حصے اس کے زیر نگین تھے۔ خطائیوں کو شکست دے کر خطا کے علاقہ کو بھی ممالک محروسہ میں شامل کر لیا تھا۔ ذاتی حیثیت سے وہ فاضل، فقہ و اصول وغیرہ مذہبی علوم کا عالم' علم دوست اور علما نواز فرمانروا تھا۔ علما کے ساتھ احسان و سلوک سے پیش آتا تھا۔ ان کے علمی مباحث میں حصہ لیتا تھا۔ اس کی ساری دلچسپی ملک کی حفاظت' اس کے انتظام و انصرام' رعایا کی خبر گیری اور دوسرے امور مملکت تک محدود تھے۔ دیندار علما و مشائخ سے عقیدت رکھتا اور ان سے برکت اندوزی کرتا تھا۔ اس کی ذات میں وہ تمام کمالات اور خوبیاں جمع تھیں جو سلاطین عجم میں متفرق طور سے پائی جاتی تھیں' مدت حکومت ۲۱ سال تھی۔ [3]

جلال الدین خوارزم شاہ کے میر منشی جلال الدین نسوی کا بیان ہے کہ اس کے آستانے پر دنیا

---

[1] یہ حالات ملخصا جہانکشائے جوینی جلد اول سے ماخوذ ہیں۔ [2] ابوالفداء ج ۳' ص ۱۴۹۔

[3] ابن اثیر ج ۱۲' ص ۱۴۳' جوینی کا بیان اس سے مختلف ہے جو اوپر گزر چکا ہے۔

کے بڑے بڑے سلاطین و امرا کا ہجوم رہتا تھا اور وہ اس کی خاک پا کو چھونا فخر سمجھتے تھے۔ اس کے غلام اور حاشیہ نشین تک تخت فرمانروائی تک پہنچ گئے۔ اس کے طشت دار، رکاب دار، سلح دار اور جندار وغیرہ سب سلاطین تھے۔ اس کا پس خوردہ بڑے بڑے امرا فخریہ کھاتے تھے۔ اس کو بہت سے ایسے امتیازات حاصل تھے جو اس کے زمانہ کے دوسرے فرمانرواؤں کو حاصل نہ تھے۔ [1]

جلال الدین خوارزم شاہ

علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کے لڑکوں اور تاتاریوں سے ان کی جنگ کے بارے میں عربی اور فارسی دونوں مورخین کے بیانات نہایت گنجلک اور باہم مختلف ہیں۔ سب سے زیادہ صاف' واضح اور معتبر بیان جلال الدین کے میر منشی جلال الدین نسوی کا ہے' جسے ابوالفدا ء نے نقل کیا ہے۔

اس کے مطابق علاؤ الدین محمد کے چار بیٹے تھے۔ قطب الدین ازلاق یا ازلاغ' غیاث الدین تیز شاہ' رکن الدین غور شاہ اور جلال الدین منکبرتی' علاؤ الدین نے اپنی زندگی ہی میں چاروں میں ملک تقسیم کر دیا تھا۔ پہلے قطب الدین ازلاق کو ولی عہد نامزد کیا تھا' لیکن پھر اس کا نام خارج کر کے جلال الدین کو ولی عہد بنایا اور باپ کی موت کے وقت یہ ولی عہد تھا۔ [2]

چاروں بھائیوں میں جلال الدین ہی باپ کی جانشینی کا سب سے زیادہ اہل تھا' چنانچہ علاؤ الدین کی وفات کے بعد اس نے تاتاریوں کے مقابلہ کا ارادہ کیا' مگر عین اس نازک زمانہ میں امرا کی فتنہ انگیزی سے بھائیوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ بعض امرا نے جلال الدین کو ہلاک کر دینے کا ارادہ کیا۔ اس لیے وہ خوارزم چھوڑ کر نساء روانہ ہو گیا۔ راستہ میں تاتاریوں کا سامنا ہوا' لیکن جلال الدین لڑتا ہوا غزنین نکل گیا۔ اس کے خوارزم چھوڑتے ہی تاتاریوں نے خوارزم کا رخ کیا۔ قطب الدین ازلاق میں ان کے مقابلہ کی تاب نہ تھی۔ اس لیے ان کی آمد کی خبر سنتے ہی اس نے خوارزم چھوڑ دیا' لیکن راستہ میں ان سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ تاتاریوں نے اس کو شکست دے کر مع خدم و حشم کے گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ [3]

سمرقند کی فتح کے بعد ہی چنگیز نے چغتائی اور اکتائی کو خوارزم پر مامور کیا۔ جلال الدین کے خوارزم چھوڑنے کے بعد وہ خوارزم پہنچے۔ اس وقت علاؤ الدین کی اولاد میں سے یہاں کوئی نہ تھا۔ اہل خوارزم نے خمارتر کی کو اپنا حاکم بنا لیا تھا۔ تاتاری شہر کے قریب پہنچ کر کمین گاہ میں چھپ گئے اور تھوڑی تعداد شہر کی طرف بڑھی۔ خوارزمیوں نے اس غلط فہمی میں کہ تاتاریوں کی کل تعداد اتنی ہی

---

[1] ابوالفداء ج ۳' ص ۱۴۹ بحوالہ جلال الدین نسوی۔

[2] ابوالفداء ج ۳' ص ۱۴۹ بحوالہ جلال الدین نسوی۔

[3] جہانکشائے جوینی ج ۲' ص ۱۳۱' ۱۳۲ ملخصاً۔

ہے، باہر نکل کر ان پر حملہ کر دیا۔ تاتاری پیچھے ہٹ گئے۔ خوارزمی دور تک ان کا تعاقب کرتے چلے گئے۔ جیسے ہی کمین گاہ میں چھپے ہوئے تاتاریوں کی زد میں آ گئے، وہ نکل کر ان پر ٹوٹ پڑے اور ایک لاکھ خوارزمیوں کو قتل کر ڈالا۔ باقی ماندہ شہر میں پسپا ہو کر محصور ہو گئے اور کئی مہینے اندر سے مقابلہ کرتے رہے۔ آخر میں تاتاری فصیل توڑ کر شہر میں گھس گئے۔ شہر بڑا وسیع اور آبادی بڑی گنجان تھی۔ ہر محلہ ایک مستقل آبادی کی حیثیت رکھتا تھا۔ اہل شہر نے مختلف محلوں میں مورچے قائم کر کے مقابلہ شروع کر دیا۔ اس لیے تاتاریوں نے آگ لگا دی اور بہت سے محلے جل کر راکھ ہو گئے اور تاتاریوں نے ایک ایک محلہ کر کے شہر پر قبضہ کر لیا اور اس کی آبادی کو باہر لے جا کر ایک لاکھ اہل حرفہ کو تاتار بھیجنے کے لیے چھانٹ لیا۔ باقی ماندہ آدمیوں کو فوج میں تقسیم کر دیا اور شہر کو لوٹ کر ویران کر ڈالا۔ [1]

ابن اثیر کا بیان ہے کہ شہر کو فتح کرنے کے بعد دریا کے بند کو جس کے ذریعے شہر میں پانی آتا تھا، کھول دیا اور سارا شہر مع آبادی کے تہ آب ہو گیا، صرف آبادی کا نشان باقی رہ گیا۔ [2]

جوینی لکھتا ہے کہ "خوارزم کہ مرکز رجال رزم و مجمع نسائے بزم بود، ایام سربر آستانہ او نہادہ وہمائے دولت آں را کہ آشیانہ ساختہ مادی ابن آدی گشت و نشیمن بوم وزغن شد"۔ [3] دوسری طرف چنگیز نے خود ترمذ پر فوج کشی کی اور یہاں کے باشندوں سے کہلا بھیجا کہ اگر وہ قلعہ اور فصیل کو منہدم کر دیں تو ان سے تعرض نہ کیا جائے گا، لیکن وہ اپنی قوت کے گھمنڈ میں مقابلہ کے لیے آمادہ ہو گئے۔ چنگیز نے شکست دے کر ترمذ پر قبضہ کر لیا اور پوری آبادی کو تہ تیغ کر ڈالا۔ ترمذ کے بعد بدخشاں کی ولایت فتح کی۔ [4] بدخشاں کے بعد بلخ پہنچا۔ یہاں کے باشندوں نے اہل ترمذ کا انجام دیکھ کر اطاعت قبول کر لی، لیکن جلال الدین خوارزم شاہ قریب ہی غزنین میں موجود تھا۔ اس لیے چنگیز نے ان کی اطاعت پر اعتماد نہ کیا اور پوری آبادی کو قتل کرا دیا۔ ایک متنفس کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ بلخ کے بعد اپنے لڑکے تولی خان کو خراسان بھیجا اور خود طالقان کا رخ کیا۔ یہاں کے باشندوں نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا، لیکن اس بلائے بے درماں کا روکنا کسی کے بس میں نہ تھا۔ اس لیے انہیں بھی شکست ہوئی اور چنگیز نے ترمذ و بلخ کی طرح اس کی آبادی کو بھی ختم کر کے شہر کو زمین کے برابر کر دیا۔ طالقان کے بعد بامیان کی آبادی کا بھی یہی انجام ہوا۔ بامیان کے معرکہ میں چنگیز کا ایک لڑکا زخمی ہو گیا تھا۔ اس کے انتقام میں اس نے بامیان کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹا دیا اور یہاں کے جانور تک زندہ نہ چھوڑے۔ بامیان کے بعد جلال الدین کے مقابلے کے لیے

---

[1] جہانکشائے جوینی ج ۱، ص ۹۸ تا ۱۰۱ ملخصاً۔ [2] ابن اثیر ج ۱۲، ص ۱۵۲۔
[3] جہانکشائے جوینی ج ۱، ص ۱۰۱۔ [4] جہانکشائے جوینی ج ۱، ص ۱۰۲۔

غزنین پہنچا۔ معلوم ہوا کہ جلال الدین ہندوستان چلے جانے کے ارادہ سے وہاں سے جا چکا ہے۔ اس لیے چنگیز اس کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ اتفاق سے جلال الدین دریائے سندھ کے ساحل پر موجود تھا۔ چنگیز نے اس کو گھیر لیا۔ جلال الدین نے اپنی مختصر سپاہ کے ساتھ اس شجاعت سے مقابلہ کیا کہ تاتاریوں کی صفیں الٹ دیں' لیکن ایک طرف دریائے سندھ تھا اور دوسری سمت کمان کی شکل میں تاتاری ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھے اور آہستہ آہستہ حصار کا دائرہ تنگ کرتے جاتے تھے۔ جلال الدین نے جب دیکھا کہ اس کا بچنا مشکل ہے تو بے محابا گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا اور بڑی تیزی سے تیرتا ہوا نکل گیا۔ اس دلیری پر چنگیز بھی حیرت زدہ رہ گیا اور اس نے اپنے لڑکوں کو مخاطب کر کے کہا "ہر باپ کا بیٹا ایسا ہی ہونا چاہیے۔" جلال الدین کے اہل و عیال چھوٹ گئے تھے' چنگیز نے ان سب کو گرفتار کر کے کل اولاد ذکور کو جس میں شیر خوار بچے بھی تھے' قتل کر دیا۔ [1]

جلال الدین کے ہندوستان جانے کے بعد غزنہ اور غور بالکل خالی ہو گئے تھے۔ چنگیز نے ان پر قبضہ کر کے پوری آبادی کو قتل کر دیا اور ان کو لوٹ کر ویران کر ڈالا اور جلال الدین کے تعاقب میں ایک فوج ہندوستان بھیجی۔ اس نے پنجاب تک پیچھا کیا' لیکن جلال الدین ہاتھ نہ آیا اور تاتاری پنجاب اور ملتان کو تاخت و تاراج کرتے ہوئے لوٹ گئے۔ [2]

ماوراء النہر پر قبضہ کے بعد ہی تاتاری سارے وسط ایشیا میں پھیل گئے تھے اور خراسان، فارس، آذربائیجان' ارمنستان' اران' کرج اور قفچاق کے سارے علاقوں کو زیروزبر کرتے ہوئے روس تک پہنچ گئے تھے۔ ابن اثیر اور جوینی وغیرہ نے اس کے مفصل حالات لکھے ہیں' لیکن اس کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ اس یورش میں تاتاریوں نے کسی ملک میں مستقل قیام نہیں کیا' بلکہ طوفان کی طرح زیروزبر کرتے ہوئے نکل گئے۔ ان کے چھٹنے کے بعد جن فرمانرواؤں میں دم باقی رہ گیا تھا انہوں نے اپنے اپنے ملکوں کی آبادی کی طرف توجہ کی۔ اسی سلسلہ میں جلال الدین بھی واپس آیا۔ عراق کا ملک علاؤ الدین خوارزم شاہ نے اپنے لڑکے رکن الدین غورشاہ کو دیا تھا' وہ تاتاریوں کی یورش میں کام آیا۔ اس کی موت کے بعد اس کے دوسرے بھائی غیاث الدین تیز شاہ والی کرمان و مکران نے اس کے علاقہ اور اتابک سعد بن وکلا سلغری والی فارس کے بعض مقبوضات پر قبضہ کر لیا' لیکن عراق کے باشندے جلال الدین کی طرف مائل تھے۔ [3]

اس لیے جلال الدین ۶۲۱ھ میں کرمان ہوتا ہوا واپس آیا اور عراق و فارس کو غیاث الدین کے

---

[1] جہانکشائے جوینی ج ۲' ص ۱۰۶' ۱۰۷۔ [2] ابن اثیر ج ۱۲' ص ۱۵۳۔

[3] تاریخ جہانکشائے جوینی ج ۲' ص ۱۴۹' و ابن اثیر ج ۱۲' ص ۱۹۳۔

ہاتھوں سے چھڑا کر اتابک سعد کا علاقہ اس کے حوالے کیا اور غیاث الدین کو اپنے ماتحت کی حیثیت سے عراق کی حکومت پر بحال رہنے دیا۔ [1]

عراق کے بعد جلال الدین نے خلافت عباسیہ کے علاقہ خوزستان پر فوج کشی کی۔ جوینی کا بیان ہے کہ جلال الدین نے پہلے خلافت بغداد اور خوارزمی حکومت کی پرانی عداوت کو بھلا کر ناصر سے دوبارہ تعلقات درست کرنے کی کوشش کی اور تاتاریوں کے مقابلے کے لیے اس سے مدد مانگی' لیکن ناصر کے دل سے کینہ دور نہ ہوا تھا۔ اس نے جلال الدین کی درخواست کی جانب توجہ نہ کی اور امیر قشمتر کو اسے عراق سے نکالنے کا حکم دے دیا۔ [2]

لیکن ابن اثیر کا بیان ہے کہ جلال الدین نے بغیر کسی نامہ و پیام کے خوزستان پر حملہ کر دیا، جہاں کے حاکم قشمتر نے خوزستان کے صدر مقام تستر کو بچالیا۔ اس کے علاوہ باقی علاقہ کو خوارزم شاہ نے تاخت و تاراج کر ڈالا اور اس کی آبادی کو بے دریغ قتل کیا اور بڑھتا ہوا بغداد کے قریب پہنچ گیا۔ ناصر نے اس کے مقابلہ کے لیے مظفر الدین کوکبری والی موصل کو بلا بھیجا تھا۔ اس نے اپنے لڑکے کو فوجیں دے کر بھیجا' لیکن اس نے جلال الدین کی اطاعت قبول کر لی۔ [3]

آذربائیجان کا والی مظفر الدین ازبک بڑا نااہل تھا۔ ہر وقت شراب و کباب میں مست رہتا تھا۔ امور مملکت سے اسے کوئی واسطہ نہ تھا۔ اس لیے خوزستان کو لوٹنے کے بعد جلال الدین نے آذربائیجان پر حملہ کر دیا۔ مظفر الدین اس کا مقابلہ نہ کر سکا اور آذربائیجان چھوڑ کر گنجہ چلا گیا اور جلال الدین نے اس کے پایہ تخت تبریز پر قبضہ کر لیا۔ آذربائیجان کے بعد جلال الدین کی قوت بہت بڑھ گئی اور اس نے گرجوں کو مغلوب کر کے گرجستان پر قبضہ کر لیا' لیکن اس کی تکمیل ظاہر کے دور میں ہوئی۔ اس کا حال آئندہ آئے گا۔ اسی سلسلہ میں اس نے گنجہ پر قبضہ کر لیا اور مظفر الدین یہاں سے بھاگ کر لاپتہ ہو گیا۔ ابن اثیر نے اس کی بڑی طویل تفصیل لکھی ہے۔ ہم نے ابوالفداء کا مختصر بیان نقل کیا ہے۔ [4]
ابھی جلال الدین کی مہمات کا سلسلہ جاری تھا کہ ناصر کا زمانہ ختم ہو گیا۔

ناصر کی وفات

ناصر کی عمر ستر سال کی ہو چکی تھی۔ کئی سال سے فالج میں مبتلا تھا۔ آنکھوں کی بینائی قریب قریب جاتی رہی تھی۔ اس لیے بیس دن کی مختصر علالت کے بعد رمضان ۶۲۲ھ میں انتقال کر گیا۔ مدت

---

[1] ابن اثیر ج ۱۲' ص ۱۶۳' و ابوالفداء ج ۳' ص ۱۳۴۔ [2] تاریخ جہانکشائے جوینی ج ۲' ص ۱۵۴۔

[3] خوزستان پر حملہ کی تفصیلات میں جوینی اور ابن اثیر کے بیان میں جزوی اختلاف ہے۔ ہم نے ان سے قطع نظر خلاصہ نقل کیا ہے۔ جوینی جلد اول ص ۱۵۴ تا ۱۵۷' و ابن اثیر ج ۱۲' ص ۱۶۳' ۱۶۴۔ [4] ابوالفداء ج ۳' ص ۱۳۵۔

خلافت سینتالیس سال تھی۔ عباسی خلفا میں اتنا طویل زمانہ کسی خلیفہ نے نہیں پایا۔

ناصر اپنے نامور اسلاف کی بہت سی خصوصیات کا حامل اور عباسی جاہ وجلال کی آخری یادگار تھا۔ ابن طقطقی لکھتا ہے وہ بڑا افاضل اور ممتاز خلیفہ تھا۔ جملہ امور میں بصیرت رکھتا تھا۔ سیاست دان' باہیبت' جری' بہادر' تیز طبع' حاضر دماغ' ذہین' طباع اور فصیح و بلیغ تھا۔ کسی علم وفن اور نکتہ آفرینی میں بند نہ تھا۔ علما سے واقف کارانہ بحث کرتا تھا اور امور سلطنت کو ماہرانہ انجام دیتا تھا۔ [1]

ذہبی کا بیان ہے کہ اس سے زیادہ طویل کسی خلیفہ کا دور حکومت نہ تھا۔ اس نے سینتالیس سال تک حکومت کی اور اس کی زندگی نہایت عزت وجلال کے ساتھ بسر ہوئی۔ اس نے دشمنوں کا استیصال اور سلاطین پر غلبہ حاصل کیا۔ جس قوت نے سر اٹھایا اس کو کچل کر رکھ دیا۔ جس نے اس کے ساتھ برائی کی نیت کی' اس کو اللہ نے ناکام کیا۔ باوجود اس خوش بختی کے وہ مصالح ملکی کی جانب پوری توجہ رکھتا تھا۔ رعایا کی کوئی چھوٹی بڑی بات اس سے پوشیدہ نہ رہتی تھی۔ اس کے مخبر ہر ایک ملک میں پھیلے ہوئے تھے' جو وہاں کے فرمانرواؤں کے حالات کی اطلاع برابر کرتے رہتے تھے۔ وہ سیاسی شاطر تھا۔ اس کی چالیں ایسی گہری ہوتی تھیں کہ وہاں تک لوگوں کی نگاہ نہ پہنچ سکتی تھی۔ اپنی سیاسی تدبیروں سے وہ دشمن سلاطین میں اتحاد ودوستی اور دوست فرمانرواؤں میں اختلاف ودشمنی پیدا کر دیتا تھا اور ان کو اس کی خبر تک نہ ہونے پاتی تھی۔ [2]

عبداللطیف کا بیان ہے کہ دلوں پر اس کی ہیبت بیٹھی ہوئی تھی۔ جس طرح بغدادی اس سے ڈرتے تھے اسی طرح مصر وہندوستان اس سے ڈرتا تھا۔ اس نے خلافت کی ہیبت کو جو معتصم کے بعد ختم ہوگئی تھی' دوبارہ زندہ کر دیا۔ مصر وشام تک کے سلاطین اپنی خلوتوں میں اس کا ذکر کرتے ڈرتے تھے۔ [3]

دنیائے اسلام کے کل سلاطین اس کے مطیع ومنقاد تھے اور خلافت بغداد کے تمام پرانے باغی اور سرکش حکمرانوں کی گردنیں اس کے سامنے خم ہوگئی تھیں۔ اس کی تلوار نے بڑے بڑے جبابرہ کو مغلوب اور دشمنوں کو مقہور کر لیا تھا۔ اس نے ملکوں کو فتح کیا اور اندلس سے لے کر چین تک اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ [4]

راتوں کو بغداد کی گلیوں میں پاپیادہ گشت لگاتا تھا۔ اس لیے رعایا اور عمال حکومت دونوں ڈرتے تھے' کہ اس کو گھر کی باتوں تک کا علم ہو جاتا ہے۔ [5] اس کے شعبہ خبر رسانی کے بہت سے حیرت انگیز واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں۔ اس نے رعایا کی فلاح وبہبود کے بھی بہت سے کام انجام دیئے۔ ابن

---

[1] الفخری ص ۲۸۷۔ [2] تاریخ الخلفاء ص ۴۵۹' ۴۶۰ بحوالہ ذہبی۔ [3] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۴۶۱۔
[4] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۴۶۱' ۴۶۲۔ [5] الفخری ص ۲۸۷۔

طقطقی کا بیان ہے کہ اس کے کار خیر اور اوقاف حد شمار سے باہر ہیں۔ اس نے بکثرت مسجدیں' خانقاہیں اور مسافر خانے بنوائے۔ ❶

لیکن ان اوصاف اور خوبیوں کے ساتھ وہ دولت کا بڑا حریص تھا۔ حصول زر کے لیے اس نے رعایا پر بڑی زیادتیاں کیں۔ بہت سے ٹیکس جاری کیے۔ مال و جائیداد کے لیے سینکڑوں آدمیوں کو جیل میں بھر دیا۔ خراج کی مقدار غیر معمولی حد تک بڑھا دی۔ ابن کثیر نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اس کے مظالم سے عراق ویران ہو گیا۔ درحقیقت اس کی طبیعت میں شدت اور غلو زیادہ تھا۔ جس جانب رجوع ہوتا تھا' اس میں غلو کی حد تک پہنچ جاتا تھا۔ ذہبی کا بیان ہے کہ ناصر جب کھلاتا تھا' یعنی لیتا دیتا تھا تو آسودہ حال کر دیتا تھا اور جب سزا دیتا تھا تو سخت سزا دیتا تھا۔ ❷ اس لیے اس کی حرص دولت بھی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی' لیکن اس حرص و طمع کے ساتھ اس کی فیاضی کے واقعات بھی ملتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک ہندوستانی انعام کی امید میں اس کے لیے ایک طوطا لے گیا جو سورۂ اخلاص پڑھتا تھا۔ اتفاق سے یہ طوطا ناصر کے سامنے پیش کیے جانے سے پہلے ہی مر گیا۔ ناصر کو مخبروں کے ذریعے اس کی اطلاع مل چکی تھی۔ اس نے پانچ سو اشرفیاں اس کے مالک کے پاس بھجوا دیں۔ ❸

علمی اعتبار سے وہ بڑا فاضل تھا۔ دینی علوم میں حدیث نبوی سے خاص ذوق رکھتا تھا۔ بہت سے علما سلاطین اور عمائد کو اپنی جانب سے قرات و روایت حدیث کی اجازت دی تھی اور راوی علما کے وظائف مقرر کیے تھے۔ لوگ' شرف نسبت کے لیے فخریہ اس سے روایت کرتے تھے' ستر حدیثوں کا ایک مجموعہ بھی مرتب کیا تھا۔ ❹

❶ الفخری ص ۲۸۷۔ ❷ تاریخ الخلفاء ص ۴۶۰۔
❸ تاریخ الخلفاء ص ۴۶۱۔ ❹ تاریخ الخلفاء ص ۴۵۹ تا ۴۶۲۔

ابونصر محمد بن ناصر الملقب بہ ظاہر بامر اللہ

(۶۲۲ھ تا ۶۲۳ھ مطابق ۱۲۲۵ء تا ۱۲۲۶ء)

ناصر کی وفات کے بعد یکم شوال ۶۲۲ھ کو اس کا لڑکا اور ولی عہد ابونصر محمد تخت پر بیٹھا اور ظاہر بامر اللہ لقب اختیار کیا۔ اس وقت اس کی عمر باون سال کی تھی اور وہ اپنی دینداری اور مذہبی کارناموں کے لحاظ سے صحیح معنوں میں اسلامی خلیفہ تھا۔ تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی طرح عباسی حکومت کی اصلاح کا کام شروع کر دیا۔ اور اس کی تمام گزشتہ بے عنوانیاں یک قلم موقوف کر دیں اور جب تک زندہ رہا اس کار خیر کو انجام دیتا رہا' لیکن افسوس موت نے مہلت نہ دی۔ وہ کل نو مہینے زندہ رہا' ورنہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی یاد تازہ کر دیتا۔

گرجستان پر جلال الدین کا قبضہ

اوپر ناصر کے زمانے میں گرجستان پر جلال الدین خوارزم شاہ کی فوج کا ذکر گزر چکا ہے۔ گرجستان اسلامی قلمرو کی بالکل سرحد پر تھا۔ گرجی بڑے وحشی اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے اور ہر زمانہ میں وہ اسلامی حکومت کے حدود پر وحشیانہ تاخت کرتے رہتے تھے۔ خلاط' آذربائیجان' اران' ارزن الروم' دربند' شروان وغیرہ کے علاقے ان کے حملوں کا ہدف بنے رہے۔ کوئی قوت ان کو روکنے والی نہ تھی۔ وہ بے محابا ان ملکوں میں گھس آتے تھے اور وحشیانہ طریقے سے قتل و غارت کرتے تھے۔ سرحد کے چھوٹے چھوٹے مسلمان حکمران ان کے مقابلہ سے عاجز تھے اور ان علاقوں کے مسلمان ان کے ہاتھوں بڑی ذلت اور بے بسی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ [1] ناصر کے آخری زمانہ میں جلال الدین خوارزم شاہ نے گرجستان پر فوج کشی کی تھی اور اس کا سلسلہ ظاہر کے زمانہ تک رہا اور اس میں اور گرجوں میں بڑی خونریز لڑائیاں ہوئیں' جن میں ہزاروں گرجی کام آئے۔ جلال الدین نے ان کے مرکز تفلیس پر قبضہ کر کے ان کی قوت بالکل توڑ دی۔ اس کے اس کارنامے پر ساری دنیائے اسلام مشکور ہوئی۔ ابن اثیر نے اس کی بڑی طویل تفصیل لکھی ہے۔

ظاہر کی وفات

ظاہر تخت نشینی کے کل نو مہینے بعد رجب ۶۲۳ھ میں انتقال کر گیا۔ اس وقت ۵۳ سال کی عمر تھی۔

---

[1] ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۶۷۔

خلافت کی اصلاح

وہ اپنی دینداری اور اسلامی روح کے اعتبار سے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ثانی تھا۔اس نے تو مہینے کی قلیل مدت میں اتنے کارِ خیر انجام دیئے جو دوسرے فرمانرواؤں سے برسوں میں ممکن نہ تھے۔ابن اثیر کا بیان ہے کہ

تختِ خلافت پر قدم رکھنے کے بعد اس نے اپنے عدل و انصاف و احسان سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی سنت زندہ کر دی اور یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ایسا خلیفہ نہیں پیدا ہوا تھا۔اس نے ان تمام مال اور جائیدادوں کو جو اس کے باپ کے زمانہ میں یا اس سے پہلے کے عباسی خلفا نے جبراً ضبط کی تھیں' ان کے مالکوں کو واپس کر دیا۔ساری قلمرو سے ہر قسم کے ناجائز ٹیکس یک قلم موقوف کر دیئے۔ناصر نے اپنے زمانہ میں عراق کا خراج بہت بڑھا دیا تھا۔ظاہر نے اس کو منسوخ کر کے پرانا خراج جاری کر دیا۔ان دونوں کی شرح میں تفاوت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک مقام یعقوبا کا پرانا خراج دس ہزار اشرفی سالانہ تھا' ناصر نے بڑھا کر اسی ہزار کر دیا تھا۔یہی حال سارے عراق کا تھا۔یہاں کے باشندوں نے ظاہر کے زمانہ میں اس پر نظر ثانی کی درخواست کی۔اس نے گھٹا کر پرانی شرح کے مطابق کر دیا اور پورے عراق سے جدید اضافہ کو گھٹا دیا۔

ناصر کے زمانے میں بہت سی پرانی جائیدادوں اور کھجور کی پیداوار کا خراج وصول کیا جاتا تھا' جو اب ضائع ہو چکی تھیں۔ظاہر نے ان کو خراج سے مستثنیٰ کر دیا اور عام حکم جاری کر دیا کہ جو جائیدادیں محفوظ اور جو درخت سالم ہوں' انہی کا خراج لیا جائے۔شاہی خزانہ میں سکہ تولنے اور وزن کرنے کے دو پیمانے تھے۔ایک عام بازار کے رائج پیمانہ کے برابر تھا' دوسرا اس سے ایک قیراط زیادہ تھا۔شاہی محاصل بڑے پیمانے سے وصول کیے جاتے تھے اور خزانہ سے دوسرے لوگوں کو بازار کے عام پیمانے سے دیا جاتا تھا۔ظاہر کو معلوم ہوا تو اس نے وزیر کو ایک تحریر لکھی۔اس کے شروع میں کلام مجید کی یہ آیت تھی "کم دینے والوں پر افسوس ہے جو دوسرے لوگوں سے خود تو ناپ تول کر پورا لیتے ہیں اور دوسروں کو کم دیتے ہیں۔کیا ان کو اس کا یقین نہیں ہے کہ وہ بڑے دن (قیامت) کو اٹھا کر کھڑے کیے جائیں گے"۔میں حکم دیتا ہوں کہ خزانہ کا پیمانہ ان عام پیمانوں کے برابر کر دیا جائے جس سے یہود و نصاریٰ سب وزن کرتے ہیں۔بعض حکام نے کہا کہ اس سے پینتیس ہزار اشرفی سالانہ کا نقصان ہو گا۔ظاہر نے جواب دیا اگر ساڑھے تین لاکھ اشرفی کا بھی نقصان ہو تب بھی پیمانہ گھٹا دیا جائے۔

قاضی شہر کو عام حکم دے دیا تھا کہ جو شخص کسی ضبط شدہ مال و جائیداد کے متعلق ثبوت پیش کر دے اس کو بغیر میری اجازت کے اس کی املاک واپس کر دی جائے۔ ایک حنبلی کو اس نے حشری اور بیت المال کا متولی بنانا چاہا۔ اس نے کہا میرے مذہب میں ذوی الارحام کا بھی ترکہ ہے' اگر امیر المومنین اس کی اجازت دیں تو میں یہ منصب قبول کروں گا' ورنہ معذور ہوں۔ اس نے کہا ہر حقدار کا حق اس کو دو اور اس میں اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کا خوف نہ کرو۔

ناصر نے بغداد کے گلی کوچوں میں مخبر مقرر کر رکھے تھے' جو روزانہ ان گلیوں کے دن بھر کے چھوٹے بڑے واقعات کی تحریری رپورٹ اس کے سامنے پیش کرتے تھے۔ اس میں یہاں تک لکھا جاتا تھا کہ تفریح گاہوں اور گانے کی مجلسوں میں فلاں فلاں لوگ آپس میں ملے۔ مخبری سے لوگ تنگ تھے' ظاہر کی تخت نشینی کے بعد جب حسب معمول اس کے سامنے بھی یہ رپورٹ پیش کی گئی تو اس نے کہا کہ مجھ کو لوگوں کے پرائیویٹ حالات معلوم کرنے کی ضرورت نہیں۔ آئندہ میرے سامنے صرف وہی امور پیش کیے جائیں جن کا تعلق حکومت کے مصالح سے ہو۔ لوگوں نے کہا اگر مخبری کا طریقہ بند کر دیا گیا تو عوام بگڑ جائیں گے اور ان کا شر و فساد بڑھ جائے گا۔ ظاہر نے کہا کہ ہمارے لیے اتنا کافی ہے کہ ان کی اصلاح کے لیے دعا کریں۔

ناصر نے اپنے آخر زمانہ میں ایک محصل کو روپیہ کی وصولی کے لیے واسط بھیجا تھا۔ یہ اس وقت روپیہ لے کر واپس ہوا جب اس کا انتقال ہو چکا تھا۔ ایک لاکھ اشرفیوں سے زیادہ کی رقم تھی' محصل نے ظاہر کو اطلاع دی' چونکہ اس کے نزدیک یہ رقم جائز طریقہ سے نہیں حاصل کی گئی تھی اس لیے اس نے حکم دیا کہ جن جن لوگوں سے وصول کی گئی ہے' ان کو واپس کر دی جائے۔ ناصر کے زمانہ میں جس قدر آدمی استحصال زر کے لیے قید کیے گئے تھے' ان سب کو رہا کر کے ان کا روپیہ انہیں واپس کر دیا اور نادار مجرم قیدیوں کے مصارف کے لیے دس ہزار اشرفیاں دیں۔

ناصر کے دور کی تجارتی پابندیوں کی وجہ سے موصل وغیرہ میں بڑی گرانی رہتی تھی۔ ظاہر نے غلہ کی تجارت کو ہر قسم کی پابندی سے آزاد کر دیا اور عام اجازت دے دی کہ ہر تاجر بغیر روک ٹوک کے موصل اور دیار جزیرہ میں غلہ لے جا سکتا ہے۔ اس سے وہاں غلہ کی بڑی ارزانی ہو گئی' لیکن اس سے خود بغداد وغیرہ میں غلہ گراں ہو گیا۔ لوگوں نے مشورہ دیا کہ کچھ دنوں کے لیے غلہ کی برآمد روک دی جائے۔ ظاہر نے کہا دونوں مسلمان ہیں' اس لیے مجھے دونوں کا یکساں لحاظ ضروری ہے اور سرکاری غلہ خانوں کو حکم دیا کہ وہ عام نرخ سے سستا فروخت کریں۔ اس سے عام بازار کا بھاؤ گر گیا اور یہاں بھی ارزانی ہو گئی۔

اس کی تخت نشینی کے وقت موصل میں دو مکوک (ایک پیمانہ) غلہ ایک اشرفی اور دو تہائی قیراط

میں ملتا تھا' لیکن اس کے زمانہ میں ایک اشرفی میں چار مکوک ملنے لگا۔ اسی تناسب سے کھجور' چاول اور تل وغیرہ ہر چیز سستی ہوگئی۔ بعض لوگوں نے ظاہر کو ٹوکا کہ آپ جتنا مال صرف کرتے ہیں اور محاصل کا جس قدر حصہ چھوڑ دیتے ہیں' دوسرا شخص اس کا معمولی حصہ بھی نہیں چھوڑ سکتا۔ اس نے یہ بلیغ اور سبق آموز جواب دیا کہ میں نے عصر کے وقت دکان کھولی ہے (تخت نشینی کے وقت اس کی عمر باون سال تھی) اس لیے بھلائی کا جتنا سودا بھی ہو سکے کر لینے دو۔ مجھے زندہ ہی کتنے دن رہنا ہے' اپنی تخت نشینی کی شب کو اس نے فقہا اور اہل علم میں ایک لاکھ اشرفیاں تقسیم کی تھیں۔ [1]

اس کی فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ناصر نے اپنے زمانہ میں ایک حوض بھر سونا جمع کیا تھا۔ ظاہر نے چند مہینوں کے اندر کل صرف کر دیا۔ [2] اس کا بڑا حصہ غالباً لوگوں کے غصب شدہ مال کی واپسی میں صرف ہوا ہوگا۔

ایک دن ظاہر خزانہ میں گیا' اس کے عہدہ داروں نے عرض کیا کہ آپ کے اسلاف کے زمانہ میں خزانہ بھرا ہوا تھا۔ ظاہر نے کہا خزانہ بھرنے کے لیے نہیں بلکہ خالی کرنے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے ہے' جمع کرنا تو تاجروں کا شیوہ ہے۔ [3] اپنی وفات سے چند دن پیشتر حکومت کے عمال اور عہدداروں کی تنبیہ و اصلاح کے لیے یہ فرمان جاری کیا:

> "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ' میں نے تم لوگوں کو جو ڈھیل دے رکھی ہے اور تمہارے افعال سے جو چشم پوشی کرتا ہوں اس کا سبب غفلت اور لاپرواہی نہیں ہے' بلکہ عمداً اس لیے ہوتا ہے تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ تم میں سے کس کے اعمال اچھے ہیں۔ تمہاری تمام گزشتہ بداعمالیاں ملک کی بربادی' رعایا کی خانماں خرابی' شریعت کی اہانت' مکر و فریب سے حق کی خفی شکل میں کھلے ہوئے باطل کا اظہار' ذاتی اغراض کے لیے استیفا رو استدراک [4] کے خوش نما الفاظ سے استیصال اور احتیاج کی تعبیر وغیرہ' جس کے تم ایک شیر غرا کے سامنے موقع پا کر مرتکب ہوئے ہو' معاف کی جاتی ہیں۔ تم اس شیر کے امین اور معتمد ہو۔ اس کے باوجود اس کی رائے کو اپنی خواہشوں کے مطابق اور اپنے باطل کو اس کے حق کے ساتھ خلط ملط کرنا چاہتے ہو۔ وہ تم کو دیتا

---

[1] یہ تمام واقعات ابن اثیر ج ۱۲' ص ۱۷۰ تا ۱۷۱ سے ماخوذ ہیں۔

[2] الفخری ص ۲۸۷۔ [3] تاریخ الخلفاء ص ۴۷۱۔

[4] استیفا رو استدراک تحصیل محاصل کی ظالمانہ صورتیں تھیں' جو حصول زر کے لیے پیدا کی گئی تھیں۔ جس طرح آج ظالم حکومتیں مختلف خوبصورت ناموں سے ناجائز طریقہ سے روپیہ وصول کرتی ہیں۔

ہے اور تم اس کی نافرمانی کرتے ہو۔ وہ تمہاری موافقت کرتا ہے اور تم اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو۔ اب اللہ نے تمہارے خوف و ہراس کو امن اور تمہارے فقر و احتیاج کو دولت و تونگری اور تمہارے باطل کو حق سے بدل دیا ہے اور تم کو ایک ایسا حکمران عطا کیا جو لغزشوں کو معاف کر دیتا ہے اور صرف اسی سے مواخذہ کرتا ہے اور اسی سے انتقام لیتا ہے جو اپنی غلطیوں پر مصر و قائم رہتا ہے۔ وہ تم کو عدل کا حکم دیتا ہے اور تم سے انصاف چاہتا ہے۔ تم کو ظلم سے روکتا ہے اور اس کو تمہارے لیے ناپسند کرتا ہے۔ وہ خود اللہ سے ڈرتا ہے اور تم کو بزور اس سے ڈرانا چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے اچھی امید رکھتا ہے اور تم کو اس کی اطاعت کی طرف مائل کرتا ہے۔ پس اگر تم خلفاء اللہ فی الارض کے عہدہ داروں اور اس کی مخلوق کے امینوں کے طریقے پر چلو گے تو فبہا' ورنہ برباد ہو جاؤ گے''۔

اس فرمان کے ساتھ زبانی پیام کہلا کو بھیجا کہ اس فرمان کا مقصد یہ نہیں ہے کہ لوگ صرف زبان سے یہ کہنے پر اکتفا کریں کہ ''فرمان شرف صدور لایا'' اور اس کا کوئی اثر اور نتیجہ ان کے عمل میں ظاہر نہ ہو۔ تم لوگوں کے لیے زبانی باتیں بنانے والے امام سے زیادہ باعمل امام کی ضرورت ہے۔ [1]

[1] ابن اثیر ج ۱۲' ص ۱۷۶' ۱۷۷۔

ابوجعفر منصور الملقب بہ مستنصر باللہ

(۶۲۳ھ تا ۶۴۰ھ مطابق ۱۲۲۶ء تا ۱۲۴۳ء)

ظاہر کی وفات کے بعد رجب ۶۲۳ھ میں اس کا لڑکا ابوجعفر منصور تخت نشین ہوا اور مستنصر باللہ لقب اختیار کیا۔ یہ ایک ترکی لونڈی کے بطن سے تھا۔ تخت نشینی کے وقت ۲۲ سال کی عمر تھی۔

مستنصر اپنے محاسن اور کارناموں کے لحاظ سے ظاہر کا خلف الصدق تھا۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ وہ رعایا کے ساتھ نیکی اور احسان وسلوک میں اپنے باپ کے نقش قدم پر تھا۔ تخت نشینی کے ساتھ اس نے اعلان عام کر دیا تھا کہ ہر شخص کے ساتھ عدل وانصاف برتا جائے گا۔ ہر حاجت مند کی حاجت پوری اور ہر مظلوم کی دادرسی کی جائے گی۔ [1]

تخت نشینی کے بعد وہ عرصہ تک زندہ رہا۔ اس لیے عباسی خلافت کو مختلف حیثیتوں سے ترقی دینے کا اس کو پورا موقع ملا۔ اس کے نام کا خطبہ مشرق سے لے کر اندلس اور مغرب کے بعض علاقوں تک پڑھا جاتا تھا۔ آخری دور میں اس کا زمانہ خلافت عباسیہ کا دور زریں تھا۔ اس کی تفصیل آخر میں آئے گی۔

بیت المقدس پر صلیبیوں کا عارضی قبضہ

اس کے دور میں دنیائے اسلام میں دو خاص واقعے رونما ہوئے۔ ایک بیت المقدس پر صلیبیوں کا عارضی قبضہ ہو گیا۔ دوسرے مشرق پر تاتاریوں کی دوسری یورش ہوئی' جس نے سارے مشرق کو ویران کر ڈالا اور اسی یورش میں خوارزمی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

بیت المقدس کا اصل محافظ ایوبی خاندان تھا۔ صلاح الدین کی آنکھ بند ہوتے ہی اس کے جانشینوں میں خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہو گیا جس سے ایوبی بیت المقدس کی حفاظت سے قاصر ہو گئے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ صلاح الدین کی وفات کے وقت اس کا جو لڑکا جہاں تھا وہاں اس نے اپنی حکومت قائم کر لی' چنانچہ عزیز نے مصر میں' افضل نے دمشق میں اور ظاہر غازی نے حلب میں مستقل حکومتیں قائم کر لیں اور ایک متحدہ حکومت کے بجائے تین حکومتیں قائم ہو گئیں اور ان میں خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ صلاح الدین کے بھائی الملک العادل نے ۵۹۶ھ میں مصر و دمشق پر حملہ کر کے اس منتشر شیرازہ کو پھر سے مجتمع کرنے کی کوشش کی۔

---

[1] ابن اثیر ج ۱۲' ص ۱۷۶۔

رچرڈ اور صلاح الدین کی صلح کے بعد صرف چند برسوں کے لیے صلیبی لڑائیاں بند ہوگئی تھیں۔ عادل کے زمانہ میں پھر اس کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس نے صلیبیوں کے مقابلے میں صلاح الدین کی پوری جانشینی کی اور شام میں ان کی قوت نہ بڑھنے پائی۔

۶۱۵ھ میں عادل کا انتقال ہوگیا۔ اس کے پانچ لڑکے تھے۔ عادل نے اپنی زندگی میں ان پانچوں میں سلطنت تقسیم کر دی تھی۔ مصر کی مرکزی حکومت میں بڑے لڑکے الملک الکامل کو جانشین بنایا تھا۔ دمشق' قدس' طبریہ' اردن اور کرک کا علاقہ معظم عیسیٰ کو دیا۔ خلاط اور جزیرہ کا کچھ حصہ اشرف موسیٰ کو رہا۔ شہاب الدین غازی کو اور جعبر کا قلعہ ارسلان شاہ کو عطا کیا۔

باپ کی وفات کے بعد چند سال تک پانچوں بڑے اتفاق و اتحاد سے رہے۔ سب کامل کو بزرگ خاندان اور اپنا مربی اور سرپرست مانتے تھے اور اس کے نام کا خطبہ پڑھتے تھے۔ [1]

لیکن یہ اتحاد زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا اور معظم فرمانروائے دمشق و قدس کی زیادتی کی وجہ سے اختلاف شروع ہوگیا۔ کامل نے اس کو رفع کرنے کی کوشش کی' لیکن معظم کی فتنہ انگیزی کی وجہ سے اور زیادہ بڑھ گیا۔ [2]

یہ وہ زمانہ تھا جب فریڈرک دوم بادشاہ جرمنی اور آسٹریا اور سسلی کے زیر قیادت چھٹی صلیبی جنگ شروع ہو چکی تھی اور فلسطین کے ساحلی علاقہ پر فرنگیوں کا ہجوم تھا' لیکن معظم نے اندرونی فتنہ انگیزی کے باوجود فرنگیوں کا پورا مقابلہ کیا اور جب تک زندہ رہا ان کو ان کے قدیم مقبوضات سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ ۶۲۴ھ میں اس کا انتقال ہوگیا اور اس کا صغیر السن لڑکا داؤد تخت نشین ہوا۔ کامل نے جنگی ضرورت کے لیے اس سے شوبک کا قلعہ مانگا۔ اس مطالبہ پر داؤد نے اس کا خطبہ بند کر کے علم بغاوت بلند کر دیا۔ کامل نے فوج کشی کر کے نابلس اور بیت المقدس پر قبضہ کر لیا۔ داؤد نے اپنے دوسرے چچا اشرف کو مدد کے لیے بلا بھیجا۔ وہ آیا' لیکن کامل نے دمشق پر قبضہ کر کے اس کے حوالہ کر دینے کا وعدہ کر کے اس کو اپنے ساتھ ملایا۔ [3] فلسطین کے ساحل پر صلیبیوں کی یورش برابر قائم تھی اور انہوں نے ایک دو مقاموں پر قبضہ بھی کر لیا تھا۔

فریڈرک کی پرورش سسلی کی اسلامی فضا میں ہوئی تھی۔ اس لیے وہ مسلمانوں سے بہت مانوس تھا۔ [4] اور سسلی کے مسلمانوں سے اس کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے۔ [5] اور وہ ایک مرتبہ صلیبی

---

[1] ابن اثیر ج ۱۲' ص ۱۳۴' ۱۳۵۔ [2] ابن خلدون نے اس کی پوری تفصیل لکھی ہے' ملاحظہ ہو جلد ۵' ص ۳۵۰۔
[3] ابن خلدون جلد ۵' ص ۳۵۱۔ [4] ابوالفداء ج ۳' ص ۱۴۱۔
[5] تاریخ یورپ اے جے گرانٹ ص ۳۶۳ ترجمہ اردو جامعہ عثمانیہ۔

جنگ سے واپس چلا گیا تھا۔ اس جرم میں پوپ گریگوری نے اس کو مسیحیت سے خارج کر دیا تھا۔ [1]

اس کو صلیبی جنگ کے دوسرے قائدوں کی طرح مسلمانوں سے عناد نہ تھا۔ وہ صرف بیت المقدس پر قبضہ یا کم از کم اس میں عیسائیوں کے کچھ حقوق چاہتا تھا' چنانچہ اس نے جنگ و خونریزی کے بجائے صلح و آشتی کے ذریعہ اپنا مقصد حاصل کرنے کی کوشش کی اور اس بارہ میں کامل سے خط و کتابت کی۔ اس کے دماغ پر اس وقت دمشق پر قبضہ کرنے کا خیال مسلط تھا کہ اس نے ربیع الثانی ۶۲۶ھ میں حسب ذیل شرائط پر بیت المقدس اس کے حوالہ کر دیا:

① فرنگی بیت المقدس کی شہر پناہ' جس کو ایوبی سلاطین نے مسمار کر دیا تھا' دوبارہ نہ تعمیر کریں گے۔

② قبۃ الصخرہ اور مسجد اقصیٰ سے کسی قسم کا تعرض نہ کریں گے۔

③ بیت المقدس اور ساحل سے اس کے راستہ کے چند مقامات کے علاوہ باقی پورا علاقہ خلیل' نابلس' طبریہ اور سارے مواضعات مسلمانوں کے قبضہ میں رہیں گے۔ [2]

یہ عربی مؤرخین کا بیان ہے۔ انگریزی مؤرخین لکھتے ہیں کہ درحقیقت وہ قابض نہیں ہوا' بلکہ صرف فلسطین میں مسیحی زائروں کے داخلہ کی اجازت حاصل کی تھی۔ [3] مصنف خطط الشام کا بیان ہے کہ کامل نے صرف دس سال کے لیے عارضی قبضہ دیا تھا۔ [4] بہرحال دنیائے اسلام اس عارضی قبضہ سے بہت متاثر ہوئی اور مسلمانوں نے کامل کے اس فعل پر بڑی ناپسندیدگی ظاہر کی۔

تاتاریوں کی دوسری یورش اور خوارزمی حکومت کا خاتمہ

گرجستان پر قبضہ تک جلال الدین کے حالات اوپر گزر چکے ہیں۔ اس کے بعد وہ آذربائیجان اور خلاط کی فوج کشی میں مشغول ہو گیا تھا اور اس کے اور ملک الاشرف ایوب فرمانروائے خلاط کے درمیان بڑی خونریز لڑائیاں ہوئیں۔ ۶۲۶ھ میں خلاط پر قبضہ کر کے بڑی وحشت و درندگی کا ثبوت دیا اور تاتاریوں کی طرح خلاط کو بالکل ویران کر ڈالا' لیکن پھر ایک ہی سال بعد ۶۲۷ھ میں علاؤ الدین کیقباد بن کیخسرو سلجوقی فرمانروائے ایشیائے کوچک کی مدد سے جلال الدین کو شکست دے کر خلاط واپس لے لیا۔ اس شکست سے جلال الدین کی قوت کو بڑا صدمہ پہنچا اور اسے مجبور ہو کر اشرف اور علاؤ الدین سے صلح کرنی پڑی۔ [5]

---

[1] تاریخ یورپ اے جے گرانٹ ص ۳۶۳ ترجمہ اردو جامعہ عثمانیہ' و تاریخ عرب صلیبیہ ص ۲۴۱۔

[2] ابن اثیر ج ۱۲' ص ۱۸۷' و ابوالفدا ء ج ۳' ص ۱۴۱۔

[3] تاریخ یورپ اے جے گرانٹ ص ۳۶۲۔

[4] خطط الشام کرد علی ج ۲' ص ۹۲۔

[5] ابوالفدا ء ج ۳' ص ۱۴۶۔

۶۲۴ھ میں چنگیز خان کا انتقال ہو گیا تھا اور اس کے بعد تاتاریوں کی مرکزی حکومت میں اس کا لڑکا اکتائی قاآن تخت نشین ہوا تھا۔

ہندوستان سے جلال الدین کی واپسی کے بعد اس کی قوت پھر بڑھ گئی تھی اور جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے، اس نے عراق، فارس، گرجستان، آذربائیجان اور خلاط وغیرہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس لیے اکتائی نے اس کے انسداد کی طرف توجہ کی اور امیر جرماغون کو اسی ہزار فوج کے ساتھ جلال الدین کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ [1] جلال الدین کی بدقسمتی سے جرماغون اس وقت آذربائیجان پہنچا جب اشرف سے جلال الدین کی شکست کے بعد اس کی قوت ٹوٹ چکی تھی اور اس میں تنہا تاتاریوں کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اس لیے وہ اشرف اور دوسرے فرمانرواؤں سے مدد لینے کے لیے خلاط چلا گیا۔ [2] جوینی کا بیان ہے کہ اس نے خلافت بغداد اور شام اور روم کے تمام مسلمان فرمانرواؤں کے پاس مدد کے لیے قاصد بھیجے لیکن سب سے اس کے تعلقات خراب تھے، اس لیے کسی نے مدد نہ کی۔ [3]

ابھی جلال الدین خلاط ہی میں تھا کہ تاتاری پہنچ گئے۔ جلال الدین یہاں سے دیار بکر روانہ ہو گیا۔ آمد میں منزل کی تھی کہ تاتاری بھی تعاقب کرتے ہوئے سر پر پہنچ گئے اور جلال الدین کی قیام گاہ پر حملہ کر دیا۔ وہ اس وقت نشہ میں مدہوش تھا۔ امیر اور خان نے ہوشیار کر کے گھوڑے پر بٹھا کر نکل جانا چاہا۔ جلال الدین نے اس سے کہا کہ تم ان کو جنگ میں الجھائے رکھو تاکہ میں نکل جاؤں۔ اس نے اس کی تعمیل کی اور جلال الدین موقع پا کر باسورہ آمد چلا گیا، لیکن آمد میں داخل نہ ہو سکا اور مجبور ہو کر میافارقین کے ایک گاؤں میں پناہ لی۔ یہاں آنے کے ساتھ تاتاریوں کا ایک دستہ پہنچ گیا۔ اس لیے یہاں بھی نہ ٹھہر سکا اور کوہستانی علاقہ کی جانب نکل گیا۔ یہاں جرائم پیشہ کردوں نے پکڑ لیا اور اس کا قیمتی لباس چھین کر قتل کر دینا چاہا۔ جلال الدین نے اس سے کہا کہ میں سلطان ہوں، مجھ کو قتل نہ کرو، میں تم کو بادشاہ بنا دوں گا۔ یہ سن کر کردی اسے اپنے گھر لے گیا اور اپنا کچھ سامان لینے کے لیے کوہستان چلا گیا۔ ایک دوسرے کرد کو جس کا بھائی جلال الدین کے ہاتھوں قتل ہوا تھا، پتہ چل گیا، وہ پہنچا اور کرد کی بیوی سے کہا اس خوارزمی کو تم لوگوں نے قتل کیوں نہیں کیا؟ اس نے جواب دیا، میرا شوہر اسے امان دے چکا ہے۔ کرد بولا، یہ سلطان ہے اور میرے بھائی کو خلاط میں قتل کر چکا ہے اور نیزہ مار کر جلال الدین کا کام تمام کر دیا۔ [4] یہ واقعہ وسط شوال

---

[1] تاریخ جہانکشائے جوینی ج ۲ص ۱۸۳۔ [2] ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۹۴۔ [3] جوینی ج ۲ ص ۱۸۳۔

[4] جوینی نے اس کی بڑی لمبی تفصیل لکھی ہے اور مذکور بالا بیان اور اس کے بیان میں خفیف سا فرق ہے۔ ہم نے ابوالفداء کا بیان نقل کیا ہے، جو خاص جلال الدین کے مشیر منشی جلال الدین محمد نسوی کی کتاب سے ماخوذ ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی دوسرا بیان معتبر نہیں ہو سکتا۔ ملاحظہ ہو ابوالفداء ج ۳ ص ۱۵۰، ۱۵۱۔

۶۲۶ھ میں پیش آیا۔ جلال الدین کے قتل کے بعد خوارزمی حکومت ختم ہوگئی۔ اس دوسری یورش میں تاتاریوں نے آذربائیجان پر قبضہ کرلیا اور دیار بکر' جزیرہ اور خلاط وغیرہ کو فتح کرکے ماوراء النہر کی طرح بالکل ویران کرڈالا۔ لوگوں کے دلوں میں ان کی اتنی دہشت چھا گئی تھی کہ تنہا ایک تاتاری پورے ایک گاؤں اور بڑے بڑے مجمعوں میں گھس جاتا اور سب کو ایک ایک کرکے قتل کرڈالتا اور کسی کو اس سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ [1]

تاتاری اور خلافت بغداد

مستنصر کے زمانے میں تاتاریوں نے سلطنت عباسیہ کے آس پاس کے سارے ملکوں اور حکومتوں پر قبضہ کرلیا تھا۔ [2] اور عباسی سرحد تک پہنچ گئے تھے' لیکن اس کے حدود میں قدم نہیں رکھا۔ سیوطی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسی علاقہ کی طرف بھی قدم بڑھایا تھا' لیکن مستنصر کی فوجوں نے پسپا کردیا۔ [3] لیکن یہ روایت تمام مورخین کے متفقہ بیانات کے خلاف ہے۔ البتہ ان کی یورش کا خطرہ ضرور پیدا ہوگیا' چنانچہ مستنصر نے مدافعت کا پورا انتظام کرلیا تھا۔ سیوطی کا بیان ہے کہ مستنصر نے تاتاریوں کے مقابلہ کے لیے اتنی بڑی فوج تیار کی تھی کہ اس کے پیشروؤں میں سے کسی کے زمانہ میں نہ تھی۔ [4]

وفات مستنصر

جمادی الثانی ۶۴۰ھ میں مستنصر کا انتقال ہوگیا۔ اس وقت کل چالیس اکتالیس سال کی عمر تھی۔ مدت خلافت سترہ سال۔

اخلاق واوصاف

مستنصر اپنے اوصاف حمیدہ اور کارناموں کے اعتبار سے ظاہر کا صحیح جانشین تھا۔ اس نے اپنے زمانہ میں بڑے کارنامے انجام دیئے۔ ابن طقطقی کا بیان ہے کہ مستنصر بہادر' فیاض وسیر چشم تھا۔ اس کے انعام وعطایا اور جودوکرم کی شہرت ثبوت سے مستغنی اور حد شمار سے باہر ہے۔ عباسی خلفا میں فیاضی میں کوئی اس کا ہمسر نہ تھا۔ اس نے اپنے زمانے میں بڑے بڑے کام کیے اور اپنی بڑی یادگاریں چھوڑ گیا۔ ان میں سب سے بڑی یادگار مدرسہ مستنصریہ تھا' جس کے وصف سے بیان قاصر ہے۔ اس کے علاوہ سرائے حربی' اس کا پل' سرائے نہر سابس' سرائے خرنینی اور بکثرت مسجدیں' خانقاہیں اور مسافر

---

[1] ابن اثیر ج ۱۲' ص ۱۹۴' ۱۹۵۔ [2] ابن خلدون ج ۳' ص ۵۳۶۔
[3] تاریخ الخلفاء ص ۴۷۳۔ [4] تاریخ الخلفاء ص ۴۷۳۔

خانے بنوائے۔ وہ کہا کرتا تھا' میری نگاہ میں سونا اور مٹی دونوں برابر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ [۳/آل عمران: ۹۲] اس لیے مجھ کو خطرہ ہے کہ میں نے جو کچھ صرف کیا ہے اس کا مجھے کوئی ثواب نہ ملے گا۔ اس کا عہد سرور وشادمانی کا زمانہ تھا۔ دینا (مراد عباسی خلافت) میں امن وسکون اور عمال خیر کا دور دورہ تھا اور ملک شاد وآباد تھا۔ [1]

حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ اس کی حکومت بڑے شکوہ وتجمل کی تھی۔ خدم وحشم کی کثرت تھی۔ وہ بڑا عادل، دیندار اور سرکشوں کا دشمن تھا۔ اس نے خلافت کی ذمہ داریوں کو بڑی خوبی سے سنبھالا۔ بکثرت مسجدیں اور مدرسے بنوائے۔ روپیہ بے دریغ صرف کیا۔ سارے سلاطین اس کے مطیع ومنقاد تھے۔ اس کا دادا ناصر اس کی عقل وفرزانگی اور حق پرستی کی وجہ سے اس کو قاضی کہا کرتا تھا۔ اس نے ایک عظیم الشان مدرسہ بنوایا، جس کی نظیر دنیائے اسلام میں نہ تھی۔ تاتاریوں کے مقابلہ کے لیے ایک لشکر جرار تیار کیا جس کی سوار فوج کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ اندلس اور شمالی افریقہ کے بعض علاقوں تک میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ [2]

سیوطی کا بیان ہے کہ مستنصر نے تخت نشینی کے بعد رعایا میں عدل وانصاف قائم کیا۔ علما واہل دین کو مقرب بنایا۔ مسجدیں' خانقاہیں مدرسے اور شفا خانے قائم کیے۔ دین کا آوازہ بلند کیا۔ سرکشوں کا قلع قمع کیا۔ سیرت نبوی کی اشاعت کی' فتنوں کا انسداد کیا' لوگوں کو صحیح راستہ پر لگایا' جہاد کا پورا فرض انجام دیا۔ اسلام کی مدد اور سرحدوں کی حفاظت کے لیے فوجیں جمع کیں۔ [3]

اس کا سب سے بڑا کارنامہ مدرسہ مستنصریہ ہے۔ اس کے قیام سے پہلے بغداد کا سب سے بڑا مدرسہ نظامیہ تھا' لیکن وہ نظام الملک طوسی کی یادگار تھا۔ خاص عباسی خلفا کی کوئی علمی یادگار نہ تھی۔ مستنصر نے اس کمی کو پورا کیا اور ایسا عظیم الشان مدرسہ قائم کیا' جس کے سامنے نظامیہ ماند پڑ گیا۔

مدرسہ مستنصریہ

ذہبی کا بیان ہے کہ ۶۲۵ھ میں دجلہ کے ساحل پر اس مدرسہ کی بنیاد پڑی۔ سات برس میں عمارت بن کر تیار ہوئی اور ۶۳۲ھ میں بڑی شان وشوکت سے اس کے افتتاح کی تقریب عمل میں آئی۔ قضاۃ' علما ومدرسین اور ارکان دولت وعمائد سلطنت اس تقریب میں شریک تھے۔

مدرسے کے متعلق ایک بڑا کتب خانہ تھا' جس میں ۶۰ بارشتر نفیس اور منتخب کتابیں تھیں۔ مدرسہ میں چاروں مذاہب کے ۲۴۸ طلبہ داخل ہوئے اور چار بڑے استاد شیخ الحدیث' شیخ النحو' شیخ الطب اور شیخ

---

[1] الفخری ص ۲۹۵۔ [2] دول الاسلام ج ۲' ص ۱۱۱۔ [3] تاریخ الخلفاء ص ۴۷۲۔

الفرائض مقرر کیے گئے۔ (چھوٹے مدرسین کی تعداد ان کے علاوہ تھی) طلبہ کو مدرسہ کی جانب سے کھانے کے علاوہ مٹھائیاں اور میوے بھی ملتے تھے۔ مدرسہ کے مصارف کے لیے بہت بڑی جائیداد وقف کی۔ [1]

ابن واصل کا بیان ہے کہ روئے زمین پر اس سے بہتر کوئی مدرسہ نہ تھا اور نہ کسی مدرسہ کا وقف اتنا بڑا تھا۔ اس میں چاروں مذاہب کے طلبہ تھے۔ مدرسہ سے متعلق ایک شفاخانہ، مطبخ اور ٹھنڈے پانی کے لیے ایک آب دار خانہ تھا۔ طلبہ کو چٹائیاں، فرش، تیل، کاغذ، قلم، دوات مفت اور کھانے کے علاوہ ہر طالب علم کو ایک اشرفی ماہانہ وظیفہ ملتا تھا۔ مدرسہ سے متعلق ایک عمدہ حمام بھی تھا۔ [2] مستنصر شعر و شاعری میں بھی ذوق رکھتا تھا۔ شعرا کا قدردان تھا۔ ایک مرتبہ ایک شاعر وجیہہ قیروانی نے ایک قصیدہ لکھ کر پیش کیا۔ اس کا ایک شعر یہ تھا:

لو كنت يوم السقيفة حاضرا　　　كنت المقدم والامام الاورعا

''اگر آپ سقیفہ کے دن موجود ہوتے تو آپ ہی امام منتخب کیے جاتے''

مستنصر نے اس شعر کو بہت پسند کیا۔ دربار میں ایک حق گو اور حق پرست بھی موجود تھا۔ اس نے شاعر کو ٹوکا کہ تم نے غلط کہا۔ امیر المومنین کے جد امجد (حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ) اس زمانہ میں موجود تھے، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں ان کو کسی نے امام نہیں بنایا۔ یہ سچا جواب مستنصر نے بھی پسند کیا اور ٹوکنے والے کو خلعت عطا کیا اور وجیہہ کو شہر بدر کرا دیا۔ [3]

---

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی بحوالہ ذہبی ص ۴۷۳۔

[2] تاریخ الخلفاء سیوطی بحوالہ ذہبی ص ۴۷۵۔

[3] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۴۷۵۔

ابو احمد عبداللہ بن مستنصر الملقب بہ مستعصم باللہ

(۶۴۰ھ تا ۶۵۶ھ مطابق ۱۲۴۱ء تا ۱۲۵۷ء)

مستنصر کے بعد اہلیت و قابلیت کے اعتبار سے اس کا بھائی خفاجی سب سے زیادہ خلافت کا مستحق تھا' لیکن امیر دیودار اور امیر شرابی وغیرہ اراکین دولت نے اپنے ذاتی مفاد و مصالح کے اعتبار سے مستنصر کے لڑکے ابو احمد عبداللہ کو خلیفہ بنا دیا اور وہ جمادی الثانی ۶۴۰ھ میں تخت نشین ہوا اور مستعصم باللہ لقب اختیار کیا۔ یہ ایک لونڈی ہاجر کے بطن سے تھا۔

مستعصم میں ذاتی خوبیاں بہت تھیں۔ نیک فطرت، نرم خو' شیریں زبان، پاکباز و خوش اخلاق تھا۔ سخت گیری مطلق نہ تھی' لیکن جہانبانی کے اوصاف سے تہی دامن تھا۔ طبیعت کا کمزور' رائے کا کچا' امور مملکت سے ناواقف اور بے رعب تھا۔ اس کا سارا وقت گانے بجانے اور ہنسی مذاق وغیرہ تفریحی مشاغل وغیرہ میں گزرتا تھا۔ علم و فن اور مطالعہ کا ذوق کم رکھتا تھا۔ اس کے مصاحب و حاشیہ نشین ادنیٰ درجہ کے جاہل عوام تھے۔ البتہ اس کا وزیر مؤیدالدین محمد بن علقمی بڑا عاقل و فرزانہ تھا' لیکن اس کی طینت خراب تھی۔ بڑا بے فیض و ناقابل اعتبار تھا۔ اس کا کام صرف عمال کی معزولی اور ان کی گرفتاری تھی۔ [1] مستعصم کی نااہلی کی وجہ سے اراکین سلطنت خصوصاً ابن علقمی اس پر بہت حاوی ہو گیا تھا۔ [2] جس کا نتیجہ عباسی حکومت کی تباہی کی شکل میں ظاہر ہوا۔

مصر کی ایوبی حکومت کا خاتمہ اور ممالیک کی حکومت کا قیام

مصر کی ایوبی حکومت گو دولت عباسیہ کے خاتمے کے دو تین سال بعد ختم ہوئی' لیکن عملاً اس کا خاتمہ عباسیوں سے پہلے ہو چکا تھا۔ آئندہ مصر کے عباسی خلفا کے حالات میں ضمناً اس کا ذکر آئے گا۔ اس لیے اس کے قیام کے مختصر حالات سن لینے چاہئیں۔

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ الملک العادل کے بعد اس کے لڑکوں میں خانہ جنگی شروع ہوئی تھی۔ دو پشتیں اس میں گزر گئیں۔ الملک العادل کے بعد اس کا لڑکا الملک الکامل اور ان کے بعد اس کا لڑکا عادل بن کامل' کامل کے بعد اس کا بھائی الملک الصالح تخت نشین ہوا۔ یہ بڑے دبدبہ و شکوہ کا فرمانروا تھا۔ معتصم عباسی کی طرح اسے ترکی غلاموں کا بہت شوق تھا' چنانچہ ان نے اس کی بڑی تعداد جمع کی اور انہیں آگے بڑھایا۔ اس کی فوج کے اکثر افسر ترک تھے۔ اس کی ڈیوڑھی پر بھی ترک دستہ متعین رہتا

[1] الفخری ص ۲۹۷۔ [2] ابوالفداء ج ۳ ص ۱۷۱۔

تھا۔ یہ ترک بحریہ کہلاتے تھے' چنانچہ اس کے زمانہ میں بحریہ کا بڑا غلبہ ہو گیا۔ [1]

۶۴۷ھ میں الملک الصالح کا انتقال ہو گیا۔ اس کا ایک ہی لڑکا توران شاہ الملقب بہ الملک المعظم تھا۔ باپ کی وفات کے وقت وہ دارالسلطنت سے دور حصن کیفا (شام) میں تھا۔ اس لیے صالح کی وفات کے بعد بدنظمی کا خطرہ تھا۔ صالح کی سوتیلی ماں شجرۃ الدر بڑی عاقلہ تھی۔ اس نے شوہر کی موت کو مخفی رکھا اور امرائے سے بڑی ہوشیاری کے ساتھ توران شاہ کی ولی عہدی کی بیعت لینے کے بعد الملک الصالح کی موت کا اعلان کر دیا۔ [2] اور توران شاہ کے مصر پہنچنے تک حکومت کے فرائض خود انجام دیتی رہی۔ توران شاہ نے حکومت کی باگ ہاتھ میں لینے کے بعد شجرۃ الدر سے باپ کی دولت کا مطالبہ کیا اور اسے دھمکایا۔ اس نے ممالیک بحریہ سے شکایت کی کہ توران شاہ میری خیر خواہی کا یہ صلہ دے رہا ہے۔ اس سے ان کو ناگواری پیدا ہوئی۔ [3] توران شاہ نے بحریہ کی بھی تحقیر و تذلیل کی اور ان کے مقابلہ میں ان امرا کو جو شام سے اس کے ساتھ آئے تھے' بڑھانا شروع کیا۔ اس لیے وہ اس کی جان کے دشمن ہو گئے اور موقع پا کر محرم ۶۴۸ھ میں توران شاہ کو قتل کر دیا۔ اس کی مدت حکومت کل چھ مہینے تھی۔ [4]

توران شاہ کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لیے بحری امرا نے شجرۃ الدر کو تخت نشین کر دیا اور اپنے ایک سردار امیر معزالدین ایبک جاشنگیر ترکمانی کو سپہ سالار افواج مقرر کیا' لیکن شام کے ایوبی امرا نے شجرۃ الدر کی حکومت تسلیم نہیں کی اور اپنے یہاں انہوں نے ایوبی خاندان کے ایک رکن ملک الناصر صلاح الدین یوسف والی حلب کو اپنا بادشاہ بنا لیا اور اس نے دمشق پر جو مصری حکومت کا علاقہ تھا' قبضہ کر لیا۔ اس سے مصری فوج بھی مذبذب ہو گئی۔ یہ صورت حال دیکھ کر شجرۃ الدر نے امیر معزالدین سے شادی کر لی اور اس کے حق میں حکومت سے دستبردار ہو گئی اور وہ مصر کا مستقل بادشاہ ہو گیا۔ [5] بحری امرا میں لوگ امیر معزالدین کے حریف تھے۔ ان کو اس کی بادشاہت گوارا نہ ہوئی' چنانچہ انہوں نے موسیٰ بن یوسف ایوبی الملقب بہ الملک الاشرف فرمانروائے یمن کو لا کر تخت نشین کیا اور امیر معزالدین کو کارپرداز سلطنت بنایا' لیکن اشرف محض نام کا حکمران تھا۔ اختیارات تمام تر معزالدین کے ہاتھوں میں تھے۔ اشرف باختلاف روایت دو یا چار سال تک حکمران رہا اور ۶۵۰ھ یا ۶۵۲ھ میں معزالدین نے اس کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور خود مصر کا مستقل حکمران بن گیا اور مصر سے ایوبی حکومت ختم ہو گئی۔ [6]

لیکن معزالدین کو زیادہ دنوں تک حکومت کرنے کا موقع نہ ملا۔ مصر کی فرمانروائی ملنے کے بعد

---

[1] ابوالفدا ءج ۳' ص ۱۷۹۔ [2] ابوالفدا ءج ۳' ص ۱۸۰۔ [3] خطط مقریزی ج ۳' ص ۳۸۵۔

[4] خطط مقریزی ج ۳' ص ۳۸۵' وابوالفدا ءج ۳' ص ۱۸۱۔ [5] خطط مقریزی ج ۳' ص ۳۸۵۔

[6] خطط مقریزی ج ۳' ص ۳۸۶' وابوالفدا ءج ۳' ص ۱۸۳' ۱۹۰ ملخصاً۔

اس نے بدرالدین لولو والی موصل کی لڑکی سے شادی کرنے کا ارادہ کیا۔ شجرۃ الدر کو اس کی اطلاع ہو گئی۔ اس نے ربیع الاول ۶۵۵ھ میں ترکی امرا کو ملا کر معزالدین کو قتل کرا دیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا نورالدین علی الملقب بہ ملک المنصور تخت نشین ہوا۔ [1] نورالدین کے بعد سیف الدین قطز اور اس کے بعد ملک الظاہر بیبرس بندقداری تخت نشین ہوا۔ اسی کے زمانے میں مصر میں عباسی خلافت قائم ہوئی، جس کا حال آخر میں آئے گا۔

تاتاری

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ چنگیز کے بعد قراقرم کی مرکزی حکومت میں اس کا لڑکا اکتائی قاآن تخت نشین ہوا تھا۔ اکتائی کے بعد ۶۴۳ھ میں اس کا لڑکا کیوک خان تخت پر بیٹھا۔ کیوک کے بعد ۶۴۸ھ میں اس کا چچازاد بھائی منکوقاآن اس کا جانشین ہوا۔ اس کا ایک بھائی برکہ شیخ شمس الدین باخوری کے ہاتھوں پر مشرف باسلام ہو گیا۔ شیخ نے اس کو خلیفہ کی اطاعت و فرمانبرداری کی تاکید کی۔ اس نے مستعصم کو خط لکھ کر تحریری بیعت کی اور اس کے ساتھ اس کے عقیدت مندانہ تعلقات قائم ہو گئے اور جب تک برکہ زندہ رہا تاتاریوں نے خلافت بغداد کی طرف آنکھ نہ اٹھائی۔ [2]

منکوقاآن کے زمانہ میں عراق عجم میں اسماعیلیوں نے بڑا ظلم و فساد مچایا۔ اس وقت یہ علاقہ تاتاریوں کے زیرنگیں ہو چکا تھا۔ اس لیے یہاں کے باشندوں نے جن میں ایک ممتاز مسلمان قاضی شمس الدین قزوینی تھے۔ منکوقاآن سے اس کی فریاد کی۔ اس نے اپنے بھائی ہلاکو خان کو ایران کا حاکم بنا کر اسماعیلیوں کے استیصال پر مامور کیا۔ اس نے ان کے قلعے فتح کر کے بادشاہ خورشاہ کو گرفتار کر کے منکوقاآن کے پاس بھجوا دیا اور وہ راستہ میں قتل کر دیا گیا۔ [3]

بغداد پر ہلاکو خان کا حملہ اور عباسی خلافت کا خاتمہ

مستعصم کی نااہلی اور اس کے شیعہ وزیر ابن علقمی کی وجہ سے بغداد کی حالت اس زمانہ میں بہت ابتر ہو رہی تھی۔ شیعہ، سنیوں اور سنیوں کے مختلف فرقوں کے اختلاف و جنگ و جدال اور شہر کے فتنہ پرست بدمعاشوں کی فتنہ انگیزی سے حکومت کا سارا نظام بگڑ گیا۔ عباسی حکومت کی آمدنی اتنی گھٹ گئی کہ اس کے مصارف پورے ہونا مشکل ہو گئے۔ مستعصم نے ابن علقمی کے مشورہ سے فوج کا ایک حصہ برخاست کر دیا اور باقی فوج اور دوسرے عمال حکومت کی تنخواہوں کے مصارف تاجروں، اہل حرفہ

---

[1] ابوالفدا، ج ۳ ص ۱۹۲۔ [2] ابن خلدون ج ۵ ص ۵۲۹۔

[3] تاریخ گزیدہ ج ۱، ص ۵۷۹، ۵۸۰، وابن خلدون ج ۵، ص ۵۲۹۔

اور کاشتکاروں پر پھیلا دیئے گئے۔ اس سے شورش اور بڑھ گئی۔ دوسری طرف شیعہ سنیوں کے اختلاف میں شیعوں نے ابن علقمی کے بل پر سنیوں پر زیادتی شروع کر دی۔ گو ابن علقمی مستعصم پر حاوی تھا' لیکن مستعصم کو شیعوں کی زیادتی ناگوار گزری۔ اس نے اپنے لڑکے ابوبکر اور امیر رکن الدین کو بھیج کر کرخ کا محلہ جس میں شیعہ آباد تھے' لٹوا دیا۔ [1]

ابن علقمی پہلے سے خلافت بغداد کے ساتھ تعصب رکھتا تھا، اس واقعہ کے بعد اس نے عباسی خلافت کو ختم کر کے علوی خلافت قائم کرنے کا ارادہ کر لیا۔ [2] اور عباسی فوج کے باقی حصہ کو بھی مستعصم کو یہ اطمینان دلا کر الگ کر دیا کہ اس سے جو روپیہ بچے گا' وہ تاتاریوں کی مدافعت کے دوسرے انتظامات میں کام آئے گا۔ [3]

فوج برخاست کرنے کے بعد اس نے مختلف ذرائع سے تاتاریوں کو بغداد پر حملہ کی دعوت دی۔ ابن خلدون لکھتا ہے کہ فوج کو الگ کرنے کے بعد اس نے ابن صلابا والی اربل کے ذریعہ تاتاریوں کو بغداد پر حملہ کے لیے آمادہ کیا۔ [4] حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ اس نے عباسی حکومت کو مٹا کر علوی حکومت قائم کرنے کے لیے تاتاریوں سے خط و کتابت کی۔ [5]

ابوالفداء کا بیان ہے کہ ابن علقمی نے تاتاریوں کو بغداد پر حملہ کے لیے لکھا اور اپنے بھائی کو زبانی پیام دے کر ان کے پاس بھیجا۔ [6]

سیوطی لکھتے ہیں کہ مستعصم کو اپنے وزیر موید الدین علقمی شیعی پر بڑا اعتماد تھا۔ اس نے ملک کو تباہ کر ڈالا۔ وہ خلیفہ سے جس طرح چاہتا تھا' کھیلتا تھا۔ پوشیدہ تاتاریوں سے ملا ہوا اور ان کا ہوا خواہ تھا۔ اس نے عباسی خلافت کو مٹا کر علوی حکومت قائم کرنے کے لیے تاتاریوں کو عراق پر فوج کشی اور بغداد پر قبضہ کرنے کی طمع دلائی اور ان کی خبریں خلیفہ سے بالکل پوشیدہ رکھتا تھا۔ [7] لیکن خلافت بغداد کو مسلمانوں کی دینی حکومت کی حیثیت حاصل تھی۔ اور ان کو اس کے ساتھ مذہبی عقیدت تھی۔ اس پر ہاتھ ڈالنے سے دنیائے اسلام کے بگڑ جانے کا اندیشہ تھا۔ اس کے علاوہ خلافت عباسیہ کے مذہبی تقدس کی وجہ سے خود ہلاکو کو خطرہ تھا کہ اس کو چھیڑنے سے مبادا کوئی مصیبت نہ نازل ہو جائے۔ لیکن ابن علقمی کی خوش قسمتی سے مشہور شیعی فلسفی اور عالم ریاضی خواجہ نصیر الدین طوسی کو ہلاکو کے دربار میں بڑا رسوخ حاصل تھا۔ ہلاکو کے دل میں اس کی اتنی منزلت تھی کہ وہ اس کے ہر مشورہ پر عمل کرتا تھا۔ [8]

---

[1] ابن خلدون ج ۳' ص ۵۳۷۔ [2] دول الاسلام ذہبی ج ۲' ص ۱۱۹۔ [3] ابن خلدون ج ۳' ص ۵۳۷۔
[4] ابن خلدون ج ۳' ص ۵۳۷۔ [5] دول الاسلام ج ۲' ص ۱۱۹۔ [6] ابوالفداء ج ۳' ص ۱۹۳۔
[7] تاریخ الخلفاء ص ۶۷۴۔ [8] الوافی بالوفیات صلاح الدین صفدی ج ۱' ص ۱۷۹۔

اس نے یہ کہہ کر ہلاکو کی ہمت بڑھائی کہ "عادت الله دریں عالم چنیں قرار گرفته که امور برمجاری طبیعت عالم باشد' مستعصم بالله درشرف نه به یحییٰ بن زکریا میرسد نه به حسین بن علی وایں دور اعادی به تیغ سربریدند' وجہاں ہمچناں برقرار است"۔

اور ذی الحجہ ۶۵۵ھ میں ہلاکو نے بغداد پر فوج کشی کر دی۔ عباسی فوج کو پہلے ہی ابن علقمی الگ کرا چکا تھا۔ تاہم جتنی فوج باقی رہ گئی تھی اس کو لے کر امیر دیودار نے بڑی پرزور مدافعت کی اور پہلے حملے میں تاتاریوں کو پسپا کر دیا' لیکن پھر انہوں نے اس زور کا دوسرا حملہ کیا کہ عباسی فوجیں اس کی تاب نہ لا سکیں اور شکست کھا کر بغداد کی جانب پسپا ہو گئیں۔ اتفاق سے عین اس وقت دجلہ کا ایک بند ٹوٹ گیا تھا۔ اس سے راستہ میں پانی حائل ہو گیا اور تاتاریوں نے تعاقب کر کے پوری فوج تہہ تیغ کر دی۔ امیر دیودار قتل ہوا اور اس کے تمام ساتھی گرفتار ہو گئے اور تاتاریوں نے بڑھ کر بغداد کا محاصرہ کر لیا۔ اب اہل بغداد میں کوئی سکت باقی نہ تھی' لیکن ابھی ابن علقمی کا جذبہ انتقام ٹھنڈا نہ ہوا تھا۔ اس نے ہلاکو سے اپنی جان بخشی کرائی اور مستعصم اور اس کے ساتھ بغداد کے تمام علماو فقہا و مدرسین و اکابر و اعیان کو یہ یقین دلا کر ہلاکو کے پاس لے گیا کہ ان کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا' ہلاکو مستعصم کو منصب خلافت پر برقرار رکھے گا اور اپنی لڑکی کی شادی اس کے لڑکے ابوبکر کے ساتھ کر دے گا۔ یہ سب ایک ساتھ قتل کر دیئے گئے۔ مستعصم کو ڈنڈوں سے پیٹ پیٹ کر ختم کیا اور اس کی لاش کو پیروں سے مسلا۔ [1] اور ان میں سے کسی کو گور و کفن تک میسر نہ ہوا۔ یہ واقعہ محرم ۶۵۶ھ میں پیش آیا۔

اس کے بعد وحشی تاتاری بغداد میں گھس پڑے اور کئی دن تک قتل عام کرتے رہے۔ عورتوں اور بچوں نے نکل جانا چاہا' لیکن تاتاریوں نے ان کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ آبادی کو ختم کر کے چالیس دن تک نہایت بے دردی سے بغداد لوٹتے رہے۔

بغداد اپنے عروج کے زمانہ میں عروس البلاد تھا۔ دنیا کا کوئی شہر اس کی ہمسری نہ کر سکتا تھا۔ آئندہ جلد میں اس کی تفصیل آئے گی' لیکن اس گئی گزری حالت میں بھی جب کہ وہ مسلسل انقلابات سے ویران ہو چکا تھا' دنیائے اسلام کے ممتاز ترین شہروں میں اس کا شمار تھا۔ مشہور سیاح ابن جبیر نے مستعصم سے ایک ہی پشت پہلے چھٹی صدی کے آخر میں بغداد کا سفر کیا تھا۔ اپنے سفرنامہ میں اس کے حالات لکھے ہیں۔ اس کا یہ بیان دور عروج کے بغداد کا گویا مرثیہ ہے۔ تاہم اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس اجڑی ہوئی حالت میں بھی وہ کس پایہ کا شہر تھا' وہ لکھتا ہے کہ:

"یہ پرانا شہر گو ہمیشہ عباسی خلافت کا پایہ تخت اور قرشی و ہاشمی امامت کا مرکز رہا ہے' اور اس کی

[1] ابن خلدون ج ۳' ص ۵۴۷ و ابوالفدا ج ۳' ص ۱۹۴۔

گزشتہ عظمت کے مقابلہ میں اب اسکی حیثیت صرف کھنڈر اور مٹے ہوئے نشان یا ایک خیالی صورت کی رہ گئی ہے'

موجود بغداد کی آبادی دو حصوں میں تقسیم ہے' ایک دجلہ کے مشرقی سمت اور دوسری مغربی جانب' مغربی حصہ کسی زمانہ میں بہت آباد تھا' لیکن اب ویران ہو چکا ہے اور مشرقی حصہ نو آباد ہے' یہ شہر ویرانی کے باوجود سات محلوں پر مشتمل ہے' جن میں ہر محلہ اپنی وسعت و آبادی کے لحاظ سے مستقل شہر کی حیثیت رکھتا ہے' ہر محلّہ میں کئی کئی حمام ہیں آٹھ حمام جامع مسجدوں میں ہیں' سب سے بڑے محلّہ کا نام قریہ ہے جس میں ہم ٹھہرے تھے' یہ محلّہ دجلہ کے ساحل پر ہے' یہاں پہلے ایک پل بھی تھا' جو سیلاب میں بہہ گیا' اب کشتیوں کے ذریعہ آمد و رفت ہوتی ہے' کشتیاں بے شمار ہیں' اور رات دن لوگوں کے ازدحام سے ایک میلہ سا لگا رہتا ہے' معمولاً ہر جگہ دو پل ہیں' ایک شاہی محلات سے متصل' دوسرا اس سے علیحدہ' لیکن آمد و رفت کی کثرت کی وجہ سے یہ پل ناکافی ہیں' اور ہر وقت کشتیاں چلتی رہتی ہیں' دوسرا محلّہ کرخ ہے' اس کے گرد مستقل شہر پناہ ہے' تیسرا محلّہ باب البصرہ ہے' یہ بھی ایک مستقل شہر کی حیثیت رکھتا ہے یہیں وہ عظیم الشان جامع مسجد ہے' جو جامع منصور کے نام سے موسوم ہے' چوتھا محلّہ شارع ہے' یہ بھی گویا ایک شہر ہے' یہ چاروں بڑے محلے ہیں' محلّہ شارع اور باب البصرہ کے درمیان ایک محلّہ سوق المارستان ہے' اسکی حیثیت ایک چھوٹے شہر کی ہے' بغداد کا مشہور و معروف شفا خانہ اسی محلّہ میں ہے' اس میں مریضوں کے علاج اور ان کی دیکھ بھال کے لئے باون اطبا اور معالجین ہیں' مریضوں کی جملہ ضروریات کا انتظام شفا خانہ کی جانب سے ہوتا ہے' اطبا کے علاوہ مریضوں کی دوا اور غذا وغیرہ کی تیاری اور نگرانی کے لئے علیحدہ ملازمین ہیں' شفا خانہ کی عمارت عالیشان قصر کی سی ہے' جس میں بہت سے کمرے ہیں' اور اس کا ساز و سامان شاہانہ ہے' شفا خانہ میں دجلہ سے پانی آتا ہے' سب محلوں کا تذکرہ طویل ہوگا' مثلاً ایک محلّہ وسیطہ ہے' جو دجلہ اور فرات کی ایک شاخ کے درمیان آباد ہے' اس کے ذریعہ سارے فراتی علاقہ کا سامان بغداد آتا ہے' ایک محلّہ عتابیہ ہے' یہاں بغداد کا مشہور عتابی کپڑا جو مختلف رنگوں کے ریشم اور سوت سے تیار ہوتا ہے بنایا جاتا ہے' ایک محلّہ حربیہ ہے' اس کے بعد بغداد کی آبادی ختم ہو جاتی ہے۔

مغربی حصہ تمام تر باغات اور چمن زار پر مشتمل ہے' یہاں سے مشرقی حصہ میں میوے جاتے ہیں' آج کل دارالخلافہ اسی حصہ میں ہے اور شاہی محلات مشرقی حصہ کے چوتھائی بلکہ اس سے زیادہ رقبہ کو گھیرے ہوئے ہیں' شاہی خاندان کے نظر بند ارکان ان محلوں میں رہتے ہیں' ان کے لئے ہر طرح کی سہولتیں مہیا رہتی ہیں' صرف احاطہ سے باہر نکلنے کی ان کو اجازت نہیں ہے' مشرقی حصہ کے بڑے

رقبہ میں عالیشان شاہی محلات اور دلفریب باغات...... اور بڑے بڑے مرتب بازار ہیں' ان میں ہر وقت آدمیوں کا اتنا ہجوم رہتا ہے کہ ان کا شمار مشکل ہے' تین بڑی جامع مسجدیں ہیں' خلیفہ کی جامع مسجد اس کے محل کے قریب ہے' یہ بہت بڑی مسجد ہے' اور اس میں بڑے بڑے حوض وسقاوے ہیں' اور ہر قسم کے ساز و سامان سے آراستہ ہے' دوسری مسجد جامع سلطان کے نام سے موسوم ہے' یہ مسجد ان محلات کے متصل ہے جو ان سلاطین کی جانب منسوب ہے' جو موجودہ خلیفہ کے اجداد کے زمانہ میں خلافت عباسیہ کے منتظم تھے' تیسری جامع رصافہ ہے' رصافہ میں عباسی خلفا کی قبریں ہیں' بغداد کی مسجدوں میں گیارہ میں جمعہ ہوتا ہے' حماموں کی تعداد اس حصہ میں بے شمار ہے' مجھ سے ایک معتبر آدمی نے بیان کیا کہ دونوں حصے میں دو ہزار کے قریب حمام ہوں گے' ان کی دیواروں اور فرش پر سیاہ رنگ کی چمکدار پالش ہے کہ دیکھنے والوں کو سیاہ سنگ رخام کا دھوکا ہوتا ہے...... مسجدوں کی اتنی کثرت ہے کہ ان کا شمار تو کیا' اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا' تیس مدرسے ہیں اور ہر مدرسہ کی عمارت ایسی عظیم الشان ہے کہ بڑے بڑے محلات کو شرماتی ہے' ان مدارس میں سب سے بڑا مدرسہ نظام الملک کا قائم کردہ مدرسہ نظامیہ ہے ۵۰۴ھ میں اس کی دوبارہ تجدید ہوئی تھی' ان مدارس پر بڑی بڑی جائدادیں وقف ہیں جن سے فقہا و مدرسین کی تنخواہیں او طلبہ کے مصارف پورے ہوتے ہیں' ان اطراف کو اس قسم کے مدارس اور شفاخانوں کے قیام میں بہت بڑا شرف اور غیر فانی فخر حاصل ہے' اللہ اس کے بانی اول اور اس کے پیروؤں پر اپنی رحمت نازل فرمائے' مشرقی حصہ کے چار پھاٹک ہیں' باب السلطان' باب الظفر' یہ باب الحلبہ' باب البصلیہ' یہ پھاٹک اس شہر پناہ میں ہیں جو نصف مستطیل دائرہ کی شکل میں مشرقی حصہ کو گھیرے ہوئے ہے' شہر پناہ کے اندر بازاروں کے بکثرت پھاٹک ہیں' غرض اسی گئی گزری حالت میں بھی اس شہر کی شان و عظمت تعریف و توصیف سے بالاتر ہے۔ [1]

اس بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ چھٹی صدی کے آخر میں بغداد کی کیا حالت تھی' یہ بھی واضح رہے کہ ناصر اور مستنصر نے اپنے زمانہ میں اس اجڑے ہوئے شہر کو مختلف حیثیتوں سے بڑی ترقی دی تھی اور بکثرت نئی عمارتیں بنوائی تھیں' جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے' گویا بغداد پر تاتاریوں کے حملہ کے وقت اس کی حالت اس سے کہیں بہتر تھی' جو ابن جبیر نے بیان کی ہے'

وحشی تاتاریوں نے اس عظیم الشان شہر کو لوٹ کر ویران کر ڈالا۔ ابن خلدون کا بیان ہے کہ صرف شاہی محلات سے انہوں نے جتنی دولت اور جس قدر ساز و سامان لوٹا' اس کا اندازہ نہیں کیا جا

[1] رحلۃ ابن جبیر ص ۲۲۵ تا ص ۲۲۹ ہم نے غیر ضروری باتیں حذف کر دی ہیں۔

سکتا۔عباسی کتب خانہ کی تمام کتابوں کو جو صدیوں کا سرمایہ تھیں' دجلہ میں ڈبو دیا۔مقتولین کی تعداد کا اندازہ سولہ لاکھ تھا۔ 1 ابن طقطقی کا بیان ہے کہ تاتاریوں کے ہاتھوں بغداد کے قتل عام اور وحشیانہ لوٹ کا اجمالی حال سننا بھی بڑی بات ہے۔تفصیل سننے کی تاب کس کو ہوگی۔اس شہر پر جو کچھ گزری وہ گزر گئی،اس کا حال قلم انداز کیا جاتا ہے' صرف اس کا قیاس کر لو اس کا حال نہ پوچھو۔ 2

بغداد پر قبضہ کے بعد پورا عراق تاتاریوں کے زیر نگیں ہو گیا اور سوا پانچ صدیوں کے بعد (۱۳۲ھ میں پہلے عباسی خلیفہ سفاح کی بیعت ہوئی تھی اور محرم ۶۵۶ھ میں مستعصم قتل ہوا۔)عباسی خلافت ختم ہوگئی اور اسی کے ساتھ مسلمانوں کی سیاسی مرکزیت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

عباسی خلافت کے خاتمہ کے بعد ابن علقمی نے تاتاریوں کو علوی خلافت قائم کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی' لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی اور اس کو اس کی نمک حرامی کے صلے میں ذلت و رسوائی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا اور چند ہی دنوں کے بعد وہ بھی مرگیا۔ 3

خلافت بغداد مسلمانوں کی دینی مرکزی حکومت تھی۔اس کی تباہی عالم اسلام کا حادثہ تھا۔اس سے ساری دنیائے اسلام میں غم والم کی لہر دوڑ گئی۔شعرا نے بڑے بڑے پرزور مراثی لکھے۔ان میں تقی الدین بن ابی الیسر کا مرثیہ بہت مشہور و مؤثر ہے:

لسائل الدمع عن بغداد و اخبار
فما وقوفک والاحباب قد ساروا

''بہنے والے آنسو بغداد کے واقعات بیان کر رہے ہیں۔سارے احباب تو رخصت ہو گئے تم کیوں ٹھہرے ہوئے ہو''۔

یا زائرین الی الزوراء لا تفدوا
فما بذاک الحمی والدار دیار

''اے زورا کے زیارت کرنے والو اب تمہارے آنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس مرغزار میں کوئی رہنے والا باقی نہیں رہا''۔

تاج الخلافة والربع الذی شرفت
به المعالم قد اعفاه اقفار

''خلافت کے تاجدار اور اس مرغزار کو جس پر کنگرے بلند تھے ویرانی نے بالکل مٹا دیا''۔

---

1 ابن خلدون ج ۳' ص ۵۳۷۔ 2 الفخری ص ۳۰۔ 3 تاریخ الخلفاء ص ۴۸۳۔

اضحیٰ لعطف البغی فی ربعه اثر

و للدموع علی الاثار اثار

''اس مرغزار میں پیرانہ سالی کی جھریوں کا نشان ہے اور ان کھنڈروں کے نشانات پر آنسوؤں کے نشان ہیں''۔

یانار قلبی من نار بحرب وغی

شبت علیه و وافی الربع اعصار

''اے میرے دل کی آگ جولڑائی کی آگ سے پیدا ہوئی ہے' وہ ایسی بھڑکی کہ مرغزار پر بادسموم چل گئی''۔

علی الصلیب علیٰ اعلیٰ منابرها

وقام بالامر من یحویه زنار

''صلیب اس کے منبروں پر چڑھ گئی اور ایک زنار پوش حکمران ہو گیا''۔

وکم حریم سبته الترک غاصبة

وکان دون ذاک الستر ا ستار

''کیسی کیسی پردہ نشین خواتین کو ترکوں نے جبر وظلم سے قید کر لیا ہے جو پردہ در پردہ رہتی تھیں''۔

وکم بدور علی البدرية انخسفت

ولم یعد لبدور منه ابدار

''اور بدریہ میں کتنے ماہ کامل گہن میں آ گئے اور جا کر اس کا کوئی ماہ کامل واپس نہیں آیا''۔

وکم ذخائر اضحت وھی شائعة

من انھاب وقد حازته کفار

''اور کتنے ذخائر لوٹ مار میں بٹ گئے اور کافروں نے ان کو اپنے قبضہ میں کر لیا''۔

وکم حدود اقیمت من سیوفهم

علی الرقاب وحطت فیه اوزار

''اور کتنی تلواریں گردنوں پر چل گئیں اور اس میں ہتھیار رکھ دیئے گئے''۔

ناديت والسبی مهتوک بجرهم
الی السفاح من الاعداء ذعار

''میں نے قیدیوں کو پکارا اس حال میں کہ وہ سفاح کی جانب گھسیٹ کر ذلیل کیے جا رہے تھے اور دشمنوں سے خوفزدہ تھے''۔

سعدی شیرازی نے عربی اور فارسی دونوں میں مرثیہ لکھا ہے۔ فارسی کا زیادہ مشہور اور پرسوز ہے:

آسماں را حق بود گر خون ببار بر زمین
بر زوال ملک مستعصم امیرالمومنین
اے محمد گر قیامت سر بروان آری ز خاك
سر بروں آرد قیامت درمیان خلق بیں
نازنینان حرم را موج خون بے دریغ
زآستاں بگذشت و مارا خون دل در آستیں
زینہار از دور گیتی و انقلاب روزگار
درخیال کس نگشتے کانچناں گرد و چنیں
دیده برداراپکه دیدی شوکت بیت الحرام
قیصران روم سر برخاك و خاقان بر زمین
خون فرزندان عم مصطفیٰ شد ریخته
ہم برآں جائیکه سلطاناں نہاوندے جبیں
بعد ازیں آسائش از دنیا نباید چشم داشت
قیر در انگشتری ماند چو بر خیزو نگیں
دجله خوں ناب است ازیں پس گرنہد سربر زمین
خاك نخلستان بطحا را کند باخون عجیں
نوحه لائق نیست بر خاك شہیداں زانکه ہست
کمتریں دولت مرایشاں را بہشت برتریں
لیکن ازروئے مسلمانی و راہ مرحمت
مہرباں را دل بسوزد در فریق نازنین

باش تا فردا به بینی روز داور رستخیز
کز لحد با روئے خوں آلوده برخیزد زمین
تکیه بر دنیا بناید کرد و دل بروے نهاد
کاسماں گاہے بمہر است اے برادر گه بکیں
زور باروئے شجاعت بر نیاید باجل
چوں قضا آید نماند قوت رائے رزین
تیغ ہندی بر نیاید روز ہیجا از نیام
شیر مردے را که باشد مرگ پنہاں در کمیں
تجربت بے فائده است آں راکه برگر دید بخت
حمله آوردن چه سود آنرا که برگردید زین
گرگساں اند از پے مردار دنیا جنگ جوئے
اے برادر گر خرد مندی چو سیمرغاں نشین

خلافت عباسیہ مصر

ابوالقاسم احمد بن ظاہر بامر اللہ الملقب بہ مستنصر باللہ عباسی

(۶۵۹ھ تا ۶۶۱ھ مطابق ۱۲۶۲ء تا ۱۲۶۳ء)

بغداد سے عباسی خلافت ختم ہونے کے بعد مصر میں قائم ہوئی۔ گو یہ خلافت ڈھائی صدیوں سے اوپر قائم رہی' لیکن اس کے خلفا محض تبرکاً تھے۔ اصل حکومت ممالیک کی تھی' جن کی تاسیس کا حال اوپر گزر چکا ہے اور خلفا ان کے وظیفہ خوار تھے۔ ان کا کام صرف اس قدر تھا کہ ہر نئے بادشاہ کی تخت نشینی کے بعد اس کو رسماً اپنی جانب سے امور مملکت کا مختار بنا کر خلعت عطا کرتے تھے' لیکن یہ صرف ایک رسمی کارروائی تھی۔ خلفا کو اتنے اختیارات بھی حاصل نہ تھے جتنے خلفا بغداد کے دیالمہ اور سلجوقیوں کے زمانے میں تھے۔ اسی لیے ان کی کوئی مستقل تاریخ نہیں ہے۔ ممالیک کے حالات میں ضمناً ان کا ذکر آتا ہے' لیکن مصری خلافت بھی عباسی خلافت کی شاخ تھی' اس لیے ان کا مختصر حال لکھ دینا ضروری ہے۔

اس خلافت کے قیام کی تاریخ یہ ہے کہ خلافت بغداد کے خاتمہ کے بعد ظاہر باللہ عباسی کا ایک لڑکا ابوالقاسم احمد الملقب بہ مستنصر باللہ تاتاریوں کی قید سے چھوٹ کر عرب سرداروں کی ایک جماعت کے ہمراہ ۶۵۹ھ میں مصر آیا۔ اس وقت خاندان مملوک کا چوتھا فرمانروا الملک الظاہر بیبرس بندقداری برسر حکومت تھا۔

خلافت بغداد کو دنیائے اسلام میں دینی مرکزیت کی حیثیت حاصل تھی۔ سارے مسلمان عباسی خلفا کو اپنا دینی پیشوا سمجھتے تھے اور ان کو اس خلافت کے خاتمہ کا بڑا غم تھا اور اس کے دوبارہ قیام کی دلی آرزو تھی۔ مملوکی حکومت کو قائم ہوئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ جس ملک میں عباسی خلافت کا دوبارہ احیا ہوتا' مسلمانوں میں اس کا اعزاز بہت بڑھ جاتا۔ ظاہر بیبرس کو گھر بیٹھے یہ دولت مل رہی تھی۔ اس لیے وہ رجب ۶۵۹ھ میں مستنصر کو بڑے تزک و احتشام سے قاہرہ لے گیا۔ سارے ارکان سلطنت و عمائد مصر' علما و قضاۃ بلکہ یہود و نصاریٰ تک انجیلیں لیے ہوئے جلوس میں شریک تھے۔ [1] اس شان و شوکت سے مستنصر کو لا کر قلعہ الجبل میں ٹھہرایا اور ایک خاص دربار میں قاضی القضاۃ قاضی تاج الدین نے ارکان و عمائد سلطنت اور سرکاری گواہوں کے سامنے مستنصر کے نسب کے بارہ میں ان عربوں کی شہادت لینے کے بعد جن کے ساتھ وہ مصر آیا تھا، اس کی صحت کی تصدیق کی اور شیخ

[1] حسن المحاضرہ ج ۲' ص ۴۴۔

الاسلام عزالدین بن عبدالسلام، خود قاضی تاج الدین' سلطان ظاہر بیبرس اور دوسرے ارکان سلطنت و عمائد مصر نے رجب ۶۵۹ھ میں اس کے ہاتھوں پر بیعت کی اور مصر میں اس کے نام کا خطبہ و سکہ جاری ہو گیا اور دنیائے اسلام میں خلافت کے احیا کا اعلان عام کر دیا گیا۔

بیعت خلافت کے بعد ملک الظاہر نے مستنصر کے لیے لاکھوں روپے کے صرف سے جملہ لوازم شاہی مہیا کیے اور اس نے ایک دربار عام میں عمائد سلطنت کے سامنے سلطان بیبرس کو اپنے ہاتھوں سے سیاہ عباسی خلعت عمامہ اور طوق زرین پہنایا اور اپنی جانب سے اس کو مصر کی حکومت کی سند عطا کی اور عالم اسلام کے متعلق خلافت کی ذمہ داریوں کا مختار و مجاز بنایا۔ [1] اور مصر میں عباسی خلافت کا ٹھاٹھ دوبارہ کھڑا ہو گیا' لیکن خلفا کا اس سے زیادہ کوئی اختیار نہ تھا کہ وہ ہر مملوک بادشاہ کی تخت نشینی کے بعد اس کو رسماً اپنی جانب سے حکومت کا مختار بنا دیتے تھے۔ بعض حوصلہ مند خلفا نے خلافت کا وقار قائم کرنے کی کوشش کی اور ان کو اس میں عارضی کامیابی بھی ہوئی' لیکن زیادہ تر اس کی پاداش میں خلافت سے ہاتھ دھونا پڑا۔

عباسی خلافت کے قیام کے بعد مستنصر نے بغداد کو تاتاریوں سے چھڑانے کا ارادہ کیا۔ ظاہر بیبرس نے دس لاکھ روپے کے صرف سے فوج مہیا کر دی اور دمشق تک خود اس کی مشایعت میں گیا اور ذی الحجہ ۶۵۹ھ میں مستنصر شام سے عراق روانہ ہوا اور موصل، سنجار و جزیرہ کے فرمانرواؤں کی مدد سے حدیثہ اور ہیت پر قبضہ کر کے بغداد کا رخ کیا۔ راستہ میں تاتاریوں کا مقابلہ ہو گیا۔ مصری فوج نے شکست کھائی اور خود مستنصر ایسا لاپتہ ہوا کہ یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ قتل ہوا یا روپوش ہو گیا اور کل چھ مہینے کے بعد اس کی خلافت ختم ہو گئی۔ [2]

---

[1] حسن المحاضرہ ج ۲' ص ۴۴' و ابوالفدا ء ج ۳' ص ۲۱۳۔
[2] ابوالفدا ء ج ۳، ص ۲۱۳۔

ابوالعباس احمد بن ابوعلی حسن الملقب بہ حاکم بامر اللہ

(۶۶۱ھ تا ۷۰۱ھ مطابق ۱۲۶۳ء تا ۱۳۰۱ء)

عباسی خاندان کا ایک اور رکن ابوالعباس احمد جو مسترشد باللہ عباسی کی اولاد میں تھا شام چلا آیا تھا اور رحبہ میں مقیم تھا۔ مستنصر کے بعد ظاہر نے اسی شان و شوکت کے ساتھ جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے اس کو قاہرہ لے جا کر خلیفہ بنایا۔ بیعت خلافت کے بعد اس نے بھی معمول کے مطابق ظاہر کو خلعت عطا کر کے امور مملکت کا مختار بنا دیا۔ [1]

حاکم چالیس سال تک زندہ رہا' لیکن اس کا بڑا حصہ نظر بندی میں گزرا۔ اس کے زمانہ میں نو سلاطین مصر کے تخت پر بیٹھے۔ ظاہر بیبرس برقنداری ۶۵۸ھ تا ۶۷۶ھ' محمد سعید برکہ خان ۶۷۶ھ تا ۶۷۸ھ' سلامش بن بیبرس ۶۷۸ھ تا ۶۷۸ھ' سیف الدین قلاؤن الملقب بہ ملک المنصور ۶۷۸ھ تا ۶۸۹ھ' صلاح الدین خلیل بن قلاؤن الملقب بہ ملک الاشرف ۶۸۹ھ تا ۶۹۳ھ' الملک الظاہر بیدرا ۶۹۳ھ تا ۶۹۳ھ' ناصر محمد بن قلاؤن ۶۹۳ھ تا ۶۹۴ھ' الملک العادل کتبغا ۶۹۴ھ تا ۶۹۶ھ' منصور لاجین ۶۹۶ھ تا ۶۹۸ھ' ناصر محمد بن قلاؤن دوسری مرتبہ ۶۹۶ھ تا ۷۰۸ھ۔

بیبرس نے اپنے ذاتی مفاد و مصالح کے لیے خلافت کا ٹھاٹھ کھڑا کیا تھا۔ اس کے خلاف وہ خلیفہ کے کسی اقدام کو پسند نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے حاکم کی تخت نشینی کے دوسرے ہی سال دونوں میں اختلاف شروع ہو گیا اور بیبرس نے محرم ۶۶۳ھ میں اس کو نظر بند کر دیا اور وہ سیف الدین قلاؤن کے زمانے تک کامل ۲۷ سال نظر بند رہا۔ اشرف صلاح الدین خلیل نے اپنے زمانے میں ۶۸۹ھ میں آزاد کیا۔ ۶۹۴ھ میں حاکم نے فریضہ حج ادا کیا۔ ملک العادل نے پھر اس کو لوگوں سے ملنے جلنے سے روک دیا۔ دو سال یہ قید قائم رہی۔ منصور لاجین نے اپنے دور ۶۹۶ھ میں پھر اس کا اعزاز و وقار دوبارہ قائم کیا۔ اس کا وظیفہ بڑھایا۔ ۶۹۷ھ میں جب حاکم نے دوسری مرتبہ حج کا ارادہ کیا تو منصور نے سات لاکھ درہم مصارف سفر کے لیے دیئے۔ ۷۰۱ھ میں اس کا انتقال ہوا اور سیدہ نفیسہ کے مزار کے جوار میں دفن کیا گیا۔ اس کی مدت خلافت چالیس سال تھی' لیکن آخر کے چند برسوں کے علاوہ قریب قریب یہ پوری مدت قید و نظر بندی میں گزری اور امیر المومنین کے رسمی لقب کے سوا اسے اور کوئی اختیار و امتیاز حاصل نہ تھا۔ [2]

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھو حسن المحاضرہ ج ۲' ص ۴۷' ۴۸' و خطط مقریزی ج ۴' ص ۳۹۳۔

[2] حسن المحاضرہ ج ۲' ص ۴۷' ۴۸' و خطط مقریزی ج ۴' ص ۳۹۳۔

ابوالربیع سلیمان بن حاکم الملقب بہ مستکفی باللہ اول

(۷۰۱ھ تا ۷۴۰ھ مطابق ۱۳۰۱ء تا ۱۳۳۹ء)

حاکم کے انتقال کے بعد سلطان ناصر نے اس کے لڑکے ابوالربیع سلیمان الملقب بہ مستکفی باللہ کے ہاتھوں پر بیعت کی۔ اس کے زمانہ میں تین سلاطین ہوئے۔ ناصر محمد بن قلاؤن ۶۹۸ھ تا ۷۰۸ھ، بیبرس جاشنگیر ۷۰۸ھ تا ۷۰۹ھ، ناصر محمد بن قلاؤن تیسری مرتبہ ۷۰۹ھ تا ۷۴۱ھ۔

ناصر محمد بن قلاؤن اور حاکم میں عرصہ تک بڑا اتحاد و اتفاق رہا۔ وہ اس کا بڑا لحاظ کرتا تھا۔ حاکم کی قیام گاہ قصر کبش اس کے شایان شان نہ تھی۔ ناصر نے قلعہ میں منتقل کر دیا اور مستکفی اور اس کے تمام متعلقین کے وظائف بڑھائے۔ دونوں ساتھ گوئے و چوگاں کھیلتے تھے۔ سیر و تفریح کے لیے ساتھ نکلتے تھے۔ مستکفی لڑائیوں میں اس کے ساتھ شریک ہوتا تھا۔ بتیس سال تک یہ اتحاد و اتفاق قائم رہا۔ پھر فتنہ انگیزوں کی شرارت سے ناصر بدگمان ہو گیا اور ۷۲۶ھ میں اس نے مستکفی کو پھر قصر کبش میں منتقل کر دیا اور ایک سال بعد ۷۲۷ھ میں قوص بھیج دیا، لیکن وظائف برقرار رکھے۔ [1]

مقریزی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہت تھوڑے دنوں تک تعلقات میں خوشگواری رہی اور قوص بھیجنے سے پہلے ناصر نے مستکفی کو دو مرتبہ نظر بند کیا اور قوص بھیجنے کے بعد وظیفہ گھٹا کر محض بسر اوقات کے لیے معمولی گزارہ مقرر کیا۔ [2] قوص ہی میں ۷۴۰ھ میں انتقال ہو گیا۔

سیوطی کا بیان ہے کہ مستکفی فاضل، خطاط، فیاض اور بہادر خلیفہ تھا۔ علما اور ارباب کمال کا قدردان تھا۔ اس کا دربان ان کا مرجع تھا۔ [3]

[1] حسن المحاضرہ ج ۲، ص ۵۲۔ [2] خطط مقریزی ج ۳، ص ۳۹۴۔ [3] خطط مقریزی ج ۳، ص ۵۰۳۔

ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن حاکم الملقب بہ واثق باللہ

(۷۴۰ھ تا ۷۴۱ھ مطابق ۱۳۳۹ء تا ۱۳۴۰ء)

مستکفی نے اپنے لڑکے احمد کو ولی عہد بنایا تھا' لیکن ناصر کا دل اس کی طرف سے صاف نہ تھا۔ اس لیے قاضی القضاۃ کی مخالفت کے باوجود اس نے مستکفی کے نالائق چچیرے بھائی ابراہیم بن محمد الملقب بہ واثق باللہ کو خلیفہ بنا دیا۔ [1]

لیکن یہ انتخاب غلط تھا۔ اس لیے ناصر کو خود بعد میں پشیمانی ہوئی۔ واثق کی بیعت کے چند ہی مہینوں بعد ناصر کا وقت آخر ہو گیا اور وہ مرتے وقت اپنے لڑکے منصور سے احمد کو خلیفہ بنانے کی وصیت کرتا گیا۔ واثق کی مدت خلافت کل چھ مہینہ تھی۔

[1] حسن المحاضرہ ج ۲' ص ۵۳۔

ابو العباس احمد بن مستکفی الملقب بہ حاکم بامر اللہ ثانی

(۷۴۱ھ تا ۷۴۸ھ مطابق ۱۳۳۹ء تا ۱۳۴۷ء)

ناصر کی وفات کے بعد ۷۴۱ھ میں اس کا لڑکا منصور ابوبکر تخت نشین ہوا۔اس نے باپ کی وصیت کے مطابق قاضی القضاۃ سے احمد الملقب بہ حاکم کے استحقاق کا فتویٰ لے کر واثق کو معزول کر کے احمد کو خلیفہ بنایا۔ [1]

اس کے زمانہ میں سات سلاطین ہوئے۔منصور ابوبکر ۷۴۱ھ تا ۷۴۲ھ' علاؤ الدین کجک بن محمد ۷۴۲ھ تا ۷۴۲ھ' ناصر شہاب الدین احمد ۷۴۲ھ تا ۷۴۳ھ' ملک الصالح اسماعیل ۷۴۳ھ تا ۷۴۶ھ' کامل زین الدین شعبان ۷۴۶ھ تا ۷۴۷ھ' مظفر زین الدین ۷۴۷ھ تا ۷۴۸ھ' ناصر حسن بن محمد ۷۴۷ھ تا ۷۵۲ھ۔

حاکم کے تعلقات تمام سلاطین سے خوشگوار رہے اور اس نے اپنے پیشروؤں کے مقابلے میں عزت ووقار کی زندگی بسر کی۔ابن فضل اللہ کا بیان ہے کہ اس نے رسوم خلافت کو زندہ کیا اور اس کے کسی فعل کی سلاطین مصر مخالفت نہ کر سکے۔ [2] مقریزی کے بیان کے مطابق ۷۴۸ھ میں اور سیوطی کے بیان کے مطابق ۷۵۳ھ میں انتقال کیا۔

[1] حسن المحاضرہ ج ۲' ص ۵۳۔ [2] تاریخ الخلفاء ص ۵۰۴۔

ابوبکر بن مستکفی الملقب بہ معتضد باللہ اول

(۷۴۸ھ تا ۷۶۳ھ مطابق ۱۳۴۷ء تا ۱۳۶۲ء)
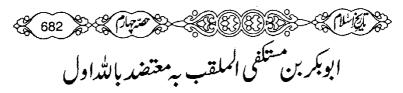
حاکم نے کسی کو ولی عہد نہیں بنایا تھا۔ اس کی وفات کے بعد قضاۃ وعمائد مصر نے اس کے بھائی ابوبکر بن مستکفی کو جانشین بنایا۔

اس کے زمانہ میں تین سلاطین ہوئے۔ ناصر حسن بن محمد مذکور صالح، صلاح الدین بن محمد ۷۵۲ھ تا ۷۵۵ھ' ناصر حسن بن محمد دوسری مرتبہ ۷۵۵ھ تا ۷۶۲ھ۔

حاکم نے خلافت کا جو وقار قائم کیا تھا معتضد کے زمانہ میں وہ ختم ہو گیا۔ خلفا کے وظائف زرگروں کے ٹیکس کی آمدنی سے ملتے تھے' لیکن یہ رقم اتنی کم ہوتی تھی کہ خلفا بمشکل اس سے زندگی بسر کر سکتے تھے۔ اس لیے معتضد کے زمانہ میں حکومت مصر نے سیدہ نفیسہ کے مزار کی تولیت اس کے متعلق کر دی۔ مزار کیلئے جو مومی شمعیں اور دوسری فتوحات آتی تھیں' ان سے اتنی آمدنی ہو جاتی تھی کہ اس سے آسودہ حالی کے ساتھ خلفا کی زندگی بسر ہونے لگی' لیکن اس سے خلافت کا وقار جاتا رہا۔ ۷۶۳ھ میں معتضد نے انتقال کیا۔ [1] سیوطی کا بیان ہے کہ وہ نیک' صالح' متواضع اور علم دوست تھا۔ [2]

[1] مقریزی ج ۲' ص ۳۹۴۔ [2] حسن المحاضرہ ج ۲' ص ۳۹۵۔

ابو عبداللہ محمد بن معتضد الملقب بہ متوکل علی اللہ اول

(۷۶۳ھ تا ۷۸۵ھ مطابق ۱۳۶۲ء تا ۱۳۸۳ء)

معتضد کی وفات کے بعد اس کا لڑکا ابو عبداللہ محمد الملقب بہ متوکل علی اللہ اول جانشین ہوا۔ اس کے زمانے میں حسب ذیل سلاطین ہوئے۔ منصور محمد بن حاجی ۷۶۲ھ تا ۷۶۴ھ، اشرف شعبان بن حسن ۷۶۴ھ تا ۷۷۸ھ، منصور علی بن شعبان ۷۷۸ھ تا ۷۸۳ھ، صالح حاجی بن شعبان ۷۸۳ھ تا ۷۸۴ھ، ملک الظاہر برقوق ۷۸۴ھ تا ۸۰۱ھ۔

متوکل دل و دماغ اور حوصلہ و ہمت کا خلیفہ تھا۔ اس نے ذاتی اثر و اقتدار قائم اور خلافت کے وقار کو زندہ کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلہ میں اس کو دو مرتبہ معزول ہونا پڑا' لیکن بالآخر کامیاب ہوا اور سلاطین سے خلافت کی حیثیت منوالی۔

اس کی آزادی اور خود سری کو سلاطین اور امرائے مصر پسند نہ کرتے تھے چنانچہ سلطان منصور علی بن شعبان کے زمانہ میں اس کا نائب الحکومت امیر اینبک متوکل کے خلاف ہو گیا اور ۷۷۹ھ میں اس کو معزول کر کے اس کے چچیرے بھائی نجم الدین زکریا کو خلیفہ بنا دیا گیا' لیکن کسی نے اس کو تسلیم نہ کیا۔ اس لیے پندرہ دن کے بعد امرائے مصر نے اینبک سے گفتگو کر کے متوکل کو اس کے منصب پر بحال کرا دیا۔ [1]

۷۸۳ھ میں سلطان منصور کا انتقال ہو گیا۔ اس کے نائب الحکومت طاہر برقوق چرکسی نے منصور کے صغیر السن لڑکے ملک الصالح کو تخت نشین کیا' لیکن اس کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ اصل حکمران برقوق تھا' پھر چند ہی دنوں کے بعد اس نے مستقل تاج و تخت پر قبضہ کر لیا اور مصر کی حکومت ترکی ممالیک سے نکل کر چرکسی خاندان میں چلی گئی۔

برقوق کی حکومت اکثر امرا کو گوارہ نہ تھی۔ انہوں نے متوکل کو اس کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا۔ اس نے مصر و شام و عراق کے امرا کو مدد کے لیے خطوط لکھے اور مصر کے ارکان و عمائد سے کہا کہ برقوق نے قہر و جبر سے حکومت حاصل کی ہے اور عدل و انصاف کو بھی پامال کر رہا ہے۔ اس لیے وہ بادشاہت کا مستحق نہیں ہے اور انہیں آمادہ کیا کہ وہ گوئے و چوگان کھیلتے وقت برقوق کو قتل کر دیں۔ اس کو اس کی خبر ہو گئی۔ اس نے قضاۃ کے سامنے یہ واقعہ پیش کر کے ان سے متوکل کی معزولی کا فتویٰ حاصل کرنا چاہا۔ انہوں نے انکار کیا۔ ان کے انکار پر برقوق نے خود ۷۸۵ھ میں اس کو معزول کر کے قید کر دیا۔ [2]

[1] حسن المحاضرہ جلد ۲' ص ۶۰۔ [2] حسن المحاضرہ جلد ۲' ص ۶۰۔

ابو حفص عمر بن معتصم الملقب بہ واثق باللہ

(۷۸۵ھ تا ۷۸۸ھ مطابق ۱۳۸۳ء تا ۱۳۸۶ء)

متوکل کو معزول کرنے کے بعد برقوق نے عمر بن معتصم الملقب بہ واثق باللہ کو خلیفہ بنایا۔ یہ چار سال زندہ رہا۔ اس کا کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے۔ ۷۸۸ھ میں انتقال کیا۔

زکریا بن معتصم الملقب بہ مستعصم

(۷۸۸ھ تا ۷۹۱ھ مطابق ۱۳۸۶ء تا ۱۳۸۹ء)

واثق کی موت کے بعد برقوق نے اس کے بھائی زکریا کو خلیفہ بنایا۔ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اکثر امرا برقوق کے مخالف تھے اور اس کے خلاف پہلے سے شورش بپا تھی۔ متوکل کی معزولی کا اثر بہت برا پڑا تھا اور اس وقت سے برابر برقوق کی مخالفت جاری تھی۔ ۷۹۱ھ میں حلب کے نائب الحکومت امیر یلبغا ناصری نے اس پر فوج کشی کر دی۔

متوکل علی اللہ دوسری مرتبہ

(۷۹۱ھ تا ۸۰۸ھ مطابق ۱۳۸۹ء تا ۱۴۰۵ء)

برقوق نے جب دیکھا کہ متوکل کی معزولی سے اس کی حکومت خطرہ میں پڑ گئی' تو اس نے ۷۹۱ھ میں اس کو قید سے رہا کر کے اعزاز و اکرام کے ساتھ دوبارہ اس کے منصب پر بحال کیا اور اس کی بڑی دلجوئی کی اور متوکل جب تک زندہ رہا' عزت و وقار کے ساتھ اس کی زندگی بسر ہوئی۔ وہ عزت و جاہ' مال و دولت' آل و اولاد ہر حیثیت سے خوش نصیب تھا۔ نقد و دولت کے علاوہ اس کے پاس کافی جاگیر تھی۔ اولادیں بکثرت تھیں۔ [1] ۸۰۸ میں انتقال کیا

ابو الفضل عباس بن متوکل الملقب بہ مستعین باللہ

(۸۰۸ھ تا ۸۱۶ھ مطابق ۱۴۰۵ء تا ۱۴۱۴ء)

متوکل کے بعد اس کا لڑکا ابو الفضل عباس الملقب بہ مستعین باللہ خلیفہ ہوا۔ یہ ظاہر برقوق کے لڑکے ملک الناصر فرج بن برقوق کا زمانہ تھا۔ سات برس تک متوکل کی زندگی سکون کے ساتھ

[1] حسن المحاضرہ سیوطی ج ۲' ص ۶۰' و مقریزی ج ۳' ص ۳۹۵۔

گزری۔ ۸۱۵ھ میں ملک الناصر کے دو شامی امرا شیخ محمودی اور نوروز نے علم بغاوت بلند کیا۔ ناصر ان کے مقابلے کے لیے شام گیا اور مستعین کو بھی ساتھ لیتا گیا' لیکن اس کو شکست ہوئی اور شیخ محمودی نے ناصر کے الحاد و زندقہ کا ثبوت پیش کر کے قاضی ناصر الدین سے اس کے قتل کا فتویٰ حاصل کر لیا اور مستعین کے سامنے مصر کا تاج و تخت پیش کیا۔ اسے قبول کرنے میں تامل ہوا' لیکن پھر امرا کے اصرار پر ان سے وفاداری کا عہد و پیمان لے کر راضی ہو گیا اور پہلے شام میں پھر مصر میں اس کی تخت نشینی کی رسم ادا ہوئی اور وہ خلافت کے دینی منصب کے ساتھ مصر کا بادشاہ بھی ہو گیا۔

شیخ محمودی کا اصل مقصد مستعین کے ذریعہ ناصر کو معزول کر کے خود اس کی جگہ لینا تھا۔ اس لیے مصر آنے کے بعد ہی اس نے مستعین پر زور ڈالا کہ وہ سلاطین مصر کی طرح اسے بھی اپنی جانب سے سلطان بنا دے۔ وہ اس پر آمادہ نہ تھا۔ شیخ محمودی نے اسے قلعہ کے ایک مکان میں نظر بند کر کے پہرہ بٹھا دیا تاکہ وہ کسی سے نہ ملنے پائے اور قاضی جلال بلقینی سے اس کی معزولی کا فتویٰ حاصل کر کے ۸۱۶ھ میں معزول کر کے اسکندریہ بھیج دیا اور خود مصر کا مطلق العنان فرمانروا بن گیا۔ مستعین نے ۸۳۳ھ میں اسکندریہ میں انتقال کیا۔ [1]

ابو الفتح داؤد بن متوکل الملقب بہ معتضد باللہ

(۸۱۶ھ تا ۸۴۵ھ مطابق ۱۴۱۳ء تا ۱۴۴۱ء)

منصب خلافت کو بالکل ختم کر دینا محمودی کے مصالح کے خلاف تھا۔ اس لیے مستعین کو معزول کرنے کے بعد اس نے اس کے بھائی ابو الفتح داؤد الملقب بہ معتضد باللہ کو خلیفہ بنایا۔ یہ ذہین و طباع' ذی علم اور اصحاب کمال کا قدردان تھا۔ کم و بیش انتیس سال زندہ رہا' لیکن اس پوری مدت میں اس کی خلافت سے متعلق کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے۔ اس کے زمانے میں حسب ذیل سلاطین ہوئے۔ شیخ محمودی ۸۱۶ھ تا ۸۲۴ھ' مظفر احمد بن شیخ ۸۲۴ھ تا ۸۲۴ھ' ملک الظاہر ططر ۸۲۴ھ تا ۸۲۴ھ' صالح محمد بن ططر ۸۲۴ھ تا ۸۲۵ھ' ملک الاشرف برس بائی ۸۲۵ھ تا ۸۴۱ھ' عزیز یوسف بن برس بائی ۸۴۱ھ تا ۸۴۲ھ' ملک الظاہر جقمق ۸۴۲ھ تا ۸۵۷ھ۔ ۸۴۵ھ میں معتضد کا انتقال ہوا۔

[1] حسن المحاضرہ سیوطی جلد ۲' ص ۶۱ اور ۶۳ ملخصاً و مقریزی جلد ۳' ص ۳۹۵۔

ابوالربیع سلیمان بن معتضد الملقب بہ مستعین باللہ ثانی

(۸۴۵ھ تا ۸۵۴ھ مطابق ۱۴۴۱ء تا ۱۴۵۰ء)

معتضد کی وفات کے بعد اس کا لڑکا ابوالربیع الملقب بہ مستعین باللہ تخت نشین ہوا۔ وہ دس سال تک زندہ رہا۔ بڑا عادل و زاہد، متقی اور خاموش خلیفہ تھا۔ رات دن عبادت و ریاضت سے کام تھا۔ سلطان ظاہر جقمق کو اس سے بڑی عقیدت تھی اور اس کے حقوق کا بڑا لحاظ رکھتا تھا۔ ذوالحجہ ۸۵۴ھ میں انتقال کیا۔ سلطان اپنے کندھوں پر قبرستان تک جنازہ لے گیا۔ [1]

ابوالبقاء حمزہ بن معتضد الملقب بہ قائم بامر اللہ

(۸۵۴ھ تا ۸۵۹ھ مطابق ۱۴۵۰ء تا ۱۴۵۵ء)

معتضد نے کسی کو ولی عہد نہیں بنایا تھا۔ ظاہر نے اس کے بھائی حمزہ الملقب بہ قائم بامر اللہ کو اس کا جانشین بنایا۔ اس کے زمانہ میں تین سلطان ہوئے۔ الملک الظاہر جقمق ۸۴۲ھ تا ۸۵۷ھ، منصور عثمان بن جقمق ۸۵۷ھ تا ۸۵۷ھ اور الملک الاشرف اینال ۸۵۷ھ تا ۸۸۵ھ۔ قائم ہمت و حوصلہ کا خلیفہ تھا۔ اس نے کسی حد تک خلافت کا وقار بھی قائم کیا' لیکن اس کا حوصلہ ہی اس کے زوال کا سبب بن گیا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ اس کے زمانے میں فوج نے الملک الاشرف کے خلاف بغاوت کی۔ قائم نے مصر کی حکومت حاصل کرنے کے لیے باغیوں کا ساتھ دیا' لیکن اس کی بدقسمتی سے باغیوں کو شکست ہوئی۔ اس لیے اشرف اس کے خلاف ہو گیا اور قائم پر برہمی ظاہر کی۔ اس نے غصہ میں جواب دیا کہ ''میں خلافت سے دست بردار ہوتا ہوں' لیکن تم کو بھی معزول کرتا ہوں۔'' یہ مسئلہ قاضی علم الدین بلقینی کے سامنے پیش ہوا۔ وہ قائم کے بھائی یوسف کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ انہوں نے قائم کے الفاظ سے یہ قانونی نکتہ پیدا کیا کہ قائم نے پہلے خود دست برداری ظاہر کی ہے' اس کے بعد اشرف کو معزول کیا ہے اور دست برداری کے بعد اس کو معزول کرنے کا حق نہیں رہتا۔ اس لیے دست برداری تو صحیح ہے' لیکن اشرف کا عزل صحیح نہیں ہوا۔ اس فیصلہ کے مطابق اشرف نے قائم کو ۸۵۹ھ میں اسکندریہ بھیج دیا۔ یہیں اس نے ۸۸۳ھ میں وفات پائی۔ [2]

---

[1] حسن المحاضرہ جلد ۲' ص ۶۴۔ [2] حسن المحاضرہ جلد ۲' ص ۶۴۔

ابوالمحاسن یوسف بن معتضد الملقب بہ مستنجد باللہ ثانی

(۸۵۹ھ تا ۸۸۴ھ مطابق ۱۴۵۵ء تا ۱۴۷۹ء)

قائم کی دست برداری کے بعد اس کے بھائی یوسف الملقب بہ مستنجد باللہ کے ہاتھوں بیعت ہوئی۔ اس کے زمانہ میں چھ سلاطین ہوئے۔ اشرف اینال ۸۵۷ھ تا ۸۶۵ھ' احمد بن اینال ۸۶۵ھ تا ۸۶۵ھ' ملک الظاہر خوش قدم ۸۶۵ھ تا ۸۷۲ھ' ملک الظاہر بلبائی ۸۷۲ھ تا ۸۷۲ھ' ملک الظاہر تمر یغا ۸۷۲ھ تا ۸۷۲ھ' ملک اشرف قائت بائی ۸۷۲ھ تا ۹۰۱ھ۔

مستنجد پچیس سال زندہ رہا اور یہ پوری مدت سکون کے ساتھ گزری۔ ۸۸۴ھ میں انتقال کیا۔ [1]

عبدالعزیز بن یعقوب الملقب بہ متوکل علی اللہ ثانی

(۸۸۴ھ تا ۹۰۳ھ مطابق ۱۴۷۹ء تا ۱۴۹۷ء)

مستنجد اپنے بھتیجے عبدالعزیز بن یعقوب الملقب بہ متوکل علی اللہ کو ولی عہد بنایا گیا تھا' چنانچہ اس کے بعد وہی اس کا جانشین ہوا۔ اس کے زمانہ میں تین سلطان ہوئے۔ ملک الاشرف قائت بائی ۸۷۲ھ تا ۹۰۱ھ' ناصر محمد بن قائت بائی ۹۰۱ھ تا ۹۰۲ھ' اشرف قانصوہ۔ متوکل پسندیدہ خصائل' خوش اطوار اور عوام وخواص سب میں محبوب ومقبول تھا۔ علم وفن سے بھی ذوق رکھتا تھا۔ امام سیوطی اسی کے زمانہ میں تھے۔ انہوں نے کتاب الاساس فی فضل بنی العباس اور کتاب رفع الباس عن بنی العباس اسی کے لیے لکھی تھیں۔ مستنجد بڑا غیور وخوددار تھا۔ اس نے سیدہ نفیسہ کے مزار کی آمدنی سے ذاتی فائدہ اٹھانا نہ چاہا اور اس کی پوری آمدنی مزار سے متعلق عمارتوں اور اس کی دوسری ضرورتوں میں صرف کرتا تھا۔ صفر ۹۰۳ھ میں وفات پائی۔ [2]

یعقوب بن عبدالعزیز الملقب بہ مستمسک باللہ

(۹۰۳ھ تا ۹۲۰ھ مطابق ۱۴۹۷ء تا ۱۵۱۴ء)

متوکل کے بعد اس کا لڑکا یعقوب الملقب بہ مستمسک باللہ اس کا جانشین ہوا۔ اس کے زمانہ میں پانچ سلاطین ہوئے۔ ناصر محمد بن قائت بائی دوسری مرتبہ' ظاہر قانصوہ اشرفی ۹۰۴ھ تا ۹۰۵ھ'

---

[1] حسن المحاضرہ جلد ۲' ص ۶۴۔ [2] حسن المحاضرہ جلد ۲' ص ۶۴' وتاریخ الخلفاء ص ۵۳۱۔

ملک الاشرف جان بلاط ۹۰۵ھ تا ۹۰۶ھ' ملک العادل طومان بائی ۹۰۶ھ تا ۹۰۶ھ' ملک قانصوہ غوری ۹۰۶ھ تا ۹۲۲ھ' تخت نشینی کے بعد مستمسک سترہ سال زندہ رہا' لیکن کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں ہے۔ ۹۲۰ھ میں انتقال کیا۔

محمد الملقب بہ متوکل علی اللہ ثالث

(۹۲۰ھ تا ۹۲۳ھ مطابق ۱۵۱۴ء تا ۱۵۱۸ء)

مستمسک کے بعد محمد الملقب بہ متوکل علی اللہ خلیفہ ہوا۔ یہ مصر کا آخری عباسی خلیفہ تھا۔ اس کی خلافت کے چوتھے سال محرم ۹۲۳ھ میں سلطان سلیم اول عثمانی نے مصر پر قبضہ کر کے ممالیک کی حکومت ختم کر دی۔ مصر کی خلافت محض برائے نام تھی اور ترکان عثمانی کا اوج شباب تھا۔ اس لیے مصر پر سلطان سلیم کے قبضہ کے بعد متوکل اس کے حق میں خلافت سے بھی دستبردار ہو گیا اور آنحضرت ﷺ کے تبرکات علم، تلوار اور ردائے مبارک جو خاندان خلافت میں بطور نشان خلافت کے متوارث چلے آتے تھے اور حرمین شریفین کی کنجیاں سلطان کے حوالے کر دیں۔ اس دن سے خلافت قریش سے نکل کر عثمانی خاندان میں چلی گئی اور ممالیک مصر کے ساتھ مصر کی عباسی خلافت بھی ختم ہو گئی۔ [1]

وَالْبَقَاءُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ

عباسیوں کا تمدن

عباسیوں کے علمی کارناموں کی طرح ان کے تمدنی کارنامے بھی بہت ہیں۔ ظاہری نفاست و لطافت اور حسن و دل آویزی کے اعتبار سے ان کا تمدن نہایت بلند تھا اور محاضرات کی مشہور و معروف کتاب الف لیلہ میں اس کی جو تصویریں نظر آتی ہیں ان کو اگرچہ تاریخی اعتبار و استناد کا درجہ حاصل نہیں ہے اور اس میں بہت سے افسانے اور خرافات بھی شامل ہیں' لیکن ان سے قطع نظر خالص تمدنی اور معاشرتی مرقعے بڑی حد تک صحیح ہیں۔ اسلام ایک فطری اور سادہ مذہب اور اس کا دامن بے جا تمدنی تکلف سے پاک ہے اور گو جائز حدود کے اندر شریعت نے عیش و تنعم کی اجازت دی ہے' لیکن ہر وہ شے جو سادگی اور جہد و عمل کے خلاف ہو وہ اسلامی روح کے منافی ہے۔ اسلام کی یہ سادگی خلافت راشدہ کے دور تک قائم رہی اور گو اس زمانہ میں فتوحات کی کثرت اور مال غنیمت کی فراوانی سے صحرائے عرب میں سونے چاندی کے دریا بہنے لگے تھے اور ایران و روم کے خزانے کھنچ کھنچ کر مدینہ کی گلیوں میں آ گئے تھے'

[1] تاریخ دولت عثمانیہ محمد فرید بک ص ۷۶۔

لیکن اس سے مسلمانوں کی سادگی میں کوئی فرق نہیں آیا اور خلیفۃ المسلمین کے جسم پر وہی پیوند لگا کپڑا اور غذا میں جو کی روٹی اور روغن زیتون رہا۔ لیکن دولت کی فراوانی اور مختلف تمدنوں اور قوموں کے اختلاط کے اثرات طبعی ہیں۔ جس سے کوئی قوم نہیں بچ سکتی اور یہ اختلاط حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے زمانہ سے جب اسلام نے جزیرۃ العرب سے نکل کر ایران وروم کی سرزمین میں قدم رکھنا شروع کیا تھا' لیکن اس وقت تک مسلمانوں میں اسلامی روح پوری موجود تھی۔ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسلامی سادگی کے تحفظ میں بڑا اہتمام تھا۔ اسلام کے محافظ ونگہبان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے جو کسی بیرونی اثر کو گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے اس دور میں دوسری قوموں کے اختلاط کے اثر ظاہر نہیں ہونے پائے' لیکن جس قدر زمانہ گزرتا گیا اور مذکورہ بالا اثرات کم ہوتے گئے' اتنے ہی مسلمانوں میں دوسری قوموں کے اثرات پھیلتے گئے اور خلافت راشدہ کے خاتمہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اٹھنے کے بعد اموی دور میں اس کا اثر نمایاں ہونے لگا۔ بنی امیہ کا پایہ تخت دمشق (شام) رومیوں کا ملک تھا۔ اس لیے مسلمان پہلے اسی سے متاثر ہوئے' مگر شام کا علاقہ مختلف حیثیتوں سے عرب سے ملتا جلتا ہے۔ یہاں ان کی ہم نسل سامی قومیں بھی آباد تھیں' پھر بنی امیہ میں گو خلفائے راشدین کی طرح اسلامی روح نہ تھی' لیکن عربوں کی خصوصیات کے تحفظ میں انہیں بھی اہتمام تھا اور ان میں عربی عصبیت پوری طرح موجود تھی اور اموی حکومت بعض معاشرتی تکلفات کو چھوڑ کر خالص عربی تھی۔ اس لیے ان کے زمانے میں غیر عربی عنصر اور اس کے تمدن کا غلبہ نہیں ہونے پایا اور عربی خصوصیات بڑی حد تک محفوظ رہیں۔ مگر جب بنی عباس نے ان کی جگہ لی تو اس کے زمین وآسمان بالکل بدل گئے اور عباسی خلافت مذہب کے سوا زندگی کے تمام شعبوں میں عجمی رنگ میں رنگ گئی اور اس کی حکومت وسیاست' تہذیب ومعاشرت' علوم وفنون قریب قریب پورا کلچر عجمی قالب میں ڈھل گیا۔ اس کے مختلف اسباب تھے۔ سب سے بڑا اور بنیادی سبب یہ تھا کہ عہد رسالت کے بعد سے مسلمانوں میں رفتہ رفتہ مذہبی روح کمزور ہونے لگی تھی۔ دوسرے عباسی خلافت تمام تر عجمیوں کے بل پر قائم ہوئی تھی۔ اس کا بانی ابو مسلم خراسانی عجمی تھا اور عباسی دعوت کو عجم ہی کی سرزمین میں فروغ حاصل ہوا اور یہیں اس کی بنیاد پڑی جس کے اثرات ناگزیر تھے' پھر قیام حکومت کے بعد دولت عباسیہ کے تمام بڑے بڑے عہدہ دار بھی عجمی ہوئے۔ برمکی خاندان کی شہرت وعظمت اور خلافت عباسیہ میں اس کا غلبہ و اقتدار محتاج بیان نہیں۔ تیسرے خلافت عباسیہ کا پایہ تخت بابل اور نینوا کے کھنڈر پر تعمیر ہوا تھا۔ جس کی آب وہوا میں عجمی اثرات سرایت کیے ہوئے تھے اور اہل عجم ایک قدیم متمدن قوم اور ایک ترقی یافتہ اور بلند تہذیب کے مالک تھے۔ ان کا تمدن نہایت دلکش اور نظر فریب تھا۔ اور خلفا میں اسلامی روح باقی نہ رہ گئی

تھی۔ان اسباب کی بنا پر عباسیوں میں عجمی تمدن پھیل گیا' لیکن عربی اور اسلامی تمدن نے بھی ان کو متاثر کیا اور دونوں کی آمیزش سے ایسا دلکش اور بوقلموں تمدن پیدا ہوا جو مسلمانوں کا معیاری تمدن قرار پایا اور رفتہ رفتہ سارے مشرقی ملکوں میں پھیل گیا۔تیموری تمدن بھی جسے ہم آج ہندوستانی تمدن کہتے ہیں' اسی کی یادگار ہے۔اس میں فطری طور پر ہندو تمدن کے عناصر بھی شامل ہو گئے ہیں۔

تمدن کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔اس میں حکومت وسیاست' تہذیب ومعاشرت' علوم وفنون اور اجتماعی زندگی کے تمام شعبے آ جاتے ہیں۔عباسیوں کے علمی حالات جا بجا اوپر گزر چکے ہیں، جس سے ان کے علمی کارناموں کا اجمالی اندازہ ہو گیا ہو گا۔اس لیے آئندہ سطور میں عباسی عہد کی تہذیب و معاشرت کا نقشہ دکھایا جائے گا' مگر یہ موضوع جس قدر دلچسپ ہے' اسی قدر دشوار بھی ہے۔عربی تاریخوں کا دائرہ بحث اس دور کے مذاق کے مطابق عموماً سیاسی واقعات وحوادث اور جنگ وفتوحات کے حالات تک محدود ہے۔اس میں تمدنی واقعات محض ضمناً آ جاتے ہیں۔محاضرات کی کتابوں میں البتہ تمدنی واقعات ملتے ہیں' لیکن ان کو تاریخی استناد کا درجہ حاصل نہیں۔اس لیے معتبر تاریخوں سے اس عہد کے تمدن ومعاشرت کی تصویر دکھانا بہت مشکل اور کوہ کندن وکاہ برآوردن سے کم نہیں۔تاہم اسی سنگلاخ زمین سے جوئے شیر نکالنے اور اسی خارستان سے تمدن کا مرقع سجانے کی کوشش کی گئی ہے۔اس کو عباسی تمدن کی کامل تصویر نہیں کہا جا سکتا' لیکن اس سے اس کا اجمالی اندازہ ہو جائے گا۔

قوموں کے تمدن کا ایک بڑا مظہر اس کی عمارتیں ہیں۔ان کا شکوہ وتجمل بانیوں کی شوکت وعظمت کا نشان اور اس کے نقش ونگار ان کے ذوق جمال کی تحریریں ہیں' جن سے ان کی تمدنی تاریخ پڑھی جا سکتی ہے۔آج بھی گزشتہ قوموں کی عظمت وجلال کی سب سے بڑی نشانیاں ان کی عمارتوں کے کھنڈر ہیں۔

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ
آثار پدید است صنادید عرب را

اسلامی اندلس کی تاریخ میں مسلمانوں کے عروج کے سب سے بڑے شاہد الزہرا کے کھنڈر اور الحمرا کے درودیوار ہیں۔ ہندوستان میں تیموریوں کی عظمت کی شہادت تاج محل' لال قلعہ' جامع مسجد اور فتح پور سیکری کی عمارتوں سے ملتی ہے۔اسی طرح عباسی تمدن کی شوکت وعظمت کا سب سے بڑا نشان اور اس کا مرکز بغداد تھا اور عباسیوں کے تمدن سے واقفیت کے لیے اس کی عظمت ونشان۔سے واقفیت ضروری ہے' لیکن عباسیوں کے دور زوال ہی میں اس پر ایسے مسلسل وپیہم انقلابات طاری ہوئے کہ وہ اسی زمانہ میں گویا ویران ہو چکا تھا اور جو بچی کھچی یادگاریں رہ گئی تھیں' وہ تاتاریوں کے سیلاب کی نذر ہو

گئیں اور بغداد کی عظمت گزشتہ پر آنسو بہانے والے کھنڈر بھی باقی نہ رہ گئے اور اب بغداد میں اس کے پرانے شکستہ مقابر کے علاوہ اس کا کوئی مرثیہ خوان باقی نہیں ہے۔ صرف کتابوں کے اوراق سے اس کی عظمت وشوکت کا پتہ چلتا ہے۔ بغداد کے حالات میں مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں' لیکن ان میں سے بیشتر کمیاب ہیں۔ تاریخ خصوصاً جغرافیہ کی کتابوں میں بھی کافی حالات ملتے ہیں' آئندہ سطور میں ان ہی سے بغداد کی عظمت رفتہ کا خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

بغداد کی تعمیر

بغداد کو دوسرے عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے ۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ میں آباد کیا۔ اس کی تعمیر اس عہد کا عظیم الشان تعمیری کارنامہ ہے۔ تاریخوں میں اس کی تعمیر کی بڑی طویل تفصیل ہے' اس کا خلاصہ یہ ہے۔ یہ عظیم الشان شہر ارض بابل ونینوا کے ایک خوش سواد قطعہ میں دجلہ کے ساحل پر آباد کیا گیا تھا۔ اس کی تعمیر سے پہلے منصور نے ماہر مہندسین سے اس کا نقشہ بنوایا اور مختلف ملکوں سے تعمیر کا سامان ماہر معمار' نجار اور دوسرے صناع کاریگر اکٹھے کیے تھے۔ اس کی تعمیر ۱۳۶ھ میں شروع ہوئی۔ ایک لاکھ مزدور اور کاریگر روزانہ کام کرتے تھے۔ [1] بغداد کا نقشہ مدور تھا یعقوبی کے بیان کے مطابق یہ دنیا کا پہلا مدور شہر تھا' لیکن صحیح یہ ہے کہ دنیا کا نہیں' البتہ مسلمانوں کا پہلا مدور شہر تھا۔ شہر کے وسط میں ایوان شاہی کی عمارت تھی' جو قصر الذہب کے نام سے موسوم تھی۔ اس کے درمیانی ہال پر اسی (۸۰) گز بلند گنبد تھا' جو قبۃ الخضرا کہلاتا تھا۔ اس کی چوٹی پر ایک اسپ سوار مجسمہ نصب تھا۔ یہ گنبد بغداد کے ہر حصے سے نظر آتا تھا۔ [2]

پھر جب بغداد میں آبادی کی کثرت ہو گئی تو ۱۵۸ھ میں منصور نے شہر سے باہر دجلہ کے ساحل پر ایک محل تعمیر کرایا جو اپنی خوبصورتی اور زینت وآرائش کے لحاظ سے قصر خلد کہلاتا تھا۔ [3] قصر الذہب سے شہر پناہ کے چاروں پھاٹکوں تک جن کا ذکر آگے آئے گا، چار وسیع کشادہ سڑکیں نکالی گئی تھیں' پھر ان بڑی سڑکوں سے بہت سی چھوٹی چھوٹی سڑکیں نکلتی تھیں۔ ان کے دونوں کناروں پر ترتیب کے ساتھ مکانات تھے۔ [4] آبادی کی ترتیب یہ تھی کہ وسط شہر میں قصر الذہب کی عمارت اور جامع مسجد تھی۔ اس کے آس پاس دور تک پولیس اور حفاظتی سپاہ کی چوکی کے علاوہ اور کوئی آبادی نہ تھی۔ شاہی ایوان کے بعد شہزادوں کے محلات اور ان کے خدام ومتوسلین کے مکانات تھے۔ ان کے بعد سرکاری دفاتر کی حسب

---

[1] تاریخ خطیب بغدادی ص ۶۷' وکتاب البلدان یعقوبی ص ۲۳۸۔ [2] خطیب جلد ۱ ص ۷۳۔

[3] تاریخ خطیب ج ۱ ص ۷۵-۸۰۔ [4] تاریخ الاسلامی السیاسی والثقافی حسن ابراہیم حسن پروفیسر جامعہ فواد مصر ج ۲ ص ۸۷۔

ذیل عمارتیں تھیں۔

بیت المال (خزانہ) خزانۃ السلاح (اسلحہ خانہ) دیوان الرسائل (دفتر مراسلات) دیوان الخراج' دیوان الخاتم (خاتم خلافت جہاں فرامین واحکام شاہی پر مہر لگائی جاتی تھی)، دیوان الحوائج (شاہی ضروریات کا سامان) دیوان الاحشام (خدم وحشم شاہی کا دفتر) دیوان النفقات (شعبہ اخراجات کا دفتر) مطبخ عامہ (باورچی خانہ عام) 1 ان عمارتوں کے بعد امرائے دولت اور ارکان حکومت کے مکانات تھے۔ آخر میں آبادی اور بازار تھے۔ ہر طبقہ اور تمام اہل حرفہ کے محلے الگ الگ اور ان کے باشندوں یا اس محلّہ کے ممتاز اشخاص کے نام موسوم تھے۔ مثلاً رحبہ فلاں یا قطعیہ فلاں وغیرہ۔ 2 ہر چیز کے بازار جدا تھے۔ 3 ہر محلّہ' بازار اور آبادی سے متعلق اتنی مسجدیں تھیں' جو ان کے لیے کافی ہوں۔ 4 بڑی بڑی سڑکیں پچاس پچاس گز اور چھوٹی سڑکیں اور گلیاں سولہ سولہ گز چوڑی تھیں اور تمام سڑکیں اور گلیاں ممتاز اشخاص یا آبادی کے طبقات کے نام سے موسوم تھیں۔ 5 سڑکوں کے کنارے نہریں رواں تھیں اور سارے شہر میں ان کا جال پھیلا ہوا تھا۔ 6

شہر کے گرد دوہری سنگین شہر پناہ تھی۔ اس کے آثار نوے گز اور بالائی حصہ پچیس گز چوڑا تھا اور بلندی ساٹھ گز تھی۔ بیرونی فصیل کے اوپر بڑے بڑے برج جھروکے اور بیٹھکیں تھیں۔ اس فصیل کے بعد چوڑی خندق تھی۔ جس میں پانی بھرا رہتا تھا۔ 7 شہر پناہ کے چاروں طرف چار بلند پھاٹک تھے' جن سے اسپ سوار مع علم کے گزر سکتا تھا۔ پھاٹکوں کے نام باب الکوفہ' باب البصرۃ' باب خراسان اور باب الشام تھے۔ ان پھاٹکوں میں اتنے وزنی دروازے لگے تھے کہ ان کو جنبش دینے کے لیے ایک پوری جماعت کی ضرورت ہوتی تھی۔ 8

کرخ کی تعمیر

۱۵۷ھ میں منصور نے بغداد سے باہر لیکن اس سے متصل کرخ نام سے ایک نئی آبادی قائم کی۔ بغداد کی تعمیر کے وقت بازار شہر کے اندر تھے۔ اس لیے ہر قسم کے لوگ بلا روک ٹوک شہر میں آتے جاتے تھے۔ اس زمانہ میں ایک رومی بطریق منصور کے دربار میں آیا۔ منصور نے اسے شہر دکھانے کا حکم

1 کتاب البلدان یعقوبی ص ۲۴۰۔
2 تفصیل کے لیے دیکھو خطیب ج ۱' ص ۸۸' ۸۹۔
3 خطیب ج ۱' ص ۷۹۔
4 کتاب البلدان ص ۲۸۲۔
5 کتاب البلدان ص ۲۴۰و ۲۴۲۔
6 کتاب البلدان ص ۷۹و ۱۱۰و مابعد۔
7 کتاب البلدان ص ۲۳۹۔
8 کتاب البلدان ص ۲۳۹۔

دیا۔ دیکھنے کے بعد منصور نے شہر کے بارہ میں اس کی رائے پوچھی۔ اس نے کہا نہایت مستحکم اور خوبصورت شہر ہے، لیکن یہ بڑا عجیب ہے کہ آپ کے دشمن آپ کے ساتھ رہتے ہیں۔ منصور نے پوچھا وہ کیسے؟ بطریق نے کہا بازار شہر کے اندر ہیں۔ اس لیے جاسوس تاجروں کے بھیس میں آسانی کے ساتھ حکومت کی خبریں باہر لے جا سکتے ہیں۔ منصور یہ سن کر خاموش رہا۔ [1] خطیب کے بیان کے مطابق بطریق نے کہا کہ آپ کی رعایا ہر وقت آپ کے پاس رہتی ہے اور جب رعایا بادشاہ کے قریب رہے گی تو اس کا راز فاش ہو جائے گا۔ منصور نے تو اس وقت یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میری رعایا اور میرے درمیان کوئی راز نہیں ہے۔ [2] لیکن بطریق کی بات اس کے دل میں لگ گئی۔ اس کی واپسی کے بعد اس نے بغداد سے باہر اور اس سے متصل کرخ نام سے ایک نئی بستی بسائی۔ بغداد کی پہلی آبادی کی طرح اس میں بھی ہر چیز کے بازار جدا جدا تھے۔ اس کی تعمیر کے بعد بغداد کے تمام بازار اور عام آبادی کرخ میں منتقل کر دی اور ایک جامع مسجد بھی علیحدہ تعمیر کرا دی۔ [3] کرخ کی تعمیر کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ بغداد میں عام آبادی کی وجہ سے دھوئیں کی بڑی کثرت ہو گئی تھی، جس سے عمارتیں بھی سیاہ ہوتی جاتی تھیں اور لوگوں کو بھی تکلیف پہنچتی تھی۔ [4] اس کے علاوہ اور اسباب بھی بیان کیے گئے ہیں۔

مہدیہ کی تعمیر

بغداد کی تعمیر کے بعد ہی منصور نے اپنے ولی عہد مہدی کے لیے بغداد کے مشرقی جانب ایک وسیع محل مع جملہ لوازم کے مہدیہ کے نام سے تعمیر کرایا۔ اس کی مستقل شہر پناہ خندق تھی۔ فوجیں بھی یہاں منتقل کر دی تھیں۔ اس لیے مہدیہ عسکر مہدی بھی کہلاتا تھا۔ [5] اور ہارون رشید نے اپنے زمانہ میں یہاں رصافہ کے نام سے ایک محل تعمیر کرایا تھا جس کی بنا پر آئندہ رصافہ بھی کہلانے لگا تھا۔ منصور نے اپنے دوسرے لڑکوں، امرا اور فوجی افسروں کو بھی بغداد کی طرح رصافہ میں زمین کے قطعے دے دیئے تھے، جنہوں نے خود اپنے اپنے محلات بنوائے تھے۔ بغداد میں جگہ کی بڑی قلت تھی اور رصافہ کا رقبہ نہایت وسیع تھا اور لوگوں کو مہدی سے بڑی محبت تھی۔ اس لیے یہاں لوگ بکثرت آباد ہو گئے تھے۔ اس کی آبادی بھی بغداد کی طرح مرتب تھی۔ ہر طبقے کے محلے اور ہر چیز کے بازار جدا تھے۔ چند دنوں میں یہ شہر بڑی تجارتی منڈی اور صنعت و حرفت کا بڑا مرکز بن گیا۔ [6]

---

[1] معجم البلدان جلد ۲، ص ۲۳۳۔ [2] تاریخ خطیب ج ۱، ص ۷۸۔

[3] خطیب ج ۱، ص ۷۹، معجم البلدان ج ۷، ص ۲۳۳۔ [4] معجم البلدان ج ۷۔ ص ۲۳۳۔

[5] تاریخ خطیب ج ۱، ص ۸۲۔ [6] معجم البلدان ص ۲۵۳۔

اور منصور ہی کے زمانہ میں اتنا بڑا شہر ہو گیا اور اس کی آبادی اتنی بڑھ گئی کہ اس کی سڑکوں اور گلیوں کی تعداد چار ہزار' مسجدوں کی پندرہ ہزار اور حماموں کی پانچ ہزار تک پہنچ گئی۔ بازاروں کے کرایہ کی آمدنی بیس لاکھ درہم سالانہ ہوتی تھی۔ [1]

مہدی نے اپنے زمانہ میں رصافہ کی آبادی میں اور اضافہ کیا اور یہاں جامع منصور سے بھی بڑی جامع مسجد تعمیر کرائی۔ [2] اور چند دنوں میں رصافہ بغداد کی ہمسری کرنے لگا' پھر ہارون الرشید خصوصاً اس کے وزراء برآمکہ نے بڑے شاندار محل تعمیر کرائے۔ ہارون نے دجلہ کے ساحل پر رصافہ کے نام سے ایک محل تعمیر کرایا۔ برآمکہ کے محل فن تعمیر کا بہترین نمونہ تھے۔ اس زمانہ میں تعمیرات میں اتنا اضافہ ہوا کہ شہر کا طول چار فرسخ تک پہنچ گیا۔ [3] برآمکہ کے محلوں کی عظمت وشان کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بعض بعض محلوں کی تعمیر پر دو دو کروڑ درہم صرف ہوئے تھے۔ [4] ہارون الرشید کی لڑکی ام حبیب نے ایک محل بنوایا تھا جو اس کے نام سے قصر ام حبیب مشہور تھا۔ برآمکہ کے محلوں میں قصر یحییٰ برمکی' قصر دارالخلافہ زیادہ مشہور تھے۔ قصر دارالخلافہ قصر حسنی بھی کہلاتا تھا۔ یہ محل ویران ہو گیا تھا۔ مامون کے وزیر حسن بن سہل نے دوبارہ اس کو آباد کرایا۔ اس میں وزیر مذکور کی لڑکی مامون کی بیوی بوران رہتی تھی' پھر معتضد باللہ نے اپنے زمانہ میں اس سے لے کر اس کو جملہ ضروری سامانوں سے آراستہ کیا اور اس کی عمارت میں توسیع کرائی۔ [5] یہ قصر بغداد کے تمام محلوں میں سب سے عظیم الشان تھا۔ اس کی چھت اور دیواریں جواہرات اور قیمتی پتھروں سے آراستہ تھیں۔ ہارونی عہد میں بغداد انتہائی عروج پر پہنچا۔ خطیب کا بیان ہے کہ عمارتوں' آبادی کی کثرت اور امن ورفاہیت کے اعتبار سے بغداد ہارونی عہد میں اوج شباب پر پہنچ گیا۔ اس کے دور میں ملک سرسبز وشاداب' آسودہ حال اور رعایا فارغ البال تھی۔ [6]

سامرا کی آبادی

پھر معتصم نے اپنے زمانہ میں بغداد سے قریب ایک شہر سامرا آباد کرایا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ معتصم نے ایرانیوں کا زور توڑنے اور ان کا اقتدار گھٹانے کے لیے جو مامون کے زمانہ سے خطرناک حد تک پہنچ گیا تھا' ترکوں کو آگے بڑھانا شروع کیا اور سمرقند' فرغانہ اور اشروسنہ سے ہزاروں ترکی غلام خرید کر منگوائے اور انہیں دیبا کی زرق برق وردیوں اور زیورات سے آراستہ کیا۔ [7] اور بڑے

---

[1] معجم البلدان ص ۲۵۴۔ [2] مراصد الاطلاع جلد اول ص ۴۷۲ [3] الفخری ص ۱۹۰۔
[4] ابن اثیر ج ۶' ص ۵۸۔ [5] تاریخ خطیب جلد اول' ص ۱۰۹۔ [6] خطیب ج ۱' ذکر بغداد۔
[7] تاریخ الخلفاء ص ۳۴۲۔

بڑے فوجی مناصب پر ممتاز کیا۔ اس سے ایرانیوں کا اقتدار تو گھٹ گیا' لیکن خود ترکوں کا اقتدار بہت بڑھ گیا۔ وہ بڑے وحشی اور تہذیب و تمدن سے نا آشنا تھے۔ اس لیے اہل بغداد ان کی وجہ سے بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ وہ سڑکوں پر بے تحاشا گھوڑے دوڑاتے تھے۔ عورتیں' بوڑھے' بچے کچل جاتے تھے اور ترک کوئی پرواہ نہ کرتے تھے۔ بغدادیوں نے معتصم سے اس کی فریاد کی۔ اس نے انہیں بغداد سے الگ رکھنے کے لیے اس سے قریب ایک شہر سامرا آباد کیا اور اس کی تعمیر کے بعد خود بھی وہیں منتقل ہو گیا۔ [1]
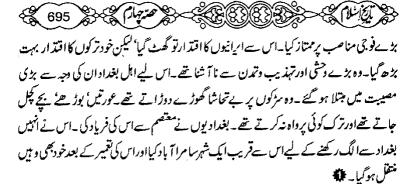
سامرا بغداد کے شمال جانب اس سے تیس میل کی مسافت پر تھا۔ آبادی سے پہلے یہ مقام بالکل ویران تھا۔ عیسائیوں کی ایک خانقاہ کے علاوہ اور کوئی آبادی نہ تھی۔ منصور نے بغداد کی آبادی میں جو اہتمام کیا تھا، معتصم نے اسی اہتمام سے سامرا کو بسایا اور اسی کے نقشہ کے مطابق اس کو تعمیر کرایا۔ تمام ممالک محروسہ سے صناع و کاریگر' ساکھو' ساگون اور دوسری چوب عمارتی بصرہ' علاقہ سواد انطاکیہ اور شام کے ساحلی علاقوں سے منگوائیں اور سنگ مرمر اور سنگ تراش لاذقیہ سے جو اس کا بڑا مرکز تھا' منگوایا۔ ترکوں کی آبادی شہر سے بالکل الگ رکھی اور امراء و عمائد سلطنت کو زمین کے قطعات دے دیئے۔ انہوں نے اپنے اپنے محل بنوائے۔ بغداد کی طرح سامرا میں بھی ہر طبقہ اور ہر قبیلہ کے محلے الگ اور ہر چیز کے بازار جدا جدا تھے۔ پیشہ وروں اور اہل حرفہ کی آبادی ایک سلسلہ میں تھی۔ ہر آبادی یا محلّہ اس کے باشندوں یا وہاں کے کسی ممتاز امیر کے نام سے موسوم تھا۔ مکانات بغداد کی عمارتوں سے زیادہ وسیع اور سڑکیں اس کی سڑکوں سے زیادہ کشادہ تھیں۔

تمام سڑکیں مختلف ناموں سے موسوم تھیں۔ ہر آبادی کے لیے مسجدیں اور حمام جدا جدا تھے۔ وسط شہر میں جامع مسجد اور اس کے چاروں طرف بازار تھے۔ معتصم کے کئی محل اور باغات تھے۔ ہر باغ کے وسط میں ایک عمارت' نشست گاہیں اور وسیع سبزہ زار تھے۔ دربار عام کے لیے ایک مستقل عمارت تھی جس میں معتصم دوشنبہ اور جمعہ کو دربار کرتا تھا۔ اس سے متصل خزائن عامہ اور خزائن خاصہ کی عمارتیں تھیں۔

سامرا کی زمین بالکل بنجر تھی۔ پانی کمیاب تھا۔ معتصم نے اس کو زرخیز اور شاداب بنانے کے لیے تمام ممالک محروسہ سے آبی زمین شناخت کرنے والے اور اس سے پانی نکالنے والے مہندسین اور کھیتی اور باغبانی اور زمین کو زرخیز بنانے والے ماہرین جمع کر کے نہریں نکلوائیں اور بکثرت باغات لگوائے۔ اس کے علاوہ مختلف حصوں کو زرخیز بنانے کا کام بڑے بڑے ترکی امرا کے علیحدہ سپرد کیا اور

---

[1] مروج الذہب مسعودی ج ۷ ص ۱۴۲' و تاریخ الخلفاء ص ۳۴۲۔

بغداد' بصرہ اور علاقہ سواد سے کھجور کے درخت اور جزیرہ شام' عراق' خراسان' رے وغیرہ سے پھل پھول کے درخت اور سبزیوں اور ترکاریوں کے بیج منگوا کر لگائے۔ ان کی کوششوں سے یہ بنجر علاقہ نہایت سرسبز و شاداب ہو گیا اور باغوں اور پھلوں' میووں اور ترکاریوں کی اتنی کثرت ہو گئی کہ خاص سامرا اور اس کے نواح کے بعض مواضعات کے باغات کی آمدنی چار لاکھ اشرفی سالانہ تھی۔

سامرا کے دارالخلافہ بن جانے اور اس کی سرسبزی و شادابی کی وجہ سے یہاں اس کثرت سے لوگ آباد ہونے لگے کہ اس کی زمین سونے کے بھاؤ ہو گئی۔ [1]

معتصم کے بعد واثق نے سامرا کی عمارتوں میں اور اضافہ کیا اور لب دجلہ قصر ہارونی کے نام سے ایک محل بنوایا۔ سامرا کے بازاروں کو وسیع کرایا۔ عام لوگوں نے بھی عمارتیں بنوائیں۔ واثق کے بعد متوکل نے قصر ہارونی میں قیام کیا اور شہر میں دو نئی سڑکیں شارع العسکر اور شارع الجدید کے نام سے نکالیں۔ شہر سے باہر ایک عظیم الشان جامع مسجد تعمیر کرائی۔ اس میں فوارہ لگوایا۔ مسجد کے تین سمتوں میں اتنی چوڑی سڑکیں نکلوائیں کہ مع خدم و حشم کے آسانی سے گزر سکے۔ سڑکوں کے دو رویہ دوکانیں اور اس کے بعد کاتبوں' فوجی افسروں اور ہاشمی امرا کے مکانات تھے۔ اپنے لڑکے مستنصر کو قصر جوسق میں' موید کو مطیرہ میں اور معتز کو بلکورا میں جو سامرا سے فاصلہ پر تھا' رہنے کا حکم دیا۔ اس سے سامرا سے لے کر بلکورا تک مسلسل آبادی ہو گئی۔ [2] یاقوت کا بیان ہے کہ متوکل نے سامرا میں جیسی عظیم الشان عمارتیں بنوائیں' ویسی کسی خلیفہ نے نہ بنوائیں تھیں۔ اس نے سات لاکھ اشرفیاں ان عمارتوں پر صرف کیں۔ ان محلوں کے نام یہ تھے۔ عروس' وحید' جعفری' غریب' شیدآن' برج' صبح' ملیح' بستان' تل' برکواں' جوسق قلائد' غرو' قصر متوکلیہ' بہو اور لولو' ہر محل کی تعمیر پر شعرا کو ان کی تعریف میں قصیدہ لکھنے کا حکم تھا۔ یاقوت نے بعض قصیدے نقل کیے ہیں۔ یعقوبی نے محلوں کے یہ نام لکھے ہیں۔ شاہ عروس' شہدا' بدیع اور برج۔ برج کی تعمیر پر بروایت یعقوبی ستر لاکھ اشرفیاں صرف ہوئی تھیں جو مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔

قصر جعفری ایک مستقل شہر کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ محل بغداد کے محلّہ کرخ سے تین فرسخ کی مسافت پر مقام ماحوذہ میں آباد کیا تھا اور دجلہ سے جو دس میل کے فاصلہ پر تھا' پندرہ لاکھ کے صرفہ سے ایک بڑی نہر شہر میں لائی گئی تھی' جس کے دونوں جانب آبادی تھی۔ متوکل کے لڑکوں' افسروں' فوج' کاتبوں اور دوسرے عہدہ داروں کے مکانات ایک سلسلہ میں تھے۔ متوکل کے محل کے تین عظیم الشان

---

[1] یعقوبی نے سامرا کی آبادی کی بڑی طویل تفصیل لکھی ہے۔ ہم نے اس کا خلاصہ لکھا ہے۔ دیکھو کتاب مذکورہ ص ۲۵۸ تا ۲۶۴۔ [2] کتاب البلدان یعقوبی ص ۲۶۵۔

پھاٹک تھے' جن سے اسپ سوار مع نیزہ کے گزر سکتا تھا اور شہر کو تین میل لمبی اور چالیس گز چوڑی سڑک کے ذریعہ کرخ سے ملا دیا گیا تھا اور شہر کے دونوں جانب بڑی نہر سے اس کی شاخیں نکالی گئی تھیں۔ عام بازار آبادی سے بالکل الگ تھلگ تھے اور ہر محلّہ کے متعلق بھی ایک ایک بازار تھا۔ اس شہر کی تعمیر سے سامرا اور کرخ تک مسلسل آبادی ہو گئی تھی۔ درمیان میں کوئی جگہ خالی نہ تھی۔ محرم ۲۴۷ھ میں متوکل یہاں منتقل ہو گیا اور اس تقریب میں عمالان حکومت کو انعام و اکرام سے نوازا اور حکومت کے دفاتر بھی یہاں منتقل ہو گئے۔ (1) یاقوت کا بیان ہے کہ یہ شہر سامرا سے زیادہ آباد اور بارونق تھا۔ (2) متوکل نے عمارتوں میں بعض جدتیں بھی کی تھیں۔ مسعودی کا بیان ہے کہ اس نے ایک خاص قسم کی عمارت بنوائی تھی۔ جو حیری' کمین اور اروقہ کہلاتی تھیں۔ یہ عمارتیں میدان جنگ کے نقشے کے مطابق تھیں۔ صدر عمارت میں جو رواق کہلاتی تھی، نشست گاہ سلطانی تھی۔ اس کے دائیں بائیں جو کمین کہلاتے تھے، میمنہ اور میسرہ کی عمارتیں تھیں۔ ان میں خلیفہ کے مقربین اور خواص رہتے تھے۔ اس کے داہنے جانب توشہ خانہ اور شمال میں آبدار خانہ تھا۔ اس کی تقلید میں اور شائقین نے بھی اس قسم کی عمارتیں بنوائیں۔ (3) اس طریقہ سے ہر خلیفہ کے زمانے میں اس کے ذوق کے مطابق عمارتوں میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہوتا رہا ہے۔

معتضد نے مشرقی حصہ میں قصر التاج کے نام سے ایک محل بنوایا۔ اس کی تکمیل اس کے لڑکے مکتفی کے زمانہ میں ہوئی۔ اس کے گنبد اور ہال عجیب و غریب تھے اور اس کو ایک زمین دوز راستہ کے ذریعہ قصر حسنی سے' جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے' ملا دیا گیا تھا۔ جس سے حرم کی خواتین آتی جاتی تھیں۔ شعرا نے اس قصر کی شان میں قصیدے کہے۔ ایک قصیدہ یہ ہے

جللت الثريا خير دار و منزل

فلا زال معمورا و يورك في القصر

ایک قصر دار الشجرہ کے نام سے موسوم تھا۔ اس کے عجائبات کا ذکر آئندہ آئے گا۔ خلافت بغداد پر دیالمہ کے تسلط کے بعد دیلمی سلاطین نے علیحدہ اپنے محل بنوائے۔ معز الدولہ کا محل بغداد کے بہترین محلات میں تھا۔ (4) عضد الدولہ دیلمی نے پرانی عمارتوں کی مرمت پر پچاس لاکھ درہم صرف کیے۔ (5) مذکورہ بالا محل بغداد کے مشرقی حصہ میں تھے۔ ان کے علاوہ مغربی حصہ میں بھی محلات کا ایک

(1) کتاب البلدان ص ۲۶۶۔
(2) معجم البلدان ج ۵' ص ۱۱۰۔
(3) مروج الذہب ج ۸' ص ۱۹۲' ۱۹۳۔
(4) مناقب بغداد ابن جوزی ص ۲۶۔
(5) معجم البلدان۔

سلسلہ تھا۔ ان میں سے دار الفخریہ' دار یلدرک' حریم طاہری' دار الامیر حسن بن اسحاق' دار النقابۃ الشاطیہ' دار باب الحجرہ کے نام ملتے ہیں۔ آخر الذکر محل میں وزیروں کو خلعت وزارت دیا جاتا تھا اور خلفا عید کی مبارک باد لینے کے لیے یہیں دربار کرتے تھے۔

باغات

عباسی تمدن کی ساری نیرنگیاں عجمی تھیں اور سرزمین عجم سراپا باغ و بہار ہے۔ اس لیے خلفا اور امرا کو آب رواں باغات اور سبزہ زار سے بھی بڑا ذوق تھا۔ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ بغداد کی گلی گلی میں نہریں رواں تھیں اور معتصم نے سامرا کی بنجر زمین کو لہلہاتا ہوا سبزہ زار بنا دیا تھا۔ افسوس ہے کہ مورخین نے باغات کی تفصیل نہیں لکھی ہے۔ تاہم کہیں کہیں ضمناً ان کا ذکر آ جاتا ہے جس سے ان کا کسی قدر اندازہ ہو جاتا ہے۔ یعقوبی نے بغداد کی نہروں کی کثرت کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ اہل بغداد نے بصرہ اور کوفہ کی کھجوریں یہاں لگائیں۔ اس کی زمین کی خوبی اور زرخیزی کی وجہ سے بصرہ اور کوفہ سے بھی زیادہ کھجوریں یہاں پیدا ہونے لگیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے مختلف قسم کے درخت لگائے اور عجیب و غریب قسم کے پھل پیدا کیے اور بغداد میں پانی کی کثرت کی وجہ سے بکثرت باغ و چمن پیدا ہو گئے۔ [1] سرمن رائے کی بنجر زمین کو معتصم نے جس طرح سرسبز و شاداب اور باغ و چمن بنایا تھا' اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ اس نے متعدد مستقل باغ لگوائے اور ہر باغ میں نشست کے لیے عمارات اور تفریح کے لیے حوض' تالاب اور کھلے میدان تھے۔ [2] اس کے علاوہ مختلف خلفا نے باغات لگوائے۔ کتابوں میں ان کے حسب ذیل نام ملتے ہیں۔ قصور' شماسیہ' رقہ' قصر احمری' عیسیٰ آباد اور روضۃ الریاض۔ یہ باغات غالباً بغداد کے باہر تھے اور خلفا گرمی کے موسم میں یہاں رہا کرتے تھے۔ بعض خلفا نے باغات کی آرائش میں بڑی جدتیں پیدا کیں۔ اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔ عضد الدولہ دیلمی نے بغداد میں ایک باغ لگوایا تھا' جو بستان مخرم کے نام سے موسوم تھا۔ اس کی تعمیر پر پچاس لاکھ درہم صرف ہوئے تھے۔ [3] امیر اسماعیل نے لاکھوں روپے کے صرف سے ایک باغ لگوایا تھا۔ یہ باغ بستان ظاہر بغداد کے مشہور باغوں میں تھا۔ یہ وسط شہر میں تھا اور دو سو جریب کے وسیع رقبہ میں پھیلا ہوا تھا۔ بغداد سے باہر اور اس سے متصل ایک نہر کے کنارے باغوں کا وسیع سلسلہ تھا اور اس نہر کے ایک پل کا نام ہی قنطرۃ البستان پڑ گیا تھا۔

---

[1] کتاب البلدان ص ۲۵۱۔ [2] کتاب البلدان ص ۲۶۴۔ [3] تاریخ خطیب ج ۱ ص ۱۰۷۔

بغداد کی وسعت

تاریخوں میں بغداد کی وسعت اور اس کی آبادی کی کثرت کے حالات بظاہر مبالغہ آمیز معلوم ہوتے ہیں، لیکن درحقیقت ان میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ بغداد ایک نہیں بلکہ کئی شہروں کا مجموعہ تھا، جن کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے اور ان میں سے ہر شہر جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے، نہایت عظیم الشان تھا، بلکہ ان کا ایک ایک محلّہ ایک ایک شہر کے برابر تھا۔ ابوالوفا بن طفیل کا بیان ہے کہ مجھ سے ایک معزز خراسانی نے بغداد کا حال پوچھا۔ میں نے کہا کہ میں نہ بتاؤں گا اس لیے کہ تم مبالغہ سمجھو گے۔ بس اتنا سمجھ لو کہ اس کا ایک ایک محلّہ شام کے بڑے سے بڑے شہر کے برابر ہے۔ ❶

مختصر یہ کہ بغداد بجائے خود ایک عالم تھا۔ رقبہ کی وسعت، آبادی کی کثرت، علم و فن، صنعت و حرفت و تجارت، اخلاق و تہذیب، جملہ مادی اور اخلاقی اوصاف و کمالات میں اس زمانہ کا دنیا کا کوئی شہر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی آبادی مختلف حالات و اسباب کی بنا پر مختلف زمانوں میں گھٹتی بڑھتی رہی ہے۔ اس لیے اس کے صحیح اعداد و شمار نہیں بتائے جا سکتے۔ تاریخوں میں اس کی مختلف چیزوں کے جو اعداد ملتے ہیں، ان سے اس کی وسعت و آبادی کی کثرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ بغداد کے دو حصے تھے۔ مغربی اور مشرقی۔ دونوں کا مجموعی رقبہ ۵۳۳۷۵ جریب تھا۔ ❷ ایک جریب ۳۶۰ گز کا ہوتا ہے۔ مغربی جانب کی سڑکوں اور گلیوں کی تعداد چھ ہزار اور مشرقی سمت کی چار ہزار تھی۔ ❸ مسجدوں کی تعداد تیس ہزار اور حماموں کی تعداد دس ہزار تھی۔ ❹ لیکن مختلف زمانوں میں یہ تعداد گھٹتی بڑھتی رہی۔ مقتدر کے زمانے میں حماموں کی تعداد سترہ ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ ❺ بعض روایتوں کے مطابق تو مساجد اور حماموں کی تعداد مبالغہ آمیز حد تک پہنچ جاتی ہے۔ دجلہ پر متعدد پل تھے۔ ان کے باوجود مشرقی اور مغربی دونوں سمتوں میں آمد و رفت کے لیے تین ہزار کشتیاں چلتی تھیں اور ملاحوں کی آمدنیاں نوے ہزار درہم روزانہ تھیں۔ ❻ بازاروں کا کرایہ بارہ کروڑ درہم سالانہ تھا۔ ❼ قاضی ابوالحسن کا بیان ہے کہ ۳۴۵ھ میں جب محمد بن احمد نے موضع بادوریا کا ٹھیکہ لیا تو اس زمانہ میں نواح بغداد کے مواضعات میں صرف کاہو (یہ اہل بغداد کی مرغوب ترکاری تھی) کی کاشت دو ہزار جریب تھی جس کی قیمت پچاس ہزار اشرفی ہوتی تھی۔ یہ سارا کاہو بغداد میں صرف ہوتا تھا۔ جس شہر میں پچاس ہزار اشرفی سالانہ کی

---

❶ مناقب بغداد ص ۲۴۔ ❷ سیر الملوک اربلی ۵۵۔ ❸ تاریخ خطیب ج ۱، ص ۹۸۔
❹ کتاب البلدان ص ۲۵۰۔ ❺ خطیب جلد اول، ص ۱۱۸۔ ❻ خطیب جلد اول ص ۱۱۷۔
❼ مناقب بغداد ص ۱۱۔

صرف ترکاری صرف ہوتی ہو اس کی آبادی کی کثرت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی طریقہ سے حمص کا ستو جس کو صرف ادنیٰ درجہ کے معمولی لوگ کھاتے تھے اور وہ بھی سال کے دو مہینوں میں جب بغداد میں پھل کی کمی ہوتی تھی۔ صرف ایک بازار میں اوسطاً ۱۴۰ کرہ صرف ہوتا تھا۔ [1]

بغداد کی حالت چھٹی صدی ہجری میں

مشہور سیاح ابن جبیر اندلسی نے چھٹی صدی کے آخر میں جب بغداد مسلسل انقلابات سے ویران ہو چکا تھا، بغداد کا سفر کیا تھا اور اپنے سفرنامے میں اس کے حالات لکھے ہیں۔ یہ بیان عروس البلاد کا گویا مرثیہ ہے۔ تاہم اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی اجڑی ہوئی حالت میں بھی وہ کس پایہ کا شہر تھا، وہ لکھتا ہے:

یہ پرانا شہر گو ہمیشہ سے عباسی خلافت کا پایہ تخت اور قریشی و ہاشمی امامت کا ایک مرکز رہا ہے اور اس کی گزشتہ عظمت کے مقابلے میں اب اس کی حیثیت ایک کھنڈر، ایک مٹے ہوئے نشان اور ایک خیالی صورت کی رہ گئی ہے۔ موجودہ شہر دو حصوں میں تقسیم ہے۔ ایک دجلہ کے مشرقی سمت اور دوسرا مغربی سمت۔ مغربی حصہ کسی زمانہ میں بہت آباد تھا، لیکن اب ویران ہو چکا ہے اور مشرقی حصہ نو آباد ہے۔ یہ شہر ویرانی کے باوجود سات محلوں پر مشتمل ہے، جن میں ہر محلہ اپنی وسعت و آبادی کی کثرت کے لحاظ سے مستقل شہر کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہر محلہ میں کئی کئی حمام ہیں۔ آٹھ حمام جامع مسجدوں میں ہیں۔ سب سے بڑے محلّہ کا نام قریہ ہے، جس میں ہم ٹھہرے تھے۔ یہ محلّہ دجلہ کے ساحل پر ہے یہاں پہلے پل تھا، جو سیلاب میں بہہ گیا ہے۔ اب کشتیوں کے ذریعہ آمدورفت ہوتی ہے۔ کشتیاں بے شمار ہیں اور رات دن لوگوں کے ہجوم سے میلہ سا لگا رہتا ہے۔ معمولاً ہر جگہ دو پل ہیں، ایک شاہی محلات سے متصل دوسرا ان سے الگ، لیکن آمدورفت کے لیے یہ پل ناکافی ہیں۔ ہر وقت کشتیاں چلتی رہتی ہیں۔ دوسرا محلّہ کرخ ہے۔ اس کے گرد مستقل شہر پناہ ہے۔ تیسرا محلّہ باب البصرہ ہے۔ یہ بھی ایک مستقل شہر کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہیں وہ عظیم الشان جامع مسجد ہے، جو جامع منصور کے نام سے موسوم ہے۔ چوتھا محلّہ شارع ہے۔ یہ بھی گویا ایک شہر ہے۔ یہ چاروں بڑے محلے ہیں۔ محلّہ شارع اور باب البصرہ کے درمیان ایک محلّہ سوق المارستان ہے۔ اس کی حیثیت ایک چھوٹے سے شہر کی ہے۔ بغداد کا مشہور و معروف شفاخانہ اس محلّہ میں ہے۔ اس میں مریضوں کے علاج اور ان کی دیکھ بھال کے لیے باون اطبا اور معالجین ہیں۔ مریضوں کی جملہ ضروریات کا انتظام شفاخانہ کی جانب سے ہوتا ہے۔ اطبا کے علاوہ مریضوں کی تیمارداری اور دوا و غذا وغیرہ کی تیاری کے لیے علیحدہ ملازمین

---

[1] نشوار المحاضرہ ص ۶۶۔

ہیں۔شفاخانہ کی عمارت ایک عالی شان قصر کی سی ہے، جس میں بہت سے کمرے ہیں اور اس کا ساز و سامان شاہانہ ہے۔شفاخانہ میں دجلہ سے پانی آتا ہے۔سب محلوں کا تذکرہ طویل ہوگا۔مثلاً ایک محلّہ وسیط ہے جو دجلہ اور فرات کی ایک شاخ کے درمیان آباد ہے۔اس کے ذریعہ سارے فراتی علاقوں کا سامان بغداد آتا ہے۔ایک محلّہ عتابیہ ہے' یہاں بغداد کا مشہور عتابی کپڑا جو مختلف الالوان ریشم اور سوت سے بنایا جاتا ہے' تیار ہوتا ہے۔ایک محلّہ حربیہ ہے' اس کے بعد بغداد کی آبادی ختم ہو جاتی ہے۔مغربی حصہ تمام تر باغات اور چمنستان پر مشتمل ہے۔یہاں سے مشرقی حصہ میں میوے جاتے ہیں۔آج کل دارالخلافہ اسی حصہ میں ہے۔شاہی محلات شہر کے چوتھائی بلکہ اس سے زیادہ حصہ کو گھیرے ہوئے ہیں۔شاہی خاندان کے نظر بند ارکان ان محلوں میں رہتے ہیں۔ان کے لیے ہر طرح کی سہولتیں مہیا ہیں۔صرف احاطہ سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔مغربی حصہ میں عالی شان شاہی محلات' دلفریب باغات اور بڑے بڑے مرتب بازار ہیں۔ان میں ہر وقت آدمیوں کا اتنا ہجوم رہتا ہے کہ ان کا شمار مشکل ہے۔تین بڑی جامع مسجدیں ہیں۔خلیفہ کی جامع مسجد اس کے محل کے قریب ہے۔یہ بڑی وسیع مسجد ہے۔اس میں بڑے بڑے حوض اور سقاوے ہیں اور ہر قسم کے ساز و سامان سے آراستہ ہے۔دوسری جامع سلطان کے نام سے موسوم ہے۔یہ مسجد ان سلاطین کے محلوں کی جانب منسوب ہے جو موجودہ خلیفہ کے اجداد کے زمانے سے خلافت عباسیہ کے منتظم ہو گئے ہیں۔ [1] تیسری جامع رصافہ ہے۔رصافہ میں عباسی خلفا کی قبریں ہیں۔بغداد کی گیارہ مسجدوں میں جمعہ ہوتا ہے۔اس حصہ میں حماموں کی تعداد بے شمار ہے۔مجھ سے ایک معتبر آدمی نے بیان کیا کہ دونوں حصوں میں دو ہزار کے قریب حمام ہوں گے۔ان کی دیواروں اور فرش پر سیاہ رنگ کا ایسا چمکدار روغن ہے کہ دیکھنے والوں کو سیاہ سنگ رخام کا دھوکہ ہوتا ہے۔مسجدوں کی اتنی کثرت ہے کہ ان کے شمار کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔تیس مدرسے ہیں اور ہر مدرسہ کی عمارت ایسی عالی شان ہے کہ بڑے بڑے محلوں کو شرماتی ہیں۔ان میں سب سے بڑا مدرسہ نظام الملک کا قائم کیا ہوا نظامیہ ہے۔۵۰۴ھ میں اس کی باقاعدہ تجدید ہوئی تھی۔ان مدارس پر بڑی بڑی جائیدادیں وقف ہیں، جن سے فقہا و مدرسین کی تنخواہیں اور طلبہ کو وظیفے اور دوسرے اخراجات ملتے ہیں۔ان اطراف کو اس قسم کے مدارس اور شفاخانوں کے قیام میں بڑا شرف اور غیر فانی فخر حاصل ہے۔

مشرقی حصہ کے چار پھاٹک ہیں۔باب السلطان' باب الظفریہ' باب الحلبہ اور باب البصلیہ۔یہ پھاٹک شہر پناہ میں ہیں' جو نصف مستطیل دائرہ کی شکل میں شہر کو گھیرے ہوئے ہے۔شہر پناہ کے اندر

[1] سلاطین سے مراد وہ بادشاہ ہیں' جو خلافت عباسیہ کے زوال کے بعد اس کے متولی ہو گئے تھے' مثلاً دیالمہ اور ان کے بعد سلجوقی خاندان۔

بازاروں کے بکثرت پھاٹک ہیں' غرض اس گئی گزری ہوئی حالت میں بھی اس شہر کی شان وعظمت تعریف توصیف سے بالاتر ہے۔ [1]

بغداد کے بعض محاسن وخصوصیات

بغداد تنہا رقبہ کی وسعت' آبادی کی کثرت اور عمارتوں کے شان وشوکت ہی میں ممتاز نہ تھا' بلکہ دنیا کی ساری بھلائیوں کا مخزن تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی ساری نعمتیں اس میں جمع کر دی تھیں۔ مورخین نے اس کے مختلف اوصاف وخصوصیات کا حال لکھا ہے۔ یعقوبی لکھتا ہے کہ رقبہ کی وسعت' آبادی کی کثرت' پانی کی فراوانی' آب وہوا کی خوبی میں مشرق ومغرب کا کوئی شہر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہاں مختلف شہروں اور ملکوں کے مختلف طبقوں کے لوگ آباد ہیں اور دور دراز کے باشندوں نے اپنے وطنوں کو چھوڑ کر یہاں سکونت اختیار کر لی۔ کوئی شہر ایسا نہیں جہاں کے باشندوں کے محلے' تجارت اور کاروبار یہاں نہ ہو۔ اس لیے یہاں ساری دنیا کی نعمتیں جمع ہو گئی ہیں جو دنیا کے کسی اور شہر کو نصیب نہیں۔ یہاں دو بڑے دریا دجلہ اور فرات ہیں۔ اس لیے یہاں خشکی تری دونوں راستوں سے نہایت آسانی کے ساتھ ہر طرح کا تجارتی سامان آتا ہے اور ہندوستان' سندھ' چین' تبت' ترک' دیلم' خزر' حبشہ وغیرہ مشرق ومغرب کے تمام اسلامی اور غیر اسلامی ملکوں کا سامان، ان کی پیداوار اور مصنوعات' جس کثرت اور آسانی سے یہاں ملتی ہیں' اتنی سہولت سے خود ان ملکوں میں نہیں ملتیں۔ سارے روئے زمین کی پیداوار کھنچ کھنچ کر یہاں آتی ہے۔ دنیا کے سارے ذخیرے یہاں جمع ہو گئے ہیں اور سارے عالم کی برکتیں اس پر تمام ہو گئی ہیں۔

ریاضی کے حساب سے وہ اقلیم رابع میں ہے' جو معتدل اقلیم ہے۔ اس لیے اس کی آب وہوا ہر موسم میں معتدل رہتی ہے۔ گرمیوں میں تیز گرمی پڑتی ہے اور جاڑوں میں تیز ٹھنڈک' خریف اور ربیع دونوں میں موسم معتدل رہتا ہے اور تداخل کے موسم میں آب وہوا میں کوئی بڑا تغیر نہیں ہوتا۔ اس لیے یہاں کی آب وہوا معتدل' مٹی اچھی اور پانی شیریں ہے۔ درختوں کی بالیدگی اور نشوونما اچھی ہوتی ہے۔ پھل خوش ذائقہ اور کھیتی سرسبز وشاداب ہوتی ہے۔ کھیتی میں زیادہ مشقت نہیں اٹھانی پڑتی ہے، جس سے پیداوار کی کثرت ہے۔ ہوا کے اعتدال' زمین کی خوبی اور پانی کی شیرینی کی وجہ سے یہاں کے باشندوں کے اخلاق پسندیدہ' چہرے شاداب اور ذہن تیز رسا ہوتا ہے اور وہ عقل ودانش' فہم

---

[1] رحلہ ابن جبیر ص ۲۲۵ تا ۲۲۹' ہم نے ابن جبیر کے بیان کا صرف ضروری حصہ نقل کیا ہے' غیر ضروری باتیں چھوڑ دی ہیں۔

وذکا، علم وادب، ژرف نگاہی، قوت امتیاز اور تجارت وصنعت وحرفت وغیرہ میں ساری دنیا میں فائق اور ہرفن اور ہر پیشہ کے ماہر ہوتے ہیں۔ یہاں کے عالموں سے بڑھ کر فاضل، یہاں کے راویوں سے بڑے راوی، یہاں کے متکلموں سے زیادہ مناظر، یہاں کے نحویوں سے زیادہ صحیح الاعراب، یہاں کے قاریوں سے زیادہ صحیح القرائت، یہاں کے طبیبوں سے زیادہ حاذق، یہاں کے گویوں سے زیادہ مغنی، یہاں کے صناعوں اور کاریگروں سے زیادہ چابک دست، یہاں کے کاتبوں سے زیادہ ادیب و خوشنویس، یہاں کے منطقیوں سے زیادہ لسان اور گویا، یہاں کے عابدوں سے زیادہ عابد، یہاں کے زاہدوں سے بڑے متورع، یہاں کے قاضیوں سے زیادہ فقیہ، یہاں کے خطیبوں سے زیادہ زبان آور، یہاں کے شاعروں سے بڑے سخن ور، حتیٰ کہ یہاں کے رندوں سے بڑھ کر جری اور بے باک کہیں کے رند نہیں۔ ہرفن کے لوگ اپنے اپنے فن میں طاق تھے۔ [1]

مورخ خطیب بروایت ابوالحسین لکھتے ہیں کہ:

> ''بغداد کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کے شہروں میں صرف اسی کو عطا فرمائے ہیں۔ یہاں کے باشندوں کے اخلاق حمیدہ اور خصائل پسندیدہ ہیں۔ پانی شیریں اور میووں کی کثرت ہے۔ ہرفن اور پیشہ کے ماہر موجود اور ہر ضرورت کا سامان مہیا ہے۔ بدعات سے امن ہے۔ علما وطلبہ، فقہا وطالبین فقہ، اکابر متکلمین، حساب ونحو کے ماہرین، قادرالکلام شعرا اور انساب واخبار کے راویوں کی کثرت ہے۔ ہر نادر چیز یہاں موجود ہے اور ہر فصل کے میوے ہر وقت اور ہر موسم میں بغداد کے علاوہ کسی شہر میں نہیں مل سکتے۔ خصوصاً خزاں کے موسم میں، مسلمانوں کی کثرت ہے، اگر کسی کو کسی سبب سے کوئی محلہ یا گلی پسند نہ ہو تو اس کو آسانی کے ساتھ بدل سکتا ہے اور اس کو اس کی پسند کا وسیع وکشادہ مکان سہولت سے مل جائے گا۔ وہ دشمن سے خوفزدہ لوگوں کے لیے جائے پناہ ہے۔ بڑے بڑے ملک التجار، باعظمت سلاطین اور خاندانی اور صاحب وجاہت، اشرف ومعززین ہر محلّہ میں موجود ہیں، جن کے جودوکرم کا چشمہ غربا اور اہل حاجت کے لیے ہر وقت جاری رہتا ہے۔ بغداد اللہ تعالیٰ کا ایسا بے کراں خزانہ ہے، جس کی حقیقت سے اس کے علاوہ اور کوئی پوری طرح آگاہ نہیں۔ [2] ایک دوسری روایت میں لکھتے ہیں کہ جلالت اور

[1] کتاب البلدان ص ۲۳۳ تا ۲۳۵۔ [2] تاریخ خطیب ج ۱ ص ۵۱۔

عظمت‘ علما و اعلام کی کثرت‘ خواص و عوام کی تہذیب و شائستگی‘ رقبہ کی وسعت‘ مکانات‘ محلوں‘ گلیوں‘ پھاٹک‘ بند کوچوں‘ سڑکوں‘ بازاروں‘ مسجدوں‘ حماموں اور سراؤں کی کثرت‘ آب و ہوا کی خوبی‘ پانی کی شیرینی‘ درختوں کی چھاؤں‘ ان کی ٹھنڈک‘ سردی و گرمی کے اعتدال‘ ربیع وخریف کی صحت‘ آبادی کی خارج از شمار کثرت میں دنیا کا کوئی شہر بغداد کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اس کی آبادی اور رونق کے عروج کا زمانہ ہارون الرشید کا عہد تھا۔ اس کے بعد مسلسل انقلابات نے اس کو ویران کر دیا۔ [1]

بشاری مقدسی لکھتا ہے:

بغداد اسلام کا سب سے بڑا شہر اور مدینۃ السلام ہے اور یہاں کے باشندے مجموعہ محاسن‘ خوش طبع‘ ذہین وذکی اور لطیف المزاج ہیں۔ ہوا نہایت ہلکی اور لطیف اور علم نہایت گہرا ہے۔ بغداد ہر عمدہ چیز اور ہر خوبی کا مخزن اور ہر فن کے ماہرین کا مرکز ہے۔ ہر دل اس کی جانب کھنچتا ہے۔ وہ جمال و کمال کی بنا پر رشک و رقابت کی کشمکش اور حمایت و مدافعت کی رزمگاہ ہے۔ اس کی شہرت توصیف سے مستغنی اور اس کی خوبی حد توصیف سے خارج اور مدح و ستائش کے درجے سے بلند ہے۔ [2]

بعض اہل نظر نے اس کے محاسن پر یہ جامع تبصرہ کیا ہے:

''وہ جنت ارضی‘ سلامتی کا شہر‘ قبۃ الاسلام‘ اصحاب کمال کا مرکز قدر دانی‘ شہروں کا سرتاج‘ عراق کی آنکھ کا تارا‘ مستقر خلافت‘ محاسن و طیبات کا مرکز‘ لطائف و ظرائف کا معدن ہے۔ یہاں ہر فن کے کاملین اور جنس کے ماہرین موجود ہیں''۔ [3]

اس زمانہ کے ایک بڑے سیاح ابوالقاسم دیلمی کا بیان ہے کہ:

میں نے سمرقند سے لے کر قیروان تک اور سرندیپ سے لے کر روم تک کا سفر کیا‘ مگر بغداد سے بہترین اور پاکیزہ شہر نہیں دیکھا۔ عراق سے نکلنے کے بعد ساری دنیا دیہات معلوم ہوتی ہے۔ مشہور ادیب جاحظ کا بیان ہے کہ میں نے شام اور روم اور دوسرے ملکوں کے بڑے بڑے خوبصورت شہر دیکھے‘ مگر بغداد سے زیادہ بلند عمارتوں‘ اس سے زیادہ مدور‘ شاندار، وسیع و کشادہ پھاٹکوں اور مضبوط فصیل کا شہر نہیں

[1] تاریخ خطیب ج ۱‘ ص ۱۱۹۔ [2] احسن التقاسیم بشاری ص ۱۱۹۔
[3] معجم البلدان ج ۲‘ ص ۳۳۷۔

دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پورا شہر ڈھلا ہوا ہے''۔ [1]

مشہور فلسفی اور ادیب ابوالعلا مصری کہا کرتا تھا کہ بغداد بہت بڑا شہر ہے۔ یہاں تم ہر دن نئے نئے اصحاب فضل وکمال پاؤ گے' جس کو اس سے پہلے دن نہ پایا تھا۔ [2]

شیخ ابواسحاق فیروز آبادی کا مقولہ تھا کہ جو سلیم العقل اور صحیح المذاق ایک مرتبہ بھی بغداد آ جائے گا وہ یہاں سے مرکر نکلے گا یا یہاں مرنے کی تمنا دل میں لے جائے گا۔ [3] بغداد کی آبادی اتنی مرتب اور اس کی عمارتیں اتنی خوبصورت تھیں کہ دوسرے ملکوں کے فرمانروا اس کا نقشہ بنواتے تھے۔ خطیب نے یہ روایت نقل کی ہے کہ قیصر روم نے بغداد کے بازاروں' محلوں' مشرقی ومغربی حصوں کا نقشہ بنوایا تھا۔ مشرقی حصے کی ترتیب خصوصاً شارع المیدان اور شارع سوقیہ نصر بن مالک الخزاعی اور اس کے بازاروں اور سڑکوں کی عمارتوں' جو قصرۃ البروان تک چلی گئی تھیں، اس کو بہت پسند تھیں۔ وہ شراب نوشی کے وقت اس نقشہ کو سامنے رکھتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نے اس سے زیادہ خوبصورت عمارتیں نہیں دیکھیں۔ [4] اس قسم کے سینکڑوں واقعات واقوال بغداد کی تعریف میں زبان زد خاص وعام تھے۔ یہ اس زمانہ کا مشہور مقولہ تھا کہ بغداد کے علاوہ ساری دنیا دیہات ہے اور جس نے بغداد نہیں دیکھا' اس نے دنیا نہیں دیکھی۔ بغداد کے عوام اور اہل حرفہ ایسے مہذب اور شائستہ ہوتے تھے کہ ان سے بڑے بڑے لوگ تہذیب وشائستگی کا سبق سیکھتے تھے۔ مشہور صوفی حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جس کو خلق ومروت سیکھنا ہو وہ بغداد کے بہشتیوں سے سیکھے۔ مجھ کو جب پابجولاں بغداد لے جایا گیا (متوکل علی اللہ کے زمانہ میں آپ پر الحاد وزندقہ کا الزام لگایا گیا تھا اور اس کی تحقیق کے لیے وہ پابجولاں بغداد لائے گئے تھے' لیکن تحقیق سے یہ الزام ثابت نہ ہوا اور آپ کی باتیں سن کر متوکل آپ کا معتقد ہو گیا) تو میرے سامنے سے ایک سقہ گزرا' وہ مندیل کا تہبند اور دبیقی کا عمامہ باندھے تھا۔ ہاتھ میں نازک نازک مٹی کے آبخورے اور شیشے کے تراشے ہوئے گلاس تھے۔ اس وضع قطع میں دیکھ کر میں سمجھا کہ شاہی سقہ ہے۔ معلوم ہوا شاہی نہیں عام بہشتی ہے۔ میں نے اس سے پانی مانگا' اس نے بڑھ کر کورے آبخورے میں پانی دیا، جس سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی۔ میں نے اپنے ساتھی سے ایک دینار دینے کا اشارہ کیا۔ سقہ نے لینے سے انکار کیا اور کہا قیدی سے کچھ لینا اخلاق ومروت کے خلاف ہے۔ [5]

اہل بغداد کا تمدن اور ان کا حسن مذاق

---

[1] خطیب ج ا' ص ۷۷۔ [2] تاریخ خطیب ج ا' ص ۱۴۹۔ [3] معجم البلدان ج ۲' ص ۳۳۷' ۳۳۸۔

[4] تاریخ خطیب ج ا'۔ [5] خطیب ج ا' ص ۵۰۔

یہ تو بغداد کی شوکت و عظمت کا حال تھا۔ اس کا تمدن بھی نہایت عظیم الشان اور بڑا دلکش و دلفریب تھا۔ اہل بغداد کے حسن ذوق اور ان کے تمدنی تکلف اور معاشرتی نفاستوں کے متعلق صاحب حضارۃ الاسلام کا بیان ہے:

گھروں کا نقشہ

عموماً آسودہ حال طبقہ کے گھروں کے تین حصے ہوتے تھے۔ ایک مقاصیر حرم یعنی زنان خانہ دوسرے مجالس السلام جسے دیوان خانہ کہہ سکتے ہیں۔ یہ حصہ ملاقات اور مہمانوں کے لیے ہوتا تھا۔ تیسرے شاگرد پیشہ کے مکانات' ہر مکان کے متعلق پائیں باغ ہوتا' جس میں میووں اور پھل پھول کے درخت ہوتے تھے اور ان سب کے گرد چہار دیواری ہوتی تھی۔ مکانوں کی چھتیں اور دیواریں عموماً سنہرے اور رنگین نقش و نگار سے آراستہ ہوتی تھیں۔ [1] سادہ دیواروں کو منقش کپڑوں سے منڈھتے تھے اور دیواروں پر دیبا کے پردے آویزاں کرتے تھے۔

پائیں باغ

باغوں کا اتنا شوق تھا کہ مختلف ملکوں سے درخت منگوا کر لگاتے تھے۔ بعض باغوں کی لاگت دس دس ہزار اشرفی تک پہنچ جاتی تھی۔ ملازموں اور غلاموں کے انتخاب میں ان کے ظاہری حسن کے ساتھ خوش ذوقی اور زندہ دلی کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔ کھانوں میں تنوع' جدت اور شان امارت کا اتنا شوق غالب تھا کہ بے فصل کی چیزیں مثلاً بے موسم کے میوے اور پرندوں وغیرہ کا گوشت اس کے ہم وزن چاندی دے کر خریدتے تھے۔

مصنوعی ٹھنڈک اور گرمی کا انتظام

گرمیوں میں ٹھنڈک اور پانی کا خاص اہتمام کرتے تھے۔ آرام گاہوں میں مصنوعی طریقے سے پانی لایا جاتا تھا' جو سنگ مرمر کے تراشے ہوئے درندوں اور پرندوں کے منہ سے فوارے کی شکل میں چھوٹتا تھا اور اوپر سے پنکھا چلتا تھا۔ اس سے گرم ہوا کے جھونکے نسیم سحری بن جاتے تھے۔ غرض لباس اور زینت و آرائش حتیٰ کہ گھوڑوں کی آرائش تک میں دیبا کی جھولوں اور زیورات سے ایسی جدتیں پیدا کی تھیں کہ دنیا کی کوئی قوم اس درجہ کو نہ پہنچتی تھی۔ [2] مکانوں میں ٹھنڈک پیدا کرنے کے

[1] حضارۃ الاسلام ص ۲۵' ۲۶۔ [2] حضارۃ الاسلام ص ۹۹۔

اور بہت سے طریقے رائج تھے۔ عام اور سادہ طریقہ یہ تھا کہ کچی چھت کے گھر بنائے جاتے تھے۔ ان پر کہگل ہوتی تھی اور دیواروں کی پشت بانسوں اور بید کے ٹھاٹھ سے منڈھ دی جاتی تھی اور اس کے اور دیوار کے درمیان خلا میں برف کے تودے بھر دیئے جاتے تھے۔ پھر ایک شخص ایوب خوری نے ایک موٹا آب گیر کپڑا جو خیش کے نام سے موسوم تھا' ایجاد کیا۔ اس کو تر کر کے آرام کے کمرے کی دیواروں یا قبہ پر منڈھ دیا جاتا تھا۔ اس سے ٹھنڈک پیدا ہو جاتی تھی۔ [1] اس سے بھی زیادہ پر تکلف طریقہ یہ تھا کہ بڑے بڑے ہوادار کمرے دیبقی (ایک قسم کا کپڑا) سے منڈھ دیئے جاتے تھے اور درمیان میں ایک قبہ یا چھوٹا سا حجرہ بنا دیا جاتا تھا۔ اس کے چاروں طرف بانس کے کھیاچے اور بید کی ٹٹی ہوتی تھی اور دیبقی کو گلاب' کافور اور صندل کے عرق میں تر کر کے اس پر منڈھ دیا جاتا تھا اور دروازوں پر ہوا اور روشندانوں وغیرہ ہوا کے تمام راستوں پر برف کے تودے رکھ دیئے جاتے تھے اور خدام انہیں بڑے بڑے پنکھوں سے ہوا دیتے تھے۔ اس سے کمروں میں اتنی ٹھنڈک پیدا ہو جاتی تھی کہ گرم کپڑا پہننے کی ضرورت پیش آتی تھی' لیکن یہ اہتمام صرف امرا کر سکتے تھے۔ [2] سردیوں میں گرمی پیدا کرنے کی صورت یہ تھی کہ بڑے بڑے مکانوں میں چھوٹے چھوٹے لکڑی کے کمرے ہوتے تھے اور ان کے گرد لوہے اور لکڑی کے جنگلے بنے ہوتے تھے۔ ان کے درمیان آتش دانوں اور انگیٹھیوں میں آگ بھری رہتی تھی۔ ان کو خدام دھونکنی سے برابر دہکاتے رہتے تھے اور چوبی کمرے کے اندر چاندی کی انگیٹھیوں میں عود جلتا رہتا تھا۔ اس سے پورا کمرہ گرم ہو جاتا تھا۔ [3]

کھانوں کے اقسام و تکلفات

جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے' اس دور میں کھانوں میں بھی بڑے تکلفات پیدا ہوئے۔ عباسیوں کا دستر خوان ایوان نعمت خانہ تھا۔ ان کے نام کتابوں میں ملتے ہیں' لیکن آج اس کی نوعیت بتانا مشکل ہے۔ اصحاب لغت کی تشریح سے بھی اس کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا اور بہت نام بھی لغت میں نہیں ملتے۔ بعض اقسام یہ ہیں: مرغ اور پرندے کے گوشت کی مختلف قسمیں تھیں' جو مختلف طریقوں سے پکائے جاتے تھے اور ان سب کے علیحدہ علیحدہ نام تھے۔ بکری' برہ' بھیڑ' گائے' ہرن اور دوسرے مویشیوں کے گوشت اور ان کی مختلف قسموں کا طبقات الاطبا میں تذکرہ ہے' مگر ان کی تشریح نہیں کی جا سکتی۔ [4] مچھلی کے گوشت کی

---

[1] تاریخ الاسلام السیاسی والثقافی ص ۳۰۸۔

[2] ابن ابی صیبعہ نے اس کی پوری تفصیل لکھی ہے' ہم نے ضروری خلاصہ نقل کیا ہے، دیکھو طبقات الاطباء ج ۱' ص ۱۳۹' ۱۴۰۔

[3] طبقات الاطباء ج ۱' ص ۱۴۰۔

[4] طبقات الاطباء ج ۱' ص ۴۰۔

بھی مختلف قسمیں تھیں۔صحنا چھوٹی بھنی ہوئی مچھلیاں۔ [1] مچھلی کی زبان کا سالن‘اس پر بڑا صرف آتا تھا۔ [2] ثرید‘ہریسہ اور خبیص عرب کے آسودہ حال لوگوں کے مرغوب پرانے کھانے ہیں‘ جو عباسی عہد میں بھی تھے۔کشکی یا کشک گیہوں‘ دودھ اور گوشت ملا کر پکایا جاتا تھا۔ [3] سکباج گوشت اور سرکہ سے پکتا تھا۔خضیرہ ایک قسم کا شوربہ جو پھٹے ہوئے دودھ سے پکتا تھا۔عصیدہ آٹے‘ چربی اور مکھن سے پکتا تھا۔قلیہ خشک اور شوربے دار دونوں طرح کا ہوتا تھا۔قطیفہ پتلے شوربے کی قسم‘ سنبوسہ مشہور ہندوستانی سموسہ‘ فالودج‘ یہ فالودہ کا معرب ہے‘ لیکن ہمارے فالودہ سے مختلف اور بہت ثقیل اور سنگین ہوتا ہے اور اس کی حیثیت غذا کی تھی۔لوذینج غالباً لوازمات اور حلوہ جات،خشکار غالباً خشکہ کا معرب ہے۔روٹیوں کی بہت سی قسمیں تھیں۔فرن اور جردق جو غالباً شیرمال اور قلچہ کے مشابہ تھیں‘ زیادہ مشہور تھیں۔کھانے پر ترکاریاں اور میوے بھی ہوتے تھے۔امرا کے یہاں مکلف کھانوں کے لیے جو مرغ پکائے جاتے تھے‘ان کو کچھ دنوں تک پہلے دانے اور پانی کے بجائے خشک میوے کھلاتے تھے اور عرق گلاب پلایا جاتا تھا۔ [4]

ہارون الرشید کے دسترخوان پر ایک وقت میں تیس تیس قسموں کے کھانے ہوتے تھے۔مطبخ کا خرچ دس ہزار درہم روزانہ تھا۔ [5] مامون کا ذاتی خرچ چھ ہزار اشرفی یومیہ تھا،جس کا بڑا حصہ باورچی خانہ پر صرف ہوتا تھا۔ [6] مقتدر کے عام اور خاص مطبخ کا خرچ دس ہزار اشرفی ماہانہ تھا۔باورچیوں کی تنخواہ ایک ہزار اشرفی ماہانہ تھی۔ [7] قاہر کے دسترخوان پر تیس اشرفی روزانہ کے میوے ہوتے تھے۔ [8] ان کے امرا کا دسترخوان بھی بہت پرتکلف اور وسیع ہوتا تھا۔وزیر ابوالحسن بن فرات کے باورچی خانہ میں تین سو اشرفی ماہانہ کا صرف مشک خرچ ہوتا تھا۔ [9] اس کے دو باورچی خانے تھے۔ایک عام لنگر خانہ کے لیے‘ دوسرا خاص۔مطبخ عام میں نوے بکریاں‘ تیس برے‘ دو سو مرغیاں‘ دو سو چوزے اور دو سو تیتر روزانہ خرچ ہوتے تھے۔نان پز رات دن نان سمید اور میٹھا پکانے میں مشغول رہتے تھے۔آبدار خانہ میں ہر وقت برف کا انتظام رہتا تھا۔خدام صاف ستھرے لباس میں ملبوس ہاتھوں میں تولیے اور آب خورے لیے موجود رہتے تھے‘ جو ہر آنے جانے والے کو سکنجبین یا اور کوئی ہاضم چیز سے ملا ہوا پانی پلاتے تھے۔ [10] تقریبات کے موقع پر رات دن میں پانچ سو من برف صرف ہوتی تھی۔ [11] عباسی عہد کے ایک شاعر

---

[1] دیکھو تاج العروس۔ [2] مروج الذہب مسعودی ج ۷‘ص ۳۵۰۔ [3] تاج العروس۔
[4] طبقات الاطباء ج ۱‘ص ۱۴۰۔ [5] تاریخ الاسلام السیاسی والثقافی ج ۲‘ص ۳۰۶۔
[6] الفخری ص ۳۱۰۔ [7] کتاب الوزراء اصابی ص ۱۶‘۱۷۔
[8] طبری ص ۱۳۸۔ [9] کتاب الوزراء اصابی ص ۳۵۲۔
[10] کتاب الوزراء اصابی ص ۳۵۲۔ [11] کتاب الوزراء اصابی ص ۳۵۲۔

عمانی نے شاہی خاندان کے ایک رکن محمد بن سلیمان بن علی عباسی کے دستر خوان کے کھانوں کے تنوع کو نظم کیا ہے۔

جاؤا بفرني لهم ملبسون بات يسقي خالص الستمون

مصو مع اكوم ذی غضون قد خشيت بالسكر المطحون

و لونوا ما شئت من تلوين من بدر الطعام و السخين

و من شه اسيف و من طردين و من هلام و مصيص جون

و من اوز فائق سمين و من وجاج فت بالعجين

فالشحم في الطهور و البطون و اتبعوا ذلک بالجوزين

و بالجنيص الوطب و اللوزين و فكهر العنب و تين

والوطب والا ذاذ والهيرون ❶

خطیب کی کتاب التطفیل میں بہت سے کھانوں کے نام ملتے ہیں۔

دستر خوان کی آرائش' کھانے کے آداب اور طریقے

اونچے طبقے میں دعوت اور تقریبات کے موقع پر تمام ظروف طلائی اور نقرئی ہوتے تھے۔ صابی نے ابن فرات کی ایک محفل سرود کا ذکر کیا ہے۔ اس میں بڑے قیمتی طلائی اور نقرئی ظروف تھے۔ ❷ کھانے سے پہلے حاضرین کی فواکہات سے تواضع کی جاتی تھی اور سب کے سامنے میوہ جات کا ایک ایک طبق پیش کیا جاتا تھا۔ درمیان میں ایک کشتی میں علیحدہ میوے بھر کر رکھ دیئے جاتے تھے۔ ہر طبق کے ساتھ میوہ کاٹنے کی چھری اور چھلکے اور گٹھلی رکھنے کے لیے شیشہ کی تشتری ہوتی تھی۔ میوہ خوری کے بعد دستر خوان بچھتا تھا اور سر پوش سے ڈھکے ہوئے کھانوں کے خوان آتے۔ ان پر دیبا کے خوان پوش پڑے ہوتے تھے اور ان کے نیچے چمڑا بچھا ہوتا تھا اور ہاتھ منہ صاف کرنے کے لیے رومال اور تولیے رکھے ہوتے تھے۔ کھانے کی قسمیں یکے بعد دیگرے سامنے آتی تھیں اور اس کا سلسلہ دو گھنٹہ تک جاری رہتا۔ کھانے کے دوران میں میزبان لطف و مدارات کی باتیں کرتا رہتا۔ دستر خوان اٹھنے کے بعد آبدار خانہ میں جو کھانے کے کمرے کے متصل ہوتا تھا۔ ہاتھ منہ دھویا جاتا' خدام پانی ڈالتے اور دبیز تولیہ سے پانی پونچھنے کے بعد عرق گلاب کے شیشے پیش کیے جاتے جو ہاتھ اور منہ پر ملا جاتا تھا۔ ❸

❶ ضحیٰ الاسلام ج ۱ ص ۱۳۲۔ ❷ وزراء اصابی ص ۱۹۲۔ ❸ وزراء اصابی ص ۲۶۰۔

نبیذ نوشی کے تکلفات
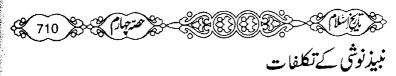
بنی عباس کے زمانہ میں نبیذ نوشی کا عام رواج تھا۔اس موقع پر ایک غلط فہمی دور کر دینا ضروری ہے۔عربی میں ''شراب'' مطلق پینے کی چیز کو کہتے ہیں' چنانچہ شربت کے لیے بھی شراب ہی کا لفظ ہے۔اسی طریقہ سے شراب مطلق پینے کو کہتے ہیں، خواہ وہ آب زمزم ہی کیوں نہ ہو۔اردو کی شراب کے لیے عربی میں خمر کا لفظ ہے' لیکن جو لوگ عربی سے واقف نہیں ان کو شراب یا شرب کے لفظ سے اردو کی شراب یعنی خمر کا دھوکہ ہوتا ہے جو صحیح نہیں ہے اور دھوکہ اچھے اچھوں کو ہو جاتا ہے اور وہ نبیذ نوشی کو شراب نوشی سمجھ لیتے ہیں۔بعض عباسی خلفا کے علاوہ جن کی بادہ نوشی مسلم ہے، باقی اکثر خلفا بلکہ تقریباً کل اس ام الخبائث سے محترز رہے' البتہ نبیذ کی بعض ہلکی قسمیں جو نشہ آور نہ تھیں، بعض علماء عراق کے نزدیک جائز تھیں، جن کو قریب قریب سب خلفا اور امرا بڑے اہتمام سے پیتے تھے۔نبیذ کے جام و مینا و ساغر' جملہ سامان طلائی اور بلور کے ہوتے تھے، جس کا تذکرہ بکثرت تاریخوں میں ہے۔موفق جب پینے کے لیے بیٹھتا تو پہلے ہاتھ دھونے کے لیے تسلہ اور سونے کی کشتی میں بلور کے جام و مینا لگا کر پیش کیے جاتے۔ [1]

خلفا اور امرا نے نبیذ نوشی کی محفلوں کی زیب و زینت میں بڑے تفنن پیدا کیے۔بعض محفلوں کا ذکر تاریخ میں بھی ملتا ہے جس سے ان کی نفاست و لطافت اور تکلفات کا اندازہ ہوتا ہے۔ابو جعفر بن حمدون کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ راضی باللہ نے ایک مقام کو فرش و فروش سے آراستہ اور گلاب و نیلوفر کے پھولوں سے سجانے کا حکم دیا۔اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔محفل کی آراستگی کے بعد راضی آیا اور پھولوں کے انبار دیکھ کر بولا خالی پھول اچھے نہیں معلوم ہوتے اور ان پر کافور چھڑکنے کا حکم دیا۔خدام نے فوراً طلائی سینیوں میں بھر بھر کر کافور کا سفوف چھڑکنا شروع کر دیا اور اتنا چھڑکا کہ کافور کی سپیدی سے پھولوں کی رنگت دب گئی۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ روئی دھنک دی گئی ہے یا کسی باغ پر برف باری ہوئی ہے۔اندازاً ایک ہزار مثقال کافور چھڑکا گیا تھا۔محفل برخاست ہونے کے بعد راضی نے کافور لوٹنے کا حکم دیا۔اس پر خدام نے کافور کے انبار جمع کر لیے۔ [2]

ایک مرتبہ متوکل کا دل چاہا کہ محفل شراب کی ہر چیز کا رنگ زرد ہونا چاہیے۔اس کی اس طرح تعمیل کی گئی کہ ایک حوض پر سونے سے مرصع صندل کی لکڑی کا ایک قبہ بنایا گیا اور اس میں زرد دیبا کے پردے آویزاں کیے گئے اور اسی کا فرش بچھایا گیا۔حوض کے چاروں طرف چھوٹی چھوٹی نہریں رواں

---

[1] طبقات الاطباء ج ۱' ص ۲۰۲۔ [2] نشوار المحاضرہ قاضی تنوخی ص ۱۴۴' ۱۴۵ ملخصاً۔

تھیں۔ان کے پانی میں زعفران گھولا گیا اور متوکل کے سامنے زرد شنبو (ایک قسم کی خوشبو) لیموں اور زرد رنگ کی نبیذ سونے کی کشتی میں لگا کر پیش کی گئی۔اس مجلس میں جو لونڈیاں شریک تھیں' ان کا لباس زرد کتان کا تھا۔اس اہتمام میں کئی ہزار اشرفیاں صرف ہوئیں۔

ایک مرتبہ عباسی وزیر مہلبی نے بھی اسی قسم کی ایک بزم طرب کی آراستگی میں تین دن کے اندر ایک ہزار دینار کے گلاب کے پھول اور عرق گلاب صرف کیا۔عرق گلاب حوض میں بھرا جاتا تھا اور فواروں سے چھوٹتا تھا۔ابوعبداللہ بریدی والی بصرہ نے ایک مرتبہ اسی قسم کی ایک بزم نشاط کی ترتیب میں ند (ایک قسم کی خوشبو) اور کافور پر بیس ہزار درہم صرف کیے۔ [1]

لباس

اونچے تمدن اور بلند معاشرت کا ایک مظہر لباس کا حسن اور اس کی نفاست بھی ہے۔اس اعتبار سے اہل بغداد بڑے خوش لباس تھے اور ان کی وضع قطع اور تراش خراش دوسروں کے لیے معیاری سمجھی جاتی تھی۔بغداد ریشمی اور سوتی پارچہ بافی کی صنعت وتجارت کا بڑا مرکز تھا۔اس کے ایک محلّہ عتابیہ میں مختلف رنگ کے ریشمی اور سوتی کپڑے تیار ہوتے تھے' جو محلّہ کے نام کی نسبت سے عتابی کہلاتے تھے۔ [2]

ریشمی کپڑوں کی صنعت اور تجارت اتنی وسیع پیمانہ پر تھی اور اس کے ٹیکس کی آمدنی اتنی تھی کہ حکومت میں اس کا مستقل محکمہ قائم تھا اور کارخانوں میں جس قدر تھان تیار ہوتے تھے' ان پر سرکاری مہر لگائی جاتی تھی۔ [3] اس کے علاوہ مختلف ممالک کے بہترین کپڑے بغداد آتے تھے۔ابوالطیب محمد اسحاق المعروف بہ وشا بغدادی نے خوش لباس طبقہ کے لباس اور کپڑوں کی تفصیل لکھی ہے' لیکن ان میں سے بہت سے کپڑوں اور لباس کے نام ایرانی ہیں جو موجودہ کتب لغت میں نہیں ملتے اور بعض کا ترجمہ نہیں ہوسکتا۔تاہم ان سے لباس اور وضع قطع وغیرہ کا اجمالی اندازہ ہو جاتا ہے۔وشا کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ خوش لباس عموماً باریک کپڑے کے چھوٹے کرتے' قہستان کے کپڑے کی بنیان درجرد اور اسکندریہ کے زیر پوش' دبیق اور جنابہ کے اعلیٰ درجہ کے نرم اور خوش رنگ کتان کی قمیص' نیشاپور کے ملحم (ایک قسم کا کپڑا) دبیق کے اک رنگے اور طوس کی طیلسان (چادریں) عدن کی دلائیاں' کوفی خز اور سوس کی حاشیہ دار چادریں، نیشاپور کے دھاری دار اک رنگے' بنی سعد کی چھینٹ' کوفی خز کے جبے دھوپ چھاؤں کی کتان اور دوسرے ایرانی لباس استعمال کرتے تھے۔

---

[1] نشوار المحاضرہ قاضی تنوخی ص ۱۴۴' ۱۴۵ ملخصاً
[2] سفر نامہ ابن جبیر ص ۱۲۶۔
[3] کتاب الوزراء ص ۲۶۸۔

زیادہ شوخ اور بھڑکیلے رنگ' مثلاً زعفران یا دوسرے شوخ رنگوں میں رنگے ہوئے کپڑے عورتوں' لونڈیوں اور گانے والی عورتوں کے ساتھ مخصوص تھے۔ مردوں میں ان کا استعمال معیوب تھا۔ البتہ فصد لینے' [1] علاج کے موقع پر بادہ نوشی کی محفلوں اور خلوت کی صحبتوں میں مشک میں رنگے ہوئے کرتوں' عنبر میں رنگی ہوئی قمیص' رنگین چادروں' زعفرانی ازار کے استعمال میں مضائقہ نہ تھا۔ اس قسم کے لباس لطف ونشاط کی مجلسوں اور صحبتوں میں استعمال کیے جاتے تھے۔ انہیں پہن کر گھر سے باہر نکلنا معیوب تھا۔ کپڑوں میں تناسب کا لحاظ ضروری تھا۔ بے جوڑ کپڑے مثلاً ایک میلے کپڑے کے ساتھ دوسرا دھلا ہوا یا دھلے ہوئے کے ساتھ نیا کپڑا یا دیبا کے ساتھ مردی (ایک معمولی کپڑا) کا استعمال معیوب تھا۔ عمدہ لباس وہی سمجھا جاتا تھا' جو متناسب ہو۔ [2]

مردوں کا لباس عام چھوٹا کرتا' لمبی قمیص' جبہ' موزہ اور عمامہ تھا۔ خواص زیادہ تر ایرانی لباس پہنتے تھے' جس کو منصور نے سرکاری لباس قرار دیا تھا۔ ایرانیوں کی تقلید میں اونچی ٹوپیوں کا زیادہ رواج تھا۔ قاضیوں کی ٹوپیاں بڑی لمبی لمبی ہوتی تھیں۔ خلفا ٹوپیوں پر عمامہ باندھتے تھے۔ فقہا وقضاۃ' اعراب' حکام اور عوام سب کا لباس جدا جدا تھا۔ سرکاری لباس سیاہ تھا اور خلفا کے دربار میں حضوری کے لیے سیاہ لباس ضروری تھا۔ عورتیں دخانی کپڑے کے کرتے' رشیدی چادریں' چھوٹی بوٹی کی دھوپ چھاؤں' طبری چادریں' رنگین کتان' حریر' نیشاپوری مقنع' خراسانی کتان کے ازار' گریبان اور گلوبند (جربات المخانقیہ) سپید ڈھیلے پاجامے' سربند استعمال کرتی تھیں۔ سپید رنگ کے کپڑوں کا استعمال سہاگنوں میں ناپسندیدہ تھا اور وہ بیواؤں اور مطلقہ کا لباس سمجھا جاتا تھا۔ سہاگن عورتیں رنگین لباس استعمال کرتی تھیں۔ سرخ اور زرد' سبز' سیاہ' گلابی اور سرخ رنگ کے رنگے ہوئے کپڑے زیادہ تر ادنیٰ درجے کی قبطی عورتیں اور مغنیہ استعمال کرتی تھیں اور یہ رنگ معزز خواتین میں معیوب تھے' لیکن جن کپڑوں کا اصلی رنگ یہی ہوتا ان کے استعمال میں مضائقہ نہ تھا' مثلاً رنگین لاذ یا حریر اور خز وغیرہ۔ [3]

عیسائی عورتوں کے اثر سے مسلمان عورتوں میں زنار یعنی کردھنی یا کمر بند باندھنے کی ریشمی پٹیاں بھی رائج ہو گئی تھیں' جو ہلکے رنگ کی سادہ اور منقش دونوں ہوتی تھیں۔ تاج نما ٹوپیاں بھی استعمال کرتی تھیں' جن میں موتی اور نگینے وغیرہ جڑے ہوتے تھے اور پیشانی پر ریشم اور کلابتو کے کام کی پٹیاں باندھتی تھیں۔

---

[1] کتاب الموشی ص ۱۲۵' ۱۲۶۔

[2] وہ چھوٹا ریشمی رومال جو عورتیں سر اور پیشانی پر باندھتی تھیں۔ یہ آج بھی عرب عورتوں میں رائج ہے۔

[3] کتاب الموشی ص ۱۲۶ جن لباسوں کے معنی لغت میں نہ مل سکے' ان کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

عطریات اور خوشبوئیں

عطریات اور خوشبوؤں سے بڑا ذوق تھا۔ شوقین مزاج مشک اور گلاب کا محلول' لونگ کے پانی میں بھگویا ہوا عنبر آمیز عودِ سلطانی (ایک قسم کی خوشبو) بحرین کا عنبر اور دوسری چھڑکنے والی خوشبوئیں استعمال کرتے تھے۔ مشک و زعفران آمیز بریان کافور کا بخور جلاتے تھے۔ عورتوں اور بچوں کی خوشبوئیں علیحدہ علیحدہ تھیں۔ ان سے مرد پرہیز کرتے تھے۔ [1]

مکان کی فضا معطر کرنے کے لیے کھڑکیوں' روشن دانوں اور طاقچوں وغیرہ میں مختلف قسم کے خوشبو دار پھل پھول' کافور، صندل' گلاب' لخلخہ' خلوق اور مد وغیرہ خوشبودار چیزیں رکھ دی جاتی تھیں، جس سے سارا مکان مہک اٹھتا تھا۔ [2]

جب خلفا باغ میں سیر و تفریح کے لیے جاتے تھے تو کھاد کی بو دور کرنے کے لیے درختوں کی جڑوں میں مشک چھڑک دیا جاتا تھا۔ [3]

خلیفہ مقتدر کی ماں کے لیے ریشم کی جوتیاں بنتی تھیں اور ان کی تہہ میں مشک وغیرہ پیس کر جمایا جاتا تھا۔ دس دن سے زیادہ ایک جوتی استعمال نہ ہوتی تھی۔ اس کے بعد ملازمین مشک وغیرہ نکال لیتے تھے۔ [4] انتہا یہ ہے کہ بیت الخلا تک میں خوشبو کا انتظام رہتا تھا۔ ہارونی دور کے ایک مشہور اور نابینا عالم ابومعاویہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہارون حج کے لیے مکہ آیا۔ میں اس سے ملنے گیا تو مجھے بیت الخلا جانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ہارون نے شہزادہ مامون اور امین سے کہا کہ اپنے چچا کو بیت الخلا پہنچا دو۔ انہوں نے ہاتھ پکڑ کر پہنچا دیا۔ یہاں نہایت عمدہ خوشبو آ رہی تھی۔ [5] اس واقعہ سے جہاں ہارون کے تعیش کا اندازہ ہوتا ہے' وہاں اس کی علما نوازی اور قدر دانی کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

ذوق شعری

ان کے ذوق شعری اور جذبات لطیفہ کے مظاہر ان کے مختلف سامانوں میں نظر آتے تھے' چنانچہ کپڑوں' قمیص کے دامنوں' چادر کے حاشیوں' آستینوں' عورتوں کے پیشانی بند' طرے کی پٹیوں' کردھنیوں' جوتوں' موزوں' رومالوں' فرش و فروش' تکیوں' پردوں' نشست کے چبوتروں' جلسہ گاہوں' مقصوروں' قبوں' گدوں' پیالوں' پیمانوں' سونے چاندی کے برتنوں' آلات موسیقی اور دوسرے مختلف

[1] کتاب الموشی ص ۱۲۵' ۱۲۶۔ [2] طبقات الاطباء ج ۱' ص ۱۴۱۔ [3] نشواء المحاضرہ ص ۱۴۴۔
[4] نشواء المحاضرہ ص ۱۴۳۔ [5] تاریخ خطیب ج ۵' ص ۲۴۳۔

سامانوں پر ان کے مناسب نہایت موزوں اشعار تحریر ہوتے تھے۔ خصوصاً عورتوں اور لونڈیوں کے لباس اور زیب و زینت کے سامانوں پر نہایت عمدہ عاشقانہ اشعار لکھتے تھے۔ لونڈیوں کے رخساروں اور پیشانیوں پر مشک زعفران اور سنہرے رنگ سے نہایت دلکش اشعار لکھے جاتے تھے۔ محمد بن اسحاق نے کتاب الموشی میں اس کی پوری تفصیل لکھی ہے اور اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

تقریبات کی اولوالعزمیاں

تقریبات میں اس اولوالعزمی اور حوصلہ سے کام لیتے تھے کہ اسراف کی حد سے بھی بڑھ جاتا تھا۔ وزیر دولت حسن بن سہل کی لڑکی کی شادی مامون سے جس شان و شوکت کے ساتھ ہوئی' وہ تاریخ میں یادگار ہے۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ اس تقریب میں حسن نے جس حوصلہ سے مدارات کی اور لطف وتفریح کے جو سامان مہیا کیے' اس کی مثال زمانہ گزشتہ میں نہیں ملتی۔ ہاشمی امرا' افسران فوج' کاتبوں اور دوسرے بڑے عہدہ داروں میں مشک کی گولیاں لٹائی گئیں۔ ہر گولی میں کاغذ کا پرزہ لپٹا ہوا تھا' جس میں زمین' جائیداد' لونڈی' غلام' گھوڑے اور مختلف چیزیں لکھی ہوئی تھیں۔ جس کے ہاتھ میں جو گولی پڑتی تھی' اس میں' جو کچھ تحریر ہوتا تھا' اسی وقت مل جاتا تھا۔ عام لوگوں میں روپے پیسے' مشک وغیرہ کے گولے لٹائے گئے۔ بارات میں بے شمار آدمی تھے۔ ان میں بڑے بڑے امرا اور افسروں سے لے کر چھوٹے چھوٹے ملازمین تک کوئی بھی محروم نہیں رہا۔ شادی کے بعد مامون مع بارات کے ۱۹ دن سسرال میں رہا۔ حسن بن سہل نے اس پوری مدت میں بارات کی بڑی فیاضی سے مدارات کی۔ رخصتی کے وقت تمام امراو عمائد کو علیحدہ علیحدہ انعامات دیئے گئے۔ مامون کے لیے سنہرے کام کا فرش بچھایا گیا تھا۔ جیسے ہی اس نے اس پر قدم رکھا' اس کے اوپر بڑے بڑے موتی نچھاور کیے گئے۔ شب عروسی کی روشنی میں چالیس موم بتیاں سونے کے لگنوں میں روشن کی گئی تھیں۔ [1]

مقتدر کی ماں نے اپنے صغیر السن پوتے کی ایک تقریب میں چاندی کا ایک چھوٹا سا گاؤں بنوایا تھا' جس کے مکانات' کھیت' فصلیں' درخت' پھل' تالاب' نہریں' گائے' بیل' گھوڑے' اونٹ اور دوسرے مویشی وغیرہ وہ تمام چیزیں جو گاؤں میں ہوتی ہیں' چاندی کی تھیں۔ [2] اس تقریب میں مقتدر نے وزیر ابن فرات کو کھانے کے تین خوان بھیجے تھے۔ بڑا خوان پچاس بالشت کا تھا۔ اس کو کئی خادم اٹھائے ہوئے تھے۔ دو تھان کارچوبی کے' ایک تھان سبز اور تین سپید ریشمی کپڑوں کے اور ایک سونے کی سینی میں دینار

---

[1] ابن خلکان ص ا' ص ۹۳' ۹۴۔ [2] البدایہ والنہایہ' ابن کثیر ج ۱۱' ص ۱۷۰۔
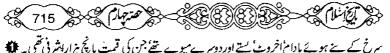
سرخ کے بنے ہوئے بادام' اخروٹ' پستے اور دوسرے میوے تھے' جن کی قیمت پانچ ہزار اشرفی تھی۔ [1]

اس زمانہ میں سونے کے میووں اور پھلوں کے تحفہ کا عام رواج تھا۔ صاحب استطاعت خوش ذوق اشخاص اس قسم کی فیاضیاں کرتے تھے۔ بصرہ کے ایک شخص کا بیان ہے کہ بغداد کا ایک دلال بڑا مسرف تھا۔ ایک شب کو مجھے راستہ میں ملا۔ اس وقت وہ بغداد کی مشہور مغنیہ برعہ کے یہاں جا رہا تھا۔ مجھ کو اس کی آستین کے اندر کچھ بھرا ہوا معلوم ہوا۔ میں نے پوچھا کیا ہے؟ اس نے کہا خراسان کی مخلط (ایک قسم کی خوشبو) ہے' اس کو لے جا کر برعہ پر تصدق کروں گا۔ میں نے کہا تھوڑی سی مجھے بھی دے دو۔ اس نے تھوڑا سا نکال کر میری آستین میں ڈال دیا۔ میں بغیر دیکھے لیے ہوئے گھر چلا آیا۔ یہاں آ کر دیکھا تو سونے کے بادام' چاندی کی شکر' عنبر کے پستے اور ند کے منقی تھے۔ اس لیے دوسرے دن جا کر میں نے اس کو واپس کرنا چاہا۔ اس نے کہا یہ واپس کرنے کی کون سی چیز ہے۔ میرے پاس جس قدر تھا' سب برعہ اور اس کی لونڈیوں میں تقسیم کر دیا۔ [2]

مقتدر باللہ کا ایک دربار

قوموں اور حکومتوں کے دور زوال میں ان کے تمدنی تکلفات عہد عروج سے بھی زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔ یہی حال عباسی دور کا بھی تھا۔ گویا سیاسی اور تمدنی دونوں حیثیتوں سے ہارون الرشید کا زمانہ دولت عباسیہ کا دور زریں شمار کیا جاتا ہے' لیکن دور زوال کے خلفا کا ظاہری ٹھاٹھ اور زندگی کے تکلفات اس دور سے بھی زیادہ بڑھ گئے تھے اور اس کا سب سے بڑا نمونہ مقتدر باللہ (۲۹۵ تا ۳۲۰ھ) تھا۔ اس کی سیاسی قوت کا یہ حال تھا کہ اس کا پورا زمانہ شورش و انقلاب میں گزرا۔ دو مرتبہ تخت سے اتارا گیا اور تیسری مرتبہ جان سے ہاتھ دھونا پڑا' لیکن ظاہری شان و شکوہ اور تمدنی تکلفات میں اس نے ہارونی عہد کو بھی ماند کر دیا تھا۔ عباسی دور کے مشہور ادیب و کاتب ہلال بن محسن صابی نے کتاب الوزراء میں اس کی شان و شوکت کے نہایت مفصل حالات لکھے ہیں' مگر وہ بہت طویل ہیں۔ ایک دربار کا حال جو اس نے ۳۰۵ھ میں رومی سفیروں کی آمد کے سلسلہ میں منعقد کیا تھا، اکثر مورخوں نے تحریر کیا ہے۔ اس سے دربار کی شان و شوکت اور تمدنی تکلفات کا بھی اندازہ ہوتا ہے، اس لیے مورخ خطیب کے بیان سے نقل کیا جاتا ہے۔ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ بغداد میں بکثرت شاہی محلات تھے اور مقتدر کے زمانہ میں ان کی تعداد اور بڑھ گئی۔ اس دربار کے موقع پر ۲۳ محل آراستہ کیے

---

[1] کتاب الوزراء ص ۶۵۔ [2] نشواء المحاضرہ ص ۹۹۔

گئے تھے اور ان کا کوئی گلی کوچہ اور بام و در زینت و آرائش سے خالی نہ تھا۔ فرش و فروش کی تعداد بائیس ہزار اور پردوں کی تعداد جو دروازوں اور دوسرے مقاموں پر آویزاں کیے گئے تھے' اڑتیس ہزار تھی۔ تمام پردے کار چوبی اور زرنگار تھے' جن پر مختلف حیوانات اور پرندوں کی تصویریں اور نقش و نگار کڑھے ہوئے تھے۔ محلوں کے باہر ایک لاکھ ساٹھ ہزار مسلح فوجیں صف بستہ تھیں اور خاص قصر خلافت کے دورویہ پانچ پانچ سو زریں پوش سوار تھے۔ جن کے گھوڑوں کی سان نقرئی و طلائی اور ان پر دیبا کی جھولیں پڑی ہوئی تھیں۔ ہر گھوڑے کی لگام ایک وردی پوش سائیس کے ہاتھ میں تھی۔ محلوں کے اندر بارہ ہزار غلام اور خدام شاہی زرق برق وردیوں میں ملبوس زریں پٹکوں میں تلواریں لٹکائے جگہ جگہ متعین تھے۔ قصر جوشن سے متعلق ایک باغ تھا۔ اس میں ایک وسیع حوض تھا' جس کے چاروں طرف چھوٹی چھوٹی نہریں نکلتی تھیں۔ اس حوض اور نہروں میں پارے کی قلعی تھی۔ جس کی چمک سے پانی پر سیال چاندی کا دھوکہ ہوتا تھا۔ حوض میں ساز و سامان سے آراستہ چھوٹی چھوٹی کشتیاں تھیں' جن میں دیبا کے زریں گدے لگے تھے اور ان پر ریشمی کپڑے پڑے ہوئے تھے۔ باغ میں صرف کھجور کے پانچ سو درختوں کی مرتب قطاریں تھیں اور یہ سب درخت ایک قد کے تھے اور ان درختوں پر منقش ساج کی لکڑی منڈھی ہوئی تھی۔ ایک عمارۃ دارالشجرہ کے نام سے موسوم تھی۔ اس کے وسط میں ایک حوض تھا۔ حوض میں ایک درخت نصب تھا' جس کی شاخیں سونے اور چاندی کی اور پھول پتے مختلف الالوان جواہرات کے تھے۔ شاخوں پر سونے کی چڑیاں بیٹھی تھیں۔ ان میں یہ صفت رکھی گئی تھی کہ شاخیں ہوا کی جنبش سے اصلی شاخوں کی طرح جھومتی تھیں اور چڑیاں ہوا بھرنے سے چہچہاتی تھیں۔ اس سے متصل پندرہ نیزہ بردار سواروں کے بالمقابل مجسمے تھے جو مصنوعی طریقے سے اس طرح حرکت کرتے تھے کہ دیکھنے والوں کو معلوم ہوتا تھا کہ اپنے مقابل پر حملہ کر رہے ہیں۔

قصر فردوس آرائش و زیبائش کے لحاظ سے اسم بامسمّیٰ معلوم ہوتا تھا۔ اس میں سونے کے دس ہزار جوشن' خود' زرہیں اور دوسرے اسلحہ آویزاں تھے۔ اس کے سامنے دجلہ میں رنگ برنگ کی کشتیاں اور بجرے رواں تھے۔ شاہی محل سے متعلق ایک جانور خانہ تھا۔ اس کے وحشی چوپائے اس قدر پلے ہوئے تھے کہ قریب آ کر ہاتھوں سے روٹی اور چارہ لیتے تھے۔ ایک سو درندے تھے' جن کی گردنوں میں زنجیریں پڑی تھیں۔ اراکین و عمائد سلطنت کے محلات اتنے آراستہ و پیراستہ تھے کہ ان پر قصر خلافت کا دھوکا ہوتا تھا' چنانچہ جب رومی سفیر حاجب دولت نصر القشوری کے محل میں پہنچا تو اس کی شان و شوکت دیکھ کر اس کو خلیفہ کا قصر سمجھا۔ اس کے بعد وزیر ابن فرات کے محل کی عظمت و شان اور زینت و آرائش

دیکھ کر اسے یقین ہو گیا کہ یہ ضرور خلیفہ کا محل ہو گا' مگر اسے یہ سن کر سخت حیرت ہوئی کہ خلیفہ کا نہیں بلکہ وزیر کا محل ہے۔

خود مقتدر دجلہ کے کنارہ قصر التاج میں تھا۔اس کی زینت و آرائش حد توصیف سے خارج تھی۔وہ آبنوس کے مرصع تخت پر بیٹھتا تھا۔اس کے دائیں بائیں جواہرات کے اٹھارہ ہار آویزاں تھے۔یہ جواہرات بڑے گراں بہا اور سب ایک قد کے تھے۔ان کی جوت سے رات کو دن کا عالم نظر آتا تھا۔ [1] خلفا کی بیویوں کے تکلفات اور عیش و تنعم کے سامانوں کی کوئی انتہا نہ تھی۔ہارون کی بیوی زبیدہ کے لیے دیبا کا ایک کارچوبی فرش تیار کیا گیا تھا، جس میں یاقوت اور دوسرے قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے۔اس کی قیمت دس لاکھ تھی۔اسی طریقے سے مستعین کی ماں نے ایک فرش بنوایا تھا۔اس میں سونے کے تاروں سے حیوانات اور طیور کی تصویریں کاڑھی تھیں اور ان کی آنکھوں میں یاقوت اور جواہرات جڑے تھے۔اس کی قیمت کئی کروڑ روپے تھی۔ [2]

اہل بغداد کی عام زندگی

بغداد نہایت دولت مند اور اسی کے ساتھ بڑا ارزاں شہر تھا۔ایک غریب آدمی ایک پیسہ روز میں آسانی کے ساتھ زندگی بسر کر سکتا تھا۔اس لیے فارغ البالی اور خوشحالی صرف طبقہ امرا کے ساتھ مخصوص نہ تھی' بلکہ اپنی حیثیت و وسعت کے مطابق ہر طبقہ مطمئن اور مسرور زندگی بسر کرتا تھا اور پورا بغداد گہوارۂ عیش تھا۔ابن ہلال کا بیان ہے کہ میں اپنے گھر محلہ باب المراتب سے سوار ہو کر نکلتا اور محلہ شماسیہ میں معزالدولہ کے محل تک چلا جاتا۔اس طویل مسافت میں مسلسل بازار' آباد محلے اور گھنے درختوں کی چھاؤں تھی۔یہی حال مغربی سمت کا تھا۔دجلہ کے ساحل دورویہ عمارتیں' مرتب باغات اور چھوٹی نہروں کا جال بچھا ہوا تھا اور کوئی گھر موسیقی کے ترانوں اور لطف و مسرت کے شادیانوں سے خالی نہ تھا۔ابوالوفا بن عقیل کا بیان ہے کہ ساحلی حصہ کی آبادی کے مکانوں کے سامنے دجلہ لہریں مارتا تھا۔گھروں کے سامنے کی چھوٹی نہروں میں بطخیں خوش فعلیاں کرتی تھیں اور موسیقی کے ترانے دجلہ سے چلنے والی آبی چکیوں اور چرخیوں اور گھر کے لونڈی غلاموں کی آوازیں مل کر عجیب لطف پیدا کرتی تھیں۔مجھے اکثر بجرے میں ان مکانوں کے سامنے سے گزرنے کا اتفاق ہوا ہے۔باب الطاق سے لے کر باب المراتب تک ہر مکان میں موسیقی کے نغمے گونجا کرتے تھے۔ساحلی مکانات میں ہر مکان کے سامنے صاحب

---

[1] خطیب نے اس کی بڑی تفصیل لکھی ہے۔ہم نے صرف ضروری خلاصہ نقل کیا ہے۔تفصیل کے لیے دیکھو کتاب مذکور ج ۱' ص ۱۰۲ تا ۱۰۴۔ [2] المستطرف ج ۱' ص ۱۳۴۔

خانہ کے خوبصورت بجرے تیرا کرتے تھے اور خشکی کے رخ کے دروازوں پر سامان سے آراستہ سواری تیار رہتی تھی۔ ان کی پرلطف زندگی سے معلوم ہوتا تھا کہ ہر دن کوئی تقریب ہے۔ اسی کے ساتھ ہر گھر میں قرأت کی مجلسیں بھی ہوتی تھیں اور خوش الحان قاری کرسیوں پر بیٹھ کر قرأت کرتے تھے۔ [1]

عوام کی تفریحات اور دلچسپیاں جدا تھیں اور وہ خواص کے مذاق کے ساتھ بدلتی رہتی تھیں۔ ان میں کشتی، کشتی رانی اور تیراکی کا عام مذاق تھا اور وہ اس میں طرح طرح کے کمالات دکھاتے تھے، مثلاً تیراک ایک جلتی ہوئی انگیٹھی ہاتھ میں لے کر تیرتا تھا اور اس پر ہانڈی میں گوشت پکتا رہتا تھا اور اس وقت تک تیرتا رہتا تھا جب تک گوشت تیار نہ ہو جاتا۔ [2] عوام میں مضحکات اور مسخرے پن کا بڑا مذاق تھا اور ان کی مخصوص مجلسیں ہوتی تھیں۔ اس مذاق نے مسخروں کی ایک جماعت پیدا کر دی جو مضحکین کہلاتے تھے اور اپنے مضحکات سے عوام کی دلچسپی کا سامان فراہم کرتے تھے۔ ہارون رشید کے زمانہ میں ابن ابی مریم، معتصم کے عہد میں ابراہیم النخعی اور متوکل کے دور میں عبادالمخنث مشہور مسخرے تھے۔ ان کے واقعات آغانی میں مذکور ہیں۔

آداب وتہذیب

تہذیب وتمدن محض مادی سروسامان اور تعیش وتنعم کے تکلفات کا نام نہیں۔ اس کی اصل روح اخلاق کی تہذیب وشائستگی ہے۔ اس اعتبار سے بھی عباسی تہذیب نہایت بلند تھی۔ اس کے خاص خاص آداب تھے، جس کی پابندی ہر مہذب شخص کے لیے ضروری تھی اور یہ آداب محض رسمی تکلفات تک محدود نہ تھے، بلکہ اس میں اخلاقی عناصر بھی تھے۔ اس تہذیب کا مرکز بغداد تھا اور اس کے لیے ''ظرف'' ''ظرف'' اور ''ظریف'' کی اصطلاح تھی۔ اس کے مفہوم میں تہذیب کے ظاہری آداب ومعنوی خصوصیات سب داخل ہیں۔ ابوالطیب محمد بن اسحاق المعروف بہ وشانے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب الموشی لکھی ہے، جس میں اس کے تمام اجزاء تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ ان سب کو نقل کرنے کے لیے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ اس لیے آئندہ سطور میں اس کے ایک باب کا جس میں مہذب اور شائستہ انسانوں کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔ خلاصہ نقل کیا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''شائستہ انسان مکارم اخلاق اور بڑائی کے حصول میں صبر واستقامت سے کام لیتے ہیں۔ پست اور ادنیٰ درجہ کی باتوں سے بچتے اور بلند اخلاق وپسندیدہ خصائل اختیار کرتے ہیں۔ ذلیل باتوں کو ترک اور اونچی باتوں کو اختیار کرتے ہیں۔ مہذب انسان کے لیے دوسرے کی بات میں دخل در

---

[1] مناقب بغداد ص ۲۷۔ [2] خلاصہ تاریخ العراق ص ۱۰۱۔

معقولات کرنا' درمیان سے کسی کی بات کاٹنا' کسی کے بھید کی ٹوہ لگانا' پوشیدہ باتوں کے متعلق سوال کرنا معیوب ہے۔ کسی دوسرے شخص کے سامنے اور مجمع میں ناک صاف کرنا' تھوکنا' جمائی لینا' ناک سڑکنا' ڈکار لینا' انگڑائی لینا' تالی بجانا' جسم کھجلانا' انگلیاں چٹخانا' ناک چھونا ناپسندیدہ افعال ہیں۔ مہذب انسان کسی کی نگاہ کے سامنے بیت الخلا نہیں جاتے اور نہ پیشاب کے لیے بیٹھتے ہیں۔ اکڑوں بیٹھنا' تیز چلنا' راستہ میں ادھر ادھر نگاہ ڈالنا معیوب ہے۔ وہ گندے مقامات پر پاؤں کی گرد نہیں جھاڑتے' مجلس میں ایسی جگہ نہیں بیٹھتے جہاں سے اٹھائے جانے کا اندیشہ ہو۔ کسی دکان' مسجد اور سبیل کا پانی نہیں پیتے' نان بائی' ہریسہ فروش اور اس قسم کی دوسری دوکانوں میں نہیں جاتے' بازاری کھانے کی چیزیں نہیں استعمال کرتے۔ شارع عام، بازاروں اور مسجدوں میں نہیں کھاتے۔ حماموں میں لوگوں کی طرح نہیں نہاتے۔ کسی شائستہ انسان کے لیے پاجامہ کے بغیر ازار میں باہر نکلنا، رومال یا ڈھیلا یا لٹکا ہوا ازار باندھنا' لین دین اور خرید وفروخت میں حجت کرنا' اہل حرفہ سے شرط پر مال لینا' کرایہ سے گدھے پر سوار ہونا' ادنیٰ درجہ کے آدمیوں سے اختلاط رکھنا' دوستوں کو برا کہنا' غیبت کرنا' کسی کا برائی سے ذکر کرنا' کسی کا راز فاش کرنا' بدعہدی اور وعدہ خلافی کرنا' دو آدمیوں میں فساد ڈلوانا' دوستوں میں لڑانا' حکام سے چغلی کھانا' کسی شخص کی جانب اشارہ بازی کرنا' کسی کی بے حرمتی کرنا' چوری کرنا' جھوٹ بولنا' شک وشبہ میں ڈالنے والی باتیں کرنا' فسق وفجور کا اعلان کرنا' فحش کلامی' دوست اور پڑوسی کی بے حرمتی کرنا سخت معیوب ہے۔

مہذب انسانوں کے لیے بدن کی صفائی، طہارت' خوش لباسی اور عطر کا استعمال ضروری ہے۔ ان کا کپڑا پھٹا میلا' گریبان چاک' ناخن اور بال بڑے' جسم گندہ اور ہاتھ میلا نہ ہونا چاہیے۔ منہ' ناک اور آنکھ' تھوک' ناک اور کیچڑ سے صاف رہنا چاہیے' دوستوں کے ساتھ پابندی عہد' ایفائے وعدہ' وفاداری میں استواری' احباب کے ساتھ حسن سلوک' ان کی مدد' عام ملنے والوں سے کشادہ روئی' غیر حاضر احباب کی تلاش وجستجو' جسم اور مال سے اس کی مدد' بھائیوں کے بار کی تخفیف' پڑوسیوں کی حمایت' ان کی جانب سے مدافعت' بروں کی برائی سے عفوودرگزر' نیکوں کی بھلائی کی احسان شناسی' چھوٹوں سے خوش اخلاقی' بڑوں کی عزت وتکریم تہذیب کی خصوصیات ہیں۔ تہذیب وشرافت محض لذت اندوزی' لطف وتفریح اور فخر وحسب کا نام نہیں بلکہ ادب وشرافت کے طریقوں پر چلنے کا نام ہے۔ بعض علما نے لوگوں کو کھلانا پلانا' ان کی تکلیفیں دور کرنا' داد ودہش' خندہ جبینی' پاکدامنی' بری باتوں سے پرہیز' ادب و تہذیب' پاکیزگی اخلاق' نااہل کی صحبت سے دوری' بلند نظری' بلند حوصلگی' بدسلوکی کرنے والوں کے

ساتھ احسان وسلوک' احسان کرنے والوں کے ساتھ حسن معاوضہ' اہل حاجت کی حاجت برآری' مزاج کی لینت ونرمی' جملہ امور میں لطف ومدارات' اعتدال ومیانہ روی اور خوش خلقی کو شرافت کے اوصاف قرار دیا ہے۔

مہذب انسان اپنے اغراض ومقاصد اور پیش نظر کاموں کا اظہار واعلان نہیں کرتے' بلکہ ان کو مخفی رکھتے ہیں اور حسن تدبیر اور مہذب طریقوں سے ان کو حاصل کرتے ہیں اور مناسب موقع ومحل پر استعمال کرتے ہیں اور موقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان کے ہدایا وتحائف جو وہ ایک دوسرے کے پاس بھیجتے ہیں، بظاہر حقیر معلوم ہوتے ہیں' مثلاً سیب یا لیموں کا ایک دانہ' کوئی لطیف خوشبو' گلاب کی ایک شاخ' نرگس کا ایک پھول' شراب کا ایک رتل' عود کا ایک ٹکڑا اور اس قبیل کی چھوٹی چھوٹی مگر لطیف چیزیں' ان کا مرغوب اور پسندیدہ تحفہ ہیں۔ یہ لوگ بڑے بڑے ہدیوں کے بجائے چھوٹے اور لطیف ہدیے زیادہ پسند کرتے ہیں اور ان کی زیادہ قدر کرتے ہیں۔ ان کے خطوط اور تحریریں نہایت دلچسپ اور ان کے الفاظ دلفریب ہوتے ہیں۔ تحریر کے عنوان کو پرلطف مثالوں اور نوادر ولطائف سے دلکش بناتے ہیں۔ تحریر نہایت دل آویز' پرلطف' شکوہ وشکایت' حسن طلب اور سنجیدہ ومہذب مذاق پر مشتمل ہوتی ہے جس کے ذریعے دور کے لوگ قریب ہو جاتے ہیں اور مشکلات آسان معلوم ہوتی ہیں۔ ان خطوط کو وہ بیش قیمت اور نفیس ریشمی رومالوں پر لکھتے ہیں اور اس کو مشک وعنبر اور زعفران سے معطر کرتے ہیں اور اس پر سنہری افشاں چھڑکتے ہیں''۔ [1]

[1] کتاب الموشی ص ۱۵۷' ومابعد ملخصاً۔